الفوز العظیم

اردو شرح

اَلفَوزُ الکَبِیر

مؤلف: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

شارح: مولانا خورشید انور قاسمی فیض آبادی

پچاس سے زائد اہم کتابوں کے منتخب علوم اور محقق
اساتذہ کرام کے فیوض وافادات سے مزین
"الفوز الکبیر" کی نہایت جامع اردو شرح

قدیمی کتب خانہ - مقابل آرام باغ - کراچی

الفوز العظیم

اردو شرح

الفوز الکبیر

مؤلف: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

شارح: مولانا خورشید انور قاسمی فیض آبادی

پچاس سے زائد اہم کتابوں کے منتخب علوم اور محقق
اساتذۂ کرام کے فیوض وافادات سے مزین
"الفوز الکبیر" کی نہایت جامع اردو شرح

ناشر
قدیمی کتب خانہ - مقابل آرام باغ - کراچی

فہرست مضامین الفوز العظیم

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
تسمیہ وتحمید		مع لغات وترجمہ	۲۰	قرآن کا مناظرانہ اسلوب	۲۷
ولی اللہ تا ابن عبد الرحیم	۱۲	علم الاحکام کی وجہ تقدیم	۲۱	واختار جماعة تا المنظمة	〃
لغات وترکیب	〃	احکام کی تعریف	〃	ترکیب ولغات	〃
ترجمہ عبارت وفائدہ ایک سبق	۱۳	اقسام احکام مع امثلہ وتعریفات	〃	ترجمہ وفائدہ	۲۸
جواب معروض کے الفاظ سے		تعریف واجب مع امثلہ	〃	تعریف قضایا مشہورہ ومسلمہ	〃
عدول کی حکمت	۱۴	〃 مندوب مع امثلہ	〃	〃 جدلیہ	
اما بعد تا کتب اقتدار و تالیف	〃	〃 مباح مع امثلہ	۲۲	خطابت مطلق مناظرہ میں	〃
ترکیب ولغات	〃	〃 مکروہ مع امثلہ	〃	جدل کی مثال	〃
ترجمہ عبارت	۱۵	〃 حرام مع امثلہ	〃	خطابیات کی تعیین مثالیں	۲۹
فائدہ وصف کا اصل ...	〃	تقدیر حسن وقبح	〃	برہان کی تعریف وامثلہ	〃
[illegible]	〃	احکام میں ... کی مثالیں	〃	برہان کی دو قسمیں	۳۰
ترجمہ عبارت ... تقسیم ...	۱۶	مباحث ... مثالیں	〃	قرآن کے اندر قیاس ...	
تعریف علم تفسیر، تعریف اصول تفسیر	۱۷	خلاصۂ کلام	۲۳	صراحۃً کیوں نہیں؟	〃
موضوع اور غرض وغایت	〃	وکل ذلک ... تا ...	〃	والمراد من ... تا ناظر	۳۰
متن عبارت از ... الخ	〃	لغات	〃	ترجمہ وتشریح (قرآن کا اسلوب	۳۱
پانچ ابواب کی تفصیل قاری محمد	〃	علم الحکمة سے کیا مراد ہے؟	〃	متقدمین کے نزدیک مختلف ہے)	
کے حوالے سے		ترجمہ اور ... مباحث پر مشتمل	۲۴	عبارت کا ... آیت سے کوئی	
باب اول لغات مع ترجمہ	۱۸	فائدہ	۲۴	تعلق نہیں۔	〃
فائدہ قرآنی علوم کا ...	〃	بحث اول علوم کی وجہ	۲۵	... المفسرین تا القاعدة	۳۲
قرآن کے اساسی علوم اور علامہ	۵	ترتیب کا راز		ترجمہ وفائدہ (شان نزول کے	〃
کے پانچ اقوال	۱۹	بحث دوم (حاصل عبارت)	〃	بیان میں غلو غلط ہے)	
قرآن کے اساسی علوم اور شاہ صاحب		بحث سوم (تذکیر کی اقسام)	۲۶	شان نزول کی حیثیت ...	〃
کی دقیق نظر	۲۰	... (توجیہ ...)		... کے اقوال	
علم الاحکام: جزء التفسیر	〃	... تا ...	۲۷	...	۳۳
		ترجمہ ولغات	〃	... التدبیر	۳۳

مضامین	صفحہ
ترجمہ ربط فائدہ (اصل شرائع ابتدا میں واحد کی طرح تھے؟)	۳۳
وما تفرقوا تا ولہم عذاب شدید	۳۴
ترجمہ ربط فائدہ	//
شان نزول کے بعض واقعات	
صحیح حدیث اور اس کی تقسیم	۳۵
تصریحات	۳۶
لغات علم الساعۃ کی تعریف	۳۷
ترجمہ اور فائدہ	//
علم الساعۃ کی وجہ تقسیم	//
قیامت کے جلدی آنے کی دلیل	۳۸
دوسرا طریقہ	//
قرآن کا منطقی طریقہ استدلال	
علامہ سیوطی کی بات	۳۹
اللہ لطیف تا القوی العزیز	//
اللغات (لطیف کی تحقیق)	
حرث کی تفسیر حرث آخرت	
(حصائل آخرت)	۴۰
ترجمہ و فائدہ، مشرکین کے بارے میں چند مباحث (جہالت میں کودو)	۴۱
تشریح عبارت	//
دو روایتوں کی ایک تفسیر مشکل	۴۲
وقد کان لی تا ونیمون التعنص	//
الاثارۃ قیمۃ	
ترکیب لغات ترجمہ و فائدہ	۴۳

مضامین	صفحہ
مذہب کا وجود (ابطال حسنہ) مشرکین کی نظر میں حسن تھے	۴۴
خارج کی طرف سے وجوہ کی دلیلیں (اعتراضات و جوابات)	//
مذہب کا دوسرا وجود (اعتصاص) مشرکین کی نظر میں قبیح تھے	۴۵
دلائل (حاجت کا شمار)	//
ولکان تقیۃ تا و بعدم ترقب	۴۶
ترجمہ و فائدہ	//
اثبات صانع کے سلسلہ میں	
ہم انفاق کے لئے بعد استدلال	۴۶
آیت سے استدلال	۴۷
تقریب مذکورہ بالا پانچ تھا	
کے بارے میں تیئیس عاشقوں	۴۸
مشرکین میں کوئی چیز کا تصور تھا	//
ولکن من ضلالتہم تا العبادت	//
ترکیب	//
والشرک تا والیہ الحساب	۴۹
ترکیب، فائدہ، یادداشت،	۵۰
ماحصل عبارت	//
ولم یکن المشرکون تا العباد	۵۱
لغات و ترجمہ	//
فائدہ الاثری الطعام	
دنیوی زندگی سے کیا مراد ہے	۵۲
کیا اس سے ملتا تا پیچھے	۵۳
مختلف مباحث، ترجمہ و فائدہ	//

مضامین	صفحہ
یغفرون تا ما یشاء الامور	۵۳
ترجمہ و فائدہ	//
وکلا قربنا تا قلبہ عظیم	۵۴
لغات و ترجمہ	۵۵
فائدہ (شرک کی دو قسمیں کیسے ہوں؟)	۵۶
والقتیبہ تا الخیر مع ترجمہ	//
صفات بشری کی مثال	۵۷
التسبیح اور التمجید کی تعریف	//
بیان التعریف تا ذلک الفاحشۃ	۵۸
لغات، تعریف، ترتیب، ترجمہ	//
فروعات کا ناقابل فروعیں	۵۹
بنیاد کی بنیاد کیسے ہوتی؟	//
تجربہ کی تحقیق	//
سائب وہم استغفار کی تعریف	۶۰
استغفار کی صورتیں	//
والذین تا یستغفرون	۶۱
ترجمہ لغات اور فائدہ	//
وہو الذی تا علی	۶۲
لغات و ترجمہ	//
مشرکین کی پانچ باتیں	
رسالت محمدی کا استبعاد	
دوری کے اسباب	۶۳
سوال و جواب	۶۴
مشرکین کے معلومہ جوابات	//
کے مذہب کیوں رکھے گئے	۶۵

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
وان کنتم [illegible] تا [illegible]		بت پرستی کی مذمت سے	۷۲	اجزاء ثانی کا اثبات چار قسم	۷۹
کن ذلک	۶۵	متعلق آیات	۷۲	کے قیاسوں سے	
الغات	،،	بتوں کی ناکامی سے متعلق آیات	۷۳	قیاس کی پہلی اور دوسری قسم	،،
ترجمہ اور فائدہ جو چند باتوں پر		نوٹ: امام رازی کا ارشاد گرامی	،،	قیاس کی تیسری و چوتھی قسم	۸۰
مشتمل ہے۔	۶۶	بت پرستوں کے دو طبقے۔	،،	نوٹ: کتب سماوی سے	،،
پہلی بات (دو بڑی دلیلوں کے		سوال و جواب	،،	حشر و نشر کا ثبوت	،،
بیان اور مشرکین کو تقاضا		وجوب التشبیہ تا [illegible]	۷۴	وجوب استشہاد و تحدی تا [illegible]	
وحدت کلی)	،،	ترجمہ و فائدہ ۔ تشبیہ و تمثیل		تا ان یکلفہ اللہ [illegible]	۸۱
دوسری بات (تسمیہ حسنیٰ)	۶۸	ضرب مثال کے تین طریقے	،،	وحی کے لغوی معنیٰ۔	۸۲
تیسری بات (دلائل اسلام اور		تشبیہ و تمثیل ضرب مثل کا		امام راغب و علامہ آلوسی کی تعریف	۸۲
رسالت کی تشریح)	،،	دوسرا طریقہ	۷۵	تعریف وحی	،،
یا ایہا الناس تا [illegible]		رد تشبیہ کا تیسرا طریقہ	۷۶	وحی کے تین طریقے	۸۳
مع ترجمہ و فائدہ	۶۹	متشابہات شرعیہ کی تحقیق	،،	وحی قرآنی کلام و متشابہات	
دنیا کی نعمتوں کا اثبات مشرکین		مسئلہ تحریف قرآنی کا انتشار	،،	وحی بالرسول۔	،،
کے مسلمات سے	،،	وجوب التعریف تا [illegible]	۷۷	[illegible] ۔ الخلیفۃ	۸۴
امام رازی کا ارشاد گرامی	،،	ترجمہ و فائدہ جو چند باتوں پر	،،	مشرکین کے مطالبات پورا	
جواب اعتراض تا پیدائش		مشتمل ہے۔	،،	کرنے کی حکمتیں۔	،،
مع ترجمہ	۷۰	(۱) تحریفات لفظیہ سے متعلق بحث	،،	امام رازی کا ارشاد گرامی	۸۵
فائدہ جو تین باتوں پر مشتمل ہے	۷۱	(۲) تحریفات کی اقسام اور طرز تحریر		نوٹ: تین کی تصحیح	۸۶
شرک کی تردید میں قرآن کے		کرنا و تفسیر کرنا ہے۔	۷۸	ولقد آتان تا الظلم	،،
چار طریقے	،،	وجوب [illegible] تا		ترکیب و لغات، ترجمہ و فائدہ	،،
طلب دلیل سے متعلق آیات	،،	[illegible] تصحیح المفردات	۷۸	وکتاب [illegible] تا [illegible] ذلک	۸۸
دلیل استدلال سے متعلق آیات	۷۲	تصحیح متشابہات کیا [illegible]	۷۸	یہود کی آٹھ گمراہیاں اور	
عدم مساوات کی تحقیق و تقریب	،،	ترجمہ و فائدہ	،،	آیت کریمہ	۸۸
اسماء ان کی تعظیم میں اللہ تعالیٰ	،،	[illegible] بعد [illegible] کرنا۔		حافظ ابن [illegible] کا ارشاد	۸۹
کی عبودیت سے متعلق آیات	،،	[illegible]	،،	آنحضرت [illegible] توریت [illegible]	،،
مسئلہ توحید پر [illegible] ابراہیم	،،	قیاس و تمثیل کا مطلب	۷۹	[illegible]	،،
سے متعلق آیات					

مضامین	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضامین	صفحہ
مذہبی تعصب سے متعلق آیات	۹۰	ابن عباسؓ تحریف لفظی کے قائل تھے		وما استقر ان علی الحق اصطلاح میں	۱۱۴
کیا یہود نبوت محمدی کو		امام بخاری کی عبارت	۹۶	تشبیہات بلاغہ	۱۱۵
مستبعد سمجھتے تھے!	″	اہم سوال	″	تحریف کے بعض اسباب	۱۱۶
قرآن نے اسکا رد کیوں نہیں کیا	۹۱	جواب		تساہل، اتباع اہواء، تعصب	″
یہود کی ساتویں گمراہی اور		ناقد علام کو مغالطہ کہاں سے ہوا؟	۹۷	غلط فہمی، حیلے	۱۱۷
آیات قرآنی	″	فمن جملۃ ذلک تا لذاتها	۹۸	ولنا فیہ تا صریح التحریف	″
معرفت یقینی ابناء کی طرح	″	نسب الیہود تا المبعوث الیہ	۱۰۰	ترجمہ و فائدہ، التحریف مقصد	
یہود کی آٹھویں گمراہی سے		المصری کی تحقیق	۱۰۱	اور جواب	۱۱۸
متعلق آیات	۹۲	هذا غلط تا غلطهن	″	اما استعمالہ تا اشتمال الکل	۱۱۹
اما التحریف تا المستقیم	″	ومن جملۃ ذلک تا بالیہودیۃ	۱۰۲	لغات، ترجمہ، فائدہ	″
تحریف لفظی	۹۳	فائدہ کسائی مصری کی مراد	۱۰۳	اختلاف سند و متن کی مثال	″
ناقد علام کا نظریہ	″	ومن جملۃ ذلک تا مبہم	۱۰۵	اشتمال و کل کی وضاحت	″
دو اہم بحثیں	″	سابقا تاویلات تا الآیات	۱۰۶	وما حصل لی بعد الشروع الی الفکرۃ	۱۲۰
بحث اوّل کتب سماویہ میں تحریف	″	فمن جملۃ ذلک تا فتح	۱۰۷	لغات و تصحیح عبارت	″
سے متعلق تین مذاہب		فائدہ کتمان کی مثالوں کی اقسام	″	ترجمہ	″
جمہور علماء و ابن حزم اندلسی		ومن جملۃ ذلک تا البتۃ علینا	۱۰۸	اختلاف شراح کے اسباب	۱۲۱
کی رائے	″	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق		وقیل بناء الاختلاف تا صحیح فصل	۱۲۲
ابن تیمیہ کی رائے	″	انجیل و تورات کی بشارتیں	۱۰۹	لغات و ترجمہ	″
ناقلین کا نظریہ ابن عباسؓ		ملحمۃ کتب قلیلا کا مطلب	۱۱۰	وکذا الکلیم تا مستقیم	″
تحریف لفظی . . . کے منکر تھے	″	شارحین کا خیال	″	ترجمہ	۱۲۲
تاریخی شواہد اور قرآنی آیات		ولما کان هذا التاویل تا عظیم	۱۱۱	وبالجملہ تا حل الکلیم و ترجمہ	۱۲۳
جمہور کی تائید	۹۴	اما الاعتراض تا من الاحکام	۱۱۲	فائدہ تعلیم کی دو قسمیں	۱۲۴
تحریف لفظی کا ثبوت		اللغات، بعض شارحین پر نقد	″	مذموم و محمود۔	
مولانا رحمت اللہ کے افادات	″	تفتیش ایک توضیح المعنی		تعلیم یہود سے متعلق ایک اہم بحث	″
علامہ کشمیری کی تنقید	۹۵	المغلوب مناسب ۔	۱۱۳	اما النصاری تا دقائق تلاوت	″
بحث دوم علامہ کشمیری کی رائے	″	تشہد کے لغوی و اصطلاحی معنی	۱۱۴	اللغات، ترجمہ، فائدہ	۱۲۵
				لفظ نصاریٰ کی تحقیق	″

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
الٓمٓ اللّٰہ تا القیوم	۱۲۶	ابطال تثلیث	۱۳۳	علامہ شبیر احمد عثمانی کی پسندیدہ توجیہ	۱۴۶
لطائف رمزیہ اور حروف مقطعہ		علمی لطیفہ	〃	حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء	
کی تشریح	〃	وجہ تسمیہ (از مولانا کیرانوی)	۱۳۴	کے بعد نصاریٰ تین فرقوں میں بٹ گئے	۱۴۷
ترجمہ، تمہید، توحید کا مسئلہ	〃	والجواب عن الاشکال تا فی الانجیل	۱۳۵	مولانا عبدالماجد دریابادی	
عقول مجردہ کا بیان	〃	ترجمہ و فائدہ	〃	کا ارشاد	۱۴۸
تشریح عبارت	۱۲۷	یہود و نصاریٰ کے حضرت عیسیٰ		مقصود عیسیٰ، مقصود حواریین	〃
اقانیم ثلاثہ کی بحث، اتحاد		کی الوہیت کے قائل ہو گئے	〃	ومن اظلم تا [illegible]	〃
و تقابل کا بیان	〃	والجواب عن الاشکال تا غیر حقہ	۱۳۶	ترجمہ و فائدہ جس میں دو باتیں ہیں	〃
وجہ تسمیہ عام کی تادر تشریح		لغات و ترجمہ، حاصل عبارت	۱۳۷	فارقلیط کس زبان کا لفظ ہے	〃
(یوحنا کے حوالے)	۱۲۸	والجواب فقد ما فی حقہ	۱۳۸	فارقلیط کا ترجمہ کن کن طرح ہوا؟	
وکانوا یعتدون تا مقا	۱۲۹	لغات، ترجمہ، فائدہ	〃	انجیل کے حوالے	۱۴۹
لغات و ترجمہ	〃	حافظ ابن کثیر کا ارشاد گرامی	۱۴۰	انجیل کے ترجموں میں فارقلیط کی	
وکانوا یمسکون تا والیہ	〃	تنبیہ (ماخوذ از [illegible] التفسیر)	〃	جگہ وکیل کیوں؟	۱۵۰
ترجمہ و فائدہ	۱۳۰	امام قرطبی کا ارشاد گرامی	۱۴۱	پیرکلوطوس یا فارقلیط یا وکیل	〃
حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ		روح القدس کی مثال		کا مصداق نصاریٰ کی نظر میں	
ہونے کی دلیلیں مع جواب	〃	عالم ارواح میں	〃	نظریۂ نصاریٰ کے غلط ہونے کی	
لفظ انجیل کی تحقیق	۱۳۲	والجواب تا [illegible]	۱۴۲	پانچ وجہیں	۱۵۱
انجیل کی گمشدگی	〃	ترجمہ و فائدہ، محکم کا معنی	۱۴۳	چھٹی وجہ	۱۵۲
موجودہ انجیل کشف و الہام		متشابہ کے دو معانی	〃	حضرت عیسیٰ کی وصیت	〃
کی ذریعہ ہے	〃	ولن تشتان تا یعلمہ	〃	جھوٹے نبیوں کے طلوع میں	〃
مولانا مناظر احسن گیلانی		ترجمہ، لغات	۱۴۴	تبیین القرآن تا ابن اللہ	〃
کا ارشاد۔	۱۳۳	والیقظہ تا الاسلام	〃	ترجمہ و تشریح	۱۵۳
انجیل کی کیا تالیف میں شدید		لغات، ترجمہ، تشریح	۱۴۵	اشکالات قرآنی تا بضعف	۱۵۴
اختلاف، مولانا رحمت اللہ		اشتباہ سے کیا مراد ہے؟	۱۴۶	لغات و ترجمہ	〃
کیرانوی کے افادات	〃	اشتباہ کی نوعیت کیا ہے؟	〃	منافقین کی دو قسمیں	۱۵۵
تورات و فرقان کی شرح	〃	حضرت مولانا سعید احمد صاحب		لفظ نفاق قرآن و حدیث میں	〃
		پالنپوری کی پسندیدہ رائے	〃	المنافقین تا بالکتب	۱۵۶

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
لغات و ترکیب	۱۵۳	[illegible]	۱۶۸	قصہ [illegible] متعلق آیات	۱۸۶
ترجمہ [illegible]	۱۵۵	[illegible] کا مطلب	۔	[illegible] سے متعلق آیات	۔
[illegible]		[illegible]	۔	حضرت نوحؑ کا [illegible]	۱۸۷
[illegible]	۔	[illegible]	۔	[illegible] کے ساتھ قوم کا [illegible]	۱۸۸
[illegible]		[illegible]	۱۶۹	۔ صالحؑ کے ساتھ قوم کا [illegible]	۔
[illegible]	۱۵۸	[illegible]	۱۷۰	۔ ابراہیمؑ [illegible]	۱۸۹
ترکیب و تشریح	۔	[illegible]		۔ [illegible] قوم کے [illegible]	۔
[illegible]	۱۲	[illegible]	۱۷۱	۔ شعیبؑ [illegible]	۱۹۰
ترجمہ [illegible]	۱۶۰	[illegible]	۱۷۲	۔ [illegible]	″
[illegible]		لغات و ترکیب	″	حضرت ایوبؑ	۱۹۱
[illegible]		[illegible]	۱۷۳	حضرت یونسؑ کی آزمائش	″
[illegible]	″	[illegible]	۳	[illegible]	″
[illegible]		[illegible]		[illegible]	۱۹۲
[illegible]		[illegible]		[illegible]	۔
[illegible]	″	[illegible]	۱۷۴	[illegible]	″
[illegible]		[illegible]	۱۷۵	[illegible] متعلق آیات	۱۹۳
[illegible]		[illegible]		[illegible]	
[illegible]	۱۶۱	[illegible]	۔	قرآن میں [illegible]	۱۹۵
لغات و ترکیب	″	ترجمہ [illegible]	″	قصہ طالوت و جالوت	۱۹۶
[illegible]		متعلق آیات	″	اصحاب کہف کا [illegible]	۱۹۸
[illegible]	″	[illegible]	″	قصہ [illegible]	۱۹۹
[illegible]		[illegible]		[illegible] کا قصہ [illegible]	۲۰۰
[illegible]	۱۶۲	متعلق آیات	۱۷۸	قصہ [illegible]	۲۰۱
[illegible]		[illegible]		[illegible]	
[illegible]		[illegible]	۱۷۹	[illegible]	۲۰۲
[illegible]	۱۶۳	لغات و ترکیب	۔	[illegible]	۲۰۳
[illegible]		[illegible]	۱۸۰	[illegible]	۲۰۴ ۲۰۵
[illegible]	″	[illegible]		[illegible]	
[illegible]	″	[illegible] کے انتخاب کی حکمت		[illegible]	″
جواب	۱۶۴	[illegible]	۱۸۱	[illegible]	″
[illegible]		[illegible]	۱۸۲	[illegible]	
[illegible]	″	ترجمہ	۱۸۳	اشکال و جواب	۲۰۶
لغات و ترکیب		[illegible]	″	[illegible]	
[illegible]	۱۶۵	[illegible]	″	[illegible]	″
[illegible]	۱۶۶	[illegible]	۱۸۴	[illegible]	۲۰۸
لغات و ترکیب	″	[illegible]		[illegible]	″
[illegible]	۱۶۷	[illegible]	۱۸۵	[illegible]	″

مضامین	صفحہ
شیخ سعدی شاہ عبدالقادر کی تحقیق پر	۲۰۸
[illegible]	،،
حواشی	،،
[illegible]	
فائدہ: [illegible]	۲۱۲
مسائل اسلام میں عرب کے نزدیک [illegible]	
مباحث کیوں؟	۲۱۵
جواب	،،
عرب کو مرکزی حیثیت کیوں دی گئی	
اس فیصلہ	،،
ولا نظرت الی: طریق	۲۱۹
وبالجملۃ تا [illegible]	۲۲۰
واما تدبیر [illegible]	۲۲۱
فائدہ: تدبیر منزل کی خامیاں	،،
[illegible]	۲۲۲
[illegible] تا تفصیلہ	،،
اصول اسلام کی تشریح کی ذمہ داری	
کن لوگوں پر ہے	۲۲۳
[illegible] تا وغیرھا	۲۲۳
[illegible]	
التشریح	،،
[illegible]	۲۲۵
[illegible] تا بطریق الاجمال	۲۲۶
فائدہ: [illegible]	
سے متعلق آیات	۲۲۷
[illegible]	۲۲۸
لغات، ترجمہ	۲۲۹
فائدہ: [illegible]	
واقعات سے متعلق آیات	۲۳۰
[illegible] : اول	۲۳۱
اسباب [illegible]	۲۳۲
ایک دعویٰ اور دو دلیلیں	۲۳۳
مشکل آیات کی دو قسمیں	،،
مشکل ہونے کے اسباب	۲۳۴
[illegible] کی تشریح	،،
مزید [illegible] و تصحیح عبارت	۲۳۵
[illegible]	

مضامین	صفحہ
[illegible]	۲۳۵
بعض خرافات [illegible]	،،
قرآن مجید کی غرض [illegible]	
کا پانچ مثالیں	۲۳۶
[illegible]	
[illegible] الواقع	۲۳۷
[illegible]	۲۳۸ تا ۲۴۰
فائدہ	،،
الفصل الاول تا غریب القرآن	
ترجمہ، فائدہ: [illegible]	۲۴۱
[illegible]	،،
نافع بن الازرق کے سوال اور	
ابن عباس کے جوابات	۲۴۲
[illegible] کی کمزوری	،،
[illegible]	۲۴۳
تفسیری اقوال میں اختلاف کی وجہ	۲۴۴
[illegible] اور مثالیں	۲۴۴
الفصل الثانی تا المنسوخ	۲۴۵
بحث ناسخ و منسوخ کی اہمیت	۲۴۶
[illegible]	
غیر محصورۃ	۲۴۷
بحث نسخ مشکل کیوں؟	۲۴۸
نسخ کے لغوی معنی	،،
امام رازی کا ارشاد	۲۴۹
نسخ متقدمین کی [illegible]	،،
[illegible]	،،
[illegible]	
آیتیں منسوخ ہوئیں	،،
[illegible] کا ارشاد	۲۵۰
[illegible]	
ہونے کا بیان	،،
[illegible]	
پر تبصرہ	،،
[illegible]	،،
نسخ متقدمین کی [illegible]	۲۵۱
[illegible]	
نسخ متقدمین کی [illegible] ، مثالیں	،،

مضامین	صفحہ
نسخ متقدمین کی [illegible]	
[illegible]	۲۵۱
والمنسوخ باصطلاح [illegible]	،،
[illegible] الاحکام	۲۵۲
ترجمہ، تصحیح عبارت	۲۵۳
متاخرین کی نظر میں [illegible]	[illegible]
[illegible] الاتقان کی عبارت	،،
فمن البقرۃ تا [illegible]	۲۵۵
ترجمہ، فائدہ، وصیت کی تعریف	،،
وصیت سے متعلق [illegible] روایات	۲۵۶
آیت وصیت کے ناسخ میں [illegible]	۲۵۷
پہلا قول [illegible]	
[illegible]	،،
[illegible]	۲۶۰
دوسرا قول [illegible] اشکال و جواب	۲۶۱
[illegible]	
[illegible]	۲۶۱
[illegible]	،،
تیسرا قول	،،
شاہ صاحب کی رائے	۲۶۲
صاحب العون الکبیر کی رائے	،،
[illegible] اشکال	،،
وعلی الذین تا [illegible]	۲۶۳
آیت کے [illegible]	،،
پہلی تفسیر [illegible]	،،
دوسری تفسیر [illegible]	۲۶۴
[illegible]	،،
شاہ صاحب کی رائے	۲۶۵
[illegible]	
شاہ صاحب کی رائے پر	
[illegible]	،،
[illegible] تا [illegible] ترجمہ	۲۶۶
[illegible] کی تشریح	۲۶۷
شاہ صاحب کی رائے	۲۶۸
[illegible] ، ترجمہ	۲۶۹
آیت منسوخہ کا شان نزول	۲۷۰

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
یہ آیت بالاجماع منسوخ ہے	۲۶۷	تفسیر ومن لانفاد منسوخ	۲۹۲	اصطلاح کے سبب نزول میں توسع	۳۰۵
ناکائی تکلف	〃	ابو جعفر مصری کا خیال	۲۹۳	روایت ان امور کے ساتھ استدلال	
فیما استطعتم الاخیر [illegible]		ومن یولہ تا [illegible]	〃	اور مثالیں	۳۱۶
دوسری کا طریقہ دشوار	۲۷۱	استثنا ترجمہ تا الا تقیہ	۲۹۴	دوسری صورت نزول کے بعد واقعہ	۳۱۷
قاضی صاحب کا ارشاد گرامی	۲۷۱	علم نسخ کی دو قسمیں	۲۹۵	استنباط صحابہ کی شہادت	۳۱۸
قاضی صاحب کے دوسری آیت منسوخہ	۲۷۲	ترجمہ حضرت شاہ صاحب کی تحقیق	〃	〃	۳۱۹
شاہ صاحب کی رائے	۲۸۰	تعلیم ترجمہ تکرار	〃	استنباط رسول کی وراثت	〃
قتال مع قوم	〃	ومن الفوز تا الا ینسخ الخ	〃	مواقع آیات احادیث	۳۲۰
والذین یتوفون منکم الایہ	〃	ناسخ کی دو قسمیں	۲۹۶	تفصیل اسباب الآیات	۳۲۱
ناسخ و منسوخ آیتوں پر ایک نظر	۲۸۲	دونوں میں فرق و حرف جدید		تعیین اسباب و وجہ نزول	〃
متن سمجھنے کے لئے ایک بات یاد رکھنا		قرآن لانسخہ میں نسخ کی مثال	۲۹۷	اسباب شرط المفسر تا جدید	۳۲۲
ضروری ہے	〃	احکام قرآن میں نسخ ثابت نہیں	〃	عبارت کی خامیاں	〃
منسوخ آیتوں کے سلسلہ میں دو باتیں	۲۸۵	دلائل مذاہب فقہاء	۲۹۸	ومنہا بعض تا تعدد	۳۲۳
شاہ صاحب کی دوسری مثال	۲۸۶	اہل ذکر تا الا مصادر	۲۹۹	دلیل تا تعدد	۳۲۵
وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ کا مصداق	〃	ترجمہ نافذہ	〃	حدیث ابی الدرداء	۳۲۶
وان تبدوا ما فی انفسکم الایہ	〃	ناسخ مع بحث تکرار کا	〃	معلومات تعدد کی تفصیلات	۳۲۸
ترجمہ تا کہ پوری آیت کے تمام وقت	۲۸۷	ومن الاحزاب تا صدری	۳۰۰	حضرت عمر کا تلاوت (حاشیہ)	۳۲۹
شاہ صاحب کی رائے	۲۸۸	تفسیر وبعض تلک الایات	〃	تعیین احوال متعدد کی توضیح	〃
ایک اشکال کا جواب	〃	شاہ صاحب کی رائے پر اشکال	۳۰۱	وعلی ھذا تا شق	۳۳۰
مسئلہ عقد تا صیغہ [illegible]	۲۹۱	رفع اشکال کی وجہ	〃	بعض طریقہ کا تحقیق	〃
مذہب مختار اور مستثنیٰ کا مسلک	۲۹۲	لا یحل لک النساء کے ناسخ	۳۰۲	مثال تفصیل [illegible]	۳۳۱
اعتراض اور اس کا جواب	۲۹۳	انکوت		اسم موصول تا الا بالاعزم	۳۳۲
مذہب کا خلاصہ شاہ صاحب کی رائے	〃	معارضہ تا الترمذی کی رائے	۳۰۳	تعداد مقصد کی تحقیق	۳۳۵
ومن الشاذ تا فضا منسوخ	۲۹۳	ذکر و اذکار کے عجائبات	〃	[illegible]	۳۳۶
ترجمہ نسخ ضروری نہیں	۲۹۴	ومن البلاغۃ تا کاف ثالث	〃	حضرت شاہ صاحب کی رائے	〃
شاہ صاحب کی رائے	〃	آیت کا کی مثال	۳۰۴	[illegible] تشریح اور مثال	۳۳۷
اذا حضر تا الحکیم	۲۹۴	ومن الحیض تا القدر	۳۰۶	اہل الیقین کی تفصیل	۳۳۸
تاکید اور ربط	〃	واذا تعلم ما کی تفسیر	۳۰۷	تعداد کا قاعدہ	۳۳۹
سوال تعلیل والتی تا الایۃ	۲۹۵	ناسخ میں اختلاف	۳۰۸	ترجمہ عبارت (حاشیہ)	۳۰۹
تا ناسخ شاہ صاحب کی رائے	۲۹۶	ومن الفرس	۳۰۹	شائع	۳۴۰
سوال ومن الناس تا آیت	۲۹۷	فی العلم کے وجوہات	۳۱۰	وعید کی تعیین	۳۴۲
ناسخ نہیں شاہ صاحب کی رائے	۲۹۸	ناسخ تفسیر کا قاعدہ	۳۱۱	متن ایک مضمون کا حل ہے	۳۴۳
ماب نسخ ملاحظ بعض [illegible]	۲۹۹	ناسخ کی طرف نسخ التنزیل	۳۱۲	امام عقد تا الترجیح	〃
حسن بصری کا قول [illegible]	〃	فصل تا والا تحریم	۳۱۳	ترکیب کے لئے کیا ضروری ہے	۳۴۴
[illegible] اختلاف کا جواب	۲۹۰	شان نزول کے فوائد	〃	اصطلاح التوجیہ تا توجیہ	〃
وذکر ان تا الطعمین ترجمہ	〃	علم شان نزول سے تکلیف	۳۱۳	تفسیر کے اسباب کے وجوہ	۳۴۶
آیت آمدن کی تفسیر	۲۹۱	والذی بحضور النبی	〃	تفسیر احرام کا سبب	۳۴۷

مضامین	صفحہ
چند آیات کی توجیہ اسباب کے بغیر کی تفسیر۔	۲۳۱
حضرت کے لئے اسباب نزول اور شروط غریب القرآن کا علم کہاں تک ضروری	۲۴۰
[illegible]	۲۴۹
فصل دوم [illegible] مباحث	۲۵۰
حذف، ابدال، تقدیم و تاخیر اور قرآنی [illegible]۔	۲۵۰
حذف کی چند قسمیں۔	۲۵۲
[illegible] کی تعریف۔	۲۵۳
حذف کی چند مثالیں	۲۵۴
[illegible] کے بارے میں علماء تفسیر کی رائے۔	۲۵۶
حذف [illegible] کی مثالیں۔	۲۵۷
ابدال کے معانی	۲۵۸
حذف کے بارے میں دو اصولوں کی تشریح۔	۲۶۰
ابدال کی تعریف، اقسام اور مثالیں	۲۶۱
[illegible] اور [illegible] طور پر ۔	۲۶۴
حذف کے بارے میں [illegible] کا مرتبہ۔	۲۷۲
التفات اور اس کی صورتیں۔	۲۷۳
ابدال کی دوسری قسم اور اس کی مثالیں	۲۷۵
کلام میں تقدیم و تاخیر اور اس کی مثالیں	۲۷۶
تعلق یا بعید کی توضیح۔	۲۷۹
[illegible] کی [illegible] تحقیق۔	۲۸۰
قرآن کریم میں [illegible] کے [illegible] بحث۔	۲۸۱
[illegible] کی ترتیب۔	۲۸۲
[illegible] ہے۔	۲۸۲
صنعت کے اسباب و اغراض۔	۲۸۳
مجمل کی تعریف اور مثالیں۔	۲۸۲
مؤول کی مثالیں اور توضیح۔	۲۸۴
معنی مجاز کا اعتبار۔	۲۸۸
آیات احادیث کے لغات کی تفسیر احادیث کی بحث [illegible] اور زمخشری کے اشارات۔	۲۹۰
[illegible]	۲۹۱
[illegible]	۲۹۳
علم بلاغت، مضلات اور مجمل کے معانی۔	۲۹۷
متشابہ آیات اور اس کی قسمیں۔	۲۹۸
محکم و متشابہ کی بحث۔	۳۰۱
کنایہ کی تعریف۔	۳۰۷
کنایہ اور استعارہ۔	۳۱۱
تعریض کی تعریف۔	۳۱۳
مجاز عقلی۔	۳۱۵
باب سوم: قرآن مجید کا اسلوب بیان	۳۱۶
صحیفۂ قرآن اور دیگر آسمانی کتب کا فرق۔	۳۱۸
قرآن مجید کی ترتیب، تدوین اور حفاظت۔	۳۲۱
سورتوں کا آیات میں تقسیم کا طریقہ	۳۲۳
اسلوب شعر و آیات قرآن میں فرق۔	۳۲۷
اعجاز القرآن۔	۳۴۳
اعجاز قرآنی کی پانچ وجوہ۔	۳۴۵
باب چہارم: طریق تفسیر صحابہ و تابعین کی تفاسیر میں اختلاف کا حل۔	۵۱۱
استنباط کی اقسام۔	۵۲۷
[illegible]	۵۴۹
[illegible] اور استنباط احکام [illegible] مسالک۔	۵۵۸
قرآن مجید کی قرات، اس کی قواعد و علم معانی و بیان۔	۵۶۰
اختلافات مفسرین: توجیہ اختلافات اور ذوقی فروق، ہمواری۔	۵۶۴
شرح غریب القرآن، ناسخ منسوخ آیات۔	۵۶۷
آیات کا نظم اور ربط۔	۵۶۵
تاویل قصص الانبیاء۔	۵۷۷
علم التفسیر، پانچ علوم قرآن۔	۵۷۹
شاہ صاحب کا فارسی ترجمہ قرآن	۵۸۰
علوم خاصہ بالقرآن۔	۵۸۱
بحث مقطعات۔	۵۸۳
سوانح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔	۶۰۰

فہرست کی ترتیب

از

معراج محمد

کتابت

سید عبد اللہ شاہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

آلاءُ اللّٰہِ علی ھذا العبدِ الضعیفِ لاتُعدُّ ولاتُحصٰی واجلُّھا التوفیقُ لفھمِ القرآنِ العظیمِ ومِنَنُ صاحبِ النبوۃِ والرسالۃِ علیہ الصلوۃُ والسلامُ علی احقرِ الامّۃِ کثیرۃٌ واعظمُھا تبلیغُ الفرقانِ الکریمِ تلقّن النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم القرآنَ القرنَ الاوّلَ وھم أبلغوہ للقرنِ الثانی وھکذا حتی بلغ حظٌّ ھذا الفقیرِ کذلک من روایتِہٖ ودرایتِہٖ ، اللّٰھم صلّ علی ھذا النبیِّ الکریمِ سیدِنا ومولانا وشفیعِنا افضلَ صلواتِکَ وایمنَ برکاتِکَ وعلی آلہٖ واصحابِہٖ وعلماءِ امّتِہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

لغات وترکیب

آلاء: افعال کے وزن پر الألی (بفتح الہمزہ) بروزن النوی کی جمع ہے جس میں دو لغات اور ہیں۔ (۱) الإلی (بکسر الہمزہ) بروزن المعیٰ۔ (۲) الألی بروزن الجرو والقرب نعمتیں۔ لاتعدّ: عدّ وتعداد (ن) سے مضارع مجہول شمار کرنا۔ لاتحصٰی: احصاء سے مضارع مجہول، احاطہ کرنا۔ مِنَن: بروزن حِکَم، مِنّۃ بمعنی احسان کی جمع ہے۔ ترکیب میں مبتداء ہے جس کی خبر کثیرۃ ہے۔ تلقّن: تلقّین سے ماضی معروف بالمشافہ زبانی سیکھنا۔ القرن: صدی

قرن اول سے اسلام کا اولین زمانہ دورِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مراد لیا جاتا ہے۔ یہاں قرن اول کے لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ وھکذا : اصل نسخہ میں لفظ ھکذا کا تکرار ہے۔ وھو الانسب۔ یہاں وکذا حسب ما ورد بلفظ جزا کے معنی میں ہے۔ (العون)۔ حظ : حصہ۔ اسکی جمع حظوظ آتی ہے۔ یہ حظ بلغ کا فاعل ہے جس سے مراد قرآن کریم کے الفاظ و معانی کا وہ حصہ ہے جو اس فقیر (شاہ صاحب علیہ الرحمۃ) کے لئے مبدأ فیاض کی طرف سے مقدر تھا۔ کذلک : ای کما بلغ الی الصحابۃ والتابعین حظھم بتمامہ وکمالہ کذلک حصل علیٰ حظی من القرآن بغیر نقص وزیادۃ۔ من روایتہ : میں من بیانیہ ہے۔ روایۃ سے نظم قرآنی اور درایۃ سے فہم معانی مراد ہے۔ ایمن : یُمن سے اسم تفضیل، بہت بابرکت۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس بندۂ ناتواں پر نہ شمار کی جا سکتی ہیں نہ انکا احاطہ کیا جاسکتا ہے (بے شمار و بے حساب ہیں) اور ان میں سب سے عظیم (نعمت) قرآن مجید کو سمجھنے کی توفیق ہے اور نبوت و رسالت والے (آقا) علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احسانات آپ کی امت کے حقیر ترین (شخص) پر بہت ہیں اور ان میں سب سے زیادہ با عظمت (احسان) قرآن کریم کی تبلیغ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تلقین (وتعلیم) فرمائی قرن اول (کے لوگوں) کو اور انھوں نے اسے پہونچایا قرن ثانی (کے لوگوں) تک اور اسی طرح (سلسلہ چلتا رہا) یہاں تک کہ اس فقیر کا حصہ اسی طرح روایۃً و درایۃً پہونچا۔

اے اللہ! اس کریم نبی پر جو ہمارے آقا و مولا اور شفیع (سفارشی) ہیں، اپنی افضل ترین رحمتیں اور اعلیٰ ترین برکتیں نازل فرما اور ان کے متبعین صحابہؓ اور آپ کی امت کے علماء سب پر اپنی رحمت کے طفیل۔ اے ارحم الراحمین۔

فائدہ بادی النظر میں یہاں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ مصنف علامؒ نے اس رسالہ کو حمد و ثنا سے کیوں نہیں شروع فرمایا؟ اس سوال کا بے تکلف

جواب یہ ہے کہ بغرض تعظیم اللہ تعالیٰ کے محاسن وکمالات کو بیان کرنا حمد ہے۔ اور مصنف علیہ الرحمہ نے مذکورہ عبارت میں اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات کا ذکر کرکے اس کی فیاضی و ذرہ نوازی کی خوبی بیان کی ہے۔ فلا اشکال۔

رہا یہ مسئلہ کہ حمد و ثنا کے الفاظ کیوں نہیں استعمال کئے! تو اس کے دو اسباب ذہن میں آتے ہیں۔ ۱۔ ہم جیسے کم علموں کو اس پر متنبہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف وستائش مادۂ حمد پر موقوف نہیں ہے۔ ۲۔ إنّ لِکُلِّ جَدِیْدٍ لَذَّۃٌ کے پیش نظر آغاز کتاب کو دلچسپ بنانا اور حقیقت حمد کی طرف توجہ مبذول کرانا۔ واللہ اعلم

اما بعدُ فیقول الفقیرُ ولیُّ اللہ بنُ عبدِ الرحیم عاملہُما اللہ بلطفِہ العظیمِ لمّا فتحَ اللہ علیَّ باباً من فہمِ کتابہ المجیدِ اردتُ ان اجمعَ واضبُطَ بعضَ النکاتِ النافعۃِ التی تنفعُ الاصحابَ فی رسالۃٍ مختصرۃٍ والمرجوُّ من لطفِ اللہ الذی لا انتہاءَ لہٗ ان ینفتحَ لطلبۃِ العلم بمجرد فہم ہذہ القواعد شارعاً واسعاً فی فہمِ معانی کتابِ اللہِ،

ترکیب و لغات

العظیم، لطف کی صفت ہے۔ اضبط، نصر سے مضارع معروف واحد متکلم کا صیغہ ہے، محفوظ کرنا۔ النکات: النکتۃ کی جمع ہے۔ لطیفہ، مشکل مسئلہ جو دقت نظر سے حاصل ہوتا ہو۔ یاد رہے کہ واحد میں نون پر ضمہ اور جمع میں کسرہ ہے۔ اسکی دوسری جمع نُکَت بضم النون بروزن غُرَف بھی آتی ہے۔ فی رسالۃ: اضبط کے متعلق ہے۔ المرجو: رَجَا (ن) الشئَ رَجاءً و رَجْواً امید کرنا۔ المرجو وہ چیز جس کی امید ہو، اسم مفعول کا صیغہ ہے

شاذاً عالیاً ان یفتح کا مفعول بہ ہے ۔

ترجمہ بہرحال حمد و صلوٰۃ کے بعد فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم — دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے لطف عظیم کا معاملہ کرے — کہتا ہے ، جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی عظیم کتاب کے سمجھنے کا دروازہ کھول دیا تو میں نے ارادہ کیا کہ بعض مفید نکات (دقیق مسائل) جو احباب کے لئے مفید ہو سکتے ہیں ایک مختصر رسالہ میں جمع اور محفوظ کر دوں اور امید اللہ کے اس کرم سے جس کی کوئی انتہا نہیں ، یہ ہے کہ وہ طالب علموں کے لئے صرف ان اصول کے سمجھ لینے سے کتاب اللہ کو سمجھنے کی ایک وسیع شاہراہ کھول دے گا ۔

فائدہ مصنفؒ علام کا اصل نام جو اوّلاً ان کے والد کی زبان پر آیا یہی تھا ۔ بعد میں جب یاد آیا کہ ولادت سے قبل شیخ قطب الدین احمد بختیار کاکی رحمۃ اللہ نے اس مولود سعید کی بشارت دیتے ہوئے اپنے نام پر اس کا نام رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی تو آپ کا نام قطب الدین احمد رکھا گیا ۔ واللہ اعلم ۔

وان کانوا یصرفون عمرهم فی مطالعة التفاسیر و یقرؤن علی المفسرین وعلی انهم اقل قلیل فی هذا الزمان فلم یتحصل لهم بهذا الضبط والربط ، و سمیتُه بالفوز الکبیر فی اصول التفسیر ، وما توفیقی الا بالله علیه توکلت وهو حسبی ونعم الوکیل ،

حل عبارت وان کانوا تا المفسرین شرط ہے جس کی جزاء فلم یتحصل تا الربط ہے اور وعلی انهم الخ شرط و جزاء کے درمیان جملہ معترضہ ہے ۔

يصرفون : صرف کرنا ، خرچ کرنا ۔ الضبط والربط : سے وہ مخصوص جمع و ترتیب مراد ہے جسے الفوز الکبیر میں اختیار کیا گیا ہے ۔ واللہ اعلم ۔ الفوز الکبیر : بڑی کامیابی ۔ اصول : اصل کی جمع ہے جو فرع کی ضد ہے ۔ بنیاد ، قاعدہ ، دلیل وغیرہ مختلف معانی کے لئے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے ۔ الفتح : اصل مادہ ف ت ح ہے مجرد میں نصر و ضرب سے مستعمل ہے اور یہاں باب تفعیل سے ، بہرصورت متعدی ہی استعمال ہوتا ہے واضح کرنا ، کھولنا ۔

ترجمہ اور خرچ کر دے لوگ اپنی عمر خرچ کر دیا (گنوا دیا) تفسیروں کے مطالعہ میں اور مفسرین سے پڑھنے میں اور اس کے باوجود کہ وہ بہت تھوڑے ہیں اس زمانہ میں ۔ تو (بھی) وہ نکات اس جمع و ترتیب کے ساتھ نہیں ہاتھ لگ سکیں ۔ اور اس (رسالہ) کا نام میں نے "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" رکھا ہے اور میرا توفیق پانا (کامیاب ہو پانا) اللہ ہی کی مدد سے ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ۔ اور وہی میرے لئے کافی ہے اور وہ کتنا بڑا کارساز ہے ۔

فائدہ ابتدائی سطروں میں اپنے رسالہ کی اہمیت و نافعیت کو بیان کیا ہے اور آخر میں اس افادیت کو محض امداد و انعام ربانی کا ثمرہ بتایا گیا ہے

ایک اہم بات یہ ذہن نشین کر لیں کہ متن کی عبارت تو ان نکات تا الربط میں قدرے الجھاؤ و تسامح ہوا ہے جس کی وجہ سے ترجمہ گنجلک ہو گیا ۔ صحیح یہ ہے کہ شاہ صاحب کی فارسی عبارت کے مطابق تعریب کے الفاظ یوں ہونے چاہئیں ۔

بحيث لو صرفوا عمرهم في مطالعة التفاسير والقراءة على المفسرين (مع انهم اقل قليل في هذا الزمان) لم يحصلوا بهذا الضبط والربط" الخ

شک نہیں کہ یہ تصحیح الاستاذ الشارح مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ سے مستفاد ہے تاہم حضرت الاستاذ کی عبارت لم تحصل کو لم یحصلوا سے بدلنے میں بندہ یوں معذور ہے کہ فارسی کی عبارت بدست نیامد ہے نہ کہ بدست نیاید واللہ اعلم ۔

علم تفسیر: علماء قرآن نے علم تفسیر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ھو علم یبحث فیہ عن کیفیۃ النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتہا واحکامہا الافرادیۃ والترکیبیۃ ومعانیہا التی تحمل علیہا حالۃ الترکیب وتتمات لذلک۔ اس میں کیفیت نطق سے قرأت وتجوید اور احکام افرادی وترکیبی سے صرفی ونحوی اور بیان بدیع کے احکام کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ معانیہا التی تحمل علیہا حالۃ الترکیب سے مدلولات حقیقیہ ومجازیہ اور مدلولاتہا سے لغوی معانی مراد ہیں۔ جب کہ تتمات سے ناسخ ومنسوخ، شان نزول اور توضیح قصص وشرح احکام کی طرف اشارہ ہے اھ مقدمہ۔

اصول تفسیر: ایسے قواعد کے مجموعہ کا نام ہے جن کے استحضار سے نظم قرآنی کے معانی مقصودہ کی صحیح تشریح اور احکام شرعیہ کے استنباط کی صلاحیت واستعداد اجاگر ہوتی ہے۔

موضوع: نظم قرآن معانی مقصودہ کی شرح وتفسیر اور احکام شرعیہ کے استنباط واستخراج کی حیثیت سے۔

غرض وغایت: نظم قرآن سے سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آثار صحابہؓ کے مطابق احکام شرعیہ کے استنباط کا ملکہ حاصل کرنا۔ یا یوں کہو کلام اللہ کی مراد سمجھنا اور اس سے احکام شرعیہ کے استنباط میں غلطی سے بچنا اصول تفسیر کی غرض ہے۔

ومقاصد الرسالۃ منحصرۃ فی خمسۃ ابواب۔

ترجمہ: اور اس رسالہ کے مقاصد پانچ ابواب میں منحصر ہیں۔

فائدہ: فارسی نسخہ میں اس موقع پر ان پانچ ابواب کی تفصیل اس طرح درج ہے۔ باب اول در بیان علوم پنجگانہ کہ قرآن عظیم بطریق تفصیل بر آنہا دلالت فرمودہ است وگویا نزول قرآنی بالاصالۃ برائے آن بودہ است۔ باب دوم در وجوہ خفاء نظم قرآن بہ نسبت باہل این زمان وطریق ازالۂ آن وجوہ باوضح وجوہ۔

بابِ سوم در بیان لطائف نظم قرآن و شرح اسلوب بدیع آں بقدر طاقت و امکان ؛ بابِ چہارم در بیان فنون تفسیر و حل اختلاف واقع در تفسیر صحابہؓ و تابعینؒ۔ بابِ پنجم در ذکر جملہ صالحہ از شرح غریب قرآن و اسباب نزول آں کہ مفسر را حفظ آں مقدار ضرور است و خوض در تفسیر بدون ضبط آں ممنوع و محظور ۔

الباب الاول فی العلوم الخمسۃ التی بینھا القرآن العظیم بطریق التنصیص لیُعلم ان معانی القرآن المنطوقۃ لا تخرج عن خمسۃ علوم ۔

لغات التنصیص : صراحت کرنا، وضاحت سے بیان کرنا۔ مراد مقصود کی حیثیت سے بیان کرنا ہے۔ المنطوقۃ۔ نُطق (ن) سے اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں واضح بیان۔ ذہن نشین رہے کہ نطق کے معنی جیسے بولنے و ذکر کرنے کے آتے ہیں اس طرح سمجھنے اور ادراک کلیات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا المنطوقۃ یہاں جیسے المصرحۃ والمذکورۃ کے معنی میں، ہو سکتا ہے جس کے معنی ہوں گے وہ مضامین جن کی قرآن میں تصریح کی گئی ہے، جنہیں ذکر کیا گیا ہے اسی طرح المفہومۃ کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی ہوں گے وہ مضامین جن کو سمجھا گیا۔ والاول اولیٰ بدلیل العنوان ؛

ترجمہ پہلا باب ان پانچ علوم کے بیان میں ہے جنکو قرآن عظیم نے بیان مقصود کے طور پر ذکر کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ قرآن کے یہ مضامین جن کو بحیثیت مقصود ذکر کیا گیا ہے پانچ علوم سے باہر نہیں ہیں۔

فائدہ یوں تو قرآن کریم علوم کا ایک بحر ناپید اکنار ہے۔ آخر علوم ربانی کا صحیفہ ہے خود ارشاد باری ہے ما فرطنا فی الکتاب من شیء اور فرمایا ونزلنا علیک القرآن تبیانا لکل شیء۔ حضرت ابن مسعود کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی ہے

من اراد العلم فلیثوّر القرآن فان فیہ علم الاولین والآخرین زالعون من ابن عباس
کہ جو شخص علم کا طالب ہو اسے قرآن کریم میں غور و فکر کرنا چاہیے کیونکہ قرآن میں متقدمین
و متاخرین سب کے علوم ہیں ۔ بقول شاعر

جمیع العلم فی القرآن لکن　　تقاصر عنہ افہام الرجال

لیکن قرآن کریم کے اساسی علوم جو مقصود بالذات ہیں مصنف علامؒ کے مطابق صرف پانچ ہیں جن کی تفصیل عنقریب آئے گی اس سے پہلے یہ ذہن نشین کرتے چلیں کہ قرآن کریم کے اساسی علوم استقرائی اور مختلف فیہ ہیں چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے پانچ اقوال نقل کئے ہیں ۔

(۱) قرآن کے اساسی علوم تین ہیں ۔ توحید، تذکیر، احکام ۔ قاضی ابوبکر بن العربیؒ کا یہی مذہب ہے ۔ (۲) توحید، اخبار، دیانات ۔ یہ تینوں قرآن کے اصل علوم ہیں یہ مذہب ہے علامہ ابن جریر طبری کا ۔ (۳) اساسی علوم چار ہیں امر، نہی، خبر، استخبار چوتھا خیال یہ ہے کہ کل چھ ہیں چار مذکورہ، اور دو وعدہ و وعید ۔ ان دو اقوال کے قائلین کا سراغ نہیں لگ سکا ۔ پانچواں قول علی بن عیسیٰ الرمانی کا ہے کہ وہ چالیس ہیں اعلام، تنبیہ، امر و نہی، وعدہ و وعید، جنت کا ذکر، جہنم کا تذکرہ، آخرت کے اقرار ... ... کی تعلیم، اس کے صفات کے اقرار کی تعلیم، اس کے افعال کے اقرار کی تعلیم، انعام خداوندی کے اعتراف کی تعلیم، مخالفین کے خلاف احتجاج، ملحدین کی تردید، ترغیب ترہیب کا بیان، خیر و شر اور حسن و قبیح کا تذکرہ، حکمت کا بیان، معرفت کی فضیلت اچھوں کی تعریف، بروں کی مذمت، تسلیم، تحسین، تاکید، تقریع، اخلاق رذیلہ کی مذمت اور آداب حسنہ کی فضیلت کا بیان ۔ علامہ سیوطیؒ نے ان مختلف اقسام کو شمار کرانے کے بعد شیذلہؒ کے حوالے سے لکھا و علی التحقیق ان تلک الثلاثۃ التی قالہا ابن جریر تشتمل ھذہ کلہا بل اضعافہا ۔ اپنے خیال کی تائید میں ابن عربی نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ جس میں مذکورہ تینوں علوم مذکور ہیں از روئے حدیث ام القرآن ہے اور سورۃ اخلاص جس میں صرف ایک علم توحید مذکور ہے اسکو حدیث میں ثلث قرآن

کہا گیا ہے معلوم ہوا کہ قرآن کے اصلی علوم پانچ ہی ہیں۔ (انظر الاتقان صـ ۱۵۹ ، ۱۶۰ ج ۲)

قربان جائیے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی دقت نظر پر کہ انھوں نے علوم قرآنیہ کی ایسی جامع و مختصر تقسیم فرمائی کہ پانچ قسموں میں پورا قرآن بھی سمٹ آیا اور ہر مضمون مستقل فن کی حیثیت سے سامنے آگیا۔

نوٹ: ام القرآن یا خلاصۃ القرآن یعنی سورۃ فاتحہ میں معمولی غور و فکر کرکے بخوبی یہ جانا جاسکتا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں یہ پانچوں مضامین واضح طور پر موجود ہیں۔ فتدبر۔

علم الاحکام من الواجب والمندوب والمباح والمکروہ والحرام من قسم العبادات او من قسم المعاملات او من تدبیر المنزل او من السیاسۃ المدنیۃ وتفصیل ھذا العلم منوط بذمۃ الفقیہ،

لغات الواجب: ضروری۔ المندوب: مستحب۔ المباح: جائز۔ المکروہ: ناپسندیدہ۔ الحرام: ناجائز، ممنوع شرعی۔ المعاملات: دنیاوی امور سے متعلق شرعی احکام۔ تدبیر کے اصل معنی غور کرنا انجام سوچنا اور منزل بمعنی گھر۔ لیکن یہاں گھریلو امور کا نظم کرنا مراد ہے۔ السیاسۃ بکسر السین: رعیت داری کرنا (رعایا) منوط: ناطہ نوطاً ونیاطاً سے اسم مفعول لٹکانا۔ منوط بہ: اس پر معلق ہے اس کے سپرد ہے۔ الفقیہ: العالم بالفقہ، ونفس کا اپنے نفع ونقصان کو پہچان لینے کا نام فقہ ہے۔ الذمۃ: عہد، ذمہ داری۔ ج ذمم۔

ترجمہ (ان پانچ علوم میں سے پہلا) علم الاحکام ہے یعنی واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام۔ (خواہ) عبادات کے قبیل سے ہوں یا معاملات کے قبیل سے یا تدبیر منزل یا سیاست مدنیہ سے متعلق ہوں اور اس علم کی تفصیل فقیہ کے

ذکر ہوگئی ہے۔

فائدہ یہاں سے علوم پنجگانہ کا اجمالی تذکرہ شروع کر رہے ہیں اس موقع پر دو مباحث قابل ذکر ہیں۔ (۱) علم الاحکام کی تقدیم کی وجہ۔ (۲) احکام اور اس کے اقسام کی تعریفات و امثلہ۔

بحث اول علم الاحکام کو اس حیثیت سے علوم پنجگانہ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ نزول قرآن، ارسال رسل بلکہ تخلیق جن وانس کا مقصد ہی احکام خداوندی کی اطاعت و فرمانبرداری ہے بقیہ علوم اس مقصود اصلی کی تکمیل کے لئے ممد و معاون کی حیثیت رکھتے ہیں گویا اہمیت تقدیم کا سبب بنی۔

بحث ثانی احکام حکم کی جمع ہے جس سے حکم شرعی مراد ہے وھو عبارۃ عن خطاب اللہ تعالی المتعلق بافعال المکلفین (کتاب التعریفات) یعنی باری تعالیٰ کے وہ اوامر و نواہی جن کا مکلفین کو پابند کیا گیا ہے۔ علم الاحکام سے مراد احکام عملیہ فرعیہ ہیں۔ بقرینۃ قول المصنف وتفصیل ھذا العلم منوط بذمۃ الفقیہ خیال ہے کہ احکام علمیہ (عقائد) علم المخاصمہ کے ذیل میں داخل ہیں بقرینۃ قولہ وتفصیل ھذا العلم منوط بذمۃ المتکلم۔ واللہ اعلم۔

واجب وہ حکم شرعی جس کا کرنا مطلوب اور چھوڑنا ممنوع ہو کقولہ تعالیٰ فی العبادات: اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وقولہ تعالیٰ کتب علیکم الصیام وفی المعاملات: واٰتوا الیتامٰی اموالھم وقال تعالیٰ واٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ وفی تدبیر المنزل: قوا انفسکم واھلیکم نارا وفی السیاسۃ المدنیۃ: والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما الآیۃ۔

مندوب وہ حکم شرعی ہے جس کی تعمیل مطلوب ہو لیکن ترک کی بھی اجازت ہو جیسے فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا واٰتوھم من مال اللہ الذی اٰتاکم (ندب) (انظر لطائف بیان القرآن) وکذا قولہ تعالیٰ یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو وکذا قولہ فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم (ندب) افادہ عمی المنظور

واستاذی الشفوق صاحب الفضائل العلمیۃ والسیر الجمیلۃ الشیخ محمد احمد حفظہ اللہ المؤقر استاذ الحدیث والتفسیر بدار العلوم بدیوبند

وکذا قولہ تعالیٰ "وان تصدقوا خیر لکم (بقرہ)۔"

مباح وہ حکم جس کا نہ فعل مطلوب ہو نہ ترک بلکہ دونوں جہات اختیاری ہوں جیسے "واذا حللتم فاصطادوا" وکذا "فان کنتم علیٰ سفر ولم تجدوا کاتبا فرھٰن مقبوضۃ" وکذا "فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ"۔

مکروہ وہ حکم ہے جس کا ترک ہی مقصود ہو اگرچہ جانب فعل کی بھی اجازت ہو۔ تتبع بلیغ وتلاش بسیار کے باوجود حکم مکروہ کی مثال تک ذہن کی رسائی نہ ہو سکی بلکہ اغلب یہ ہے کہ حکم مکروہ قرآن میں نہیں ہے ۔ واللہ اعلم وفوق کل ذی علم علیم ۔

حرام جس کا کرنا ممنوع اور چھوڑنا قطعاً مطلوب ہو جیسے "قل تعالوا اتل ما حرم علیکم ربکم ان لا تشرکوا بہ شیئا" الآیۃ وکذا "حرمت علیکم المیتۃ والدم" "وقضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا"۔

تدبیر منزل: خانگی اصلاح سے تعلق رکھنے والے تمام امور کا علم تدبیر منزل کہلاتا ہے ۔ ارسطو وابن سینا کے مطابق اس کے ارکان والدین، زوجین، اولاد اور خادم و مال ہیں ۔

احکام تدبیر منزل کی مثال: (۱) اسکنوھن من حیث سکنتم۔ الآیۃ۔ (۲) وعاشروھن بالمعروف۔ (۳) وصاحبھما فی الدنیا معروفا۔ (۴) ولا تقل لھما اف۔

سیاست مدنیہ: معاشرہ، سوسائٹی اور سماج سے تعلق رکھنے والے امور کا علم سیاست مدنیہ کہلاتا ہے جس میں حدود وقانون سے لیکر حدود ملکی تک سارے انسانوں کے لئے مفید ضوابط و اصول کا سوچنا سمجھنا داخل ہے ۔ مثال: "السارق والسارقۃ فاقطعوا" (۱) "انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف" الآیۃ۔ (۲) "کتب علیکم القصاص"

خلاصہ یہ ہے کہ تہذیب اخلاق یعنی عبادات، معاملات اور اخلاقیات میں اچھے بُرے، ضروری وغیر ضروری، مفید و مضر امور کے درمیان تمیز کرلینا اور تدبیر منزل یعنی گھریلو انتظام ماں باپ اولاد اور گھر کے خدام کے ساتھ سلوک و برتاؤ، ان کے حقوق، آمد و صرف کا توازن، اہل خانہ کی رفتار زندگی کی نگہداشت اور مرض و صحت وغیرہ امور کا لحاظ کرنا وغیرہ، اسی طرح سیاست مدنیہ یعنی جمہوری، اہل محلہ، باشندگان قریٰ اور متعین شہر کے حقوق و فرائض کا پہچاننا، سماج کو پُرامن بنانے کے قوانین بنانا وغیرہ غرضیکہ حکمت عملی کی تینوں قسمیں علم الاحکام میں داخل ہیں اور قرآن کریم نے اساسی حیثیت سے اسے بیان کیا ہے۔ اس علم کی شرح و تفصیل کا بیڑا فقہاء عظام رحمہم اللہ نے اٹھایا ہے۔ جزاہم اللہ خیرا لجزاء۔

وعلمُ المخاصمةِ والردِّ على الفرق الضالة الاربعة من اليهود
والنصارى والمشركين والمنافقين وبيانُ هذا العلم منوطٌ
بذمة المتكلم وعلمُ التذكير بآلاء الله من بيانِ خلق
السموات والارضين والهام العباد ما ينبغي لهم ومن بيان
صفات الله سبحانه الكاملة، وعلمُ التذكير بايام الله
يعني بيانَ الوقائع التي اوجدها الله سبحانه وتعالى
من جنس تنعيم المطيعين وتعذيب المجرمين وعلمُ
التذكير بالموت ومابعده من الحشر والنشر والحساب
والميزان والجنة والنار وحفظُ تفاصيل هذه العلوم و
الحاقُ الاحاديث والآثار المناسبة لها وظيفةُ المذكّر والواعظ

لغات المُخاصمۃ کے لغوی معنی جھگڑنا، بحث کرنا، علم المخاصمۃ سے ایسے علوم مراد ہیں جن کے ذریعہ حق پر ہونے والے ناجائز شکوک و نازیبا

حملوں کا جواب دیا جا سکے۔ والرد میں واؤ تفسیریہ ہے۔ الرد: تردید کرنا۔ الفِرَق الحِکَم کے وزن پر فرقہ کی جمع ہے گروہ، جماعت۔ تبیان: بیان و اظہار۔ المتکلم: علم کلام سے واقفیت رکھنے والے کو متکلم کہا جاتا ہے اور علم کلام اصلاً توحید و صفات باری کو جاننے کا نام ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس علم سے شرعیات کے اثبات و تائید اور مخالفین کی جوابدہی وغیرہ کے موقعوں پر بحث و مباحثہ اور گفتگو کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ التذکیر: یاد دہانی کرنا۔ من بیان: مِن بیانیہ ہے۔ الہام کا خلق پر عطف ہے یہاں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔ ما ینبغی الہام کا مفعول ثانی ہے۔ ایام: یوم کی جمع ہے۔ یہاں مجازاً انعام و عذاب مراد ہیں گویا اطلاق الظرف علی المظروف کا علاقہ کارفرما ہے۔ محاورہ میں ایام العرب سے ان کی جنگیں مراد لی جاتی ہیں جیسے یوم الفجار اور یوم ذی قار بولا جاتا ہے۔ الوقائع: الوقیعۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہوتے ہیں، لڑائی، تصادم۔ لیکن یہاں مطلق واقعہ مراد ہے خیر کا ہو یا شر کا۔ وظیفۃ: خصوصی ذمہ داری۔

ترجمہ اور علم المخاصمہ یعنی چار گمراہ فرقے یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منافقین کی تردید کا علم، اور اس علم کی تشریح متکلمین کے ذمہ سونپ دی گئی ہے اور علم التذکیر بآلاء اللہ یعنی آسمان و زمین کی تخلیق اور بندوں کو ان کے مناسب (حال) چیزوں کے الہام کی وضاحت اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کے بیان کا علم، اور علم التذکیر بایام اللہ یعنی فرمانبرداروں کو انعام و ثواب اور مجرمین کو سزا دینے کی قسم کے ان واقعات کا بیان جن کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ وجود میں لایا، اور موت و ما بعد الموت یعنی حشر و نشر، حساب، میزان اور جنت و دوزخ کے ذریعہ یاد دہانی و نصیحت کرنے کا علم، اور ان (آخری تینوں) علوم کی تفصیلات کا یاد رکھنا اور ان کے مناسب آثار و احادیث کو ان کے ساتھ جوڑنا واعظ و ناصح کی خصوصی ذمہ داری ہے۔

فائدہ بقیہ چار علوم کا اجمالی ذکر اس عبارت میں کیا گیا ہے اب موقع بہ موقع انہیں ذہن نشین کرنے کی ہیں۔

بحث اول

ان علوم کی موجودہ ترتیب کا راز؟ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ دفع مضرت کو جلب منفعت پر تقدم حاصل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ فرق باطلہ کی تردید اور ان کے عقائد باطلہ کا ابطال دفع مضرت کے درجہ میں ہے لہذا علم المخاصمہ کو حق تقدم حاصل ہے۔ اس کے بالمقابل علم التذکیر کا مقصد ترہیب و ترغیب کے ذریعہ جذبہ عمل پیدا کرنا ہے۔ جسے جلب منفعت ہی کہنا چاہئے لہذا اس کے حصہ میں تاخر آیا پھر تذکیر کے انواع میں وضوح و خفا کے پیش نظر ترتیب قائم کی گئی ہے۔

خداوند قدوس کی عنایات اظہر من الشمس ہیں لہذا تذکیر بآلاء اللہ کو سب سے مقدم کیا اور تعذیب و تنعیم کے واقعات پر تاریخ کا ہلکا سا پردہ پڑا ہوا ہے جس کے لیے کسب تصدیق کی ضرورت ہے لہذا تذکیر بایام اللہ کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا گیا۔ اس کے بالمقابل معاد پردۂ غیب میں مستور ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مخفی ہے لہذا تذکیر بالمعاد کو سب سے مؤخر کر دیا گیا۔ ھذا ما عندی والناس فیما یعشقون مذاہب۔

بحث دوم حاصل عبارت

قرآن کے پنجگانہ علوم میں سے دوسری قسم علم المخاصمہ ہے یعنی چار گمراہ فرقوں (یہود و نصاریٰ و مشرکین و منافقین) کی تردید اور ان کے عقائد باطلہ کا استیصال جس کو چند صفحوں کے بعد پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ تیسری قسم علم التذکیر بآلاء اللہ ہے یعنی احسانات و عنایات ربانی کی یاد دہانی کے ذریعہ قلوب میں اطاعت کا جذبہ و میلان پیدا کرنا۔ چوتھی قسم علم التذکیر بایام اللہ ہے یعنی مجرموں اور نافرمانوں پر نزول عذاب اور فرمانبرداروں پر عنایات و انعامات کی بارش کے واقعات کا علم۔ پانچویں قسم علم التذکیر بالموت وما بعدہ یا علم التذکیر بالمعاد یعنی موت و ما بعد الموت کے حالات، حساب کتاب کے مراحل، جنت و دوزخ کے تذکرے وغیرہ کا علم ہے۔

علم المخاصمہ کی ذمہ داری متکلمین اسلام نے اور علم التذکیرات کی شرح و تفسیر اور اس کے مناسب احادیث شریفہ و آثار صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے ضبط و الحاق کی

ذمہ داری واعظین نے سنبھال رکھی ہے (مثالوں کے لئے مقام تفصیل ملاحظہ فرمائیں)۔

بحث سوم قرآن کریم مسلمات مشہورہ کی روشنی میں گفتگو کرنے کا عادی ہے چنانچہ تذکیر کی اقسام ثلثہ بھی تین مسلمات کو متضمن ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ محسن و منعم ہے، اور شکر محسن واجب ہے جس کا ایک طریقہ اطاعت و امتثال امر ہے۔ لہذا تذکیر بآلاء اللہ کے ذریعہ اطاعت و فرمانبرداری کی دعوت دی گئی۔ (۲) بسا اوقات حکیم مطلق نافرمانی کی سزا دنیا ہی میں دیدیتا ہے۔ لہذا تذکیر بایام اللہ کے ذریعہ نافرمانی سے دامن بچانے کی نصیحت کی گئی۔ (۳) مرنے کے بعد ہر ایک کو عمل کے مطابق جزاء و سزا سے واسطہ پڑتا ہے لہذا تذکیر بالمعاد کے ذریعہ چوکنا و ہوشیار کر دیا گیا۔

وانما وقع بيان هذه العلوم على اسلوب تقرير العرب الأُوَل لا على تقرير المتأخرين فلم يلتزم في آيات الاحكام الاختصار الذي يختاره اهل المتون ولا تنقيح القواعد من قيود غير ضرورية كما هو صناعة الاصوليين.

لغات اُسلوب: طرز، طریقہ، ج اسالیب۔ الاُوَل: ہمزہ کے ضمہ اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ۔ اوّل کی مؤنث اُولیٰ کی جمع ہے۔ ترکیب میں العرب کی صفت ہے جماعت کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مؤنث کے حکم میں ہے۔ (العرف)۔ فلم یلتزم: فعل مجہول ہے۔ المتون: متن کی جمع ہے۔ معنی لغوی سخت و بلند زمین (صراح و منتخب اللغات) اور کتابی دنیا میں مضامین کا وہ مجموعہ جو مشکل اور محتاج شرح ہو "ما يكون صعبا محتاجا الى التشريح" (لامیہ)

ای تکون مجملا و مشتملا علی اصطلاحات تحتاج الی البیان۔ ولا تنقیح کا عطف اختصار پر ہے۔ تنقیح: خالص کو ردی سے الگ کرنا، اصلاح کرنا۔

ترجمہ اور ان علوم کا بیان متقدمین عرب ہی کے اسلوب خطابی پر ہوا ہے۔ نہ کہ متاخرین کے طرز خطاب پر۔ چنانچہ احکام کی آیات میں ایسے

اختصار کا التزام کیا گیا جسے ارباب متون پسند کرتے ہیں اور نہ غیر ضروری قیود کی تہذیب کا جیسا کہ یہ اہل اصول کا دستور ہے ۔

فائدہ مصنف علامؒ نے علوم قرآنی کی تقسیم کا جو انداز اختیار کیا ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ علوم تفسیر گویا مستقل پانچ فن یا کم از کم پانچ ابواب ہیں اور جس دور میں رسالہ الفوز الکبیر کی تصنیف ہوئی ہے اس سے بہت پہلے سے کتابوں کو ابواب و فصول میں تقسیم کرنے کا دستور چلا آرہا تھا اس لئے مصنف علامؒ کی تقسیم کے سامنے آتے ہی مبتدی کے ذہن کا اسی مروجہ تقسیم کی طرف منتقل ہونا اور قرآن کو اس سے خالی پاکر ذہنی انتشار کا شکار ہو جانا مستبعد نہیں قرین قیاس تھا ۔ دوسرے یہ کہ ایک انداز تو فقہ و اصول فقہ کی کتابوں کا تھا جس کو اختصار بعبارۃ «اصل المتون» اور «تنقیح القواعد» میں بیان کیا گیا ہے ۔ دوسرا انداز مناطقہ کا تھا جس کی جانب اگلی عبارت «علی طریق المنطقیین» سے اشارہ کیا گیا ہے ۔ فقہ و اصول فقہ والے انداز کو علم الاحکام سے اور مناطقہ والے انداز کو علم المخاصمہ سے مناسبت بھی ہے اس لئے اسلوب قرآن کے بارے میں یہ تصریح کرنی پڑی کہ فقہ و منطق کے اسالیب متأخرین کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہیں جس سے صرف خواص ہی مانوس ہیں لہٰذا قرآن متقدمین عرب کے سادہ اسلوب پر نازل ہوا جو خواص و عوام سب کے لئے یکساں مفید ہے ۔

واختار سبحانه وتعالى في آيات المخاصمة الزام الخصم بالمشهورات المسلّمة والخطابيات النافعة لا تنقيح البراهين على طريق المنطقيين ،

ترکیب و لغات الزام: اختار کا مفعول بہ ہے ۔ الزام سے مراد لاجواب خاموش کرنا ۔ المسلّمة: تسلیم سے اسم مفعول، مانی ہوئی

بات الخطابیات الخطابیہ کی جمع ہے مراد ایسی گفتگو ہے جس میں عقلی استدلال کا طریقہ خطابۃً اختیار کیا گیا ہو۔ تنقیح: ترتیب و تہذیب۔

ترجمہ اور حق سبحانہ و تعالیٰ نے آیات مناصحت میں مشہورات مسلمہ اور خطابیات نافعہ کے ذریعہ مخالفین کی تردید کو اختیار کیا نہ مناطقہ کے طریقہ پر براہین کی ترتیب و تہذیب کے ذریعہ۔

فائدہ قضایا مشہورہ جو لوگوں کی اکثریت یا کسی مخصوص جماعت یا تمام لوگوں کی نظر میں مشہور ہوں جیسے الالٰہ واحد عند الاکثر مشہور ہے۔ اور العدل حسن والظلم قبیح سارے لوگوں میں، اسی طرح الفاعل مرفوع ایک مخصوص جماعت کے یہاں مشہور ہے۔ قضایا مسلمہ وہ قضیے ہیں جو خصم کو تسلیم ہوں غیر اسے تسلیم کرے یا نہ کرے۔

عقلی استدلال کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مشہور یا طے شدہ مسلّم اصول کی روشنی میں گفتگو کی جائے اس طریقۂ استدلال کو جدل کہتے ہیں۔ مثلاً کسی کا احترام کرانے کے لیے اس کی بڑائی کو پیش کرنا، کسی پر شفقت کرانے کے لیے اس کے چھوٹے ہونے کو پیش کرنا۔ یا حاکم و محکوم کے درمیان طے شدہ اصول کی روشنی میں حاکم کا محکوم پر "بے وقوف ہونے کے جرم" میں پانچ روپے کا جرمانہ عائد کرنا یہ سب جدل ہے۔

خطابیات نافعہ کی مراد ترکیب و لغات کے ذیل میں گذر چکی اور خطاب اصطلاحًا مناطقہ میں ایسے قیاس کو کہا جاتا ہے جس میں کسی مقبول یا معقول بات کا حوالہ دیا گیا ہو۔

الحاصل قرآن کریم میں "جدل" اور "خطاب" کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو عام فہم ہونے کے ساتھ خواص کے لیے بھی کافی ہوتا ہے نہ کہ منطقی طرزِ استدلال جو صرف اخص الخواص ہی کے ذہن کو اپیل کرتا ہے۔ بس۔

جدل کی مثال: یہود و نصاریٰ کے دعویٰ نحن ابناء اللہ واحباؤہ کی تردید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فلم یعذبکم بذنوبکم، اس تردید کا مدار قضیۂ "تعذیب الاولاد والاحباء ممنوع" پر ہے جو مشہور و مسلم ہے۔ دوسری مثال:-

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن اور آپ کے ساتھ شرف رسالت کی خصوصیت پر اعتراض کرتے ہوئے لولا نزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم کہنے والوں کے جواب میں اھم یقسمون رحمة ربك نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوة الدنیا (زخرف ۳۲) فرمانا درحقیقت مفہومات مسلمہ ہی کے ذریعہ تردید و ابطال ہے کیونکہ کائنات کے معاش و معیشت کے نظام میں رب کائنات کا تن تنہا مختار کل ہونا مشہور و مسلمہ ہے اور رسالت و نبوت کا عطیہ رزق و معاش سے بدرجہا بہتر اور اہم ہے ۔ ۔ ۔ لہذا اس میں غیر کا دخل بدرجہ اولی ناقابل قبول ہونا چاہئے ۔

خطابی کی مثال: بت پرستی کی مذمت ۔ ۔ کرتے ہوئے فرمایا وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ۔ اس میں بتوں کو مکھی جیسی ادنی ترین مخلوق سے بھی زیادہ ادبے بس دکھایا گیا ہے اور یہ بات بہت معقول ہے کہ عاجز و بے بس کی عبادت حماقت ہی حماقت ہے ۔ خود بعض مشرکین بھی کہا کرتے تھے لا ینبغی ان یطاع بعجز لا یسمع ولا یبصر ولا یضر ولا ینفع ۔ دوسری مثال: ام لہ البنات ولکم البنون ۔ تیسری مثال: وجدنا علیھا آباءنا کے جواب میں او لو کان آباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون ۔ فعلیک بالتدبر فی ھذہ الامثلة وباستخراج الامثلة الاخری ۔

لا تنقیم البراھین: براہین برہان کی جمع ہے جس کے لغوی معنی واضح دلیل ۔ مناطقہ کے یہاں برہان استدلال عقلی کا ایک مشہور طریقہ ہے جس کے اندر یقینی اور قطعی باتوں کے ذریعہ کسی چیز کا ٹھوس ثبوت فراہم کیا جاتا ہے ۔ مثلاً محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا اور ہر رسول کا واجب الاطاعت ہونا یقینی باتیں ہیں ان دو یقینی باتوں سے ایک تیسری بات "محمد رسول اللہ کا واجب الاطاعت ہونا" اگر ثابت کیا جائے تو استدلال کو برہانی یا قیاس برہانی کہیں گے قرآن میں ہے محمد رسول اللہ اور دوسری جگہ ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ

ان دونوں قضیوں سے ثابت ہوتا ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔

برہان کی دو قسمیں ہیں۔ لمّی، انّی۔ لمّی وہ قیاس برہانی ہے جس کا حد اوسط حکم کیلئے واقعی علت ہو جیسے مذکورہ مثال میں "رسول" ہونا۔

برہان انّی وہ قیاس ہے جس کا حد اوسط واقعۃً حکم کی علت نہ ہو لیکن اس کو قیاس میں علت کے طور پر لیا گیا ہو جیسے تحقیق رسالت سے انحراف کے لئے ان انتم الا بشر مثلنا میں رسول کی بشریت یا احتیاج کو علت بنانا۔

ھدایت: قرآن کریم کے اندر قیاس برہانی جہاں کہیں بھی ملے گا مضمر مقدمے کے ضمن میں اور سادہ اسلوب کی تہہ میں ملے گا۔ ظاہر نہیں ملے گا۔ اس کی تین وجہیں درج کی جاتی ہیں۔

پہلی وجہ: سادہ اور واضح ترین طرز کلام پر جسے قدرت ہوتی ہے وہ ایسے غامض اور دقیق انداز کو نہیں اپناتا ہے جسے خواص ہی سمجھ سکیں۔ اور قیاس برہانی بہرحال ایک دقیق طرز استدلال ہے لہذا قرآن نے اسے اختیار نہیں کیا۔

دوسری وجہ: استدلال برہانی کا ظاہری اسلوب مناطقہ کی ایجاد ہے، اور اہل بلاغت کے طرز کلام سے مختلف بھی ہے۔ اسلئے قرآن کے شایان شان بھی نہیں پھر بھی قرآن کا یہ کمال ہے کہ جہاں اس کا ظاہر سادہ و عام فہم ہے وہیں باطن براہین سے معمور ہے گویا قرآن اسلوب خطابی اور استدلال برہانی کا ایسا لطیف سنگم ہے جس سے عوام و خواص دونوں اپنی اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔

تیسری وجہ: استدلال برہانی کا محل استدلال، امتناع و وجوب جیسے مسائل ہوتے ہیں نہ کہ حسن و قبح اور نفع وضرر جب کہ قرآن میں نفع و نقصان اور خیر و شر کی باتیں ہیں۔۔۔ اس لئے علوم قرآنیہ کو استدلال برہانی سے مناسبت نہیں۔

> ولم يُراعِ مناسبةً في الانتقال من مطلب الى مطلب كما هو قاعدة الأدباء المتأخرين بل نثر كلّ ما اهمّ افادته

علی العباد تقدم او تأخر

ترجمہ اور ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے میں کسی خاص مناسبت کی رعایت نہیں فرمائی جیسا کہ بعد کے ادیبوں کا طریقہ ہے بلکہ ہر اس مضمون کو بکھیر دیا (بیان کر دیا) جس کا اپنے بندوں کو بتانا اہم سمجھا خواہ مقدم ہو مؤخر۔

تشریح عام طور پر مصنفین کی عادت ہوتی ہے کہ اپنی کتاب میں جن مضامین کو ذکر کرنا چاہتے ہیں ان کی تقدیم و تاخیر میں کسی خاص مناسبت کو ملحوظ رکھ کر ابواب و فصول قائم کرتے ہیں پھر قابل تقدیم مضمون کی تمام مباحث کو یکجا ذکر کرنے کے بعد ہی کسی دوسرے مضمون کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ مثلاً فقہائے کرام عموماً کتاب الطہارۃ کو "اہم العبادات" نماز کا موقوف علیہ ہونے کی حیثیت سے "مقدم کرتے ہیں تو اس کے متعلق جو کچھ لکھنا ہوتا ہے کتاب الطہارت ہی میں لکھ دیتے ہیں، پھر اہم الامور کی حیثیت سے نماز کا مفصل بیان کرتے ہیں اور خالص بدنی عبادت (نماز) کے بعد خالص مالی عبادت (زکوٰۃ) کو بیان کرنے کا معمول ہے۔ یہ خصوصی مناسبتیں ہیں جن کا لحاظ سبھی مصنفین کرتے ہیں۔ نتیجہ میں کتاب الطہارت تمام ابواب پر اور کتاب الصلوٰۃ کتاب الزکوٰۃ سے لازمی طور پر مقدم ہوتی ہے۔ رب العالمین کی کتاب حکیم میں ایسی مناسبت اور وجہ تقدیم کسی بھی مضمون میں ملحوظ نہیں چنانچہ کہیں علم المخاصمہ مقدم ہے کہیں علم التذکیر اور کہیں علم الاحکام۔ یہ سلسلہ سورتوں کے بیچ میں بھی ہے اور اوائل میں بھی۔ فتأمل۔ گویا اس عبارت میں صرف یہ بتانا ہے کہ علوم پنجگانہ کے بیان میں تقدیم و تاخیر کے لئے کوئی اصولی مناسبت کار فرما نہیں ہے بلکہ رب العالمین نے جس موقع پر جس علم کی تقدیم کو اہم و مفید سمجھا اسی کو مقدم کر دیا۔ رہا مسئلہ آیات قرآنی کے درمیان باہمی ربط و تناسب کا تو اس سے یہاں بحث نہیں نہ مصنف علامؒ کو اس سے انکار ہے جیسا کہ "فتح الرحمان" میں جابجا ربط آیات کا بیان شاہد عدل ہے۔

وعامةُ المفسرين يربُطون كلَّ اٰية من اٰيات المخاصمة و
اٰيات الاحكام بقصة ويظنون ان تلك القصة سببُ نزولها
والمحقق ان القصد الاصلي من نزول القرآن تهذيب النفوس
البشرية ودفعُ العقائد الباطلة ونفيُ الاعمال الفاسدة

ترجمہ اور عام مفسرین آیات مخاصمہ اور آیات الاحکام میں سے ہر آیت کو کسی قصہ کے ساتھ جوڑتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہی واقعہ شان نزول ہے حالانکہ تحقیق اور طے شدہ بات یہ ہے کہ نزول قرآن کا اصل مقصد انسانی نفوس و ارواح کا تزکیہ اور عقائد باطلہ کو مٹانا اور برے اعمال کی بیخ کنی ہے ۔

فائدہ کچھ مفسرین کے یہاں آیات کے شان نزول سے متعلق واقعات کا اتنا اہتمام پایا گیا کہ رطب و یابس مستند و غیر مستند ہر قسم کا واقعہ نقل کرنے لگے انجام یہ ہوا کہ آیات کے ارد گرد کہانیوں کی بھیڑ اکٹھی ہو گئی ۔ اور تفسیر کے مبتدی یا سرسری مطالعہ کرنے والے اس غلط فہمی کا شکار ہونے لگے کہ شان نزول کے واقعات ہی پر تفسیر کا دار و مدار ہے یا کم از کم شان نزول کے قصوں کے بغیر تفسیر ناقص و ناتمام رہ جاتی ہے ۔ مصنف علام ؒ نے اجمالی دو جملوں میں اسی غلط روش اور خام خیالی کی جانب توجہ دلائی ہے ۔ مطلق شان نزول پر نکیر مقصود نہیں ۔ کیونکہ اولاً تو شان نزول قرآن کے سمجھنے سمجھانے کے لئے خاص اہمیت کا حامل ہے ۔ قال ابن دقیق العید: معرفۃ سبب النزول طریق قوی فی فہم معانی القرآن ۔ اور ابن تیمیہ ؒ نے کہا کہ شان نزول کی واقفیت آیت کے سمجھنے سمجھانے کے لئے معاون ثابت ہوتی ہے کیونکہ سبب کے جاننے سے مسبب کا علم حاصل ہوتا ہے ۔ مفسر واحدی ؒ م ۴۶۸ھ نے کہا جب تک آیت کا شان نزول معلوم نہ ہو جائے کماحقہ آیت کی تفسیر کو سمجھنا ناممکن ہے (مباحث فی علوم القرآن ص۷۹ و لباب النقول) ثانیاً یہ کہ شان نزول سے صرف نظر کر لینے کے بعد بہت سی آیات میں لاینحل تعارض نظر آئے گا ۔ محرمات کی حلت کے

راستے کھلیں گے جیسا کہ لیس علی الذین امنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا (الآیۃ) ای فیما شربوا من الخمر سے شراب کی حِلّت مستفاد ہوگی۔ اور انما الخمر و المیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ (الآیۃ) سے اس کا کھلا ہوا تعارض ہو جائیگا اسی طرح للّٰہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ سے "کسی بھی جہت میں" ادائیگی نماز کا جواز مستنبط ہوگا، اور وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ سے اس کا تعارض ہوگا۔ معلوم ہوا کہ تفسیر کے لئے شان نزول کی ضرورت ہے۔

غیر شانِ نزول کے سلسلہ میں مفسرین کرام کی نا مناسب روش پر نقد و جرح کے بعد آخری جملہ "والحق" الخ میں نزولِ قرآن کے مقصد اصلی کو ذکر کیا ہے پھر مندرجہ ذیل عبارت میں قرآن کے اسی مقصد نزول کی روشنی میں ہر ہر مضمون کا ایک مستقل سبب بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

> فوجودُ العقائد الباطلة فی المکلّفین سببٌ لنزول ایات المخاصمة ووجودُ الاعمال الفاسدة وجریانُ المظالم فیما بینھم سببٌ لنزول الاحکام وعدمُ تیقظھم بماعد اذکر الاء اللّٰه وایام اللّٰه ووقائع الموت وما بعدہ سببٌ لنزول ایات التذکیر

ترجمہ چنانچہ "مکلفین" میں عقائد باطلہ کا پایا جانا آیات المخاصمہ کے لئے سبب نزول ہے اور برے اعمال کا پایا جانا اور آپس میں مظالم کا ہونا آیات الاحکام کے نزول کا سبب ہے اور ان کا نہ بیدار ہونا آلاء اللہ و ایام اللہ اور موت و ما بعد الموت کے ہولناک حالات کے ذکر کے علاوہ سے آیات تذکیر کا سبب نزول ہے۔

فائدہ قرآن کے اساسی مضامین پانچ ہیں جن کو اختصاراً تین نام سے ذکر کیا جا سکتا ہے علم المخاصمہ۔ علم الاحکام۔ علم التذکیر۔ مذکورہ عبارت میں سے

3

الگ الگ ہر ایک کا شان نزول ذکر کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے :۔

چونکہ لوگ برے عقائد میں مبتلا تھے اس لئے آیات مخاصمہ نازل ہوئیں ۔ اور لوگ بداعمالیوں کا شکار تھے ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کرتے تھے اسلئے آیات الاحکام کا نزول ہوا تاکہ عقائد فاسدہ و اعمال سیئہ کی تردید ہو جائے ۔ اور چونکہ تذکیرات ثلثہ کے علاوہ تمام تذکیری اسباب و ذرائع ان کے حق میں غیر مؤثر ہو چکے تھے اسلئے ان کی غفلتوں کو دور کرنے کے لئے تذکیری آیات کا نزول ہوا ۔

وما تكلفوا من خصوصيات القصص الجزئية لا مدخل لها يُعتدّ به إلا في بعض الآيات حيثُ وقع التعريضُ فيها لواقعة من وقائعَ وُجدت في زمنه صلى الله عليه وسلم أو قبلَ ذلك ولا يزولُ ما يعرضُ للسامع من الانتظار عند سماعِ ذلك التعريضِ إلا ببسطِ القصة فلزم أن نشرح هذه العلوم بوجهٍ لا يستلزم مؤونةَ إيراد القصص الجزئية

ترجمہ اور جزئی واقعات کی وہ خصوصیات جن کا تکلف کیا ہے مفسرین نے ان کا (شان نزول میں) ایسا دخل نہیں جس کا اعتبار کیا جائے مگر بعض آیات میں جہاں ان واقعات میں سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا اس سے پہلے پائے گئے کسی ایک واقعہ کی جانب اشارہ ہو اور (جہاں) سننے والے کا وہ انتظار زائل نہ ہوتا ہو جو اسے اس اشارہ کو سننے کے وقت پیش آیا ہو ۔ مگر قصہ کی تفصیل سے اس وجہ سے ضروری ہوا کہ ہم ان علوم کی اس انداز پر شرح کریں جو جزئی واقعات کو ذکر کرنے کے بارگراں کو مستلزم نہ ہو ۔

فائدہ اوپر والتحقیق ان المعتمد الخ سے شان نزول کے بارے میں ایک معتبر بیان فرما چکے ہیں جو تمام آیات قرآنیہ پر بلا تکلف صادق و نافذ

ہے۔ اب یہاں سے ان جزئی واقعات کی صحیح پوزیشن اُجاگر فرما رہے ہیں جو علیحدہ علیحدہ مختلف آیات کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں۔ حاصلِ عبارت یہ ہے کہ ایسے جزئی واقعات کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) :۔ وہ واقعات جن کی طرف آیاتِ کریمہ میں کوئی تعریض یا اشارہ نہیں پایا جاتا ہے جیسے واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علیٰ ملکِ سلیمان کے ساتھ زُہرہ و مشتری کی خرافاتی کہانی یا وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیه وتخشی الناس کے ساتھ قلبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حُبِّ زینبؓ کے جاگزیں ہونے کا بے بنیاد افسانہ۔ یہ تو بے بنیاد کہانیوں کی دو مثالیں ہوئیں۔ آپ کو ایسی مثالیں بھی مل سکتی ہیں کہ شانِ نزول کے طور پر ذکر کیا ہوا واقعہ واقعی وقوع پذیر ہوا ہو اور بظاہر آیت سے مربوط بھی ہو لیکن اس کا سبب نزول ہونا محلِ اشکال ہو، مثلاً ان اللہ لا یستحیی ان یضرب مثلاً ما بعوضة فما فوقها کا مشہور شانِ نزول یہ ہے کہ جب آیتِ کریمہ یا ایها الناس ضرب مثل فاستمعوا له کا نزول ہوا تو مشرکین استہزاء اور استعجاب کے طور پر بول پڑے ما بال العنکبوت والذباب یذکران اور دوسری روایت کے الفاظ ایک روایت حیث ذکر اللہ الذباب والعنکبوت فیما انزل من القرآن علیٰ محمد ای شیء یصنع بهذا جواب میں آیتِ کریمہ ان اللہ لا یستحیی الخ نازل ہوئی جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ نے مثلهم کمثل الذی استوقد نارا الخ کے ذریعہ منافقین کی مثال ذکر فرمائی تو منافقین نے اس کی تردید میں کہا تھا اللہ اجل واعلیٰ من ان یضرب هذه الامثال، جواب میں ارشادِ باری ہوا ان اللہ لا یستحیی (انظر لباب النقول)۔

تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سبب نزول کی حیثیت سے ذکر ہونے والا واقعہ صحیح ہو اور اس کا سبب نزول ہونا بھی صحیح طرق سے ثابت ہو لیکن آیت کی تفسیر میں اس کا چنداں دخل نہ ہو۔ مصنف علامؒ کی نظر میں ایسے واقعات کا تذکرہ بھی

تکلف ہے جس سے احتراز واجتناب ہی اولیٰ وبہتر ہے مثلاً اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ میں بسنے والے یہودیوں میں ایک شخص تھا جو اپنے مسلمان اقرباء ومتعلقین کو دین محمدی مذہب اسلام پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتا تھا اور خود اس سعادت سے محروم تھا۔ اس کے بارے میں آیت نازل ہوئی اتامرون الناس الخ (لباب المنقول وغیرہ)

(۲) وہ واقعات جن کی طرف آیات میں واضح اشارہ موجود ہو خواہ وہ واقعات زمانہ نبوت کے ہوں (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) یا اس سے بھی پہلے کے ہوں۔ اور اس واضح اشارہ کی وجہ سے آیات کو سنتے ہی واقعہ کی تفصیل کے لئے طبیعت میں ایسا انتظار واشتیاق پیدا ہو جاتا ہو جو واقعہ کی تفصیل ووضاحت کے بغیر ختم نہ ہوتا ہو، ایسے مواقع پر واقعہ کی قدرے تفصیل ضروری اور مفید ہوتی ہے مثلاً اصحاب فیل کا واقعہ جس کی طرف سورۂ فیل میں تعریض ہے اور غزوہ بدر کا واقعہ جس کی جانب متعدد مقامات پر تعریض کی گئی ہے مثال کے طور پر سورۂ انفال میں ہے واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انہا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم اور غزوۂ احزاب وغزوۂ حنین وغیرہ کی طرف سورۂ احزاب اور سورۂ توبہ میں تعریضات موجود ہیں۔ فتدبر۔

فوز مرام تشریح: خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بیشتر آیات کی تشریح جزئی واقعات کی تفصیل سے بے نیاز ہے اور ان کا بیان تکلف وتطویل سے خالی نہیں لہذا ہمارا فریضہ ہے کہ ہم قرآن کریم کے علوم پنجگانہ کی شرح وتفسیر میں ایسی راہ سے بچتے ہوئے چلیں جس میں قدم قدم پر قصص وواقعات کی بے بنیاد یا ضعیف البناء منزلیں سد راہ ہوتی ہوں۔

تمت بفضل اللہ وعونہ فالحمد للہ علی ذالک

فصل

قد وقع فی القرآن الکریم المخاصمۃ مع الفرق الاربع الضالۃ المشرکین والمنافقین والیہود والنصاریٰ وھذہ المخاصمۃ علی قسمین الاول ان تذکر العقیدۃ الباطلۃ

مع التنصیص علی شناعتها ویذکر انکارها لا غیر والثانی ان تقرر شبهاتهم ویذکر حلها بالادلة البرهانیة او الخطابیة

اللغات شناعة: قباحت برائی۔ المخاصمة: وهی لغةً المجادلة والمنازعة والمناظرة وفی الاصطلاح: هی علوم باصول ترد بها شبهات باطلة تتولد فی النفوس السفلیة۔ یا یوں کہیے کہ حق وصداقت سے ٹکرانے والے نظریات وخیالات کی تردید ومدافعت کے گر جان لینا علم مخاصمت ہے۔ الاولی کے بعد۔ جتنے افعال مذکور ہیں سب مجہول اور منصوب ہیں۔ لاغیر: فقط کے قائم مقام ہے۔

ترجمہ قرآن کریم میں چار گمراہ فرقے یہود ونصاریٰ اور مشرکین ومنافقین کے ساتھ مجادلہ ہوا ہے اور یہ مباحثہ دو قسموں پر ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ باطل عقیدہ کو اس کی قباحت کی تصریح کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے نفرت ظاہر کی جاتی ہے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ ان کے شبہات کو ذکر کیا جاتا ہے اور دلائل برہانی یا خطابی کے ذریعہ ان کا جواب بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

فائدہ علوم قرآن کا اجمالی تذکرہ کرتے ہوئے علم الاحکام کو مقدم کیا تھا۔ جس کی وجہ۔۔ وہیں گذر چکی ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقام تفصیل میں علم المخاصمہ کی وجہ تقدیم کیا ہے؟

جواب: علم الاحکام پر متقدمین کافی کام کر چکے ہیں۔ آیات الاحکام کی مستقل تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ صرف احکام القرآن کے نام سے تین کتابیں بندہ کے علم میں ہیں: ایک ابن عربی اندلسی کی۔ دوسری ابو بکر رازی حنفی کی جو جصاص کرکے مشہور ہیں۔ تیسری مفتی محمد شفیع صاحب کی۔ علاوہ ازیں کتب فقہ کا پورا ذخیرہ بالواسطہ یا بلاواسطہ علم الاحکام کی تفسیر ہے۔ اس کے برخلاف علم المخاصمہ کی طرف چنداں توجہ نہیں کی گئی تھی اس وجہ سے مصنف علامؒ نے علم المخاصمہ کو زیادہ شرح وبسط سے لکھا تھا۔

لہٰذا یہ بہت کثیر المباحث ہونے کے ساتھ ہی ساتھ توجہ کی بھی زیادہ حقدار ہو گئی گویا ضرورت سبب تقدیم بن گئی۔ واللہ اعلم۔ دوسری بات عبارت سے واضح ہیکہ یہاں سمجھانے کے دو طریقے ہیں۔ **طریقۂ اول کی مثال** ارشاد ربانی ہے:

وکذلک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم دینھم ولو شاء اللہ ما فعلوہ فذرھم وما یفترون۔ ہے جس میں قتل اولاد و دختر کشی یا استھانوں پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھانے کی رسم کو شیاطین یا پجاریوں کا اغواء و اضلال قرار دیتے ہوئے تباہی کا پیش خیمہ بتایا گیا ہے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کے عقیدہ ... "ابنیت عزیرؑ و مسیحؑ" کو وقالت الیہود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ میں بیان کر دیا پھر ذلک قولہم بافواہہم یضاہئون قول الذین کفروا من قبل قاتلہم اللہ انی یؤفکون کے ذریعہ مذمت کر دی ہیں۔ تردید مشرکین کے رسم قتل اولاد کی گئی و یہود و نصاریٰ کے اس مشرکانہ عقیدہ کی کی گئی۔

طریقۂ دوم

(جس میں باطل پرستوں کے شیطانی شکوک و شبہات کا تذکرہ اور پھر ان کا اس انداز سے جواب دیا جاتا ہے کہ عام فہم سادگی کے ساتھ ہی ساتھ منطقی فکر و نظر والوں کے لئے بھی اس میں دلائل ہائے پیہم کی کارفرمائی ہو جیسے خطابیات کی جلوہ سامانی۔ اس کی مثال ارشاد ربانی ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانا یاکلان الطعام انظر کیف نبین لہم الآیات ثم انظر انی یؤفکون (المائدہ) ہے جس میں نصاریٰ کے عقیدہ ابنیت مسیحؑ کی تردید کی گئی ہے۔ پہلے جملہ میں حضرت مسیح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل مقام و مرتبہ بیان فرمایا کہ وہ ایک رسول ہی تھے، نہ خدا یا فرزند خدا یا دشمن خدا، معاذ اللہ۔ پھر دوسرے تیسرے اور چوتھے جملوں میں آپ کی پاکبازی و تقدس اور بشریت کی علامتوں کا تذکرہ ہے

کہ یہ مقدس ماں اور مقدس ترین فرزند دونوں بہرحال قوائے بشری ہی سے مرکب تھے اور کھانے پینے، عورت کے بطن سے پیدا ہونے غرضیکہ ساری بشری ضرورتوں میں محتاج ہی رہے تو کیا ایسے محتاج اور ضرورتمند انسان کو خدائی کے مرتبہ میں رکھتے ہوئے تثلیث پرستوں کو شرم نہیں آتی ؟ یہ تو عام فہم طرز تفہیم ہے۔ لیکن اصطلاحی و منطقی طریقہ استدلال بھی اس میں مضمر ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:۔ " احتیاج و افتقار کے اس طویل الذیل سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم الوہیت مسیح و مریم کے ابطال کو بشکل استدلال یوں بیان کر سکتے ہیں۔ " مریم و مسیح اکل و شرب کی ضروریات سے مستغنی نہ تھے (جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے) اور جو اکل و شرب سے مستغنی نہ ہو وہ دنیا کی کسی چیز سے مستغنی نہیں ہو سکتا ہے پھر تم ہی کہو جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنی بقا میں عالم اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیونکر بن سکتا ہے؟ یہ رکیک دلیل خطابی ہے کیونکہ اس کا مدار ایک مقبول عام اور معقول بات تک محدود نہیں ہو سکتا ہے" پر ہے۔ اسی طرح وقالوا لولا انزل علیہ ملک کے جواب میں ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا وللبسنا علیہم ما یلبسون (الانعام پ۷)۔ نیز لو کان فیہما الھۃ الا اللہ لفسدتا (پ۱۷ سورۃ انبیاء) اور لو اردنا ان نتخذ لھوا لاتخذناہ من لدنا ان کنا فاعلین ([illegible]) وغیرہ آیات میں غور کرنے سے قیاس برہانی کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ فتدبر۔

اما المشركون فكانوا يسمون انفسهم حنفاء وكانوا يدعون التدين بالملة الابراهيمية. وانما يقال الحنيف لمن تدين بالملة الابراهيمية والتزم شعارها، وشعارها حج البيت الحرام واستقبالُه في الصلوٰة وغسل الجنابة والاختتان وسائر خصال الفطرة وتحريم الاشهر الحرم وتعظيم المسجد

الحرام وتحریمُ المحرّماتِ النَّسبیة والرضاعیة والذبح فی الحلق والنحرُ فی اللبّة والتقرّبُ بالذبح والنحر خصوصًا فی ایامِ الحج ،

اللغات

حُنَفاء: بروزن فُقَراء حنیف کی جمع ہے جس کا مادہ حَنَفٌ ہے مائل ہونا، یکسو ہونا۔ حنیف ادیانِ باطلہ کو چھوڑ کر دینِ حق پر جم جانے والا۔ قال الآلوسی فی تفسیر قولہ تعالیٰ "ان ابراهیم کان امۃ قانتا للّٰه حنیفًا" مائلًا عن کل دین باطل الی الدین الحق غیر زائل عنه (روح المعانی) وفی العرف کل من کان علی دین ابراهیم علی نبینا وعلیه الصلوٰة والسلام فهو حنیف۔ حنفاء وہ ہیں جو شریعتِ ابراہیمی یعنی مناسک، ختان، غسلِ جنابت اور استقبالِ کعبہ کے پیرو ہوں۔ (فتح الرحمٰن)۔ یَدَّعُوْنَہٗ: ادعاء سے دعویٰ کرنا۔ التَّدَیُّن: باب تفعّل کا مصدر ہے۔ دین و مذہب اختیار کرنا۔ شِعَار: وہ کپڑا جو جسمِ انسانی سے بلا واسطہ متصل ہو جیسے بنیائن وغیرہ۔ اور لفظ شعار کسی قوم یا جماعت کی امتیازی نشانیوں کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں ملّتِ ابراہیمی کی خصوصیات اور اس کے امتیازی اعمال مراد ہیں۔ الفطرة: وہ پرانا طور طریقہ جسے انبیاء کرامؑ نے اختیار کیا ہو اور ان کی شریعتیں جس پر متفق ہوں۔ کمالِ انسانیت اور امورِ فطرت کی کامل ہم آہنگی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خصائلِ فطرتِ انسان کے طبعی و پیدائشی احوال و عادات ہیں۔ فُسِّرت الفطرة بالسنة القدیمة التی اختارها الانبیاء واتفقت علیها الشرائع فکانها امر جبلی خلقوا علیها۔ حسّنه السیوطی۔ (مرقاة المفاتیح)۔

خصالِ فطرت: جو حدیثِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ثابت ہیں دس ہیں۔ داڑھی بڑھانا۔ مونچھیں کترنا۔ پانی سے ناک صاف کرنا۔ ناخن کاٹنا۔ مسواک کرنا۔ انگلیوں کے جوڑوں اور اوپری حصہ کی صفائی رکھنا۔ بغل

کے بال اکھاڑنا، موئے زیرِ ناف مونڈنا۔ استنجا کرنا، اور کلّی کرنا۔

اللَّبَّۃُ: بروزن المَدَّۃ: سینہ، سینہ پر ہار پڑنے کی جگہ۔ النحر: (فتح سے) سینہ پر دھار دار چیز سے مارنا۔ اونٹ کو بھیڑ بکری کی طرح لٹا کر اور گردن و حلقوم کاٹ کر ذبح نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس کا اگلا پیر باندھ کر نیزہ اور بڑی چھری جیسی چیز سے ضرب کاری کی جاتی ہے جس کی تاب نہ لا کر وہ زمین پر گر پڑتا ہے۔ اسی کو نحر کہتے ہیں۔

ترجمہ بہرحال مشرکین تو وہ اپنے آپ کو "حنیف" کہتے تھے اور ملت ابراہی کے پیرو ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن پیروی کرتے نہیں تھے جب کہ حنیف اُسی کو کہا جاتا ہے جو ملت ابراہی کو بحیثیت مذہب اختیار کرے، اور اس کے شعائر کا التزام کرے اور ملت ابراہی کے شعائر بیت الحرام (خانۂ کعبہ) کا حج کرنا اور نماز میں اس کا استقبال کرنا، غسل جنابت کرنا، ختنہ کرانا، اور تمام فطری عادات، اشہر حُرُم (محترم مہینوں) کا احترام، مسجد حرام کی تعظیم، نسبی اور رضاعی محرمات کو حرام سمجھنا اور (عام جانوروں کا) ذبح کرنا حلق میں اور (اونٹ کا) نحر کرنا سینہ میں اور ذبح و نحر کے ذریعہ (اللہ تعالیٰ کا) قرب چاہنا، بالخصوص حج کے ایام میں۔

فائدہ یہاں سے مشرکین کے تفصیلی حالات کا آغاز ہوا ہے، مشرکین کے بارے میں صاحب کتاب نے چھ مباحث ذکر کی ہیں۔

(۱) مشرکین کا نام نہاد دعویٰ کہ "ہم ابراہیمی و حنیفی ہیں۔ ملت ابراہی پر ہمارا عقیدہ و عمل ہے۔ (۲) حنیف کا مصداق حقیقی کون لوگ ہیں۔ (۳) اصل ملت ابراہی کے شعار اور اعمال و عقائد کیا ہیں۔ (۴) مشرکین کی ان سے بیزاری اور نفس و ہوا کی پیروی۔ (۵) ملت ابراہی کے عقائد و اعمال پر مشرکین کے شبہات کا سبب۔
(۶) مشرکین مکہ کی گمراہیاں اور ان کے جوابات۔

تشریح عبارت: — پیش نظر عبارت میں اوّل الذکر بحثیں آگئی ہیں

جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین اگرچہ اپنے آپ کو حنفاء اور ابراہیمی کہتے تھے۔ لیکن حقیقت اس کے خلاف تھی۔ کیونکہ حنیف یا ملت ابراہیمی کا پیرو کار وہی شخص ہو سکتا ہے۔ جو اس کے شعائر اور عقائد و اعمال کو اختیار کرے جب کہ امتداد زمانہ اور عرصہ دراز سے چلی آرہی بے راہ روی نے عام لوگوں کو دین ابراہیمی سے بالکل بے خبر کر رکھا تھا۔ تائید کے لئے سیرت ابن ہشام کا یہ واقعہ پڑھئے جو زمانہ جاہلیت کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔

ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نوفل کے بارے میں منقول ہے کہ کسی میلہ یا عید کے موقع پر ان چاروں اشخاص نے سب سے الگ تھلگ ہو کر "خفیہ میٹنگ" کی جس میں رازداری کا معاہدہ ہوا بعد بت پرستی کی عدم افادیت پر اتفاق کرتے ہوئے قوم کی مذہبی بدحالی پر بڑی بے اطمینانی کا اظہار کیا گیا اور طے پایا کہ حنیفیت اور ملت ابراہیمی کی پوری گرمجوشی کے ساتھ تلاش و جستجو ہونی چاہئے کیونکہ اس کے علاوہ سارے مذاہب باطل و ہلاک ہیں۔ ابو الصلت بن ربیعہ الثقفی نے سچ کہا، شعر۔

کل دین یوم القیامۃ عند اللہ * الا الدین ابراھیم بورٌ

یعنی قیامت کے روز دین ابراہیمی کے سوا سارے ادیان اللہ کے نزدیک باطل ہوں گے اور ایک روایت میں بور کی جگہ زور ہے جس کے معنی میں جھوٹ فریب۔ (من العون صـ۲۷)

ملت ابراہیمی کے شعائر زیر مطالعہ عبارت میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ جن کی تعداد گیارہ ہے رہ گئے اعمال تو ان کو درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔

> وقد کان فی اصل الملۃ الوضوءُ والصلوۃُ والصومُ من
> طلوع الفجر الی غروب الشمس والصدقۃُ علی الیتامٰی
> والمساکینِ والاعانۃُ فی نوائبِ الحق وصلۃُ الارحام

مشروعةً وكان التمدّح بهذه الافعال شائعا فيما بينهم ولكن جمهور المشركين كانوا يتركونها حتى صارت هذه الافعال كأنْ لم تكن شيئًا وقد كان تحريمُ القتل والسرقة والزنا والربا والغصب ايضًا ثابتًا فى اصل الملة وكان انكار هذه الاشياء جاريًا فى الجملة وامّا جمهور المشركين فيرتكبونها ويتبعون النفس الامّارة فيها.

ترکیب الوضوءُ الصلوٰة سے صلة الارحام تک کے پانچ معطوفات کے ساتھ کانَ کا اسم ہے اور مشروعةً اس کی خبر ہے۔

اللغات نوائب، نائبہ کی جمع ہے حوادث اور مصائب نوائب الحق کی تفسیر "الحوادث الكائنة من تقدير الحق سبحانہ" ہے یعنی وہ حوادث و واقعات جو رب کائنات کی طرف سے کسی کے حق میں مقدر ہوتے ہیں نوائب الحق کہلاتے ہیں۔ التمدح باب تفعّل کا مصدر ہے قابل فخر و ستائش ہونا۔ انکار، مذمت، اظہار نفرت۔

ترجمہ اور اصل ملت میں وضو، نماز اور طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ اور یتیموں و مسکینوں کو صدقہ دینا، مشکلات میں امداد کرنا اور صلہ رحمی مشروع تھی۔ اور ان اعمال کے ذریعہ لائق ستائش ہونا ان لوگوں میں معروف تھا۔ لیکن عام مشرکین نے ان کو چھوڑ رکھا تھا حتی کہ یہ اعمال رفتہ، ایسے ہو گئے تھے گویا کچھ نہیں تھے اور قتل و چوری، زنا و سود اور غصب کی حرمت بھی اصل ملت میں ثابت تھی۔ اور ان اشیاء (اعمال) کا معیوب ہونا بھی کسی درجہ میں رائج تھا۔ لیکن عام مشرکین انھیں اختیار کرتے تھے اور اس سلسلہ میں نفس امارہ کی پیروی کیا کرتے تھے۔

فائدہ :- کانوا یترکونہا ـ کا ترجمہ فعل ماضی سے اس لئے کیا کہ

فارسی عبارت ۔ آثار ترک شدہ و بود و نمانیے

اس عبارت میں ملت ابراہیمی کے اعمال کی مختصر سی فہرست پیش کرنے کے ساتھ ہی ساتھ دو دعوے بھی کیے گئے ہیں۔ پہلا دعویٰ یہ کہ یہ اعمال حسنہ مشرکین کی قوم میں بھی مستحسن تھے اگرچہ اکثریت ان سے بیزار تھی۔

دلائل

- راستبازی، اعانتِ مظلوم، قرابت داری، یتیم پروری، بیکسی نوازی اور ہمسائیگی کو بنظرِ استحسان دیکھنے کی دلیل ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وہ الفاظ ہیں جو ابتدائے بعثت کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و دلداری کے لئے آپ کی زبان سے ادا ہوئے تھے یعنی فو اللہ لا یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتصدق الحدیث وتقری الضیف وتحمل الکل وتعین علی نوائب الحق (مشکوٰۃ شریف ص ۵۲۲) یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہ کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، دوسروں کے بار برداشت کرتے ہیں، حق تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آفتوں میں لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔

- قریش ایام جاہلیت میں یوم عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کان یوم عاشوراء تصومه قریش فی الجاهلیة۔ یہ روزہ کو مستحسن سمجھنے کی دلیل ہے۔

- ملت ابراہیمی میں نماز کی مشروعیت متعدد آیات سے ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا "رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی" اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ربانی "وکان یامر اهله بالصلوٰۃ والزکوٰۃ"۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ و لوطؑ اور حضرت یعقوبؑ وغیرہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے قرآن نے کہا "وجعلناهم ائمة یهدون بامرنا واوحینا الیهم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ"

● حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ ثلثا ثلثا وقال ھذا وضوئی ووضوء الانبیاء قبلی ووضوء ابراہیم علیہ السلام۔ یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے کما ذکرہ النواوی فی شرح مسلم [illegible]) لیکن ہمارے مدعٰی عہ کے لئے کافی ہے جو دوسری صحیح روایات سے بھی ثابت ہے لانہ ثبت فی البخاری فی قصۃ سارۃ مع الملک انہا قامت تتوضأ وتصلی وفی قصۃ جریج الراہب انہ قام فتوضأ (رواہ [illegible]) واللہ اعلم۔

دوسرا دعوٰی

قتل، چوری، زنا، سود اور غصب جیسے جرائم ومعاصی مشرکین عرب کی نگاہوں میں بھی قبیح ومعیوب تھے۔ اگرچہ اکثریت نفس امارہ کی پیروی میں ان جرائم میں ملوث تھی۔

دلیل: زید بن عمرو بن نفیل جو جاہلی شاعر تھا کہتا ہے:

عجبت وفی اللیالی معجبات   وفی الایام یعرفہا البصیر
مجھے تعجب ہوا اور شب وروز میں بہت سی حیرت انگیز چیزیں ہیں جنہیں صاحب بصیرت خوب سمجھتے ہیں۔
بان اللہ قد افنی رجالا   کثیرا کان شانہم الفجور
اس پر کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر دیا جن کا مشغلہ بدکاری تھا
عبادک یخطئون وانت ربی   بیدک المنایا والحتوم
تیرے بندے خطاکار ہیں ـــــ اور تو میرا پروردگار ہے تیرے ہی قبضہ میں موتیں اور فیصلے ہیں
أربا واحدا ام الف رب   أدین اذا تقسمت الامور
ایک رب کا عقیدہ رکھوں یا ہزاروں ارباب کا جب اشیاء کی تقسیم ہو۔
ترکت اللات والعزی جمیعا   کذلک یفعل الرجل البصیر (اسد الغابۃ والروض)
میں نے لات وعزی سب کو چھوڑ دیا صاحب بصیرت آدمی ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

سموأل بن عادیا کا شعر ہے۔

اذا المرء لم یدنس من اللؤم عرضہ   فکل رداء یرتدیہ جمیل
جب انسان کی عادت بخل میں ملوث نہ ہو تو جو چادر بھی وہ اوڑھے بھلی معلوم ہوتی ہے

عہ یعنی ملت ابراہیمی میں وضو کا ثبوت۔

اس شعر سے بخل کی مذمت اور فیاضی کی مدحت ظاہر ہوتی ہے ۔

وكانت عقيدة اثبات الصّانع سبحانه وتعالىٰ وأنّه
هو خالق السمٰوات والارضين ومدبر الحوادث العظام
وأنّه قادر على ارسال الرسُل وجزاء العباد بما يعملون
وأنّه مقدّرٌ للحوادث قبل وقوعها وعقيدة ان الملائكة
عباده المقرّبون المستحقون للتعظيم ايضًا ثابتة فيما بينهم
ويدل على ذلك أشعارهم وكان قد وقع لجمهور المشركين
في هذه العقائد شبهات كثيرة ناشئة من استبعاد هذه
الامور وعدم ألفتها ۔

ترجمہ اور خالق سبحانہ وتعالیٰ کے اثبات کا عقیدہ اور اس کا (عقیدہ) کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا اور بڑے بڑے حوادث کا نظم کرنے والا ہے اور اس کا (عقیدہ) کہ وہ پیغمبروں کے بھیجنے اور بندوں کو ان کے کئے کا بدلہ دینے پر قادر ہے اور اس کا (عقیدہ) کہ وہ حوادث کو ان کے وقوع سے پہلے متعین کرنے والا ہے اور اس کا عقیدہ بھی کہ فرشتے اسکے مقرب بندے ہیں جو تعظیم کے مستحق ہیں۔ ان لوگوں میں ثابت تھا اور ان کے اشعار دلالت کرتے ہیں اور عام مشرکین کو ان عقائد میں بہت سے اشکالات تھے جو ان امور کو مستبعد سمجھنے اور ان سے مانوس نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے ۔

فائدہ عبارت میں ملت ابراہیمی کے وہ عقائد مذکور ہیں جو مشرکین کے یہاں بھی کسی درجہ میں مسلم تھے لیکن عام مشرکین مذہب بیزاری کی وجہ سے ان سے بیگانہ تھے یا ان کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات کی وجہ سے ان کو مستبعد سمجھتے تھے ۔

ابو الصلت بن ربیعہ الثقفی کے وہ اشعار جو واقعۂ فیل کے بارے میں

بیے گئے تھے پیش خدمت ہیں، ان میں آپ کو اثبات صانع اور اس کے مدبر حوادث ہونے کے عقائد بہت صاف نظر آئیں گے۔ اشعار:

ان آیات ربنا ثاقبات ۔ لا یماری فیہن الا الکفور

ہمارے رب کی آیات (قدرت ہر طرف) جلوہ گر ہیں ان میں ناشکرے کے علاوہ کوئی بھی شک نہیں کرتا ہے۔

خلق اللیل والنہار کل ۔ مستبین حسابہ مقدور

شب و روز کو اس نے پیدا کیا چنانچہ ہر ایک نمایاں ہے (اور طلوع و غروب، گھٹنا و بڑھنا ہیں) اس کا ضابطہ متعین ہے۔

ثم یجلو النہار رب رحیم ۔ بمہاۃ شعاعہا منشور

پھر رب کریم دن کو ایسے سورج سے منور کرتا ہے جس کی کرنیں بکھری ہوئی ہیں (یا جو ضیا پاش ہوتا ہے)

حبس الفیل بالمغمس حتی ۔ ظل یحبو کانہ معقور

اس نے ہاتھیوں کو "مغمس" میں روک دیا حتی کہ وہ سرین کے بل ایسے گھسٹنے لگے جیسے ان کے پیر کاٹ دیئے گئے ہوں۔

نوٹ: مغمس طائف کے راستہ میں مکہ مکرمہ سے تقریباً تین فرسخ کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ یہ آخری شعر اللہ تعالیٰ کے مدبر حوادث ہونے کا واضح اعلان و اعتراف ہے۔ شعر کے علاوہ آیت کریمہ قل من یرزقکم من السماء والارض امن یملک السمع والابصار ومن یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ومن یدبر الامر فسیقولون اللہ فقل افلا تتقون" بھی اللہ تعالیٰ کو مدبر حوادث ماننے کی دلیل ہے مشرکین کو بھی اقرار تھا کہ امور کلیہ اور عظیم الشان کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ (فوائد عثمانی) باقی پانچ عقائد کے سلسلے میں آیات ربانی کی شہادتیں ملاحظہ ہوں۔ ولئن سألتہم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ قل الحمد للہ لقمانہ

ولئن سألتهم من خلق السموات والارض وسخر الشمس والقمر ليقولن الله ۔ (عنکبوت) ۔

ملت ابراہیمی کے مطابق مشرکین کا جو تھا عقیدہ : اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی بعثت پر قادر ہے ۔ دلیل : ارشاد ربانی واذا جاءتهم آية قالوا لن نؤمن حتى نؤتى مثل ما اوتي رسل الله (پ سورہ انعام) ۔ واقسموا بالله جهد ايمانهم لئن جاءتهم آية ليؤمنن بها (پ سورہ انعام)

مشرکین میں یوم الجزاء اور بندوں کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دینے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بھی ایمان وعقیدہ پایا جاتا تھا ۔ اس کی دلیل زہیر بن ابی سلمیٰ کے اشعار میں جو ہجرت سے گیارہ سال قبل وفات پا چکا تھا ۔ شعر:

فلا تكتمن الله ما في صدوركم ليخفى ومهما يكتم الله يعلم

یعنی لہٰذا تم لوگ اپنے دل کے خیالات وجذبات کو پوشیدہ رکھنے کے لئے اللہ سے ہرگز نہ چھپاؤ ۔ اور (یاد رکھو) جو چیز بھی چھپائی جاتی ہے اللہ اسے جانتا ہے ۔

يؤخر فيوضع في كتاب فيدخر ليوم الحساب او يعجل فينقم

یعنی اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے تو نامۂ اعمال میں محفوظ کرکے یوم الحساب کے لئے ذخیرہ کر دیا جاتا ہے یا فوری کارروائی کرتا ہے تو سزا دیتا ہے ۔

وكان من ضلالهم الشرك والتشبيه والتحريف وانكار المعاد واستبعاد رسالته صلى الله عليه وسلم وشيوع الاعمال القبيحة والمظالم فيما بينهم وابتداع الرسوم الفاسدة واندراس العبادات ۔

ترجمہ اور شرک وتشبیہ، تحریف، آخرت کا انکار، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بعید سمجھنا، آپس میں مظالم اور برے اعمال کا

علوم، غلط رسموں کی ایجاد اور عبادتوں کو مٹانا مشرکین کی گمراہیوں میں سے تھا۔

فائدہ ملت ابراہیمی کے اعمال و عقائد کو چھوڑ کر مشرکین جن باتوں میں مبتلا ہو گئے تھے اس عبارت میں ان کی ایک اجمالی فہرست پیش کر دی گئی ہے۔ آگے ان میں سے ہر ایک کی تفصیل و توضیح پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

والشرك ان يثبت لغير الله سبحانه وتعالى شيئا من صفاته المختصة به كالتصريف في العالم بالارادة الذي يعبر عنه بكن فيكون او العلم الذاتي من غير اكتساب بالحواس ودليل العقل والمنام والالهام ونحو ذلك او الايجاد لشفاء المريض او اللعن لشخص والسخط عليه حتى يقدر عليه الرزق او يمرض او يشقى لذلك السخط او الرحمة لشخص حتى يبسط له الرزق ويصح بدنه ويسعد۔

اللغات ۔ ان یثبت: اثبات مصدر سے فعل معروف ہے جس کا فاعل محذوف ہے۔ " ای ان یثبت احدٌ ۔ التصریف: تصرف کرنا، الٹ پھیر کرنا۔ بالارادۃ: باء سببیہ ہے۔ العلم: دانستن، جاننا۔ الحواس: الحاسۃ کی جمع ہے۔ معلومات فراہم کرنے کا ذریعہ جیسے ناک کان وغیرہ۔ الالہام: مایلقی فی الروح بطریق الفیض۔ یا یوں کہو: اللہ تعالی کا انسان کے دل میں ایسا داعیہ پیدا کرنا جو کسی فعل کے کرنے یا چھوڑنے پر آمادہ کر دے۔ اللعن: فتح سے خیر سے دور و محروم کرنا۔ السخط: سمع سے، غضبناک ہونا۔ شدۃ الغضب الموجب للحرمان۔ یقدر: قدر (ن، ض) وقدر (تفعیل) علی عیالہ سے رزق میں تنگی کرنا۔ یہ مضارع مجہول ہے۔ یشقی: شقاوت

بمعنی عمرہ اور بجہتی سے عبارت مجہول - وفی بعض النسخ من استغناء وھو من مزید المستحصد. یعنی : صحیح یہ عبارت نہیں تھی ۔

ترجمہ اور شرک یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علاوہ کے لئے اللہ کی ان صفات میں سے جو اس کے ساتھ خاص ہیں کوئی صفت ثابت کرے ۔ مثلاً کائنات میں اس ارادہ کے ذریعہ تصرف کرنا جس کی تعبیر "کن فیکون" سے کی جاتی ہے یا علم ذاتی جو حواس، عقل کی رہنمائی، خواب، الہام وغیرہ کے ذریعہ تحصیل کے بغیر ہوتا ہے یا بیمار کو شفا دینا یا کسی شخص پر لعنت کرنا اور اس پر سخت غضبناک ہونا یہاں تک کہ اس کی روزی تنگ کر دی جائے یا بیماری میں مبتلا کر دیا جائے یا بدبخت و محروم کر دیا جائے اس ناراضگی کی وجہ سے یا کسی پر مہربان ہونا حتیٰ کہ اس کے لئے رزق کی وسعت پیدا کر دی جائے اور اس کا جسم صحت مند اور وہ سعادت مند ہو جائے ۔

فائدہ ارادہ سے مراد باری تعالیٰ کی وہ مشیت اور چاہت ہے جو اشیاء کے وجود کے لئے علت بنتی ہے ۔ اس ارادۂ باری کو ارادۂ کن فیکون کہتے ہیں کیونکہ قرآن میں اس کو تذکرہ "کن فیکون" کے الفاظ سے ہوا ہے : انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون ۔ اذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون ۔

یادداشت کن کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ جل شانہ اشیاء کی تخلیق و ایجاد میں اس دو حرفی لفظ "کن" کا سہارا لیتا ہے اور اس کے بغیر تخلیق پر قادر نہیں بلکہ مقصد محض سرعتِ تخلیق و تکوین کا بیان ہے اور مقصد فقط انسان کو یہ سمجھانا ہے کہ قادر مطلق کی ذات ارادہ ہوتے ہی ہر شئی عدم سے منصۂ ہستی پر آموجود ہوتی ہے گویا بالکل معقول کو سمجھانے کے لئے یہ ایک تمثیلی طریقہ اختیار کیا گیا ہے ۔

حاصل عبارت یہ ہے کہ مذکورہ صفات ارادۂ کن کے ذریعہ تصرف

کسی کے حق میں شفا و تندرستی رحمت و کرم فرمائی، کسی کے حق میں رحمت سے دوری و مجبوری اور باب بخشش کی امداد و دوائی بندش وغیرہ وغیرہ خیر و شر کے تمام فیصلے اور ان کا نفاذ و اجراء صرف باری تعالیٰ عز شانہٗ کے ساتھ مختص و مخصوص ہیں۔ لہٰذا ان صفات میں سے کسی ایک صفت کو بھی غیر اللہ کے حق میں تسلیم کرنیوالا مشرک ہے۔ جس کا اعتقاد ہو کہ بعض ارادہ سے غیر اللہ بھی کچھ کر سکتا ہے وہ مشرک جو شخص شفا و صحت عطا کرنیوالا کسی اور کو مانے وہ مشرک۔ جو رحمت و لعنت کا اختیار کسی اور کے حق میں سمجھے وہ مشرک۔

> ولم يكن المشركون يشركون احدا فى خلق الجواهر و تدبير الامور العظام ولا يثبتون لاحد قدرة على الممانعة اذا ابرم الله سبحانه وتعالى امرا وانما كان اشراكهم فى الامور الخاصة ببعض العباد وكانوا يظنون ان الملك على الاطلاق جل مجده شرف بعض العباد بخلعة الالوهية ويؤثر رضاهم وسخطهم على سائر العباد

اللغات

الجواھر: جوہر کی جمع ہے۔ وھو کل شئ یقوم بذاتہ و لا یحتاج فی بقائہ الی الغیر کالحجر والشجر ونحوھا جو چیز بذات خود قائم و باقی ہو اپنے بقا ۔ ۔ ۔ میں غیر کی محتاج نہ ہو اس کا مقابل عرض ہے ای ما لا یقوم بذاتہ کاللون والعلم۔ ابرم۔ ابرام سے حکم اور اٹل فیصلہ کرنا۔ شرف، التشریف سے فعل ماضی عزت و بزرگی دینا۔ خلعۃ، کپڑا یا جوڑا جو اعزاز کے طور پر بخشے۔ مراد مرتبہ ہے

ترجمہ

اور مشرکین جواہر کو پیدا کرنے اور اہم چیزوں کا انتظام کرنے میں کسی کو شریک نہیں کرتے تھے اور نہ کسی کے لیے رکاوٹ

ڈالنے کی قدرت کو ثابت کرتے تھے اس صورت میں جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کام کا اٹل فیصلہ کر لے ان کا شرک تو صرف ان چیزوں کے بارے میں تھا جو بعض بندوں کے ساتھ خاص ہوتی ہیں اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ شہنشاہ مطلق جل مجدہٗ نے بعض بندوں کو خدائی کے مرتبہ سے اعزاز بخشا ہے اور ان (بندوں) کی خوشی وناخوشی سے بعض بندوں کے حق میں اثر انداز ہوتی ہے ۔

فائدہ الامور العظام لفظی ترجمہ بڑی چیزیں، اس سے وہ غیر شخصی یا اجتماعی امور عامہ مراد ہیں جو آسمان وزمین اور اس کے درمیانی عنصر سے وابستہ ہیں جیسے خود آسمان وزمین کی تخلیق، بارش، زمین میں پودے وغیرہ اگانا، زمین کو قابل کاشت وقابل نشست وبرخاست بنانا، اس میں پانی کی حفاظت اور نہروں کا انتظام وغیرہ۔

الامور الخاصۃ سے وہ خصوصی شخصی یا اجتماعی احوال مراد ہیں جن میں .... سب برابر درجہ کے شریک نہیں ہیں بلکہ رب رحیم کی حکمتوں کے موافق ان میں تفریق وتفاوت ہے۔ مثلاً ایک بیمار کو شفا وسکون دوسرے کی بیماری میں اضافہ، کسی کو فقر وذلت میں رکھنا، دوسرے کو اعزاز وتونگری سے نوازنا، کسی کو فقر کے باوجود عزت ووقار کی بلندی پر ناز کرنا اور کسی کو تونگری کے باوجود بے حیثیت وبے وقعت بنا دینا۔

قال المصنف ؒ لکن کان من زندقتهم قولهم ان هنالك اشخاصا من الملئکۃ والارواح تدبر اهل الارض فیما دون الامور العظام من اصلاح حال العابد فیما یرجع الی خویصۃ نفسه واموالہ واولادہ (الکبیر ص ۱۳)

حاصل یہ کہ مشرکین بھی عقیدہ یہی رکھتے تھے کہ جب اللہ جل جلالہٗ کسی چیز کا ارادہ فرما لیتا ہے تو پھر اس کے نفاذ میں کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی حائل نہیں ہو سکتی اور ساری مخلوق اس کے ارادہ وفیصلہ کے سامنے عاجز محض ہے فائدہ

فعال لما یرید۔ لیکن اس کے ساتھ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو بعض مخصوص معاملات کا اختیار سونپ دیتا ہے مثلاً کسی فرد معین کی صحت و شفا پھر ان امور اختیاریہ میں وہ بندے اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں۔

كما ان ملكا من الملوك عظيم القدر يرسل عبيده المخصوصين الى نواحي المملكة ويجعلهم متصرفين في الامور الجزئية الى ان يصدر عن الملك حكم صريح فلا يتوجه الى تدبير الامور الجزئية ويفوض اليهم امور سائر العباد ويقبل شفاعتهم في امور من يخدمهم و يتوسل بهم۔

حل عبارت عظیم القدر ملکا کی صفت ہے۔ عبید عبد کی جمع ہے نواحی ناحیۃ کی جمع ہے اطراف و علاقے۔ امور سے حوائج و ضروریات مراد ہیں۔

ترجمہ جیسا کہ بادشاہوں میں سے کوئی عظیم المرتبت بادشاہ اپنے مخصوص غلاموں کو سلطنت کے اطراف و جوانب میں بھیج دیتا ہے اور انھیں جزئی معاملات کا فرمانروا مقرر کر دیتا ہے یہاں تک کہ بادشاہ وقت کی طرف سے کوئی صریح حکم آجائے لہذا جزئی معاملات کے انتظام کی طرف وہ خود متوجہ نہیں ہوتا ہے اور تمام عباد (رعایا) کے معاملات ان ہی (مخصوصین) کے حوالے کر دیتا ہے اور ان لوگوں کے معاملات میں جو ان کی خدمت کرتے ہیں اور ان کو واسطہ بناتے ہیں ان کی سفارش قبول کرتا ہے۔

فائدہ ماقبل کی عبارت میں مشرکین کا جو غلط عقیدہ پیش کیا گیا تھا۔ اس عبارت میں تمثیلی انداز میں اس کا مستدل پیش کیا جا رہا ہے کہ جیسے دنیاوی سلاطین نظام سلطنت چلانے کے لئے اپنے مقرب و معتمد

لوگوں کو حدودِ مملکت کے مختلف حصوں کا حکمراں بنا کر بھیج دیتے ہیں اور جزئی معاملات میں تصرف کرنے کا کلی اختیار انھیں حاصل ہوتا ہے۔ اعتماد کی وجہ سے ان کی سفارشات قبول کی جاتی ہیں اور ان کے واسطے سے آنے والی درخواستیں قابلِ سماعت ولائقِ التفات ہوتی ہیں۔ اسی طرح رب العالمین بھی اپنے مخصوص بندوں کو اختیارات سونپ دیتا ہے جس کی وجہ سے جزئی وشخصی معاملات میں وہ تصرف کی قدرت واختیار رکھتے ہیں۔ لہٰذا بارگاہِ خداوندی تک پہونچنے کے لئے ایسے ان مقرب بندوں کا واسطہ ضروری ہے تاکہ اس بارگاہ میں محبوبیت حاصل ہو سکے اور عوام کی سفارشات سے اپنی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔

جیسا کہ فرمایا:

> فیقولون بوجوب التقرب بعباد الله سبحانه المخصوصین المذکورین لیتیسر لهم قبول للملک المطلق وتقبل شفاعتهم للمتقربین بهم فی مجاری الامور

ترجمہ اسی وجہ سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ مخصوص بندوں کے ذریعہ قربِ خداوندی کی جستجو کے ضروری ہونے کے قائل تھے تاکہ ان کو شہنشاہِ مطلق کی محبوبیت حاصل ہو سکے اور ضرورت کے مواقع پر ان کی سفارشات ان لوگوں کے حق میں قبول کی جائیں جو ان (مقربین) کے واسطے سے قرب چاہتے ہیں۔

فائدہ ضرورت کے مواقع مجاری الامور کا ترجمہ ہے اور للمتقربین بہم کے ترجمہ میں صلہ موصول کی رعایت کی گئی ہے۔

وكانوا يجوزون بملاحظة هذه الامور ان يسجد لهم و

يذبح لهم ويحلف بهم ويستعان بهم في الامور الضرورية بقدرة كن فيكون وكانوا ينحتون من الحجر والصفر وغير ذلك صورا يتخذونها قبلة التوجه الى تلك الارواح حتى اعتقد الجهال شيئا فشيئا تلك الصور معبودة بذاتها فتطرق بذلك خلط عظيم،

اللغات

يجوزون: تجویز سے ہے جائز قرار دینا یا جائز سمجھنا۔ **ملاحظة**: دیکھنا، انتظار کرنا، مراد رعایت و پاسداری ہے۔ **هذه الامور** سے مشرکین کے مندرجہ بالا تخیلات و تصورات مراد ہیں یعنی خصوصی بندوں کو خصوصی اختیارات کا ملنا اور ان کی سفارشات کی لازمی منظوری وغیرہ۔ **قدرة كن فيكون** سے وہ صلاحیت مراد ہے جس کی موجودگی میں کسی بھی منفی یا مثبت عمل کے لیے صرف مشیت و ارادہ ہی کافی ہوتا ہے اسباب و آلات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے و بطلانہ واضح فان القادر واحد لا الہ الا ہو۔ **قبلة**: جہت اور سمت کو کہتے ہیں یہاں ذریعہ و وسیلہ مراد ہے۔ **ينحتون**: نحت ینحت (ض) نحتاً۔ تراشنا۔ **الصفر**: سونا، پیتل۔ وغیر ذلک کا عطف الحجر پر ہے اس سے مراد دوسری دھاتیں ہیں جیسے لوہا وغیرہ۔ **صورا**: جمع صورة۔ مورتیاں۔ ینحتون کا مفعول بہ ہے۔ **فتطرق**: فاء تعقیب کا ہے اور تطرق باب تفعّل سے ماضی کا صیغہ ہے راہ پانا۔ **بذلك**: مشار الیہ اعتقاد جہال ہے۔

ترجمہ: اور جائز سمجھتے تھے ان امور (خیالات) کی پاسداری میں کہ ان کو سجدہ کیا جائے اور ان کے لئے (جانور) ذبح کئے جائیں اور ان کی قسم کھائی جائے اور ضرورت کی چیزوں میں ان سے مدد مانگی جائے (ان میں) "کن فیکون" کا زور ہونے کی وجہ سے، اور یہ لوگ پتھر پیتل وغیرہ کی ایسی مورتیاں تراش لیا کرتے تھے جو ان ارواح کی طرف توجہ

ہونے کا ذریعہ بناتے تھے حتیٰ کہ جہلاء رفتہ رفتہ ان مورتیوں کو اصل معبود سمجھنے لگے جس کی وجہ سے بہت بڑے اشتباہ نے راستہ پالیا۔

فائدہ مشرکین نے عام سلاطین زمانہ پر قیاس کرتے ہوئے قرب خداوندی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی مخصوصین ومقربین ہی کو سمجھا۔ یہاں سے شرک کی داغ بیل پڑی۔ پھر کیا تھا مقربین کو سجدہ کرنا، ان کے نام پر قربانی، ان سے استمداد واستعانت جیسے وہ تمام امور جائز ہی نہیں، مستحسن وقابل ثواب ہو گئے۔ جو رضائے الہیٰ کو ذریعہ بنا کرتے تھے اور ایسے مقربین کی وفات کے بعد ان کی ارواح کی طرف متوجہ ہونے کے لئے ان کے مجسمے تیار کئے جانے لگے پھر وہ دن بھی آ گئے کہ جہالت کی وجہ سے ان ہی بتان بے چشم وگوش کو معبود حقیقی سمجھا جانے لگا۔ گویا وسائل وذرائع کو مقصود کا مرتبہ مل گیا۔ فیا للعجب۔

والتشبيه عبارة عن اثبات الصفات البشرية لله تبارك وتعالى فكانوا يقولون ان الملئكة بنات الله وانما يقبل شفاعة عباده وان لم يرض بها كما ان الملوك يفعلون مثل ذلك بالنسبة الى الامراء الكبار وكانوا يقيسون علمه تعالى وسمعه وبصره الذي يليق بجناب الالوهية على علمهم وسمعهم وابصارهم لقصور اذهانهم فيقعون في القول بالتجسيم والتحيز،

ترجمہ اور تشبیہ اللہ تعالیٰ کے حق میں انسانی صفات کو ثابت کرنے کا نام ہے چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہ کہ وہ اپنے بندوں کی سفارش قبول کرتا ہے چاہے اس پر راضی نہ ہو جیسا کہ

سلاطین بڑے حکام کے ساتھ اسی جیسا (معاملہ یا سلوک) کرتے ہیں اور مشرکین اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے سننے و دیکھنے کو جو بارگاہِ الوہیت کے شایانِ شان ہیں انسانوں کے علم اور ان کے سننے و دیکھنے پر قیاس کیا کرتے تھے اپنے ذہنوں کے ناقص ہونے (یا اپنی کم فہمیوں) کی وجہ سے، چنانچہ وہ لوگ تجسیم و تحیز کی باتوں میں پڑتے تھے۔

فائدہ یہ مشرکین کی دوسری گمراہی کا تذکرہ ہوا ہے۔ صفاتِ بشریہ کی مثال (جسم و جثہ والا ہونا، سننے کے لئے کان کا، دیکھنے کے لئے آنکھ کا محتاج ہونا وغیرہ۔ ملائکہ کے بنات اللہ ہونے کی تردید قرآن نے بار بار کی ہے۔ مثلاً وخرقوا لہ بنین وبنات بغیر علم سبحانہ (الانعام پ۷) و یجعلون للہ البنات سبحانہ (النحل پ۱۴) وجعلوا الملئکۃ الذین ہم عباد الرحمٰن اناثا۔ اشہدوا خلقہم (اقول ہذا الاستفہام للانکار علی الکفار) خلافِ مرضی سفارشات کی قبولیت کے عقیدہ پر بھی قرآن نے ضرب لگائی ہے فرمایا۔ لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمٰن (النبا پ۳۰) جب بلا اجازت لب کشائی نہیں ہو سکتی ہے تو خلافِ مرضی سفارشات کا تذکرہ ہی ناممکن ہے۔ قبولیت کا کیا سوال ہے؟ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ (آیۃ الکرسی پ۳) یومئذ لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمٰن ورضی لہ قولا (طٰہٰ پ۱۶) وغیر ذلک من الآیات الکثیرۃ۔

التجسیم: اللہ تعالیٰ کے لئے مخلوقات جیسا جسم ماننا ہو عقیدۃ ان اللہ تعالیٰ لہ جسم کاجسامنا ای ہو وجود ذو ابعاد ثلثۃ من الطول والعرض والعمق۔ التحیز: حیّز (بفتح الحاء وکسر الیاء المشددۃ) اور حیز (بسکون یاء) کے معنی ہیں مکان، جگہ۔ تحیز اسی سے باب تفعّل کا مصدر ہے جس کا لغوی معنی تمکن فی المکان یعنی کسی مکان و مقام میں محدود ہونا، مکان کے احاطہ میں آ جانا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے لئے کسی مکان میں متمکن و جاگزین ہونے کا عقیدہ رکھنا مراد

ہے ھو عقیدۃ ان اللہ تعالیٰ متمکن فی مکان بحیث ینفذ بعد جسم فی جسم اخر ۔

وبیان التحریف ان اولاد اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کانوا علی شریعۃ جدھم الکریم حتی جاء عمرو بن لحی ، فوضع لہم اصنامًا وشرع لہم عبادتہم واخترع لہم من بحیرۃ وسائبۃ وحام واستقسام بالازلام وما اشبہ ذلک وقد وقعت ھذہ الحادثۃ قبل بعثتہ صلی اللہ علیہ وسلم بثلاث مائۃ سنۃ تقریبًا وکان الجہلۃ یتمسکون فی ھذا الباب باثار ابائہم وکانوا یعدون ذلک من الحجج القاطعۃ ،

اللغات التحریف: تغییر اللفظ دون المعنی کذا فی کتاب التعریفات وفی المعجم الوسیط ، حرّف الکلام غیرہ وصرفہ عن معانیہ ۔ الفاظ میں رد و بدل کر دینا یا کلام کو اس کے موقع یا مفہوم سے ہٹا دینا ۔ **جدھم**: دادا ، جمع اجداد ، مراد حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ۔ **استقسام**: قسم (ض) بمعنی بانٹنا سے ماخوذ ہے ۔ غیر تقسیم شدہ چیزوں میں اپنا حصہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا ۔ **الازلام**: زلم (بفتحتین) کی جمع ہے ۔ بے پر کا تیر ۔ **الجہلۃ** بروزن طلبۃ ، جاہل کی جمع ہے ۔ **آثار**: اثر کی جمع ہے ۔ نشانات ، مراد اقوال و افعال ہیں ۔

ترجمہ اور تحریف کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اپنے دادا بزرگوار کی شریعت پر قائم تھی یہاں تک کہ عمرو بن لحی آیا تو اس نے ان کیلئے بت نصب کئے ۔ اور ان کے لئے بت پرستی کو

شروع کیا اور ان کے لئے بحیرہ، سائبہ، حام اور تیروں کے ذریعہ تقسیم حصص اور اس جیسی چیزیں ایجاد کیں - اور یہ حادثہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً تین سو سال پہلے پیش آیا اور جہلاء بنو اسماعیل اس سلسلہ میں اپنے آباء و اجداد کے آثار سے استدلال کیا کرتے تھے اور اسے دلائل قطعیہ میں شمار کرتے تھے ۔

فائدہ عمرو بن لحی مکہ میں بیت الحرام کا دربان تھا اس نے بلاد شام میں سیاحت کی، سرزمین مآب کے علاقہ اردن میں پہونچا، جہاں قوم عمالقہ آباد تھی - تو دیکھا کہ وہاں کے باشندے بت پرستی کرتے ہیں، خوبصورت مورتیوں کو پوجتے ہیں - اس کی مشرکانہ فطرت ان مورتیوں پر ریجھ گئی کیونکہ عرب میں اس وقت تک بے تراشے پتھروں کی پرستش کا رواج تھا. بالآخر اس سے رہا نہ گیا اور وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ مورتیاں کیسی ہیں؟ بتایا گیا کہ دیوتا ہیں، ہماری حاجت روائی کرتے ہیں، ہم بارش کا سوال کرتے ہیں تو پانی برساتے ہیں اور دوسری ضرورتوں میں سہارا دیتی ہیں، اس نے ... کہا کیا ان میں سے ایک بت ہمیں دے سکتے ہو؟ سرزمین عرب میں اسے لے جاؤں گا وہاں بھی اس کی پرستش ہوگی. لوگوں نے "ہبل" نامی بت ان کے حوالہ کر دیا جسے مکہ میں لا کر عمرو بن لحی نے نصب کر دیا۔ اس طرح بت پرستی کو فروغ ملا اور اہل عرب اس میں ملوث ہوگئے۔

بحیرۃ: بفتح الباء وکسر الحاء علیٰ زنۃ حنیفۃ - اس کا اصل مادہ بحر ہے جس کے معنی ہیں پھاڑنا، چیرنا، جس طرح ہمارے دیار میں بھینسے، سانڈ اور بچھڑے بھگوان یا کسی دیوتا کے نام پر آزاد چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور ان سے کسی طرح کی خدمت لینا یا انہیں ذبح کرنا وغیرہ وغیرہ ممنوع اور پاپ سمجھا جاتا ہے اسی طرح دور جاہلیت میں اہل عرب بھی مختلف طریقوں سے جانوروں کو بتوں اور ثواب کے لئے چھوڑتے تھے جن کے نام بھی مختلف ہوا کرتے تھے یہ بحیرہ وسائبہ وغیرہ اسی قسم کے جانوروں کے نام ہیں جن کی تفسیر میں شدید اختلاف ہے۔ سعید بن المسیب سے بحیرہ کی تفسیر "جلالین" میں بحوالہ

بخاری میں منقول ہے کہ جس جانور کا دودھ بتوں کے نام نذر کر دیا جاتا تھا اور کوئی شخص اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا اسے بحیرہ کہتے تھے۔ جب کہ حاشیہ جلالین میں مرقوم ہے کہ بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جو پانچ بچے جن چکی ہو اور آخری بچہ نر پیدا ہوا ہو، اس کا کان چیر کر آزاد کر دیتے تھے۔ پھر اس کی سواری بھی پاپ اور اس کا دودھ بھی حرام ہو جاتا تھا۔ اسے حق تھا جس کھیت اور چراگاہ میں چاہتی چرتی، جس گھاٹ چاہتی پانی پیتی ۔۔۔ سائبہ: سیب، سوب بمعنی ذہب سے ماخوذ ہے۔ سائبہ صیغہ اسم فاعل ہے بمعنی اسم مفعول (متروکہ اور چھوڑی ہوئی) بقول حضرت سعید بن مسیبؒ وہ جانور۔ جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیے جاتے تھے۔ دوسری تشریحات کے پیش نظر اتنا اضافہ کر دینا چاہیے کہ وہ جانور، جو کسی منت کے پورا ہونے اور کسی بیماری سے شفا پانے یا کسی خطرے سے محفوظ ہو جانے کے شکرانے کے طور پر چھوڑا گیا ہو یا مسلسل دس مادہ بچے جننے کی خوشی میں آزاد کیا گیا ہو۔ حام: بقول سعید بن مسیبؒ وہ اونٹ جو ایک خاص عدد (دس مرتبہ) جفتی کر لیتا اسے بھی آزاد کر دینے کا رواج تھا اور دوسری تشریح کے مطابق جس اونٹ کا پوتا سواری کے قابل ہو جاتا وہ بھی حام کہلاتا تھا۔

الاستقسام بالازلام: حضرت الاستاذ مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری زید مجدہ کے بیان کے مطابق: استقسام کی دو صورتیں تھیں، ایک عمومی، ایک خصوصی۔ عمومی طریقہ محض مشورہ کی غرض سے اختیار کیا جاتا تھا جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کوئی بھی شخص ایک تھیلے میں رکھے ہوئے تین تیروں میں سے ایک تیر نکالتا تھا پھر "امرنی" والے تیر سے اجازت اور "نہانی" والے تیر سے ممانعت سمجھی جاتی تھی جب کہ سادہ اور خالی تیر نکلنے کی صورت میں "قسمت آزمائی" کا اعادہ کیا جاتا تھا۔ اور خصوصی استقسام کا مقصد محض مشورہ نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اس سے تو اہم امور کے فیصلے کیے جاتے تھے مثلاً دیت کا ضامن کون ہو؟ چندہ کی رقم سے خریدے ہوئے مذبوحہ اونٹ میں کس کا اور کتنا حصہ لگایا جائے؟ وغیرہ ذلک۔ اس استقسام کی صورت یہ ہوتی تھی کہ "ہبل" کے پاس رکھے ہوئے سات تیروں میں سے ایک تیر نکال کر اس کے اشارے کے مطابق عمل درآمد کیا

جاتا تھا۔ خلاف ورزی ہرگز روا نہیں رکھی جاتی تھی۔

فائدہ خلاصہ یہ نکلا کہ عرب بنو اسماعیل اصلاً ملت ابراہیمی کے پیرو اور توحید کے قائل تھے لیکن عمرو بن لحی نے ان کو راہِ توحید سے بہکا کر بت پرستی اور بتوں کے نام پر جانوروں کے چھوڑنے وغیرہ کی بری رسموں پر ڈال دیا۔ رفتہ رفتہ توحید کے مفہوم میں یہاں تک تغیر پیدا ہوا کہ شرک و توحید میں متضاد صفات یکجا نظر آنے لگیں مشرکین بلا تکلف اور برملا یہ مشرکانہ تلبیہ پڑھتے تھے لبیک لا شریک لک الا شریکا هو لك تملكه وما ملك (انظر المشکوۃ ص ۲۲۲)۔

> وقد بين الانبياء السالفون الحشر والنشر لكن ليس ذلك البيان بشرح وبسط مثل ما تضمنه القرآن العظيم ولذلك ما كان جمهور المشركين مطلعين عليه وكانوا يستبعدونه

اللغات السالفون: گذر جانے والے۔ سلف (ن) سے اسم فاعل ہے مراد انبیاء کرام ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے ہیں۔

الحشر (ن ض): جمع کرنا۔ النشر (ن ض) پھیلانا۔

ترجمہ اور گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام نے یقیناً حشر و نشر کو بیان فرمایا تھا لیکن وہ بیان ایسی تفصیل و وضاحت کے ساتھ نہیں تھا جیسا کہ قرآن کریم اس کا حامل ہے اور اسی وجہ سے مشرکین اس سے باخبر نہیں تھے اور اسے مستبعد سمجھتے تھے۔

فائدہ اس عبارت میں مشرکین کی چوتھی گمراہی انکار معاد کا تذکرہ ہے جس کا ذکر قرآن نے بھی بڑے بسط و مد کے ساتھ کیا ہے فرمایا وضرب لنا مثلا ونسی خلقه قال من يحيي العظام وهي رميم (یٰس ۷۸) وقالوا ما هي الا حياتنا الدنيا نموت ونحيا وما يهلكنا الا الدهر (الجاثیہ) سورۃ ق میں

مشرکین کا قول ہے ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ، سورۂ قٓ میں ہے ۔ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ ۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ (النحل) وغیر ذٰلک من الآیات ۔

وهؤلاء الجماعة وان اعترفوا بنبوة سيدنا ابراهيم و سيدنا اسماعيل بل بنبوة سيدنا موسى عليهم السلام ايضا لكن كانت الصفات البشرية التي هي حجاب لجمال الانبياء الكامل تشوشهم تشويشا ولم يعرفوا حقيقة تدبير الله تعالى عز وجل الذي هو مقتضي بعثة الانبياء فكانوا يستبعدون ذلك لما الفوا المماثلة بين الرسول والمرسل فكانوا يوردون شبهات واهية غير مسموعة كما قالوا فيهم كيف يحتاجون الى الشراب و الطعام وهم انبياء وهلا يرسل الله سبحانه وتعالى الملئكة ولم لا ينزل الوحي على كل انسان على حدة وعلى هذا الاسلوب

اللغات مقتضی (اسم فاعل) چاہنے والا ۔ الفوا: (س) الفًا مانوس ہونا ۔ محبت کرنا ۔ واهية: کمزور، بودا ۔

ترجمہ اور یہ جماعت اگرچہ معترف تھی سیدنا ابراہیم و سیدنا اسماعیلؑ کی نبوتوں کی بلکہ سیدنا موسیٰ (علیہم السلام) کی نبوت کی بھی لیکن بشری احوال، جو انبیاءؑ کے جمال کامل کے لئے حجاب (پردہ) ہوتے ہیں، انھیں تردد میں ڈال دیتے تھے اور وہ ناآشنا تھے ۔ اس تدبیر خداوندی کی حقیقت (و مصلحت) سے جو بعثت انبیاء کو متقاضی (اور اس کا سبب) ہے اس وجہ سے وہ لوگ اس - - (رسالت محمدی) کو بعید سمجھتے تھے کیونکہ وہ لوگ پیغمبر اور بھیجنے والے کے درمیان

مماثلت و مشابہت سے مانوس تھے لہٰذا وہ لوگ بہت سے ناقابلِ سماعت، کمزور شبہات پیش کرتے تھے مثلاً ان (انبیاء) کے بارے میں کہتے تھے: وہ لوگ کھانے پینے کے ضرورتمند کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ وہ انبیاء ہیں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجتا ہے اور ہر انسان پر علاحدہ علاحدہ وحی کیوں نہیں نازل کرتا ہے اور اسی انداز پر بہت سے اشکالات کیا کرتے تھے)۔

فائدہ اس عبارت میں مشرکین کی پانچویں گمراہی "رسالت محمدی کا استبعاد" اور اس کے اسباب پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مشرکین نفسِ رسالت و نبوت کے قائل تھے اسی وجہ سے حضرت ابراہیم و اسماعیل بلکہ اپنے آباء و اجداد سے ہٹ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی نبی و رسول مانتے تھے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر وہ حیرت زدہ تھے جس کے مختلف اسباب میں سے دو سبب یہاں بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) مشرکین کو انبیاء کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے محروم تھے ان کے حالات کا بچشمِ خود مشاہدہ بھی نہ کر سکے تھے۔ اس لئے اس غلط فہمی کا شکار تھے کہ نبی کی شخصیت بشری احوال و صفات سے بلند تر اور فقر و احتیاج سے محفوظ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ اشکال بھی کیا کرتے تھے مالِ ھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق (الفرقان) اسی طرح نبی کی شخصیت کو مختار و مطلق بھی سمجھتے تھے۔ چنانچہ معجزات کی فرمائشیں اسی غلط نظریہ کی بنیاد پر ہوتی تھیں قالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا نبوت و رسالت کے لئے نوعِ انسانی کو منتخب کرنے میں خدائی مصلحت مخفی تھی۔ مشرکین کو اس سے بھی بے خبر تھے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی فرمائشیں رکھتے تھے جو اس مخفی مصلحت کے بالکل منافی ہوتی تھیں۔ کبھی کہتے لولا انزل علینا الملٰئکۃ او نریٰ ربنا۔ کبھی کہتے لولا انزل علیہ ملک۔ کبھی کہتے۔ اؤنزل علیہ الذکر من بیننا۔ کبھی کہتے۔ لن نؤمن حتی نؤتیٰ مثل ما اوتی رسل اللہ۔

سوال :- انبیاء کی بعثت میں کون سی مصلحت پوشیدہ تھی جس سے مشرکین مکہ ناآشنا و بے خبر تھے ؟

جواب مشیت ایزدی یہ تھی کہ مخلوق کے سامنے حق و باطل کی راہیں خوب واضح و روشن ہوجائیں اور راہِ ہدایت پر چلنے کا عملی نمونہ بھی سامنے آجائے پھر ہر شخص بلا کسی جبر و اکراہ کے اپنے اختیار و ارادہ سے کسی ایک راہ کا انتخاب کرکے جزا یا سزا کا مستحق ٹھہرے۔ بعثت انبیاءؑ کا یہ ایسا خدائی نظام ہے جس میں ایک طرف اپنوں کے لئے ہدایت و بشارت کا سامان ہے تو دوسری طرف اغیار کے زبان بندی اور ان پر اتمام حجت ہے "رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل" (النساء) یہی وہ مصلحت تھی جس کا تقاضا تھا کہ بنی نوع انسانی کی ہدایت و رہبری کے لئے اسی نوع کے افراد کا انتخاب کیا جائے "لیہلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ" اور مشرکین مکہ اپنی جہالت کی وجہ سے اسے نہیں سمجھ پا رہے تھے لہذا رسالت و بشریت کے اجتماع پر معترض تھے۔ واللہ اعلم۔

قولہ وعلیٰ ھذا الاسلوب : ای یوردون الشبہات علی ھذا الاسلوب

مثلاً: وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا ۰ او تکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانہار خلالہا تفجیرا ۔ (الی قولہ) ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ (الاسراءؑ) جس کا مطلب یہ ہے کہ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لئے یہ شرط رکھی تھی کہ ہمارے مطلوبہ معجزات میں سے کوئی ایک دکھائیں۔ ۱ـ ہمارے لئے زمین میں کسی مقام پر پانی کا ایک چشمہ جاری فرمادیں۔ ۲ـ اپنے لئے اسباب و وسائل کے بغیر انگور اور کھجور کا ایک باغ رونما فرمائیں جس کے بیچ نہریں رواں ہوں۔ ۳ـ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں ہمیں ہلاک کرادیں۔ ۴ـ ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ اور ملائکہ کی آمنے سامنے زیارت کرادیں۔ ۵ـ اپنے لئے سونے کا مکان تعمیر کرائیں۔ ۶ـ آسمان پر جاکر وہاں سے ہمارے لئے تصدیقنامہ

لائیں۔ چونکہ یہ میسور نظم قرآنی معجزہ اور اس کے چیلنج کے بعد پیش کیا گیا تھا جب کہ اور بھی بہت سے معجزات کا انکار مشاہدہ کر چکے تھے۔ اس لئے قرآن نے انھیں رد کر دیا اور اس لئے بھی کہ حضرات انبیاء علیہم السلام معجزات کے معاملے میں بے بس اور بے اختیار ہوتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ مطلوبہ آیات و معجزات کے ظہور کے بعد بھی اگر تکذیب کی جاتی ہے تو حالات بڑے سنگین ہو جاتے ہیں اور سنۃ اللہ یہ ہے کہ ان حالات میں عمومی ہلاکت و عذاب امت کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ جبکہ رب کریم جل شانہٗ کو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی امت کو محفوظ رکھنا منظور تھا۔ واللہ اعلم۔

وان كنت متوقفا في تصوير حال المشركين وعقائدهم وأعمالهم فانظر الى حال العوام والجهلة من أهل الزمان خصوصا من سكن منهم بأطراف دار الاسلام كيف يظنون الولاية وماذا يخيل اليهم منها ومع انهم يعترفون بولاية الاولياء المتقدمين يعدون وجود الانبياء في هذا الزمان من قبيل المحال ويذهبون الى القبور والآثار ويرتكبون انواعا من الشرك وكيف تطرق اليهم التشبيه والتحريف، في الحديث الصحيح لتتبعن سنن من كان قبلكم حذو النعل بالنعل، وما من آفة من هذه الآفات الا وقوم من أهل هذا الزمان واقعون في ارتكابها ومعتقدون مثلها، عافانا الله سبحانه من ذلك، (آمين)

اللغات متوقفا: توقف بمعنی ٹھہرنا، تردد کرنا۔ تصویر: منظر کشی کرنا، الآثار: اثر کی جمع ہے نشانات، آستانے۔ حذو النعل بالنعل جوتے کو جوتے کے برابر کاٹنا، کا اسم مصدر ہے۔ مطابقت اور برابری۔ السنن: (بضم السین) راستہ، طریقہ۔ الآفات: آفۃ کی جمع ہے۔ مصائب و حوادث، یہاں

5

عملی و اعتقادی بے راہ روی مراد ہے۔ ولایۃ: دوستی اور قرب، ولی کا اسم مصدر ہے۔ تشریح فائدہ میں آئے گی۔

ترجمہ اور تم مشرکین کے حال و عقائد اور اعمال کی (اس) منظر کشی کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اگر منشرب ہو تو عصر حاضر کے عوام و جہلاء بالخصوص ان لوگوں کے حال پر نظر ڈالو جو دارالاسلام (دہلی) کے علاقہ میں بسے ہوئے ہیں (تاکہ تم پر انکشاف ہو جائے کہ) وہ لوگ ولایت کے بارے میں کیسے (غلط) خیالات رکھتے ہیں اور ان کو ولایت کے بارے میں کیسے وہم ہوتے ہیں اور اس کے باوجود کہ وہ لوگ اولیاء متقدمین کی ولایت کا اعتراف کرتے ہیں اس دور میں اولیاء کے وجود کو محال کے قبیل سے شمار کرتے ہیں اور اسی وجہ سے (قبروں اور آستانوں پر جاتے ہیں اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور (دیکھو کہ) تشبیہ و تحریف نے ان میں کس طرح راہ پائی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے۔ لتتبعن الخ تم لوگ ان لوگوں کی راہ پر جو تم سے پہلے تھے ضرور چلو گے "جوتے کے ساتھ جوتے کی برابری" کی طرح اور ان آفتوں میں سے کوئی آفت نہیں ہے مگر اس دور کی ایک جماعت اسی کو اپنانے میں مبتلا ہے، اس جیسے اعتقادات رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں (اور تمہیں) اس سے عافیت میں رکھے۔ آمین۔

فائدہ ۲: اس موقع پر تین باتیں ذہن نشین کرنے کی ہیں۔

پہلی بات اس عبارت میں مشرکین عرب کی نظیر کے طور پر ولی اللّٰہی دور کے جاہل عوام کے کچھ احوال پیش کئے گئے ہیں اور تقابل کر کے دکھایا گیا ہے کہ تشبیہ و تحریف اور انواع شرک میں دونوں کے درمیان کس قدر یگانگت اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً:

(۱) مشرکین نفس رسالت کے قائل ہو کر بھی اپنے دور کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر تھے تو جاہل عوام نفس ولایت کے قائل ہونے کے باوجود اپنے دور کے اولیاء کی ولایتوں کا انکار کرتے تھے۔

(۲) مشرکین بارگاہ خداوندی کے مقرب و مخصوص بندوں کو بعض خصوصی معاملات میں قادر و مختار مانتے تھے جس کی وجہ سے ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور ان کے نام پر ذبح وغیرہ کو جائز سمجھتے تھے اور ان کی وفات کے بعد ان کی تشبیہ اور مورتیوں کو ان کی ارواح کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ اور ایک عرصے کے بعد ان مورتیوں کی پوجا شروع ہو گئی۔ یہی حال مصنف علام کے دور میں جاہل عوام کا تھا کہ وہ اولیاء کرام کو خاص خاص معاملات میں با اختیار مانتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد قبروں کی زیارت کے بہانے سے ان بزرگوں کی ارواح سے رابطہ قائم کرتے رہے اور کچھ دنوں کے بعد وہ دور بھی آ گیا جب قبروں کو سجدے ہونے لگے۔ اور ان سے لڑکے لڑکیاں شفا و غنا کی مانگ ہونے لگی۔ مزاروں پر بکرے مرغے اور نذرانے چڑھائے جانے لگے۔ یہ لکھا ہے حضرۃ الاستاذ فرید وجدی نے الصون میں کہ شرک کی وہ اقسام جو مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں مشرکین کے شرک سے کہیں بڑھی ہوئی ہیں۔ کیونکہ مشرکین بڑی مصیبتوں کے وقت خدائے واحد ہی سے مدد چاہتے تھے اسی کو پکارتے تھے فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین۔ جب کہ جہلاء امت خوشحالی و بدحالی دونوں صورتوں میں مشائخ و اولیاء کو پکارتے اور ان سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔

(۳) خالق میں مخلوق کی صفات کا اعتقاد رکھنا تشبیہ ہے۔ مشرکین کہ باری تعالیٰ کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ امور عامہ میں خود اللہ تعالیٰ کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں اور امور خاصہ میں اس کے مقربین اپنے اختیار سے تصرف کرتے ہیں تو جاہل عوام نے بھی اللہ تعالیٰ کو امور خاصہ سے بے دخل اور اولیاء کو با اختیار مان لیا۔

(۴) مشرکین دین میں تحریف کر کے بت پرستی کی لعنت میں گرفتار ہو گئے تھے تو جہلاء امت تحریف کر کے قبر پرستی کا شکار ہو گئے۔ ان مشرکانہ عقائد و اعمال میں

امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا ابتلا رہنا ان مستبعد یا باعث حیرت نہیں کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پیشین گوئی کے مطابق اس امت کا گذشتہ امتوں کی ایک ایک برائی میں ملوث ہونا یقینی ہے حتیٰ کہ ایک روایت کے مطابق "گذشتہ امت کے کسی فرد نے اپنی بیوی سے برسرِ راہ مجامعت کی بے حیائی اگر اختیار کی ہوگی تو اس امت میں یہ بے حیائی ہوئی ہے" اور دوسری روایت کے مطابق "اگر کسی نے اپنی ماں سے زناکاری کی لعنت کا طوق پہنا ہوگا تو یہ امت بھی اس کا شکار ہوگی"

دوسری بات

شاہ صاحب کی فارسی عبارت "وبحکم حدیث صحیح لتتبعن سنن من کان قبلکم" ازیں آفات ہیچ چیز نیست مگر امروز قومے مرتکب آنند و مستعد مثل آن" کا جو ترجمہ "فی الحدیث" سے کیا گیا ہے اس میں کئی خامیاں ہیں جن کی نشاندہی صاحب "صون المجیر" نے فرمائی ہے۔ ۱۔ "فی الحدیث" غلط ہے "وبحکم الحدیث" ہونا چاہئے تھا۔ ۲۔ "حذو النعل بالنعل" کے الفاظ نہ حدیث صحیح میں ہیں اور نہ شاہ صاحب کی عبارت میں، اور جس حدیث میں یہ الفاظ منقول ہیں وہ روایت ضعیف ہے اس لئے یہ اضافہ مناسب نہیں۔ ۳۔ "وتا آنچہ" میں واو غلط ہے "کا" ہونا ضروری ہے

تیسری بات

دارالاسلام اور ولایت کی تشریح سے متعلق ہے۔

دارالاسلام حیث ظہرت شعائر الاسلام وہ ملک جس میں شعائر اسلام زندہ ہوں دارالاسلام ہے۔ وفضائل الاذان ترجع الی انہ من شعائر الاسلام وبہ تتمیز الدار دارالاسلام۔ اور فضائل اذان سے اذان کا شعار اسلام ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اذان کا ہونا ملک کے دارالاسلام ہونے کی علامت ہو سکتا ہے۔ (والشرح لعمدۃ الاصول من المجموعۃ)

ولایت ایسا کسبی یا وہبی ملکہ ہے جس کی وجہ سے معرفت خداوندی کیساتھ ساتھ طاعتوں پر مواظبت کا اور معاصی و لذات و شہوات دنیوی میں انہماک سے بچنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ والولی ھو العارف باللّٰہ وصفاتہ بحسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانہماک فی

اللذات والشہوات ۔ (کتاب التعریفات ص۱۲۲)

وبالجملة فان الله سبحانه وتعالى برحمته بعثه صلى الله عليه وسلم في العرب وامره باقامة الملة الحنيفية وخاصمهم في القرآن العظيم وقد وقع التمسك في تلك المخاصمة بمسلماتهم من بقايا الملة الحنيفية ليتحقق الالزام ۔

ترجمہ خلاصہ کلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں مبعوث فرمایا اور ملت حنیفی کے قائم کرنے کا آپ کو حکم فرمایا اور ان (عرب جاہلوں) سے قرآن کریم کے اندر مباحثہ فرمایا۔ اور اس مباحثہ میں ان کے مسلمات یعنی ملت حنیفی کے باقیماندہ (احکام وعقائد) کے ذریعہ استدلال ہوا ہے تاکہ (ان پر) الزام پوری طرح ثابت ہو جائے ۔

فائدہ اسلامی عقائد حقہ کو ثابت کرنے کے لئے مشرکین کے جن مسلمات کو ان کے خلاف استعمال کیا گیا ہے اس کی دو مثالیں نمونے کے طور پر پیش خدمت ہیں ۔ ۱ ۔ اللہ تعالیٰ کا خالق ارض وسماء ہونا مسلم تھا اس مسئلہ سے بعث بعد الموت اور تجدید حیات پر متعدد مقامات پر استدلال کیا گیا مثلاً وھو الذی یبدؤ الخلق ثم یعیدہ وھو اھون علیہ (الروم پ۲۱) لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس (المومن پ۲۴)

قال الرازیؒ: فان ھؤلاء القوم یسلمون ان خالق السموات والارض ھو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ویعلمون بالضرورة ان خلق السموات والارض اکبر من خلق الناس وکان من حقہم ان یقروا بان القادر علی خلق السموات والارض یکون قادرا علی اعادة الانسان الذی خلقہ اولا فہذا برہان جلی (مفاتیح الغیب ص۲۲۳) ، اسی طرح اثبات توحید کے لئے اسی طریقے استدلال

کیا گیا ہے۔ فرمایا ذٰلکم اللہ ربکم لا الٰہ الا ھو خالق کل شیٔ فاعبدوہ (انعام پ)

(۲) اللہ تعالیٰ کا انبیاء علیہم السلام کی بعثت پر قادر ہونا مسلم تھا۔ اس مسئلہ سے استدلال کرتے ہوئے قرآن نے پیغمبروں کی تشریف آوری اور عقیدۂ توحید کی پیام رسانی کا بار بار ذکر کیا ہے مثلاً ارشاد فرمایا وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون (الانبیاء)۔ علاوہ ازیں سورہ ہود، اعراف، رعد، یونس وغیرہ بہت سی سورتوں میں یہ استدلال موجود ہے اور سورۂ شعراء تو پوری انبیاء کرام کی دعوت توحید و رسالت سے معمور ہے۔ کذبت قوم نوح المرسلین۔ اذ قال لھم اخوھم نوح الا تتقون۔ انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعون۔ (الآیات)۔ سورہ مومنون میں ہے ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ فقال یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ افلا تتقون۔ (وغیر ذلک من الآیات الکثیرۃ)

فجواب الاشراک اولاً طلب الدلیل ونقض التمسک بتقلید الآباء وثانیا عدم التساوی بین ھؤلاء العباد وبینہ تبارک وتعالٰی واختصاصہ عزوجل باستحقاق اقصٰی غایۃ التعظیم بخلاف ھؤلاء العباد وثالثا بیان اجماع الانبیاء علی ھذہ المسئلۃ (وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون) ورابعًا بیان شناعۃ عبادۃ الاصنام وسقوط الاحجار من مراتب الکمالات الانسانیۃ فکیف بمرتبۃ الالوھیۃ وھذا الجواب مسوق لقوم یعتقدون الاصنام معبودین لذاتھم۔

ترجمہ تو شرک کا جواب اوّل دلیل کا مطالبہ اور تقلید آباء کے استدلال کی تردید ہے۔ اور دوسرے ان (مخصوص) بندوں اور باری تعالیٰ

کے درمیان عدم مساوات اور کامل تعظیم کے بلند ترین مرتبہ کے استحقاق میں اللہ تعالیٰ کا منفرد ہونا ہے۔ برخلاف ان (مخصوص) بندوں کے (جن کو خدائے معبود لاشریک لہٗ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے) اور تیسرے اس مسئلہ (توحید) پر تمام انبیاء کرام کے اجماع و اتفاق کا بیان ہے (جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا وما ارسلنا الخ) اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔ اور چوتھے بت پرستی کی برائی اور انسانی کمالات کے مرتبوں سے ان پتھروں کے گرے ہوئے ہونے کا بیان ہے تو مرتبۂ خداوندی کو کیسے پہونچ سکتے ہیں اور یہ جواب اس قوم کے لئے ذکر کیا گیا ہے جو بتوں کو معبود حقیقی سمجھتی ہے۔

فائدہ اس موقعہ پر تین باتیں ذہن نشین رکھنے کی ہیں ① فمن بین اولاً وثانیاً وغیرہ کا تذکرہ محض تعداد و شمار کے لئے ہے ترتیب مقصود نہیں کما لا یخفی علی من لہ ادنیٰ ملابست باسلوب القرآن۔ ② قرآن نے شرک کا جواب دینے کے لئے چار طریقے اختیار کئے ہیں۔ مطالبۂ دلیل، رد استدلال، پروردگار اور بندوں میں مماثلت و مساوات کے فقدان اور غایت تعظیم کے استحقاق میں حق کی انفرادیت کا بیان، بتوں کی نا اہلی اور بت پرستی کی مذمت، ہر ایک کی مثالیں پیش خدمت ہیں۔

طلب دلیل کی مثال: سے أروني ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرك في السموات ائتوني بكتاب من قبل هذا او اثارة من علم ان كنتم صادقين، (ترجمہ) مجھ کو یہ دکھلاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا ان کا آسمانوں میں کچھ ساجھا ہے میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی اور مضمون منقول لاؤ اگر تم سچے ہو۔ سے: قل هل عندكم من علم فتخرجوه لنا (انعام پ ۸) سے قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين (النمل پ ۲۰) أم اتخذوا من دونه آلهة قل هاتوا (الانبیاء پ ۱۷ آیت ۲۴)۔

رد استدلال کی مثال: ۱ ـ واذا قیل لہم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما وجدنا علیہ اباءنا اولو کان اباؤہم لا یعقلون شیئا ولا یہتدون۔

۲ ـ : ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون۔ (الانعام پ۸)

عدم مساوات کی مثال، اور مختصر سی تشریح:

جواب شرک میں جو چار طریقے اختیار کئے گئے ہیں ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ قرآن نے محکم دلائل کی روشنی میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ یہ بندگان خدا جنہیں (جزئی و خصوصی امور میں سہی) با اختیار بنایا جا رہا ہے اور خدائی کے مرتبے پر ان کو سرفراز ہونے کا عقیدہ اپنایا جا چکا ہے۔ الوہیت کی عظیم صفات کاملہ سے کوسوں دور ہیں۔ کہاں واجب تعالیٰ شانہ جو ہمہ بیں، ہمہ داں اور ہمہ تواں ہے۔ لیس کمثلہ شیٔ وله المثل الاعلیٰ۔ اور کہاں یہ بتان بے چشم و گوش؟

ایشرکون ما لا یخلق شیئا وھم یخلقون (الاعراف)۔ افمن یخلق کمن لا یخلق (النحل)۔

استحقاق تعظیم میں اللہ تعالیٰ کی انفرادیت کی مثالیں:

وھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ وھو الحکیم العلیم (الزخرف پ۲۵)۔

ان اللہ فالق الحب والنوی یخرج الحی من المیت۔ (الآیہ سورۃ الانعام پ۷)۔ ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض لا الٰہ الا ھو فانی تؤفکون۔ (فاطر پ۲۲)

مسئلہ توحید پر اجماع انبیاء: قرآن میں مذکورہ مثال: وما ارسلنا من قبلک الخ۔ دوسری مثال: ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت (النحل پ۱۴) تیسری مثال: واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمٰن الہۃ یعبدون۔

بت پرستی کی مذمت کی مثال: ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب له الی یوم القیمۃ وھم عن دعائہم غافلون (پ۲۶)۔ ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفه الطیر او تھوی به الریح

فی مکان سحیق۔ (الحج پ) ۔ ومن یشرک باللّٰہ فقد ضل ضلالاً بعیداً (النساء)

بتوں کی نا اہلی اور کمالاتِ انسانیت تک سے دوری و مہجوری کی مثالیں:

وان یسلبھم الذباب شیئاً لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب (الحج پ)
الھم ارجل یمشون بھا ام لھم اید یبطشون بھا ام لھم اعین یبصرون بھا ام لھم اذان یسمعون بھا۔ (الاعراف پ) ۔

نوٹ: چونکہ حیوانات میں کمال کا تحقق مذکورہ اعضاء پر موقوف ہوتا ہے اس لئے ان کا تذکرہ فرمایا ورنہ مقصود تو یہ بیان کرنا ہے کہ یہ مورتیاں جنس انسان اپنے سے بہتر و برتر انسان کہ جو جیتا ہے انسانی خوبیوں سے بھی کس قدر دور ہیں۔ پھر ان اندھے بہرے گونگے بتوں کی عبادت و پرستش سراسر نادانی نہیں تو اور کیا ہے؛ والمقصود من ھذہ الاٰیۃ بیان ان الانسان افضل واکمل حالاً من الصنم واشتغال الافضل الاکمل بعبادۃ الاخس الادون جہل (رازی) ۔

③ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مشرکین کا ایک طبقہ بتوں ہی کو معبود حقیقی سمجھتا تھا لیکن دوسرا طبقہ اصل معبود ان دیوی دیوتاؤں کو مانتا تھا جن کی تصویریں اور مورتیاں سامنے ہوتی تھیں۔ یہ لوگ مورتیوں کو محض قبلہ و وسیلہ مانتے تھے اس لئے وہ اپنے کو بت پرست نہیں تسلیم کرتے تھے لہٰذا بت پرستی کی مذمت اور مورتیوں کی نا اہلی کے تذکرہ میں صرف ایک ہی طبقہ کی تردید ہے دوسرے طبقہ کی تردید اس میں نہیں ہے۔ اسی وضاحت کے لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے وبہذا الجواب الخ کی تصریح فرمائی ہے۔

سوال: اس دوسرے گروہ کی تردید میں قرآن کا رویہ کیا ہے؟

جواب: قرآن نے اس گروہ کی تردید میں دو چیزیں ذکر کی ہیں۔

۱: ان لوگوں میں بلا اذن خداوندی سفارش کی ہمت نہیں ہوگی اور وہ سفارش کرنے میں خدا کی مرضی کے تابع ہوں گے۔ لا یشفعون الا لمن ارتضی (الانبیاء) ۔ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ (آیۃ الکرسی) ۔ لا یملکون منہ خطابا (النباء)

ص۲ : ایسی ویسی سفارشات کا بارگاہ خداوندی میں اعتبار ہی نہیں ہوگا

واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها شفاعة . (البقرة) . یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن ورضی له قولا (طٰہٰ) . فما تنفعهم شفاعة الشافعین . (مدثر) .

وجواب التشبيه اولاً طلب الدليل ونقض التمسك بتقليد الاباء وثانيا بيان ضرورة المجانسة بين الوالد والولد و هي مفقودة وثالثا بيان شناعة اثبات ما هو مكروه و مذموم عند انفسهم لله تبارك وتعالى "الربك البنات و لهم البنون" وهذا الجواب مسوق لاجل قوم اعتادوا المقدمات المشهورة والمتوهمات الشعرية واكثرهم على هذه الصفة .

ترجمہ اور تشبیہ کا جواب اولاً دلیل کا مطالبہ اور تقلید آباء سے استدلال کی تردید ہے اور ثانیاً والد و مولود کے درمیان مجانست کے لازم ہونے کا بیان ہے جب کہ وہ (مجانست) نابید ہے ، اور ثالثاً اللہ تعالیٰ کے لئے اس چیز کے اثبات کی قباحت کا بیان ہے جو ان کے نزدیک ناپسندیدہ و قابل مذمت ہے (جیسا کہ فرمان باری ہے الربک الخ) کیا تیرے پروردگار کے لئے بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے ، اور یہ جواب ایسی قوم کے لئے مذکور ہے جو مقدمات مشہورہ اور وہمی خیالات کی عادی ہیں اور اکثر مشرکین اسی حالت پر تھے ۔

فائدہ قرآن کریم نے مشرکین کے عقیدہ تشبیہ پر تین طرح ضرب لگائی ۔ ① ان کے اس عقیدہ کو دعویٰ بلا دلیل ٹھہراتے ہوئے ان کے

دلیل کا مطالبہ کیا اصطفی البنات علی البنین ما لکم کیف تحکمون افلا تذکرون۔ ام لکم سلطان مبین فاتوا بکتابکم ان کنتم صدقین ۔ ترجمہ: کیا اس نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیوں کو منتخب کیا ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیسا فیصلہ کرتے ہو کیا تم دھیان نہیں دیتے ہو یا تمہارے پاس کوئی واضح سند ہے۔ تو لاؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو۔ باطل پرست جہلا عموماً ایسے مواقع پہ لاجواب ہو کر آباء و اجداد کی تقلید و پیروی کا سہارا لیتے ہیں قرآن نے اسے بھی رد کر دیا۔ وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا ما لہم بہ من علم و لا لآبائہم۔ (الکہف) یعنی نہ خود ان کے پاس کوئی دلیل ہے نہ ان کے آباء و اسلاف کے پاس کوئی سند تھی لہذا ان کی تقلید فریب در فریب۔ اور ناقابل اعتبار ہے۔

② عقیدۂ تشبیہ پر ضرب کاری کا دوسرا طریقہ وہ ہے جسے ہم نے عنوان ثانی سے بیان کیا ہے بظاہر اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ رب العالمین نے قرآن میں والد و مولود کے درمیان مجانست کے ضروری ہونے کو بیان کیا ہے پھر عدم مجانست کی وجہ سے رشتۂ ولدیت کی نفی کا حکم لگایا ہے لیکن قرآن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رشتۂ ولدیت کی نفی کے لئے عدم مجانست کا تذکرہ اگرچہ مختلف عنوان سے مختلف مقامات پہ کیا گیا ہے۔ لیکن مجانست کے ضروری ہونے کی تصریح کسی ایک آیت میں بھی نہیں ہے اسلئے یہی کہا جائے گا کہ۔ قرآن میں لزوم مجانست کا بیان صراحۃً اگرچہ نہیں ہے تاہم "عقیدۂ ابوت" کی تردید کے لئے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ والد و مولود کا ہم جنس ہونا قرآن کی نظر میں ضروری ہے کیونکہ تردید کے مواقع پہ "رشتۂ ابوت" کی نفی کی بنیاد "عدم مجانست" پہ رکھی گئی ہے۔ مثلاً وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحانہ بل عباد مکرمون سے ملائکہ کے عبد ہونے کی تصریح عبد و معبود کی جنسوں میں کھلا ہوا تفاوت و تضاد ظاہر کرنے ہی کے لئے ہے۔ وقالوا اتخذ اللہ ولدا سبحانہ بل لہ ما فی السموٰت

والارض کل لہ قانتون (البقرہ) ۔ اس میں بل لہ الخ سے واضح فرمایا کہ جمیع ما فی السمٰوٰت والارض مالک الملک کی ملک ہے سب اسی کے بندے ہیں اور وہ ہر ایک کا خالق و مالک ہے ۔ اس جواب سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ وغیرہ میں خدائی و بندگی کا رشتہ ہے لہٰذا ان میں مجانست نہیں اور جب مجانست نہیں ہے تو "ابوت و ولدیت" کا ثبوت بھی نہیں ہو سکتا ہے ۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ولدیت و ملکیت میں بھی منافات ہے اور پوری کائنات — عزیر و عیسیٰ علیہما السلام سمیت — اللہ تعالیٰ کی زیر ملکیت ہے اس وجہ سے بھی "رشتۂ ابوت" کا ثبوت ناممکن ہے ۔ اسی طرح سورہ اخلاص کی آیت کریمہ ولم یکن لہ کفواً احد میں عدم مجانست کا بیان ہے ۔ واللہ اعلم ۔ خورشید انور غفرلہٗ ۔

③ رد تشبیہ کا تیسرا طریقہ :۔ اللہ تعالیٰ کے لئے لڑکیوں کی تجویز پر نکیر و مذمت ہے کہ جب خود اپنے لئے لڑکیاں معیوب اور کلنک کا ٹیکہ سمجھی جاتی ہیں ۔ تو اللہ تعالیٰ کیلئے لڑکیاں کی تجویز کیوں روا سمجھی جاتی ہے ۔ اسکی ایک مثال قبل میں گذر چکی ہے دوسری مثال آیت کریمہ ام اتخذ مما یخلق بنات واصفٰکم بالبنین واذا بشر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلا ظل وجہہ مسودًا وھو کظیم (الزخرف ع ۲) تیسری مثال ارشاد ربانی واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجہہ مسودًا وھو کظیم یتوارٰی من القوم من سوء ما بشر بہ (النحل ع ۷) ۔

نوٹ :۔ التوہمات الشعریہ بظاہر مناطقہ کی دو اصطلاحوں کا مجموعہ ہے اسلئے اولاً ان دونوں اصطلاحوں کو مستحضر کیجئے ۔

قال السید الشریف محمد بن علی الجرجانی : الوھمیات ھی قضایا کاذبۃ یحکم بھا الوھم فی امور غیر محسوسۃ کالحکم بان ما وراء العالم فضاءٌ لا یتناھی ، والشعری اصطلاح المنطقیین قیاس مؤلف من المخیلات والغرض منہا انفعال النفس بالترغیب والتنفیر کقولہم الخمر یاقوتۃ سیالۃ والعسل مرۃ مھوعۃ ۔

ان تعریفات کی روشنی میں مشتبہات شعریہ کی تشریح میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ امور عقلیہ سے تعلق رکھنے والی وہ خیالی قضیے جو وہم کے فیصلے سے وجود میں آتے ہیں اور انسانی طبیعتوں میں رغبت یا نفرت پیدا کرتے ہیں، مشتبہات شعریہ کہلاتے ہیں۔ واللہ اعلم

وجواب التحریف ببیان عدم نقله عن ائمة الملة وبیان ان ذلك كله اختراع وابتداع غیر معصوم،

ترجمہ اور تحریف کا جواب ائمہ مذہب سے اس کے منقول نہ ہونے کی وضاحت اور اس بات کی تصریح کے ذریعہ ہے کہ یہ سب "غیر معصوم" کی من گھڑت اور خود ساختہ ہے۔

فائدہ قرآن کریم نے تحریف کے رد میں دو باتیں کہی ہیں ① یہ محرفات ملت کے ائمہ یعنی انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے منقول و ثابت نہیں۔ مثلاً مشرکین نے ملت ابراہیمی میں جانوروں کی حلت وحرمت سے متعلق بہت سی تحریفات کر رکھی تھیں جن کا تذکرہ سورۂ انعام کے رکوع ۱۷، ۱۸ میں تفصیل سے موجود ہے۔ رکوع ۱۸ میں ہے۔ ثمنیة ازواج من الضأن اثنین ومن المعز اثنین قل آالذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیه ارحام الانثیین نبئونی بعلم ان کنتم صدقین۔ آیت کے خط کشیدہ جزء سے اسی بات پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ مذکورہ تحریم محض تحریف ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے منقول نہیں ہے۔ (فوائد عثمانیہ علی ترجمہ شیخ الہند)۔

اسی طرح رکوع ۱۸ میں مشرکین کے قول لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا آباؤنا ولا حرمنا من شیء کے جواب میں ارشاد باری قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا سے بھی اسی پر تنبیہ مقصود ہے کہ یہ شرک و تحریم حضرات انبیاء سے منقول نہیں ہے

(۲) تحریفات اور معبود اللہ تعالیٰ کی طرف انکا انتساب محض افتراء اور اللہ کے احکام سے روگردانی کرنے والوں کی ایجاد و اختراع ہے مثلاً فرمایا ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب (مائدہ)۔ وحرموا ما رزقہم اللہ افتراء علی اللہ۔ (انعام)۔

وجواب استبعاد الحشر والنشر اولاً القياس على احياء الارض وما اشبه ذلك وتنقيح المناط الذى هو شمول القدرة وامكان الاعادة وثانياً بيان موافقة اهل الكتب الالٰهية فى الاخبار به۔

توضیح المفردات المناط: ناط ینوط نیطاً سے اسم ظرف ہے جو موقوف علیہ یعنی دار و مدار۔ یہیں سے مناط الحکم حکم کی علت کو کہا جاتا ہے۔ تنقیح: واضح کرنا۔ تنقیح مناط سے مراد بعث بعد الموت کے موقوف علیہ عموم قدرت و امکان اعادہ کو دلائل و نظائر سے محقق کرنا ہے۔ شمول قدرۃ یا عموم قدرت کا مطلب ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہر قسم کے تصرفات کے اختیار کے ساتھ ایجاد معدوم پر بھی قادر ہونا۔ امکان اعادہ سے مراد ہے کسی چیز کو اس کی سابقہ حالت پر واپس کرنے کا امکان۔

ترجمہ اور حشر و نشر کو مستبعد سمجھنے کا جواب پہلے تو احیاء ارض اور اس کے مشابہ اشیاء پر قیاس کرنا اور (حشر و نشر کے) موقوف علیہ کو منقح کرنا ہے کہ وہ قدرت کا ہمہ گیر ہونا اور اعادہ کا ممکن ہونا ہے۔ اور دوسرے اس بعث و نشر کی خبر دینے میں (قرآن کا) اہل کتب سماوی کے موافق ہونا ہے۔

فائدہ: بعث بعد الموت کے انکار و استبعاد کے جواب میں قرآن نے دو طریقے اختیار کئے ہیں۔ ۱۔ قیاس و تنقیح مناط ۲۔ دیگر کتب سماویہ سے حشر و نشر کا ثبوت۔

قیاس و تمثیل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی ایسی مسلّم و ناقابلِ انکار نظیریں پیش فرمائی ہیں جن سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر و کامل قدرت کا ثبوت ہوتا ہے تو دوسری طرف یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اشیاء میں بگاڑ یا تباہی کے بعد بھی اپنی سابقہ حالت پر واپس آنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب فاعل ایسے قدرت کاملہ اور منفعل میں اس کے تصرفات کو قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہو تو کوئی بھی فعل یا انفعال ناممکن نہیں رہ سکتا ہے۔ اس لئے احیاء ثانی کو ثابت کرنے کے لئے باری تعالیٰ نے چار قسم کے قیاس پیش کئے ہیں۔

قیاس کی پہلی قسم وہ ہے جس میں احوال زمین کے انقلاب و تغیر کو پیش نظر یا قیاس کی اساس قرار دے کر یہ سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح زمینیں خشک و ویران ہو جاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ باران رحمت کے ذریعہ سرسبز کر دیتا ہے اور اسی مردہ زمین میں نئی زندگی کی پرورش پڑتی ہے۔ وہ گل و لالہ اگانے لگتی ہے اسی طرح انسانوں کو بھی موت و فنا سے ہمکنار کرنے کے بعد ایک بار پھر حیات نو کی آغوش میں پہنچا دیا جائے گا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ اس قیاس کا نام "القیاس علی احیاء الارض" ہے۔ مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ الذی ارسل الریاح فتثیر سحابا فسقناہ الی بلد میت فاحیینا بہ الارض بعد موتہا کذلک النشور (فاطر)۔ فانظر الی آثار رحمت اللہ کیف یحیی الارض بعد موتہا ان ذلک لمحیی الموتیٰ (سورہ روم ع ۵ پ ۲۱)۔ وھو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقناہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء فاخرجنا بہ من کل الثمرات کذلک نخرج الموتی لعلکم تذکرون۔ (الاعراف پ ۸)۔ ویحیی الارض بعد موتہا وکذلک تخرجون۔ (الروم ع ۲)۔

دیکھئے ہر آیت میں بعث بعد الموت کی نظیر کے طور پر احیاء ارض کا ذکر ہوا ہے۔ قیاس کی قسم دوم وہ ہے جس میں قیاس کی اساس یا تخلیق عالم آسمان و زمین کی تخلیق کو بنایا گیا ہے۔ مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ اولیس الذی خلق السموات و

الارض بقادر علی ان یخلق مثلهم بلیٰ وهو الخلاق العلیم (سورۂ یٰس پ ۲۳)۔

اولم یروا ان اللہ الذی خلق السمٰوات والارض قادر علی ان یخلق مثلهم (الاسراء)

قیاس کی قسم سوم وہ ہے جس میں "سبز درخت سے آگ پیدا کرنے" کو قیاس کی اصل قرار دیا گیا ہے۔ قل یحییها الذی انشأها اول مرة وهو بکل خلق علیم الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا (یٰس) ۔

قیاس کی قسم چہارم وہ قیاس ہے جس میں "ابتدائے تخلیق" کو بنیاد بنا کر یہ بتایا گیا ہے کہ جس ذات نے نیست سے ہست کیا اور اس وقت جب تمہارا نام و نشان کیا تصور بھی نہیں تھا تمہیں پردۂ عدم سے نکال کر منصۂ وجود پر نمودار کیا کیا وہ تمہیں تباہ ہو جانے کے بعد ایک بار پھر زندگی اور وجود نہیں بخش سکتا ہے ؎

آنکہ حیات نقش کارش بود — زندگی دادن چہ دشوارش بود

قسم سوم کی مثال کا خط کشیدہ جز اس قسم چہارم کی ایک مثال ہے۔ علاوہ ازیں وهو الذی یبدؤ الخلق ثم یعیده وهو اهون علیه (روم)۔ اور کما بدأنا اول خلق نعیده بھی اسی قیاس کی مثالیں ہیں۔

نوٹ: پہلی قسم متن میں صراحۃً مذکور ہے اور بقیہ تین قسموں کی طرف کاشبہ ذٰلک میں اشارہ کیا گیا ہے۔

کتب سماویہ سے حشر و نشر کا ثبوت پیش کرنے کی مثالیں۔ ۱ ام لم ینبأ بما فی صحف موسیٰ وابراهیم الذی وفّٰی سے صحف ابراہیمی و صحف موسوی کے مضامین پیش فرمائے اور آخر میں ارشاد ہوا۔ وان علیه النشأة الاخریٰ (نجم)

۲ کفار کی اخروی زبوں حالی اور مومنین کی خوشحالی کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ان هذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراهیم وموسیٰ۔ (الاعلیٰ) ۔

وجواب استبعاد ارسال الرسل اولاً ببیان وجودها فی الامم المتقدمة "وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیهم" ویقول

الذین کفروا لست مرسلا قل کفی باللہ شہیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتب" وثانیا دفع الاستبعاد ببیان ان الرسالۃ ھھنا عبارۃ عن الوحی قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ وتفسیر الوحی بما لایکون محالا" وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ" الایۃ۔

ترجمہ اور رسولوں کی بعثت کو بعید سمجھنے کا ایک جواب پہلی امتوں میں رسالت کے پائے جانے کی وضاحت کے ذریعہ ہے (جیسا کہ سورہ یوسف ع ۱۲ سورۂ نحل ع ۶، اور سورۂ انبیاء ع ۲ میں ارشاد باری ہے وما ارسلنا الآیۃ جس کا ترجمہ ہے کہ) اور آپ سے پہلے ہم نے نہیں بھیجا مگر ایسے مردوں کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے (اور سورۂ رعد میں فرمایا ویقول الخ) اور کفار کہتے ہیں کہ آپ بھیجے ہوئے نہیں ہیں آپ کہہ دیجئے میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ اور جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے بطور گواہ کے کافی ہیں)۔ اور دوسرا جواب اس بات کی وضاحت کے ذریعہ استبعاد کو رد کرنا ہے کہ اس موقع پر رسالت وحی کا نام ہے (جیسا کہ سورۂ کہف وغیرہ میں فرمایا قل انما الخ) کہہ دیجئے میں تو تم جیسا بشر ہی ہوں (فرق یہ ہے کہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے (اور تم پر وحی نہیں کی جاتی) اور وحی کی ایسی چیز سے تفسیر کرنا جو محال نہیں ہے (جیسا کہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا وما کان لبشر الخ) اور کسی بشر کا مرتبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر (یا تو) وحی سے یا کسی پردے سے یا کسی قاصد (فرشتہ) کو بھیج دے سو وہ وحی پہونچا دے اللہ کے حکم سے جو اللہ کو منظور ہو۔

فائدہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و نبوت کے منکرین کو قرآن نے جو جوابات دیئے ہیں ان میں سے دو اس عبارت میں مذکور ہیں (۱) رسالت و پیغمبری کوئی نئی چیز نہیں ہے ماضی کی تاریخ اس سے بخوبی آشنا و متعارف ہے اور آسمانی صحیفوں کا مطالعہ کرنے والے اہل علم اس صداقت کے

شاہد ہیں۔ (۲) رسالت و نبوت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے پاس سے سفیر بنا کر بھیجتا ہے جیسے شہنشاہوں یا حکومتوں کی طرف سے سفراء مبعوث کئے جاتے ہیں بلکہ رسالت کا مطلب، اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی برگزیدہ انسان کے پاس وحی کا بھیجنا ہے اور وحی کی آمد کوئی شے محال نہیں بلکہ واقع و ممکن ہونے کے ساتھ ساتھ ہر اس فرد یا قوم کو تسلیم بھی ہے جن کا کسی رسول یا نبی کی ذات پر ایمان ہو۔ جیسا کہ وحی کی تقسیم و تعریف سے واضح ہو جائے گا۔ لہٰذا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر حیرت و استعجاب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وحی کے لغوی معنیٰ

مصنف علام نے وحی کی تفسیر کیلئے جو آیت کریمہ پیش کی ہے اس کی تفسیر سے پہلے وحی کے لغوی و شرعی معنیٰ ذہن نشین کرتے چلیں۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں الوحی الاعلام الخفی السریع امام راغبؒ لکھتے ہیں اصل الوحی الاشارۃ السریعۃ۔ دونوں عبارتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیجئے کہ وحی میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ رمز و اشارہ یعنی کسی مبسوط اور تفصیلی چیز کو مختصر پیرایہ میں بیان کر دینا۔ سرعت یعنی بہت تھوڑے وقت میں مضمون کی ادائیگی، اخفاء یعنی دوسروں سے رازداری۔ چونکہ ان حضرات میں مذہبی رنگ غالب ہے اسلئے انھوں نے وحی کے یہ معنیٰ بیان کئے ہیں، ورنہ وحی کے لغوی معنیٰ ہیں اشارہ کرنا، لکھنا، حکم کرنا، پہنچانا اور جلدی کرنا۔

تعریفِ وحی

وفی اصطلاح الشرع اعلام اللہ تعالیٰ انبیاءہ الشیٔ بکتاب او برسالۃ او منام او الہام و ارشاد ایاہ

یعنی اللہ جل شانہ کا اپنے انبیاء و رسل کو کتاب، رسالت، خواب یا الہام میں سے کسی بھی غیبی واسطے سے کسی چیز کی خبر پہنچانا وحی ہے۔ یہ غیبی ذرائع محض اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم ہی سے میسر ہوتے ہیں۔ ان کے حصول میں نظر و فکر، کسب و جہد یا تجربہ و استدلال کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے مثلاً آیت کریمہ وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ

مَا يَشَاءُ (جس کا ترجمہ گذر چکا) ۔ وحی کے تین طریقے اس آیت میں مذکور ہیں ۔

(۱) ۔ وحی خفی یعنی حق تعالیٰ شانہٗ خود نبی کے قلب باطن پر اس طریقہ سے کسی بات کا القاء فرمادے کہ نہ کوئی آواز مسموع ہو اور نہ فرشتے کا واسطہ ہو اسی کو قرآن نے "الا وحیا" سے تعبیر کیا ہے ۔ قال الراغب یقال للکلمۃ الالٰھیۃ التی تلقی الی الانبیاء وحیٌ ۔

(۲) کلام ومناجات یعنی حق تعالیٰ اپنے نبی کو پردہ کے پیچھے سے براہ راست اپنا کلام سنادے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں مشرف فرمایا تھا ۔ اسی کو قرآن میں "او من وراء حجاب" سے بیان کیا ہے ۔ یاد رہے کہ حجاب کا تعلق "تجلی حق" سے نہیں ضعف ادراک کا ہے ۔

(۳) وحی بالرسول یعنی فرشتہ کے ذریعہ وحی کا نازل ہو اسی کو "او یرسل رسولاً" میں بیان کیا گیا ہے ۔ اس کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ فرشتہ خود انسانی صورت میں متمثل ہوکر آئے ۔ دوسرے یہ کہ نبی کے باطن میں تصرف کر کے اس کو ملکوتیت کے قریب کیا جائے اس صورت میں چونکہ خود نبیؐ کی ذات قدسی صفات میں تصرف کیا جاتا تھا اس لئے وحی کا یہ طریقہ آپ کے لئے نسبتہً زیادہ شدید ہوتا تھا یہی وہ صورت ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "مثل صلصلۃ الجرس" اور حضرت عمرؓ نے "دوی کدوی النحل" فرمایا ہے ـ ـ ـ گھنٹے کی گونج ہو یا مکھیوں کی بھنبھناہٹ دونوں کی حقیقت ایک ہے "بسیط آواز جو بے جہت مسموع ہو" ۔ فرق ہو تو شا صرف اتنا ہی ہو کہ صاحب وحی کو وہ آواز کچھ زیادہ تیز محسوس ہوتی ہو اسلئے آپ نے "گھنٹی کی آواز" سے تشبیہ دی اور سامعین میں جس کو اس قسم کی آواز کا سننا نصیب ہوتا ہو اس کو خفیف و ہلکی محسوس ہوتی ہو ۔ (دیکھو ترجمان السنۃ ج ۳)

بہرحال وحی کے یہ تینوں طرق مشرکین کے یہاں بھی مسلم تھے کیونکہ وہ حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ اور انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت و رسالت کے قائل تھے لہٰذا ان کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار کا کوئی موقع نہیں تھا ۔

وثالثا بیان عدم ظہور المعجزات التی یقترحونہا بالمصلحۃ کلیۃ یقصر علمہم عن ادراکہا وکذلک عدم موافقۃ الحق لہم فی تعیین شخص یقترحون بنبوتہ وکذلک لم یجعل الرسول ملکا ولم توح الی کل واحد منہم فلیس لکل شیء من ذلک الا للمصلحۃ الکلیۃ ۔

ترجمہ اور تیسرے ان معجزات کے رونما نہ ہونے کی وضاحت ہے جن کا وہ لوگ مطالبہ کیا کرتے تھے ایسی کلی مصلحت (یا عمومی منفعت) کی وجہ سے جس کے ادراک سے ان کا علم قاصر ہے اور اسی طرح حق کا ان کے موافق نہ ہونا ایسے شخص کی تعیین میں جس کی نبوت کا وہ مطالبہ کرتے تھے اور اسی طرح فرشتہ کو پیغمبر نہیں بنایا اور نہ لوگوں میں سے ہر ایک کے پاس وحی بھیجی گئی۔ تو ان میں سے کوئی بھی چیز مصلحت عامہ کے بغیر نہیں ہے۔

فائدہ مشرکین مکہ کی طرف سے رسالت محمدی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے انکار اور اس میں تردد کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کی فرمائشیں پوری نہیں ہو پا رہی تھیں! اس عبارت میں ماتن علیہ الرحمۃ نے ان میں سے چار مطالبات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا ہے کہ حکمت خداوندی کا تقاضہ یہی ہے کہ تمہاری فرمائشوں سے چشم پوشی کی جائے کیونکہ مطالبات کو پورا کر دینا مصلحت عامہ اور عمومی مفاد کے خلاف ہے اگرچہ یہ مصالح و حکم تمہارے ذہنوں کو اپیل نہ کریں۔

پہلا مطالبہ تھا لولا انزل علیہ ایۃ من ربہ (الانعام) لولا انزل علیہ ایۃ من ربہ (یونس) یعنی ان نشانیوں اور معجزات میں سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری جن کی وہ فرمائش کیا کرتے تھے کما فی قولہ تعالی: وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا او تکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانہار خلالہا تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ و

الملئکۃ قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا (بنی اسرائیل)۔ اس مطالبہ کو پورا نہ کرنے کی جو حکمتیں علماء نے قرآنی آیات کی روشنی میں تحریر فرمائی ہیں پیش خدمت ہیں ۔

حکمت ۱ : معاندین و متعصبین کے لیے " فرمائشی و غیر فرمائشی " ہر قسم کے معجزات بے سود ہوتے ہیں وان یروا کل آیۃ لا یؤمنوا بہا (الاعراف ۱۴۶) وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بہا الاولون (بنی اسرائیل)۔

حکمت ۲ : مطلوبہ معجزات کے ظہور کے بعد " ایمان سے گریز " ہلاکت و بربادی کا سبب بنتا ہے جب کہ مشیت الٰہی اس امت کو عمومی ہلاکت سے محفوظ رکھنے کے حق میں ہے وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم (انفال)

وقال الرازی ان سنۃ اللہ جاریۃ بان عند ظہور الآیۃ القاھرۃ ان لم یومنوا جاءھم عذاب الاستیصال۔"

حکمت ۳ : فرمائشی معجزات کو نہ ظاہر کر کے یہ بتانا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بجمیع الفضائل اللہ تعالیٰ کے بندے اور ہر قدم پہ اس کے محتاج ہوتے ہیں ۔ " معجزہ نمائی " میں ان کا بس نہیں چلتا ہے وما کان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ ۔ (رعد)۔

دوسرا مطالبہ تھا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم (زخرف ۳۱) یعنی اگر قرآن کو اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے سرمایہ دار پر اترا ہوتا ۔ اس کے دو جواب ہیں ۔ ایک تو متن میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تمہارا نظریہ حق سے دور، حقانیت سے خالی اور مالک الملک کی رضا کے خلاف ہے کیونکہ نبوت و رسالت کے لئے جس مخصوص صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے، اس وقت مکہ و طائف ہی نہیں پورے عالم میں اس صلاحیت کا حامل ایک ہی شخص ہے جس کا انتخاب کیا جا چکا ۔ ۔ ۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ۔ (انعام)

دوسرے یہ کہ نبوت و رسالت کا شرف تو ظاہری جاہ و مال اور دنیوی ساز و سامان سے کہیں اعلیٰ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی روزی ان کی تجویز پر نہیں تقسیم فرمائی تو پیغمبری ان کی تجویز پر کیوں عطا کرے۔ اھم یقسمون رحمت ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا۔ (الزخرف)۔

تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ ہمارے پاس بحیثیت رسول کسی فرشتہ کو بھیجا جائے۔ ولو شاء اللہ لانزل ملئکۃ ما سمعنا بھذا فی اٰبائنا الاولین۔ یہ چوتھا مطالبہ تھا کہ فرداً فرداً ہر آدمی کے نام وحی بھیجی جائے فانوا لن نؤمن حتی نؤتی مثل ما اوتی رسل اللہ۔ ماتنؒ کے بقول ان دونوں فرمائشوں کا جواب بھی پہلی دونوں فرمائشوں کے جواب جیسا ہے کہ ایسا ہونا مصلحت عامہ اور حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ہم بشر میں اس کی اہلیت نہیں ہوتی ہے کہ اس پر وحی آئے یا یہ کہ فرشتہ کی لقاء و رویت کا تحمل کر سکے۔ یہ صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو عام بشر میں یہ استعداد پیدا فرما دیتا مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہوتا۔ افراد عالم میں کافر و مسلم، عاصی و مطیع کی تقسیم کر کے اپنے قہر و مہر کے کمالات کا اظہار بھی منظور تھا اسلئے اگر وہ سارے افراد اسی صلاحیت کے پیدا فرما دیتا تو انکار و نافرمانی کا تخم دنیا سے نیست و نابود ہو جاتا پھر اس کی اطاعت کے لئے فرشتوں کی مخلوق ہی کیا کم تھی۔ (ترجمان السنہ)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا وللبسنا علیھم ما یلبسون۔ یعنی ملائکہ کی رویت کی اہلیت ان میں نہیں ہے اس لئے اگر فرشتے کو اصلی صورت میں ان کے پاس بھیج دیا جاتا تو قطعاً تحمل نہیں کر سکیں گے کیونکہ ملائکہ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کا ظرف صرف انبیاء علیہم السلام کے پاس ہوتا ہے۔ اور اگر فرشتے کو انسان کی صورت میں بھیجا جائے تو لقاء و رویت کا تحمل تو ضرور ہو جائے گا لیکن وہ شکوک شبہات جو رسول بشر کے بارے میں ہیں رسول ملک کے بارے میں بھی کئے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

نوٹ :- عبارت کے چار اجزاء ہیں۔ معجزات کا عدم ظہور، انتخاب نبی میں حق کی عدم موافقت۔ فرشتہ کو رسول نہ بنانا۔ اور ہر شخص پر وحی کا نہ آنا۔ فارسی نسخہ سے صاف عیاں ہے کہ ان کے قول "لمصلحة كلية يقصر علمهم عن ادراكها" میں جزء ثانی کے علاوہ بعض اجزاء کی حکمت کا بیان ہے لہذا یہ عبارت بالکل آخر میں ہونی چاہئے تھی۔ واللہ اعلم۔

ولما كان اكثر من بعث اليهم مشركين اثبت هذه المضامين في سور كثيرة باساليب متعددة وتاكيدات بليغة ولم يتحاش من اعادتها مرات كثيرة نعم هكذا ينبغي ان يكون مخاطبة الحكيم المطلق بالنسبة الى هؤلاء الجهلة و الكلام في مقابلة هؤلاء السفهاء بهذا التاكيد "ذلك تقدير العزيز العليم"۔

ترکیب و لغت اکثر من بعث الیہم کی طرف مضاف ہے اور کان کا اسم ہے۔ مشرکین: کان کی خبر ہے۔ بلیغۃ: موثر۔ لم یتحاش باب تفاعل سے تحاشی دور رہنا، بچنا۔ الکلام: مخاطبۃ کا معطوف ہے۔

ترجمہ اور چونکہ ان کی اکثریت جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے مشرک تھی لہذا اللہ تعالیٰ نے ان مضامین کو بہت سی سورتوں میں مختلف اسالیب اور موثر تاکیدات کے ساتھ ثابت فرمایا اور بار بار ان مضامین کو دہرانے سے گریز نہیں فرمایا ہاں اسی طرح حکیم مطلق کی گفتگو ان جاہلوں کے بارے میں اور ان بے عقلوں سے ہم کلامی اسی تاکید کے ساتھ ہونی چاہئے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ اندازہ قائم کیا ہوا ہے زبردست علم والے کا۔

فائدہ :- ذلک تقدیر العزیز العلیم سے اشارہ ہے کہ استبعاد رسالت

کی تردید میں قرآن کا اسلوب بیان انتہائی مصلحت آمیز اور حکیمانہ ہے ۔

وکان الیہود قد اٰمنوا بالتوراۃ وکانت ضلالتہم تحریف احکام التوراۃ تحریفا لفظیا او معنویا وکتمان اٰیاتہا و الحاق ما لیس منہا بہا افتراءً منہم والتساہل فی اقامۃ احکامہا والمبالغۃ فی التعصب بمذاہبہم واستبعاد رسالۃ نبینا صلی اللّٰہ علیہ وسلم وسوء الادب والطعن بالنسبۃ الیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بل بالنسبۃ الی حضرۃ الحق تبارک وتعالیٰ ایضا وابتلاءہم بالبخل والحرص وغیر ذٰلک ؛

ترجمہ اور یہود توریت پر ایمان رکھتے تھے ۔ اور ان کی گمراہی تھی توریت کے احکام میں لفظی و معنوی تحریف کرنا اور اس کی آیات کو چھپانا اور اپنی طرف سے گھڑ کر اس کے ساتھ ایسی چیز کا الحاق کرنا جو اس میں سے نہ ہو اور احکام توریت کے نفاذ و اتباع میں سستی و لاپرواہی برتنا اور اپنے مذہب کے ساتھ تعصب میں شدت اختیار کرنا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بعید سمجھنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بلکہ حضرت حق جل مجدہ کی شان میں بھی گستاخی و طعنہ زنی اور ان کا بخل و حرص ۔ ۔ وغیرہ میں مبتلا ہونا ۔

فائدہ مشرکین کی گمراہیوں اور ان کے خلاف قرآنی جواب کے بعد اب یہود کی گمراہیوں اور ان کے جواب کی بحث شروع کی جا رہی ہے ۔ اس عبارت میں یہود کی آٹھ گمراہیوں کی فہرست پیش کی گئی ہے جیسا کہ عبارت پر لگے نمبر شمار سے ظاہر ہے یہ ساری گمراہیاں قرآن کریم میں مذکور ہیں ۔ چنانچہ احکام توریت کے اندر تحریف کا ذکر متعدد آیات میں ہے مثلاً فبما نقضہم میثاقہم لعناہم وجعلنا قلوبہم قاسیۃ یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظا مما ذکروا بہ ۔ (مائدہ ۲)

حافظ ابن رجب حنبلی نے کیا خوب لکھا ہے کہ ۔ نقض عہد کے سبب سے ان میں دو باتیں آئیں ملعونیت اور قسوتِ قلب ۔ اور ان دونوں کے نتیجے میں تحریف کلام اللہ اور عدم انتفاع بالذکر کی برائیوں سے دوچار ہوئے یعنی عہد شکنی کی وجہ سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کی لعنت نے عقل و دماغ کو مسخ کر دیا تو انتہائی بے باکی و بدعملی سے کتب سماویہ کی تحریف پر آمادہ ہو گئے ۔ دوسری طرف قلوب سخت ہو گئے تو قبول حق اور نصیحتوں سے متاثر ہونے کا مادہ نہ رہا ۔ اس طرح علمی و عملی دونوں قسم کی قوتیں ضائع کر بیٹھے ۔ سورہ مائدہ ہی کے چھٹے رکوع میں فرمایا یحرفون الکلم من بعد مواضعہ ۔ اسی طرح آیت کریمہ افتطمعون ان یومنوا لکم وقد کان الخ (البقرہ ع ۹) میں بھی تحریف کا ذکر ہے ۔

اور کتمانِ آیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بینٰہ للناس فی الکتاب اولٰئک یلعنھم اللّٰہ و یلعنھم اللٰعنون (بقرہ) ۔ الذین یبخلون ویأمرون الناس بالبخل ویکتمون ما اٰتاھم اللّٰہ من فضلہ (النساء) ۔ ما اٰتاھم اللّٰہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف مراد ہیں جو توریت میں مذکور تھے ۔ سورۂ آل عمران میں اہل کتاب کو "کتمانِ حق" کے جرم پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا یا اھل الکتاب لم تلبسون الحق بالباطل وتکتمون الحق وانتم تعلمون ۔ (ع ۸ ، آیت ۷) ۔

توریت میں من مانی اضافہ جسے ماتن نے وَالحاقُ مالیسَ کے ذریعہ بیان کیا ہے باری تعالیٰ کے ارشاد وان منھم لفریقا یلوٗن السنتھم بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وما ھو من الکتاب ویقولون ھو من عند اللّٰہ و ما ھو من عند اللّٰہ ویقولون علی اللّٰہ الکذب وھم یعلمون میں مذکور ہے ۔ احکام توریت کے نفاذ و اتباع میں لاپرواہی کا تذکرہ مندرجہ ذیل آیات میں ہے ۔

ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل اور اگر وہ قائم رکھتے توریت و انجیل کو اور

وما انزل الیہم من ربہم لاکلوا من فوقہم ومن تحت ارجلہم (مائدہ)
اور اس کو جو نازل ہوا ان پر ان کے رب کی طرف سے تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے۔

یعنی ارضی و سماوی برکات سے محرومی اور ذلت و بدحالی سے دوچار ہونے کا سبب توریت و انجیل اور قرآن کے احکام سے انحراف ہے۔

(۲) یقولون ان اوتیتم ھذا فخذوہ وان لم تؤتوہ فاحذروا۔ (مائدہ)
کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ملے (زنا کی اور سزا کوڑے کی) تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچے رہنا

توریت کے مطابق محصن زانی و زانیہ کی سزا رجم ہے جیسا کہ ابن صوریا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کا اقرار کیا تھا پھر بھی اس کو قبول کرنے سے انحراف کرنا کھلی ہوئی لاپرواہی نہیں تو اور کیا ہے؟

مذہبی تعصب میں شدت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ تلک امانیہم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین (البقرہ) وقالت الیھود لیست النصاریٰ علیٰ شیء وقالت النصاریٰ لیست الیھود علیٰ شیء (البقرہ)۔ ولن ترضیٰ عنک الیھود ولا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتہم (البقرہ)۔ قالوا اتحدثونہم بما فتح اللہ علیکم لیحاجوکم بہ عند ربکم، تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا ہے اللہ نے تم پر تاکہ جھٹلائیں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے۔

منافقین یہود مسلمانوں کے سامنے توریت اور مذہب یہود کی وہ باتیں جن سے آپ کا رسول ہونا اور دین اسلام کا برحق ہونا ثابت ہوتا تھا بیان کر دیا کرتے تھے تو غیر منافق یہودی اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے تھے "اتحدثونہم" کہ اپنی کتاب کی سند ان کے ہاتھ میں کیوں دیتے ہو کیا تمہیں خبر نہیں کہ مسلمان تمہارے اسی بیان کو بنیاد بنا کر رب العالمین کی بارگاہ میں تمہارے خلاف الزام قائم کریں گے؟

(۳) مسئلہ استبعاد نبوت محمدی کا تو حتی الوسع کافی غور و فکر کے بعد بھی نہ قبول

اس تعبیر پر پہونچا کہ علماء یہود تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل تھے توریت نے ان کے سامنے آپؐ کے اوصاف ونشانات اتنی وضاحت کے ساتھ پیش کر دیے تھے کہ شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (البقرہ) ۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے تھے اور اپنی خاص مجلسوں میں اس کی پیروی کی تلقین کرتے تھے اگرچہ خود ان کو ایمان کی توفیق نہیں ہوتی تھی۔ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی رویہ پر ملامت کی ہے۔ ہاں عام یہود جنہیں منصوبہ بند طریقہ پر اصل ملت وشریعت سے علماء یہود نے ناواقف کر رکھا تھا وہ مختلف وجوہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے تھے جسے قرآن کریم نے صراحتہً کہیں نہیں ذکر کیا ہے۔ اصل میں استبعاد رسالت کی بیماری جاہل عوام میں تھی۔ اور بے دلیل تھی اس لیے قرآن نے اسے قابل اعتناء والتفات نہیں سمجھا۔ واللہ اعلم۔

— — — — — — — —

یہود کی ستاویں گرامی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخی وطعنہ زنی کا تذکرہ قرآن کی مندرجہ ذیل آیتوں میں ہے۔

۱: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا ترجمہ: اے ایمان والو راعنا مت کہو انظرنا کہا کرو۔

یہود بے بہبود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے راعنا کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کے ظاہری معنی ہیں ہماری رعایت فرمائیں۔ لیکن درحقیقت اس لفظ کے استعمال میں ان کی بدنیتی اور شرارت نفس کا زیادہ دخل ہوتا تھا کیونکہ وہ راعنا کے عین کے زیر کو کھینچ کر راعینا کہا کرتے تھے جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا۔ یا راعنا بمعنی احمق کی نیت کرتے تھے والعیاذ باللہ۔ کیونکہ عبرانی زبان میں اس لفظ کے یہی معنی ہیں۔ کما ذکرہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔

سہ مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ یعنی بعض یہودی ایسے ہیں جو توریت میں تحریف کرتے ہیں! اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کوئی حکم سنتے ہیں تو کہتے ہیں سمعنا وعصینا غیر مسمع ۔ یعنی صحابہ و رسول خدا کو سنا کر تو سمعنا کہتے کہ ہم نے سن لیا قبول کر لیا ۔ اور آہستہ آہستہ کہتے عصینا ہم نے نافرمانی کی ۔ اور اسی کے ساتھ غیر مسمع بھی کہتے جس کا ظاہری معنیٰ ہے آپ کو کوئی بری یا خلاف مرضی بات نہ سننی پڑے لیکن یہود اس کلمہ کو بددعا کے طور پر بولتے تھے کہ تم کچھ نہ سن سکو ۔ بہرے ہو جاؤ ۔ ان کلمات کو یہود غلط معنیٰ میں اس انداز سے استعمال کرتے کہ بھولے بھالے مسلمان ان کو ظاہری اور اچھے معانی پر محمول کر لیتے تو یہود دین محمدی پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے کہ اگر محمد سچے رسول ہوتے اور ان کا دین سچا ہوتا تو آپ ہماری مکر و فریب زبان اور ہماری چالوں کو سمجھتے ۔

سہ إِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَاءُ (نساء ۔ سہ) ؛ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (مائدہ)

یہود کی آٹھویں گمراہی بخل و حرص اور دوسرے اخلاق رذیلہ میں ابتلاء ہے یہ بھی مختلف آیات میں مذکور ہے مثلاً اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ای نقرة بخلهم وطامعین [illegible] ۔ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (نساء ع ۶) ۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا (آل عمران ع ۸)
علاوہ ازیں قرآن نے ان کی عہد شکنی ، کفر بآیات اللہ اور انبیاءؑ کے قتل ناحق اور سود خوری و حرام خوری وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا ہے ۔ قدیمہ ۔

> اما التحریف اللفظی فانهم کانوا یرتکبون فی ترجمة التوراة وامثالها لا فی اصل التوراة هذا هو الحق عند الفقیر وهو قول ابن عباسؓ والتحریف المعنوی تاویل فاسد بحمل الآیة

على غير معناها بتحكمهم وانحراف عن الصراط المستقيم

ترجمہ بہرحال تحریف لفظی تو لوگ اسے توریت کے ترجمہ وغیرہ میں اختیار کرتے تھے نہ کہ اصل توریت میں، فقیر کے نزدیک یہی حق ہے اور یہی حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ اور تحریف معنوی تفسیر زوری سے؛ (بلا دلیل کے) اور سیدھی راہ سے ہٹ کر آیت کو اس کے مقصود کے برخلاف محمول کرتے ہوئے غلط تفسیر کرنا ہے۔

فائدہ یہاں سے مذکورہ انواع ضلالت کی تفصیلات (تعریفات، حقائق، اسباب، اشکال اور جواب) کی بحث کا آغاز ہے۔ تحریف کی دو قسمیں ہیں۔ لفظی، معنوی۔ تحریف معنوی: مراد متکلم کے خلاف کلام کی ایسی غلط تشریح کرنا جس کی کوئی دلیل نہ ہو۔

تحریف لفظی: کسی کلام کے حروف یا کلمات میں ہیر پھیر کرنا جس کی تین صورتیں ہیں۔ الفاظ میں رد و بدل، الفاظ میں زیادتی، الفاظ میں کمی۔ ماتن علیہ الرحمۃ نے اپنا نظریہ پیش کیا ہے کہ توریت کے اصل الفاظ و کلمات میں لفظی تحریف ہرگز نہیں ہوئی ہے ہاں توریت کے ترجمہ و تفسیر کے اندر یقیناً تحریف ہوئی ہے۔ گویا ان کے اسلاف و اکابر نے جو صحیح ترجمہ و تفسیر لکھی تھی، اخلاف نے اس میں ترمیم اور حذف اضافہ کر کے قوم کے سامنے پیش کیا اور توریت کی اصل عبارت جوں کی توں باقی و برقرار رہی۔ یہاں دو بحثیں بہت اہم ہیں۔

بحث اول کتب سماویہ میں تحریف لفظی کے وقوع و عدم وقوع کے سلسلے میں تین مذہب ہیں۔ (۱) تحریف معنوی کی طرح تحریف لفظی بھی خوب کی گئی ہے۔ جمہور علماء اور ابن حزم اندلسی کی یہی رائے ہے۔ (۲) تحریف لفظی ہوئی ہے لیکن قلیل مقدار میں، ابن تیمیہ کا رجحان اسی طرف ہے۔ (۳) ان کتابوں میں صرف تحریف معنوی کی گئی ہے۔ تحریف لفظی بالکل نہیں ہوئی ہے۔

ماتن علیہ الرحمۃ کے عبارت کا یہی مطلب ہے اور ان کے خیال میں ابن عباسؓ بھی اسی نظریہ کے قائل تھے ۔

تحقیق یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ اور تاریخی شواہد سے مسلکِ جمہور کی تائید ہوتی ہے ۔ —— آیاتِ قرآنیہ : يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ، فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ، يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۔

تاریخی شواہد

یہود اور توریت کی تاریخ سے واقف حضرات کو معلوم ہے کہ توریت کے تین نسخے ہیں ۔ عبرانی، یونانی اور سامری۔ اور ہر نسخہ پر اعتماد و اعتبار کرنے والے فرقے الگ الگ ہیں ۔ اور تینوں نسخوں میں اچھا خاصا فرق بھی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فرقہ کے لوگ دوسرے فرقہ کی توریت پر محرف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہ العزیز (متوفی ۲۲ رمضان ۱۳۰۸ھ) نے تحریف لفظی کی تینوں اقسام کی سو سے زائد مثالیں پیش فرمائی ہیں جس میں ۴۵ مثالیں تحریف بالتبدیل کی ہیں اور ۴۵ تحریف بالزیادۃ کی اور بیس تحریف بالنقصان کی ہیں ۔ ہم ہر ایک کی ایک ایک مثال نقل کرتے ہیں۔

تحریف بالتبدیل :۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور طوفانِ نوحؑ کے درمیان عبرانی نسخہ کے اعتبار سے ایک ہزار چھ سو چھپن (۱۶۵۶) سال کا فاصلہ ہے جب کہ یونانی نسخہ میں اس فاصلہ کی مدت دو ہزار دو سو باسٹھ (۲۲۶۲) سال اور سامری نسخہ میں ایک ہزار تین سو سات (۱۳۰۷) سال لکھی ہے ۔ (اظہار الحق ج۱ ص۳۲۹)

تحریف بالزیادۃ :۔ سفر صموئیل اول کے باب ششم کی انیسویں آیت ہے اور پروردگار نے بیت الشمس والوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ انھوں نے پروردگار کی صندوق کھولی اور اسے دیکھا تو اس نے ان میں سے پچاس ہزار ستر انسانوں کو ہلاک کر دیا ۔ مفسر توریت آدم کلارک کا قول ردو قدح کے بعد لکھتا ہے ۔

" غالب گمان ہے کہ عبری متن محرف ہے یا تو کچھ الفاظ اس میں سے کم ہو گئے ہیں۔

یا "پچاس ہزار" کے الفاظ کا دانستہ یا نادانستہ طور پر اضافہ کیا گیا ہے۔ (ص ۲۸۶)۔

تحریف بالنقصان :- سفر خروج باب ششم کی بیسویں آیت "فولدت لہ هارون وموسیٰ" ہے جبکہ سامری نسخہ اور یونانی ترجمہ میں "فولدت لہ هرون و موسیٰ و~~مریم اختہما~~" ہے۔ خط کشیدہ الفاظ عبرانی نسخہ سے غائب ہیں۔ مفسر آدم کلارک کے بقول بعض جدید قسم کے محققین کی رائے میں یہ الفاظ عبرانی متن میں بھی موجود تھے (ص ۲۱۳) بعد میں کمی ہوگئی جسے تحریف بالنقصان کہا جاتا ہے)

علامہ کشمیریؒ کی تنقید

تحریف لفظی کے انکار کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے محدث کشمیریؒ نے فرمایا ہے۔ یلزم علی هذا ... المذهب ان یکون القرآن ایضا محرفا فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیه۔ مطلب یہ ہے کہ کتب سماویہ کا محرف ہونا تو مسلم ہے۔ اب اگر تحریف لفظی کا انکار کر دیا جائے تو محرف ہونے کا دارومدار تحریف معنوی پر ہوگا اور چونکہ خود قرآن مجید میں بھی معنوی تحریفات کی گئی ہیں اس لئے اسے بھی محرف اور غیر محفوظ تسلیم کرنا ہوگا جب کہ اس کی حفاظت کا وعدہ رب العالمین نے خود فرمایا ہے۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ، اور تحریفات سے محفوظ رہنے کا قطعی اعلان خود قرآن میں موجود ہے۔ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ، اس طرح العیاذ باللہ اللہ جل شانہ کی صداقت مجروح ہو جائے گی وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ،

بحث دوم

ماتن نے تحریف لفظی کا انکار کر کے دعویٰ کیا ہے کہ یہی حق ہے اور ابن عباسؓ بھی اسی کے قائل تھے۔ حقانیت و صواب ہونے کا حال تو گذشتہ صفحات میں معلوم ہو چکا ہے لیجئے دوسرے جز — دھو قول ابن عباس — کی سرگذشت بھی پڑھتے چلئے۔

علامہ کشمیریؒ کی رائے

علامہ کشمیریؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف تحریف لفظی کے انکار کی نسبت کو بعید از قیاس قرار

دیتے ہوئے فرمایا کیف وقد نعی علیہم القرآن انہم کانوا یکتبون بایدیہم ثم یقولون ھذا من عند اللہ وما ھو من عند اللہ وھل ھذا الا تحریف لفظی یعنی جب خود قرآن کی تصریح ہے کہ یہود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر "ھو من عند اللہ" کہہ دیتے تھے تو حضرت ابن عباسؓ جیسا ماہر قرآن اس کا انکار کیسے کر سکتا ہے کیا تحریف لفظی اس کے علاوہ کوئی اور شئے ہے ؟

ابن عباسؓ تحریف لفظی کے قائل تھے ، امام بخاریؒ کی شہادت :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانہ حیات میں کچھ مسلمان ایسے بھی تھے جو اپنے سوالات اہل کتب کے سامنے پیش کرتے اور ان کے جواب واقوال اپنی مجلسوں میں نقل کیا کرتے تھے جب حضرت کو اس کی خبر ملی تو ناپسندگی کا اظہار فرمایا۔ مسلمانوں کو غیرت دلائی اور فرمایا تمہیں اہل کتاب سے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ تمہارے پاس وہ مقدس کتاب موجود ہے جو تمہارے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو کر خداوند قدوس کے بارے میں تازہ اور جدید ترین معلومات فراہم کر رہی ہے جس کی تم تلاوت کرتے ہو اور تمہیں اہل کتاب کے سامنے سوالات پیش کرنے کی جرأت کیسے ہوتی ہے جبکہ "فقد حدثکم اللہ ان اھل الکتاب بدلوا ما کتب اللہ وغیروا بایدیہم الکتاب فقالوا ھو من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا" یعنی اللہ رب العالمین نے بہت واضح لفظوں میں تمہیں بتا دیا ہے کہ اہل کتاب نے نوشتہ خداوندی میں تبدیلی کر ڈالی ہے اور اللہ کی کتاب کو اپنے ہاتھوں بدل ڈالا ہے اور بڑی ڈھٹائی سے اعلان کر دیا کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس تحریف کے ذریعہ تھوڑی پونجی (یعنی دنیا کے مال و منال) حاصل کر سکیں۔

(انظر العون ص۳ والبخاری ص۲۱۹)

اہم سوال

قرآنی آیات ، تاریخی شواہد اور امام بخاریؒ کی تصریح نے بالکل واضح کر دیا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا تحریف لفظی سے انکار بعید از قیا

اور خلاف عقل ہے ۔ لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ناقل علیہ الرحمۃ نے اسے حضرت والاؓ کی طرف کیونکر منسوب کیا ؟

جواب علامہ آلوسیؒ صاحب روح المعانی نے آیت کریمہ وقد کان فریق منہم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون ۔ کی تفسیر میں لکھا ہے ۔

یسمعون التوراۃ ویؤولونہا تاویلا	توریت کو سن کر اپنی اغراض کے مطابق اس کی
فاسدا حسب اغراضہم والی ذلک	غلط تفسیر کرتے ہیں ابن عباسؓ کی یہی رائے ہے ۔
ذھب ابن عباسؓ والجمہور علی ان	اور جمہور کا خیال یہ ہے کہ یہاں تحریف سے مراد ہے
تحریفہا تبدیل کلام من تلقاءہم	اپنی جانب سے کلام میں تبدیلی پیدا کرنا ۔

اور امام بخاری نور اللہ مرقدہ باب قول اللہ تعالیٰ بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ میں رقم طراز ہیں ۔

عن ابن عباسؓ یحرفون یزیلون	ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یحرفون کے معنی ہیں ،
ولیس احد یزیل لفظ کتاب	یزیلون (زائل کر دیتے ہیں) اور کسی بھی آسمانی کتا
من کتب اللہ ولکنہم یحرفونہ	کے کسی لفظ کو کوئی زائل نہیں کر سکتا ہے بلکہ لوگ
علی غیر تاویلہ ۔	اس کی مراد سے ہٹ کر تفسیر بیان کرتے ہیں ۔

یہ دو عبارتیں ہیں جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ تحریف لفظی کے قائل نہیں تھے ممکن ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ـــ کہ علامہؒ کو ان عبارتوں کی بنیاد پر مغالطہ ہوا ہو (وفوق کل ذی علم علیم)

لیکن حق یہ ہے کہ " انکار تحریف " کو ابن عباسؓ کا مذہب ثابت کرنے کے لئے دونوں عبارتیں ناکافی ہیں کیونکہ پہلی عبارت کا تعلق مطلق تحریف سے نہیں بلکہ ایک خاص واقعہ سے ہے ۔ وہ یہ ہے کہ :

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں براہ راست اللہ تعالیٰ کا کلام سنائیے ۔ تو ہم ایمان لائیں گے ۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

ان میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہ طور پر لے گئے وہاں پہونچ کر انھوں نے اپنے کانوں سے کلام الٰہی کو سنا تو کہنے لگے لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً یعنی کلام سن کر نہیں متکلم کو دیکھ کر ایمان قبول کریں گے۔ غضب خداوندی کو جوش آیا اور ان پر "رجفہ اور صاعقہ" کا عذاب نازل ہوا جس کے نتیجہ میں وہ مردہ یا نیم مردہ ہو گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ ہولناک کیفیت ختم ہوئی تو اپنی قوم میں واپس آئے اور اللہ تعالیٰ کا جو کلام ان کے کانوں نے سنا تھا قوم کے سامنے پیش کیا اور اس میں اپنی طرف سے دو جملوں کا اضافہ کر دیا ان استطعتم ان تفعلوا هذه الاشياء فافعلوا وان شئتم فلا تفعلوا، ہو سکے تو ان احکام پر عمل کر لینا، ورنہ چھوڑ دینا۔

الحاصل اس خاص واقعہ میں حضرت ابن عباسؓ تحریف سے تحریف معنوی مراد لیتے ہیں جب کہ جمہور کے نزدیک تحریف لفظی مراد ہے۔ رہی بخاری کی عبارت تو وہ اس لئے ناقابل استدلال و ناکافی ہے کہ "ولیس احد الخ" میں جہاں ابن عباسؓ کا ارشاد ہونے کا احتمال ہے وہیں یہ بھی ممکن ہے کہ وہ امام بخاریؒ کا قول ہو بلکہ یہی راجح ہے کیونکہ اگر اسے ابن عباسؓ کا فرمان تسلیم کر لیا جائے تو ان کے گذشتہ ارشاد "وقد حدثکم اللہ" سے اس کا تعارض ہوگا۔ فتدبر و تشکر۔

چنانچہ محشی بخاری لکھتے ہیں "قوله وليس احد يزيل الخ من كلام البخاري ذيل به تفسير ابن عباس ويحتمل ان يكون بقية كلام ابن عباس في تفسير الاية (العون)

> فی جملة ذلك انه قد بيّن الفرق بين المتدين الفاسق و الكافر الجاحد فی كل ملة وأثبت العذاب الشديد والخلود للكافر وجوّز خروج الفاسق من النار بشفاعة الانبياء و اظهر فی تقرير هذا المعنى اسم المتدين فی كل ملة بتلك الملة فاثبت فی التوراة هذه المنزلة لليهود والعبرى وفی الانجيل للنصرانی وفی القرآن العظيم للمسلمين وصناط

الحکم الایمانُ باللہ والیوم الآخر والانقیادُ لنبی بعث الیہم والعملُ بشرائعِ الملۃ واجتنابُ المنہیات من تلک الملۃ لاخصوص فرقۃٍ من الفرق لذاتہا ۔

ترجمہ تو من جملہ ان کے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مذہب میں مذہب کے ماننے والے فاسق اور کافر منکر کے درمیان فرق کی وضاحت کی ہے اور کافر کے لئے سخت عذاب اور دوام کو ثابت فرمایا ہے اور انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی شفاعت سے جہنم سے فاسق کی نجات کو جائز (ممکن) بتایا ہے اور اس مضمون کے اثبات (و بیان) میں ہر مذہب کے اندر اس مذہب کو ماننے والے کا اسم (لقبی) ذکر کیا ہے چنانچہ توراۃ میں یہ مرتبہ یہودی و عبرانی کے لئے اور انجیل میں نصرانی کے لئے اور قرآن کریم میں مسلمین کے لئے ثابت فرمایا ہے اور (نجات کے) حکم کا مدار ہر مذہب میں اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانا اور اس نبی کی اطاعت ہے جو ان میں مبعوث ہوا ہو اور ملت کے احکام پر عمل کرنا اور اس مذہب کے ممنوعات و محرمات سے بچنا ہے نہ کہ فرقوں میں سے کسی فرقہ کی خصوصیت

نوٹ :- چونکہ عبارت میں مذکورہ افعال کا فاعل متعین ہے اس لئے ان کو معروف پڑھنا ہی اولیٰ معلوم ہوتا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

فائدہ تحریف معنوی کی پہلی مثال کے لئے بطور تمہید ماتن نے یہ عبارت پیش کی ہے ۔ حاصلِ عبارت یہ ہے کہ اللہ جل جلالہٗ کے یہاں نجات اُخروی کا معیار ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اللہ کی ذات و صفات پر ایمان، نبی مبعوث کی اطاعت اور محرمات شرعیہ سے اجتناب ۔ لیکن چونکہ ہر نبی و رسول کی تعلیمات کا عملی نمونہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو تصدیق و اطاعت کر کے اس کے دامن سے وابستہ ہوجاتے ہیں ۔ اس لئے سنۃ اللہ جاری ہے کہ نجات اُخروی اور بشارتوں کے موقعوں پر کتب سماویہ میں ان ہی لوگوں کے لقبی نام ذکر کئے جاتے ہیں جن کی بنیاد ان کی

قومی حیثیت ہرگز نہیں ہوتی ہے بلکہ مومن و مطیع ہونے کی حیثیت سے ان کے نام لئے جاتے ہیں ورنہ پھر کفر و ایمان اور مومن و کافر کا فرق ہی ختم ہو جانا چاہئے کیونکہ قومیت میں سب یکساں ہوتے ہیں ۔ اسی سنۃ اللہ کے مطابق . . . . . دورِ موسوی میں یہود کو دورِ عیسوی میں نصاریٰ کو اور دورِ محمدی میں مسلمانوں کو نجات و انعام کا اہل قرار دیا گیا اور ان کے خلاف دین و مذہب اختیار کرنے والوں کو مستحقِ سزا بتایا گیا ۔ تمہید کے بعد مقصود مثال ملاحظہ ہو۔

> فتحسب الیهود ان الیهودی والعبری یدخلان الجنة
> البتة وتنفعهما شفاعة الانبیاء وقالوا لن تمسنا النار الا
> ایاما معدودة ولو لم یتحقق مناط الحکم ولو کان مومنا
> بالله بوجه غیر صحیح ولو لم یکن له حظاً من الایمان
> بالآخرة وبرسالة النبی المبعوث الیه ،

ترجمہ تو یہود یہ سمجھ بیٹھے کہ یہودی و عبری جنت میں ضرور جائیں گے اور انبیاء کرام (علیہم وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) کی شفاعت ان کے حق میں مفید ہوگی اور کہنے لگے ہمیں آگ ہرگز نہ چھوئے گی مگر چند گنے چنے دنوں میں اگرچہ حکم کا مدار متحقق نہ ہو۔ اگرچہ وہ اللہ کی ذات پر غلط طریقہ پر ایمان رکھتا ہو اگرچہ اس کو آخرت پر اور اس نبی کی رسالت پر ایمان کا کوئی حصہ . . . حاصل نہ ہو جو اس کی طرف بھیجا گیا ہے ۔

الحاصل اس سنۃ اللہ کی مصلحت و حکمت پر یہود نے غور نہیں کیا اور دانستہ طور پر اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ ہم قوم یہود ہونے کی حیثیت سے خدا کے پیارے اور بشارتوں کے حقدار ہیں لہذا ہمیں کسی بعد میں آنے والے نبی سے وابستہ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ان سے دوری و مہجوری ہی میں بہتری

العبری حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیم آباء و اجداد میں عابر نام کے کوئی صاحب گذرے ہیں جن کی نسبت سے خود حضرت یعقوبؑ بھی اور ان کی اولاد بھی عبری کہلاتے ہیں اور یہی اولاد یعقوب آگے چل کر اسرائیلی کہلاتی۔ گویا عبری متقدمین یہود ہیں اور اسرائیل متأخرین، عبری اصول ہیں اور اسرائیلی فروع۔ (المنجد اور الحون الکبیر) لیکن الفوز الکبیر فارسی نسخہ کے حاشیہ پر "یہودی باعتبار زبان عبری" لکھا ہوا ہے، ممکن ہے عبرانی زبان ان ہی عابر صاحب کی طرف منسوب ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ خورشید انور غفرلہٗ ولوالدیہ۔

وهذا غلط صرف وجهل محض ولما كان القرآن العظيم مهيمنا على الكتب السالفة ومبينا لمواضع الاشكال فيها كشف الغطاء عن هذه الشبهة على وجه اتم "بلى من كسب سيئة واحاطت به خطيئته فاولئك اصحاب النار هم فيها خالدون"۔

ترجمہ اور یہ بالکل غلط اور نری جہالت ہے اور چونکہ قرآن مجید گذشتہ کتابوں کا محافظ اور انکے مواقع اشکال کا شارح ہے اسلئے اس شبہ کے پردہ کو پورے طور پر ہٹاتا ہے۔ (ارشاد ہے بلیٰ من کسب الخ) ہاں جس نے بدی کمائی اور اس کی خطاؤں نے اس کو گھیر لیا تو یہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

فائدہ یہود کی تحریف معنوی کو ذکر کرنے کے بعد اس عبارت میں ان کی تغلیط و تردید اور وجہ تردید کا تذکرہ فرمایا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ یاد رہے کہ مہیمن بہت سے معانی کے لئے مستعمل ہے امین، غالب، حاکم، محافظ و نگہبان۔ اور قرآن کریم ہر معنی کے اعتبار سے کتب سابقہ کے لئے

مہیمن ہے خدا کی جو خاص امانت تورات و انجیل وغیرہ میں ودیعت کی گئی تھی، قرآن مع مزید حیثیت کے اس کا امین و محافظ ہے اور جن مخصوص احکام کا عصری تقاضوں کے مطابق بنی اسرائیل کو مکلف کیا گیا تھا لیکن اب اس کی ضرورت نہ رہی، قرآن ان کے منسوخ ہونے کا فیصلہ سنا کر حاکم و غالب ٹھہرا۔ ھٰذہ الشبہۃ سے مراد بہر صورت نجات پانے کی خام خیالی ہے اس خام خیالی کو دوسری جگہ قرآن نے اس سے بھی زیادہ واضح لفظوں میں رد کیا ہے لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوء یجز بہ۔ (النساء)۔

ومن جملة ذلك انه قد بين في كل ملة احكاما تناسب .. مصالح ذلك العصر وقد سلك في الشرع مسلك عادات القوم وامر بالتاكيد البليغ بالاخذ بها وادامة الاعتقاد والعمل عليها تاكيدا يحسبه الحقيقة فيها والمراد ان الحقيقة محصورة فيها ذلك العصر وذلك الزمان والمراد هنالك الادامة الظاهرة لا الادامة الحقيقية يعني ما لم يأت نبي آخر ولم يكشف الغط عن وجه النبوة وهم حملوا ذلك على استحالة نسخ اليهودية ومعنى وصية الاخذ بتلك الملة في الحقيقة وصيته بالايما والاعمال الصالحة ولم تعتبر خصوصية تلك الملة لذاتها وهؤلاء اعتبروا الخصوصية فظنوا ان يعقوب على نبينا و عليه الصلوة والسلام وصى اولاده باليهودية ۔

ترجمہ اور منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مذہب میں ایسے احکام بیان کیے ہیں جو اس زمانہ (والوں) کی مصلحتوں کے مناسب ہوں، اور شریعت کی دستور سازی میں "قوم" کی عادتوں کی راہ پر چلے ہیں اور ایسی پر زور

تاکید کے ساتھ اس ملت کے اختیار کرنے اور دائمی اعتقاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا جو اسی مذہب میں حقانیت کو منحصر کر دیتی ہے حالانکہ مراد یہ ہے کہ حقانیت اس دور زمانہ میں اس ملت میں منحصر ہے (نہ کہ ہر دور میں) اور دوام سے مراد وہاں مداومت ظاہری ہے نہ کہ مداومت حقیقی یعنی جب تک کوئی دوسرا نبی نہ آئے اور جب نبوت کے چہرے سے پردہ نہ اٹھ جائے اور ان لوگوں نے اسے نسخ یہودیت کے محال ہونے پر محمول کر لیا حالانکہ اس ملت کو اختیار کرنے کی وصیت کا مطلب درحقیقت ایمان و اعمال صالحہ کی وصیت کرنا ہے اور بعض نے اس ملت کی خصوصیت کا اعتبار نہیں کیا ہے اور ان لوگوں نے خصوصیت کا اعتبار کر لیا۔ تو یہ خیال قائم کر لیا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی ذریات کو یہودیت اختیار کرنے کی وصیت فرمائی ہے ۔

فائدہ مصالح عصری سے عصری تقاضے اور اہل زمانہ کی صلاحیتیں اور خوبیاں مراد ہیں جن کی رعایت و پاسداری میں شریعتوں میں رد و بدل اور حذف و اضافہ کا سلسلہ چلتا رہتا ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ حتی کہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ترین واسطے ایک ناقابل نسخ اور محکم شریعت آئی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔

قولہٗ وقد سلکت الخ آسمانی شریعتوں میں قوموں کی عادات کی ... حتی الامکان رعایت کی جاتی ہے اس کی مثال خود مذہب اسلام میں موجود ہے ۔ کہ اہل عرب سالانہ دو میلے لگایا کرتے تھے ۔ شریعت نے ان کے بدلے میں دو عیدیں مقرر کر دیں اور پھر بقول علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی ان عیدوں میں میلوں کی ہلکی سی جھلک بھی موجود ہے مثلاً زیب و زینت کا اہتمام ، آبادی سے باہر اجتماع ، نماز کی بھول چوک سے چشم پوشی ، سجدہ سہو کی معافی وغیرہ ، (از مکرم زید لطفہ)

قولہٗ ومعنی وصیتہ الخ یہود نے اپنے مذہب کی ناجائز حمایت

میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس وصیت کا سہارا لیتے تھے جو حضرت نے اپنی اولاد کو مرض الوفاۃ میں فرمائی تھی اور کہتے تھے کہ اگر یہودیت کو منسوخ ہونا تھا اور کسی دوسرے نبی کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہوتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اتنے اہتمام و تاکید کے ساتھ ہرگز وصیت نہ کرتے۔ قرآن نے اس عبارت میں یہودیوں کے اسی ادعا و زعم باطل کا رد فرمایا ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ وصیت کا مقصد نفس ایمان و اعمال صالحہ کی مطلق تاکید ہے نہ کہ یہودیت پر مداومت کی تلقین۔ دیکھو قرآن نے کتنے صاف لفظوں میں ان کی تردید ہے۔ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وصیت کے وقت تم تو موجود نہیں تھے تمہیں کیا خبر؟ آؤ میں تمہیں بتاؤں کیا سوال و جواب ہوا تھا۔ حضرت یعقوبؑ نے توحید اور اسلام (فرمانبرداری) کی وصیت کی تھی، یہودیت کا تو اس مجلس میں کوئی بھی ذکر نہ تھا۔ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ فرمایا تھا۔

بہرحال احکام و عقائد کے بیان کے وقت کتب سماویہ کا انداز بیان کچھ ایسا رہا جس کے ظاہری الفاظ سے اسی ملت میں حقانیت کے انحصار اور ہمیشہ ہمیش اسی ملت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید مفہوم ہوتی ہے۔۔ بلکہ سیاق و سباق اور بالخصوص نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق پیشین گوئیاں اس حصر کے اضافی اور دوام کے ظاہری ہونے کا واضح ثبوت فراہم کرتی تھیں۔ یہود نے ان پیشین گوئیوں میں تحریف کر کے حصر اضافی و دوام ظاہری میں بھی تحریف کرنے کی راہ ہموار کر لی پھر عوام کو سمجھاتے رہے کہ حقانیت ہماری ملت کے ساتھ خاص ہے اور ہمیں ہمیشہ ہمیش اس پر ثابت قدم رہنے کی پرزور تاکید کی ہے۔

الحاصل حصر اضافی و دوام ظاہری کو حصر حقیقی و دوام حقیقی پر محمول کرنا تحریف

معنوی کی دوسری مثال ہے ۔

ومن جملة ذلك ان الله عز وجل شرّف الانبياء، وتابعيهم في كل ملة بلقب المقرب والمحبوب وذم الذين ينكرون الملة بصفة المبغوض وقد وقع التكلم في هذا الباب بلفظ شائع في كل قوم فلا عجب ان يكون قد ذكر لفظ الأبناءِ مقام المحبوبين فظن اليهود ان ذلك التشريف دائرة مع اسم اليهودي والعبري والاسرائيلي ولم يعلموا انه دائرة على صفة الانقياد والخضوع وتمشية ما اراد الله سبحانه ببعثة الانبياء ولا غير وكان ارتكز من هذا القبيل في خواطرهم كثير من التاويلات الفاسدة الماخوذة من آبائهم واجدادهم فازال القرآن هذه الشبهات على وجه اتم،

ترجمہ اور منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے ہر مذہب کے اندر انبیاء اور ان کے متبعین کو مقرب و محبوب کے لقب سے نوازا ہے اور ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے صفت مبغوض کے ساتھ جو اس ملت کا انکار کرتے اور اس باب (یا موقع) پر خطاب ایسے الفاظ سے ہوا جو ہر قوم میں رائج رہا تو کچھ تعجب نہیں ہے کہ "محبوبین" کی جگہ پر لفظ ابناء کو ذکر فرمایا ہو اور یہود یہ خیال کر بیٹھے کہ یہ اعزاز یہودی، عبرانی اور اسرائیلی کے نام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ نہیں جان سکے کہ یہ (اعزاز) اطاعت و انکساری اور اس چیز کی تکمیل (یعنی احکام کے نفاذ و اجرا) پر منحصر ہے ۔ جس کا ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بعثت انبیاء کے ذریعہ نہ کسی اور چیز پر اور ان کے دلوں میں اسی قسم کی ایسی بہت سی فاسد تاویلات جاگزیں ہو چکی تھیں جو ان کے اپنے آباء و اجداد سے مستفاد تھیں تو قرآن نے ان اشکالات کو

پورے طور پر رفع کیا۔

فائدہ: بلا تخصیص ملت محض صفت انقیاد و اطاعت کی بنیاد پر نجات کا واضح اعلان بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ" اور "وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ" وغیرہ جیسی سیکڑوں آیات میں موجود ہے۔ اسی طرح بلا اطاعت و فرمانبرداری محض نسبت و محبوبیت کی بنیاد پر نجات و بخشش کے دعووں یہود پر ضرب کاری لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (المائدہ)۔ ای لا مزیۃ لکم علی غیرکم وان زعمتم انفسکم۔ دوسری جگہ یوں تردید فرمائی اَمِ اتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔

اما الکتمان الایات فھو انھم کانوا یخفون بعض الاحکام و الآیات لیحافظوا علی جاہ شریف او لاجل ریاسۃ یطلبونھا وکانوا یحذرون ان یضمحل اعتقاد الناس فیھم ویلاموا بترک العمل بتلک الآیات۔

اللغات: کتمان: (ن) چھپانا۔ یخفون: اخفاء سے چھپانا۔ جاہ: مرتبہ۔ ریاسۃ: امارت، سرداری۔ یحذرون: باب سمع سے بچنا، ڈرنا۔ یضمحل: اضمحلال سے کمزور ہونا۔

ترجمہ: بہرحال کتمان آیات تو یہ ہے کہ یہود (توریت کے) بعض احکام و آیات کو اس لئے اخفاء کرتے تھے تاکہ اپنی عزت دار کی حیثیت (وقار) کی حفاظت کرسکیں یا کسی ریاست کے لئے جس کے وہ طالب ہوتے تھے اور اس سے خائف رہتے تھے کہ ان کے بارے میں لوگوں کی عقیدت کمزور پڑجائے اور ان آیات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان کی ملامت کی جائے۔

فمن جملة ذلك ان رجم الزاني مذكور في التوراة وكانوا يتركونه لاجماع احبارهم على ترك الرجم واقامة الجلد وتسخيم الوجه مقامه ويكتمون ذلك مخافة الفضيحة ۔

ترجمہ چنانچہ منجملہ ان کے یہ ہے کہ زانی کو سنگسار کرنا تورات میں مذکور ہے اور یہ لوگ اسے نظر انداز کرتے تھے ترکِ رجم پر اور "کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے" کو رجم کے قائم مقام کرنے پر ان کے علماء کے اجماع کر لینے کی وجہ سے اور وہ اسے رسوائی کے ڈر سے راز میں رکھتے تھے ۔

فائدہ گزشتہ عبارت میں یہودیوں کی دوسری ضلالت و شرارت "کتمان" کی وضاحت اور اس کے مختلف اسباب کا بیان تھا ۔ اس عبارت میں اس کی ایک مثال پیش کی گئی ہے جس کی تائید حضرت براء بن عازب کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک ایسے یہودی کو لیکر گذرے جس کا منہ کالا کر دیا گیا تھا اور اس پر درّے مارے گئے تھے آپ نے بلا کر ان سے پوچھا "اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟" انھوں نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا جی ہاں ۔ تو آپ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر فرمایا "انشدك بالله الذي انزل التوراة على موسیٰ عليه السلام اهكذا تجدون حد الزاني في كتابكم" میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل فرمائی ۔ بتاؤ کیا تم اپنی کتاب میں زنا کی یہی سزا . . . پاتے ہو؟ عالم آپ کے سوال سے دم بخود ہوگیا اور کہنے لگا ۔ اگر آپ نے مجھے یہ قسم نہ دلائی ہوتی تو میں آپ کو صحیح صورت حال نہ بتاتا ۔ ہماری کتاب میں زنا کی حد (سزا) تو رجم ہی ہے لیکن یہ (خبیث روگ) ہمارے لیڈروں اور دنیاوی شرفاء میں عام ہو چکا ہے اور ان پر حد رجم جاری کرنا مشکل ہے اگرچہ غریبوں پر یہی حد جاری ہوتی رہی ہے اس لئے باہمی مشورے سے طے ہوا کہ رجم کے بجائے "کوڑے مارنا اور منہ کالا کرنا" مناسب رہے گا ۔ یہ ایسی

سزا ہے جو وجیہ و وضیع سب پر بھاری ہو سکے گی۔ (دیکھئے العون ص۴۵۰ مسلم شریف ص۶۹)

حضرت ابن عمرؓ کے بیان سے بھی تائید ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو حاضر کیا گیا جنھوں نے زنا کیا تو آپ نے ان سے پوچھا: تمھاری کتاب میں اس کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ہمارے اکابر علماء کہتے ہیں کہ زانی کو کوڑے لگائے جائیں اور منہ کالا کر کے گدھے پر الٹا سوار کر کے گشت کرایا جائے۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن سلامؓ (جو خود توریت کے بہت بڑے عالم بلکہ حافظ بھی تھے) بولے یا رسول اللہ ان سے توریت منگائیے۔ توریت لائی گئی اس کو پڑھنے کے لئے کہا گیا تو ایک شخص نے آیت رجم پر ہاتھ رکھا اور آگے پیچھے سے پڑھنے لگا۔ حضرت عبداللہ بن سلام تاڑ گئے اور فرمایا ہاتھ ہٹائیے۔ ہاتھ ہٹایا تو آیت رجم نکلی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم فرمایا دونوں کو سنگسار کیا گیا۔ (دیکھئے العون ص۴۵۵ مسلم شریف ص۶۷ ج۲)

ومن جملة ذلك انهم كانوا يؤوّلون ايات فيها بشارة هاجر و اسمٰعيل - عليهما الصلوة والسلام - ببعثة نبي في اولادهما وفيها اشارة بوجود ملة يتم ظهورها وشهرتها في ارض الحجاز وتمتلئ بها جبال عرفة من التلبية ويقصدون ذلك الموضع من اطراف الاقاليم وهي ثابتة في التوراة الى الأن فكانوا يؤولونها بان ذلك اخبار بوجود هذه الملة وانه ليس فيه امر بالاخذ بها وكانوا يقولون "ملحمة كتبت علينا"۔

اللغات

هَاجِر: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ۔ تمتلئ: امتلاءٌ سے بھرنا، مراد گونج اٹھنا۔ التلبية: لبّی یلبّی تلبیۃً لبیک کہنا۔ دعاء تلبیہ پڑھنا۔ الاقالیم: الاِقْلِیم (بالکسر) کی جمع ہے۔ یوں تو ربع مسکون کے

ساتویں حصہ کو اقلیم کہا جاتا ہے لیکن جمع بول کر پوری آبادی یا پورا عالم بھی مراد لیتے ہیں دہوا افراد ہنا۔ ملحمۃ ج ملاحم بڑی جنگ۔ گھمسان کی لڑائی۔

ترجمہ اور ان میں سے یہ ہے کہ وہ لوگ تاویل کرتے تھے ان آیات کی جن میں حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بشارت ہے ان کی اولاد میں بعثت نبی کی اور اس میں اشارہ ہے ایسی ملت کے پائے جانے کا جس کا غلبہ اور اس کی شہرت سرزمین حجاز میں کامل ہوگی۔ (یا یوں ترجمہ کرو جیسے سرزمین حجاز میں غلبہ و شہرت کا کمال حاصل ہوگا) اور جس کی وجہ سے عرفات کی.. پہاڑیاں تلبیہ سے گونج اٹھیں گی اور اس مقام کا سفر کریں گے لوگ دنیا کے گوشہ گوشہ سے اور یہ (بشارت) اب تک توریت میں موجود ہے چنانچہ وہ لوگ ان آیات کی یہ تاویل کرتے تھے کہ یہ تو اس ملت کے وجود کی خبر ہے اور یہ کہ اس میں اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم نہیں ہے اور کہا کرتے تھے " یہ ایک جنگ ہے جو ہم پر فرض کی گئی ہے۔

فائدہ اتنی تحریف و تصحیف کے باوجود مروجہ توریت بلکہ انجیل میں بھی یہ بشارتیں موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو - فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔ (استثناء ۳۳ ۔ ۲) - آتشی شریعت ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ فتح مکہ کے وقت دس ہزار پاک نفس و پاک طینت صحابہؓ (قدوسیوں) کے جلو میں آپ ہی داخل شہر مکہ ہوئے۔ فاران (جو مکہ کا ایک پہاڑ ہے) سے جو نور نبوت جلوہ گر ہوا وہ بھی آقائے مکی و مدنی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نور تھا -

دوسرا حوالہ ملاحظہ ہو: - خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا اچھا کہا۔ میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ (استثناء ۱۸ ۔ ۱۵) - غور فرمائیں "بنی اسرائیل کے بھائیوں" سے مراد بنی اسماعیل کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے خود بنی اسرائیل تو ہو نہیں سکتے۔

کیونکہ ایسی صورت میں "ان کے بھائیوں" کے بجائے "ان ہی" کہنا چاہیے تھا۔ اور ظاہر ہے کہ بنی اسماعیل میں آپ کے سوا کوئی نبی نہیں ہے لہٰذا اس بشارت کا مصداق آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔

نوٹ:۔ توریت کے یہ دونوں حوالے تفسیر ماجدی سے مستفاد ہیں اور دوسرا حوالہ قصص القرآن میں اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

یہود بے بہبود ان بشارتوں کو غیر معین اور صرف اطلاع پر محمول کرتے تھے جب کہ خود توریت میں دوسری جگہ آپ کی اتباع کا حکم بھی موجود ہے۔ کتاب یسعیاہ باب ۴۲ میں ہے اے سمندر پر گزرنے والو! اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو! اور ان کے باشندو! خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ۔ زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو۔ اس عبارت میں "نیا گیت" سے مراد عبادت کے وہ نئے طریقے اور نئے احکام ہیں جو شریعت محمدی میں مشروع ہیں۔ انجیل میں ہے: "جب وہ روح الحق آئے گا تو ساری سچائی کے لئے تمہاری ہدایت کرے گا۔ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳)

ملحمۃ کتبت علینا: کتبت بمعنی فرضت و اثبتت، یہودیوں کا مقولہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ جو ہمارے اور "بنی اسماعیل" کے درمیان چل رہی ہے یہ ہم پر جانب اللہ فرض کی گئی ہے اور ان کے غلبہ و ظفر کی خبر کا مقصد ان سے جہاد کرنے کی ترغیب و تشویق ہے۔ ہذا ہو الظاہر۔ لیکن ناچیز کا خیال ہے کہ کتبت بمعنی قدرت بھی ہو سکتا ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ یہ جنگ و جدال یہ خونریزی و شکست خوردگی جس سے ہم (بنی اسرائیل) دوچار ہو رہے ہیں محض قدر و قضا ہے شریعت محمدیہ کی مخالفت یا حق سے دوری و مہجوری کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ یہود کے ایک رئیس حیی بن اخطب کو غزوۂ بنی قریظہ کے موقع پر جب قتل کے لئے پیش کیا گیا تو اس نے کہا یا ایہا الناس لا باس بامر اللہ کتاب و قدر و ملحمۃ کتبہا اللہ علی بنی اسرائیل۔ واللہ اعلم بالصواب، رحم اللہ عبدا نبہنی علی خطیئتی۔

ولما كان هذا التأويل ركيكًا فلا يسمعه أحد ولا يكاد يصح عند أحد وكانوا يتواصون بإخفائه ولا يجوزون إظهاره لكل عام وخاص "أتحدثونهم بما فتح الله عليكم ليحاجوكم به عند ربكم" ما أجهلهم كيف تحمل منة الله سبحانه وتعالى على هاجر وإسماعيل بهذه المبالغة وذكر هذه الأمة بهذا التشريف على أن لا يكون فيه حث وتحريض وترغيب في الأخذ بالدين بها سبحانك هذا بهتان عظيم۔

ترجمہ اور چونکہ یہ تاویل (یا تحریف) گھٹیا تھی اس وجہ سے اسے کوئی نہیں سنتا تھا۔ اور نہ وہ کسی کے نزدیک صحیح تھی لہذا وہ اس بات کو مخفی رکھنے کی باہم تاکید کیا کرتے تھے اور ہر خاص و عام کے سامنے اس کے اظہار کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ (جیسے قرآن نے بھی ذکر کیا واذا خلا بعضہم الی بعض قالوا اتحدثونہم الخ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہود جب تنہائی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم مسلمانوں کو وہ بتا دیتے ہو جو کچھ اللہ نے تم پر ظاہر کیا ہے۔ تاکہ اس کے سہارے وہ تم سے تمہارے پروردگار کے روبرو جھگڑا کریں) کتنے بڑے جاہل ہیں وہ لوگ، حضرت ہاجرہ و اسماعیل پر اللہ تعالیٰ کے اس مبالغہ کے ساتھ احسان رکھنے کو اور اس اعزاز کے ساتھ اس امت کے تذکرہ کو اس پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے کہ اس میں اس دین کو اختیار کرنے کی ترغیب و تشویق اور تحریک نہ ہو سبحان اللہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

فائدہ اس عبارت کا مقصد ان کی لچر و بے ہودہ تاویلات کی تردید ہے۔ کیونکہ مدح سرائی اور خوشخبریاں ترغیب و تشویق کیلئے ہوتی ہیں کوئی بالکل ہی حاسد و بدخواہ ہی ہوگا جو مدح و ستائش سے متأثر ہو کر مخالفت و دل آزاری پر تل جائے گا۔

اما الافتراء فالسبب فیہ دخول التعمق والتشدد علی احبارہم ورھبانہم والاستحسان یعنی استنباط بعض الاحکام لادراک بعض المصلحۃ فیہ بدون نص الشارع وترویج الاستنباطات الواھیۃ فالحقوا اتباعہ بالاصل وکانوا یزعمون ان اتفاق سلفہم من الحجج القاطعۃ فلیس لہم فی انکار نبوۃ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مستند الا قول السلف وکذلک فی کثیر من الاحکام ـــ

لغات الافتراء: جھوٹ لگانا۔ التعمق: تہہ تک پہونچنے کی کوشش کرنا، گہری نظر ڈالنا۔ الاستحسان: خوب واستحسن دخوش گمان شدن۔ (اچھا سمجھنا)۔ احبار: حبر (بالکسر والفتح) کی جمع ہے، عالم، فاضل۔ رھبان: راہب کی جمع ہے، پادری۔ الاستنباط: مستنبط کرنا، اخذ کرنا۔ الواھیۃ: کمزور، بے بنیاد۔ اتباعہ: اتباع پیروی کرنا، ضمیر "ہ" کا مرجع الاستحسان ہے۔ بعض شارحین کی نظر میں اتباع تابع کی جمع ہے اور الحقوا کا فاعل ہے ان کے یہاں عبارت کا ترجمہ یہ ہے "جن کو ان کے اتباع نے اصل کتاب میں لا دیا ہے" بندہ کے خیال میں یہاں کم از کم دو غلطیاں ہیں۔ (۱) نحوی مشہور قانون اذا کان الفاعل مظہرا وحد الفعل ابدا کی مخالفت۔ (۲) ضمیر و مرجع میں عدم مطابقت کیونکہ انکی نظر میں ضمیر "ہ" کا مرجع احبار و رہبان ہے جبکہ ضمیر واحد ہے۔ والصحیح ان الضمیر یرجع الی الاستحسان لا الی الاحبار۔

نوٹ:۔ یہاں سے اس تبصرہ کا تعلق مترجم دمشقی کی عربی عبارت سے ہے۔ رہا مسئلہ مولانا کی اصل فارسی عبارت کا تو اس میں اتباع کو مصدر اور جمع دونوں پڑھنے کی گنجائش نظر آتی ہے۔

ترجمہ بہرحال افتراء تو اس کا سبب ان کے علماء و مشائخ پر تشدد و تعمق اور استحسان کا غلبہ ہے۔ استحسان سے مراد لیجئے یہاں شارع کی

تصریح کے بغیر کوئی حکم مستنبط کرنا اس میں کسی مصلحت کا ادراک کرنے کی وجہ سے اور ان بے بنیاد اجتہادوں کو رواج دینا (نافذ کرنا) چنانچہ عام یہودیوں نے (اس) استحسانات کی پیروی کو اصل کے ساتھ ملحق کر دیا اور یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ان کے گزشتہ اکابر کا اجماع قطعی دلائل میں سے ہے۔ چنانچہ ان کے پاس حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ و السلام کی نبوت کے انکار کے بارے میں اسلاف کے اقوال کے علاوہ کوئی سند نہ تھی اور یہی حال تھا بہت سے احکام میں۔

ف مصنف علام نے یہود کی انواع ضلالت میں تحریف توریت اور کتمان آیات کے ساتھ والحاق ما لیس منہا بہا افتراءً کا بھی تذکرہ کیا ہے یعنی ان کی ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ من گھڑت اور خارجی باتوں کو توریت میں شامل کر دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بھی کلام ربانی اور حکم الٰہی ہے۔ یہ درحقیقت ایک طرح کی تحریف ہے جسے آپ تحریف افترائی کے نام سے یاد کر سکتے ہیں یہاں اسی تحریف افترائی کی تشریح اور اس کے اسباب کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے جس کے لئے "الافتراء" کا مختصر عنوان اختیار کیا گیا ہے اس عبارت میں مصنف نے تحریف افترائی کے تین اسباب ذکر کئے ہیں۔ تعمق، تشدد، اور استحسان۔ جب کہ حجۃ اللہ البالغہ میں سات اسباب ذکر کئے ہیں ہم اولاً مذکورہ تین اسباب کی تشریح کرتے ہیں اور اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ بقیہ اسباب کو بھی ذکر کریں گے۔

تعمق: معنوی تعریف ایک وسیع المعنیٰ اور طویل الذیل اصطلاح ہے جس کے شعبے یا محمل تین ہیں۔

(۱) کسی امتی کا حسب استعداد اپنی دماغی کاوش سے کسی حکم شرعی کو . . . مشابہت یا جزء علت میں اشتراک کی وجہ سے غیر منصوص موقع پر منطبق (فٹ) کرنا۔

(۲) حکم منصوص کے اجزاء، اس کے احتمالی مواقع اور اسباب و دواعی میں سے کسی پر حکم شرعی منصوص کو لاگو کرنا۔

(۳) تعارض روایات کے وقت احکام شاقہ کو اختیار کرنا۔

۳۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام افعال کو عبادت اور واجب کا درجہ دینا ہے جب کہ بہت سے امور عادۃً سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً حالتِ صیام میں جماع کی حرمت ایک منصوص حکم ہے جس کی علت یہ ہے کہ وقتِ ممنوع میں "قضاءِ شہوات" اور نفس کی سیرابی پر شریعت نے پابندی عائد کر رکھی ہے اب اگر کوئی شخص "حرمتِ جماع" پر قیاس کر کے "سحری کھانے" اور "بیوی کے بوسہ لینے" کو بھی ناجائز کہہ دے کیونکہ سحری کھانے میں قضاءِ شہوت اور نفس کی سیرابی ہے۔

الغرض اصل حرمتِ جماع پر قیاس کر کے سحری کو حرام کہنا "جز علت میں اشتراک" کی بنیاد پر قیاس کرنا ہے اور تقبیل زوجہ کو حرام کہنا اسباب پر حکم لگانا ہے۔ یہ دونوں قیاس ایک قسم کا تعمق ہیں اور منشاءِ شریعت کے خلاف بھی ہیں۔

تشدد کے لغوی معنی سختی کرنا اور ولی اللہی اصطلاح میں تشدد ان امور شاقہ و ریاضتوں اور عبادتوں کا اختیار کرنا ہے جن کا شریعت نے حکم نہیں فرمایا ہے۔ الاختیار عبادۃ شاقۃ لم یامر بہا الشارع کدوام الصیام والقیام والتبتل وترک التزوج وان یلتزم السنن والآداب کالتزام الواجبات۔ (ایضاً)

الاستحسان ولی اللہی اصطلاح میں اس سے مراد ہے "کسی حکم شرعی کو فلاں حکمت و مصلحت سمجھ کر بدل دینا"۔ بالفاظ دیگر اپنی کج فہمی سے حکم شرعی کو مضر یا غیر مفید سمجھ کر اس میں ترمیم و تغییر کر دینا استحسان ہے۔ ظاہر ہے کہ نقل شرعی کے مقابلہ میں عقل بشری کو ترجیح دینا اور شیطان لعین کی پیروی کرنا ہے اسی جیسی عقلیت نوازی اور اسی جیسے نفسانی قیاس کے بارے میں محمد بن سیرین اور حسن بصری نے اوّل من قاس ابلیس فرمایا اور ابن سیرین نے اسے شرک کی اصل قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ ما عُبِدَت الشمسُ والقمرُ الا بالمقاییس۔ مثلاً زنا کی حد شرعی سنگساری ہے اور خلاف حکمت قرآنی ہے کیونکہ حب مال و حب جاہ اور امراء کی خوشنودی کے جذبات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ ان کو رجم و سنگساری کا فیصلہ سنایا جائے۔ لہذا صرف غرباء و ضعفاء پر یہ حد جاری تھی جس سے لوگوں کو شکایات ہوئیں اور اختلافات

رونما ہوتے تھے گویا جرم کا محرک شرعی باعث اشکال تھا اس لئے اس کی جگہ پر "شکار کرنے اور کوڑا مارنے" کی سزا تجویز کر کے بچنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

تنبیہ ۱ | تعمق قیاس فاسد اور بے اصل ہونے کی وجہ سے اور استحسان عملی موجب تحریف اور شہوت پرستی ہونے کی وجہ سے ممنوع و حرام ہے اور تشدد اس وجہ سے حرام ہے کہ اس میں نفس کی حق تلفی ہے۔ وان لنفسک علیک حقا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو و حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم نے جب نہایت پرمشقت و کٹھن عبادات پر مواظبت کا قصد فرمایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحذیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لن یشاد الدین احد الا غلبہ۔ یعنی جب کوئی شخص دینی امور میں بے جا تشدد کی راہ اختیار کرتا ہے تو دین اس پر غالب آجاتا ہے اور یہ مغلوب ہو کر . . . دین کی روح سے دور ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں تشدد فی العبادۃ اگر عادات و معتقدات بن جائے تو دین کا نقشہ ہی بدل جائے کیونکہ لوگ اس کے نوافل کو فرض و واجب حکم کا درجہ دیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تنبیہ ۲ : استحسان و تعمق دونوں ہی بادی النظر میں قیاس کے ساتھ قدرے مشابہت رکھتے ہیں تاہم فرق بھی واضح ہے کیونکہ قیاس فقہی کے لئے علت تامہ کا اشتراک لازمی ہے اس کے بغیر قیاس فاسد اور مع الفارق ہوتا ہے۔ اور تعمق کے لئے جزء علت بلکہ اسباب دوری حکم میں شرکت کافی ہے بلکہ تعمق کا اطلاق عادات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عبادت کا درجہ دینے اور متعارض روایات میں سے اشد یعنی سخت حکم والی روایت کو ترجیح دینے پر بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ قیاس فقہی کو ان اواخر الذکر صورتوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسی طرح ان کا استحسان ہمارے قیاس سے یوں بھی دور ہے کہ استحسان نص صریح کے مقابل اور محض مصلحت عقلی کے پیش نظر ہوتا ہے جبکہ قیاس غیر منصوص فرع پر محض اشتراک علت کی بنا پر ہوتا ہے خواہ عقل تائید کرے یا نہ کرے۔

تنبیہ ۳ : وشتان ما بین استحسانہم واستحساننا الا فی التسمیۃ

استحسانهم مصالحهم الدنيوية ______ على ما اقتضاه العقول على رغم الشرع ومعنى استحساننا مصالح الشريعة خلاف ما ذهبت اليه عقولنا وترجيح دليل اقوى على القياس مع ان قياسنا اقرب الى الشرع واصوب وابعد عن اتباع الهوى۔ والله اعلم بالصواب۔

تحریف کے بقیہ اسباب

لیجئے آخر میں تحریف کے بقیہ چار اسباب کا بھی مطالعہ کرتے چلئے۔

(۱) **تہاون**: یعنی دینی احکام کی بجا آوری میں سستی و لاپرواہی، دین کی تبلیغ و اشاعت اور تعلیم و تعلم سے چشم پوشی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سرد مہری، فرائض سے غفلت، نواہی سے دلچسپی جس کے نتیجے میں معاشرہ رسوم و بدعات اور فواحش و منکرات کے شکنجوں میں پھنس جائے اور طبیعتیں خلاف شرع جذبات و خیالات کی رو میں بہنے لگیں۔

(۲) **اتباع اجماع**: یعنی متعدد رائے کو دلیل شرعی کا درجہ دے کر اس کی پیروی کرنا۔ قوم کے اکابر اور مذہبی قائدین بلا کسی دلیل شرعی کے کسی مسئلہ پر اتفاق کرلیں اور قوم اس کو قطعی و یقینی دلیل کی حیثیت سے تسلیم کرکے اس کے سامنے سر تسلیم خم کردے تو ظاہر ہے کہ تحریف کی راہیں یقیناً ہموار ہوں گی۔

(۳) **تقلید غیر معصوم**: یعنی غیر نبی کے اجتہاد کو صحت و صواب کے یقینی درجہ پر تسلیم کرنا کہ اس کی وجہ سے احادیث صحیحہ کی تردید اور نصوص کی مخالفت بھی روا ہو جائے۔ رہی وہ تقلید جس میں "المجتهد يخطئ ويصيب" کی روشنی میں مجتہد کے دلائل و احکام کو صواب محتمل الخطا سمجھتے ہوئے یہ عزم و عقیدہ پایا جاتا ہے کہ اگر اس کے خلاف کوئی حدیث صحیح معلوم ہو جائے تو تقلید کو چھوڑ کر "صحیح حدیث" پر عمل کرنے ہی میں نجات ہے وہ نہ صرف صحیح بلکہ نفس پروری و شہوت پرستی کے لئے مضبوط سد راہ ہے۔

(۴) خلط ملّۃ بملّۃ یعنی ایک مذہب کا دوسرے مذہب کے ساتھ ایسا اختلاط کہ دونوں میں امتیاز نہ ہو سکے۔ ایک شخص ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کرے اور سابقہ ملت کے علوم و عقائد سے اس کے دل و دماغ مانوس ہوں تو اس شخص کا دونوں ملتوں میں موافقت و ہم آہنگی کی کوشش کرنا قرین قیاس ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کا ایک زمانہ تک اونٹ کا گوشت نہ کھانا اسی جذبہ کے تحت تھا۔ ایسے حالات میں کبھی کبھی دین جدید کی نصوص و تعلیمات میں ایسی توجیہات و تشریحات کی جاتی ہیں جو قدیم ملت کی تعلیمات سے ہم آہنگ اور قریب تر ہوں بلکہ شاہ صاحبؒ کے بقول اس سلسلے میں روایات وضع کرنے کو بھی روا رکھا جاتا ہے گویا "جو کر کیجئے ثواب ہے آج" کا نظریہ کارفرما ہوتا ہے۔

نظر و فکر کی اس غلطی کے نتیجے میں تحریف کی راہیں کھلتی ہیں اور اختلاط مذاہب کی برائی جنم لیتی ہے اسی وجہ سے آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ لم یزل امر بنی اسرائیل معتدلاً حتی نشأ فیھم المولدون وابناء سبایا الامم فقالوا بالرای فضلوا واضلوا۔ یعنی اسرائیل کے دینی امور میں اس وقت تک اعتدال رہا جب تک ان میں دوسرے مذاہب کے لوگ داخل نہیں ہوئے اور جب دوسرے داخل ہوئے اور رائے زنی کا سلسلہ چل پڑا تو خود بھی صراط مستقیم سے بھٹک گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ھذا ما استفدت من العون الکبیر وصاحبہ اخذ من الامام ولی اللہ رحمہ اللہ۔

> واما التساھل فی اقامۃ احکامھا وارتکاب البخل والحرص
> فظاھر انہ مقتضی النفس الامارۃ ولا یخفی انھا تغلب الناس
> الا من شاء اللہ ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی الا ان
> ھذہ الرذیلۃ قد تلونت فی اھل الکتاب بکیفیۃ اخری کانوا
> یتکلفون تصحیحھا بتاویل فاسد وکانوا یظھرون فی صورۃ التشریع

ترجمہ بہرحال احکام توریت کی تعمیل میں سستی (ولاپروائی) اور بخیلی کا ارتکاب اور دنیا کا لالچ تو ظاہر ہے کہ وہ نفس امارہ کا تقاضا ہے اور یہ مخفی نہیں کہ وہ (نفس امارہ) لوگوں پر غالب آجاتا ہے الا ماشاء۔ لہٰذا ارشاد باری ہے انّ النفس لامّارۃ (بیشک نفس تو بری ہی بات کا بتلانے والا ہے بجز اس کے جس پر میرا پروردگار رحم فرمادے۔ مگر اس دنائت (کمینہ پن) نے اہل کتاب میں دوسرے ڈھنگ سے رنگ پکڑا تھا۔ وہ لوگ ان (بداعمالیوں) کو فاسد تاویلات کے ذریعہ صحیح ثابت کرنے پر زور صرف کرتے تھے۔ اور اسے شریعت کی شکل میں ظاہر کرتے تھے۔

فائدہ الا ان ھذہ الرذیلۃ ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے کہ جب نفس امارہ کے تقاضے سے خلاف شرع روش پیدا ہوتی ہے اور نفس امارہ ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے جس کی پیروی کرکے امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام) بھی مبتلائے عصیان وطغیان ہوسکتی ہے اور ہوتی ہے تو پھر اس ضلالت کے ساتھ یہود کی تخصیص چہ معنی دارد؟

جواب ان اخلاق رذیلہ وافعال شنیعہ کو وہ لوگ مذہبی روپ دے کر اختیار کئے ہوئے تھے اس لئے اسے ضلالت وگمراہی کہا گیا اور یہی وجہ تخصیص ہے اور اگر شرعی حیثیت نہ دیتے تو عاصی وفاسق ہی کہلاتے ضال ومضل نہ کہے جاتے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی خیال رہے کہ اس امت کے جو افراد یا جو جماعتیں یہود کے طرز پر چلتی ہیں اور اپنی غلط کاریوں کو فاسد تاویلات کے ذریعہ صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں جیسے قبر کے پجاری اور صحابہ کو تنقید کا نشانہ بنانے والے اور سب وشتم کرنے والے "اتباع حدیث" کے نام پر نفس امارہ کے لئے آزادی کی راہ ہموار کرنے والے، یہ سب فرق ضالہ ہیں جو لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَکُمْ کے مطابق یہود کی راہ پر گامزن ہیں۔ واللہ اعلم۔

واما استبعاد رسالة نبينا صلى الله عليه وسلم فسببه اختلاف عادات الانبياء واحوالهم في اكثار التزوج و الاقلال وما اشبه ذلك واختلاف شرائعهم واختلاف سنة الله في معاملة الانبياء وبعثة النبي من ولد اسماعيل ولقد كان جمهور الانبياء من بني اسرائيل وامثال ذلك ۔

اللغات اکثار مصدر از افعال کثرت سے۔ زیادہ کرنا۔ اقلال: قلت سے کم کرنا۔ الف لام مضاف الیہ التزوج کے عوض میں ہے۔

ترجمہ اور رہا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کو بعید سمجھنا تو اس کا سبب انبیاء کی عادات اور ان کے احوال کا مختلف ہونا ہے نکاح کی کمی بیشی میں اور ان چیزوں میں جو اس کے مشابہ ہیں (جیسے غنا و فقر) اور ان کی شریعتوں کا اختلاف ہے (جیسے لحم ابل اور مال غنیمت کی حلت و حرمت کا اختلاف) اور انبیاء بنی اسرائیل کے معاملات میں سنۃ اللہ کا اختلاف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسماعیل میں سے مبعوث کرنا حالانکہ (عرصہ دراز سے) کل انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہوتے رہے ہیں (یہ چار اسباب ہوئے رسالت محمدی کو بعید سمجھنے کے) اور اس جیسی دوسری چیزیں (مثلاً یہود کا شریعت موسویہ کو ناقابل نسخ سمجھنا)۔

فائدہ اختلاف سنۃ اللہ اور امثال ذلک کی ایک ایک مثال ترجمہ کے ساتھ بین القوسین درج ہے ایک ایک اور ملاحظہ کریں۔

اختلاف سنۃ اللہ کی مثال: ۔ انبیاء بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے دلیل نبوت کے طور پہ یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ اللہ کے نام کی نیاز کریں تو آسمان سے آگ آکر اسے کھا جاتی لیکن نہ سب انبیاء بنی اسرائیل کے ساتھ یہ معاملہ رہا اور نہ ہی فخر رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ۔ **قولہ وامثال ذلک:** مثل انزال العذاب بعد ظهور المعجزة بخلاف ما في زمان نبينا عليه الصلوة والسلام حيث ما انزل بعد ما شق القمر، مترجم

والاصل في هذه المسئلة ان النبوة بمنزلة اصلاح نفوس العالم وتسوية عاداتهم وعباداتهم لا ايجاد اصول بر وانشائها ولكل قوم عادة في العبادات وتدبير المنزل و السياسة المدنية فاذا احدثت النبوة في اولئك القوم لا تُفني تلك العادة بالمرة ولا تستانف ايجاد عادة اخرى بل يُميّز النبي من العادات ما كان على القاعدة وموافقا لما يرضى الله سبحانه وتعالى وما كان منها بخلاف ذلك فيغيره بقدر الضرورة، والتذكير بالاء الله بايام الله ايضا يكون على هذا الاسلوب كما يكون شائعا فيما بينهم في القرنا فاختلفت شرائع الانبياء بهذه النكتة،

اللغات

المسئلة: سے شریعتوں کے اختلاف کا مسئلہ مراد ہے۔ تسویۃ: درست کرنا۔ حدثت: حدث حدوثا سے رونما ہونا ظاہر ہونا۔ لاتفنی: افناءٌ سے مضارع معروف ضمیر کا مرجع نبوۃ ہے۔ بالکل ختم کردینا مٹادینا۔ (یمیّز) من العادات کے بجائے بین العادات انسب ہے اسی طرح موافقا عطف کے ساتھ یعنی وموافقا ہونا چاہئے کیونکہ فارسی عبارت "تمیز نماید درمیان عادات آنچہ بر قاعدہ باشد وموافق مرضی حق بود باقی گذارد" ہے خیال رہے کہ سابقہ شرح میں موافقا بلا عطف ہے۔

ترجمہ

اور اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ نبوت نفوس عالم کی اصلاح اور ان کی عادات وعبادات کی درستگی کے درجے میں ہے نہ کہ نیکی کے اصولوں کی ایجاد کے مقام پر، اور عبادات وتدبیر منزل اور سیاست مدنیہ میں ہر قوم کی مخصوص عادتیں ہوتی ہیں۔ پھر جب نبوت ان اقوام میں رونما ہوتی ہے تو اس عادت کو بالکل ختم نہیں کرتی ہے اور نہ دوسری عادتوں کو ازسرنو

ایجاد کرتی ہے بلکہ ان ہی عادتوں میں سے منتخب کر لیتے ہیں۔ ان کو جو قاعدہ کے مطابق اور اللہ کی مرضی کے موافق ہوتی ہیں اور تذکیر بآلاء اللہ و بایام اللہ بھی اسی اسلوب پر ہوتی ہے جیسا کہ ان کے درمیان رائج ہوتا ہے لہذا لوگ اس سے مانوس ہوتے ہیں اسی نکتہ کی وجہ سے انبیاء کی شریعتیں مختلف ہوگئیں۔

فائدہ اس عبارت میں اختلاف شرائع کے سبب اور حکمت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کار نبوت و منصب رسالت نفوس بشریہ و جنیہ کی اصلاح و تطہیر اور ان کی عادات و عبادات کی تہذیب ہے۔ لیکن چونکہ اس طویل و عریض کائنات میں بسنے والے لوگ تہذیب تمدن معاشرہ اور عادات و عبادات اسی طرح ملکی و سیاسی قوانین اور خانگی کے اعتبار سے "مجموعۂ اضداد" ہیں اور کوئی بھی قوم اپنے معاشرتی طور، طریقے اور رسوم و عادات سے کلی طور پر دستبردار ہونا گوارا نہیں کرتی ہے اور نہ ہی حکمت خداوندی اقوام کی عادات کا استیصال و خاتمہ چاہتی ہے اس لئے ہر قوم کے ہادی و رسول کو قومی و علاقائی مصالح و ضروریات کے مطابق ایسی شریعت عطا کی گئی جو قومی مزاج و طبیعت سے ہم آہنگ ہو۔ لہذا حضرات انبیاء (علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) اقوام کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی عادات و عبادات میں ترمیم کرتے ہیں۔ جب تک مرضی مولیٰ کے خلاف ہونا ثابت نہ ہو جائے کسی عادت یا معمول پہ پابندی نہیں عائد کرتے ہیں۔ اسی طرح تذکیر کے مواقع پر گرد و پیش کے احوال کی رعایت کی گئی ہے چنانچہ قرآن میں تذکیر بآلاء اللہ کے موقعوں پر ان ہی نعمتوں کے تذکرے کئے گئے ہیں جن سے قوم عرب (جو قرآن کریم کی اولین مخاطب تھی) مانوس تھی، مثلاً زراعت، تجارت، اونٹ، گائے اور انگور، کھجور وغیرہ نہ کہ آم سیب، مرغ، بھینس وغیرہ۔ اسی طرح تذکیر بایام اللہ کے موقعوں پر فرعون

اور حضرت موسیٰ، اصحاب فیل اور حضرت ابراہیم وغیرہ کے واقعات آپ کو ملیں گے دارا، رستم اور فرہاد و شیریں کی کہانیاں (جن سے عرب نا واقف تھے) قرآن میں مذکور نہیں ۔

ومثل هذا الاختلاف كاختلاف الطبيب اذا دبّر امر المريض فيَصِفُ لاحدهما دواءً باردًا وغذاءً باردًا ويأمُر الآخر بدواءٍ حارٍّ وغرض الطبيب في الوضعين واحدٌ وهو اصلاح الطبع وازالة المفسد لاغير وقد يَصِف في كل اقليمٍ دواءً وغذاءً على حدةٍ بحسب عادة الاقليم ويختار في كل فصلٍ تدبيرًا موافقًا بحسب طبع الفصل ۔

اللغات

دبّر: تدبیر سے ماضی، غور کرنا۔ یَصِفُ (ض) وصفًا وصِفۃً بیان کرنا، تجویز کرنا۔ الفصل: موسم ۔

ترجمہ

اور اس اختلاف کی مثال معالج (کے احوال) کے اختلاف جیسی ہے، جیسے وہ دو مریضوں کے معاملہ میں غور کرتا ہے تو وہ مریض کے (دونوں میں) سے ایک کے لئے ٹھنڈی دوا، ٹھنڈی غذا تجویز کرتا ہے اور دوسرے کو گرم دوا اور گرم غذا (کے استعمال) کا حکم دیتا ہے جبکہ معالج کا مقصد دونوں جگہوں پر ایک ہی ہے اور وہ (مقصد) طبیعت کی اصلاح اور (طبیعت میں) بگاڑ پیدا کرنے والے (فاسد مادہ) کا ازالہ (و اخراج) ہے نہ کچھ اور۔ اور کبھی کبھی علاقوں کی عادات (اور ان کے احوال) کے مطابق ہر ہر علاقہ میں الگ غذا اور الگ دوا تجویز کرتا ہے اور ہر موسم میں موسم کے مزاج کے موافق تدبیر اختیار کرتا ہے

وهكذا الحكيم الحقيقي جلّ مجده لمّا اراد ان يعالج من

من ابتلى بالمرض النفسانى ويقوى الطبع والقوة الملكية ويزيل المفسد اختلفت المعالجة بحسب اختلاف اقوام كل عصر واختلاف عاداتهم ومشهوراتهم ومسلماتهم

ترجمہ اور اسی طرح چونکہ حکیم حقیقی جل مجدہٗ نے چاہا کہ ان کا علاج کرے جو نفسانیت کی بیماری میں مبتلا ہوگئے۔ اور ایسے ہی چاہا کہ طبیعت اور ملکی صلاحیت اور روحانیت کی پاکیزہ استعداد کو تقویت پہونچائے۔ اور روحانیت میں بگاڑ پیدا کرنے والے اسباب کا ازالہ کرے لہٰذا ہر دور کی قوموں کے اختلاف اور ان کی عادات و مشہورات اور مسلمات کے اختلاف کے اعتبار سے علاج کا طریقہ مختلف رہا۔

وبالجملة فان شئت ان ترى انموذج اليهود فانظر الى علماء السوء من الذين يطلبون الدنيا وقد اعتادوا تقليد السلف و اعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة وتمسكوا بتعمق عالم وتشدده واستحسانه فاعرضوا عن كلام الشارع المعصوم و تمسكوا باحاديث موضوعة وتاويلات فاسدة كانت سبب هلاكهم

ترجمہ غرض یہ کہ تم اگر یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو ان علماء سوء (بدکردار علماء) کو دیکھو جو دنیا کی طلب میں رہتے ہیں اور اسلاف کی تقلید کے عادی ہو چکے ہیں اور کتاب و سنت کی نصوص سے گریزاں ہیں۔ اور علماء کے تعمق و تشدد اور استحسان سے استدلال کرتے ہیں اسی وجہ سے شارع معصوم وسید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام سے بیزار ہیں اور موضوع احادیث اور ایسی فاسد تاویلات کو اپنا مقتدیٰ بنا رکھا ہے جو ان کی بربادی کا سبب ہیں۔

فائدہ اسلاف کی جس تقلید کو حضرتؒ نے علماء سوء کا کردار بتایا ہے اس سے ایسی کورانہ تقلید مراد ہے جس سے نصوص کتاب وسنت کا ترک لازم آتا ہو، ورنہ کتاب وسنت کی روشنی میں اتباع کتاب وسنت کی غرض سے جو تقلید کی جائے نفسانیت اور اتباع ہوٰی سے بچنے کے لئے جو تقلید کی جائے وہ شریعت میں مطلوب محبوب ہے۔ خود مصنف علامؒ کو مذہب حنفی کی تقلید اور اتباع کا بھی اشارہ ملا تھا اور اسی پر عامل تھے۔ فرقۂ غیر مقلد کی ولادت سے پہلے تقریباً تیرہ سو سال تک پوری امت مسلمہ تقلید کرتی رہی اور آج بھی امت کا سواد اعظم مقلد ہے۔ تقلید کی ہدایات قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔

نمبر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت حسن بصریؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، عطاء بن ابی السائب وغیرہم رضی اللہ عنہم کی تفسیر کے مطابق اولو الامر سے مراد علماء مجتہدین ہیں۔ (۲) فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ (۳) وَاِذَا جَاۗءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔

حدیث: انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما۔ (ترمذی، ابن ماجہ، وبحوالہ مشکوٰۃ) حدیث: یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۶) والتفصيل مقام آخر۔

اما النصارى فكانوا امة يؤمنون بعيسى عليه وعلى نبينا الصلوة والسلام وكان من ضلالهم انهم يزعمون ان الله سبحانه وتعالى ثلاث شعب متغايرة بوجه متحدة باخر ويسمون الشعب الثلاثة اقانيم ثلاثة۔

اللغات شُعَب: (بضم الشین) جمع شعبۃ۔ حصہ، شاخ۔ اقانیم: جمع اُقنوم (بضم الہمزۃ) کسی چیز کی اصل۔ بنیادی جزء۔

ترجمہ بہرحال نصاریٰ تو وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اور ان کی ایک گمراہی یہ بھی کہ وہ لوگ دعویٰ کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تین اجزاء ہیں جو من وجہ (ایک لحاظ) حیثیت سے مختلف اور من وجہ متحد ہیں اور یہ لوگ ان تینوں اجزاء کا نام "اقانیم ثلاثہ" رکھتے ہیں۔

فوائد ف: نصاریٰ جمع نصرانی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آبائی وطن اور جائے پیدائش کا نام ناصرہ ہے جس کی طرف منسوب ہو کر حضرت کے متبعین نصرانی کہلاتے ہیں۔ "ناصرہ" ملک شام (حال فلسطین) کے علاقہ گلیل میں بیت المقدس سے ستر میل کے فاصلے پر شمال میں اور بحر روم سے تیس میل کے فاصلے پر مشرق میں واقع ایک قصبہ کا نام ہے۔ حضرت عیسیٰ کی مناسبت سے "یسوع ناصری" کہلاتے ہیں۔ سموا بذلک انتساباً الی قریۃ یقال لہا نصران (مفردات راغب) وھو قول ابن عباس وقتادۃ وابن جریج (کبیر)۔ نصرانی ناصرہ کا معرب ہے۔
(تفسیر ماجدی ص۲۸ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور)

ف: قرآن نے جن چار فرقوں پر رد وقدح کی ہے ان میں سے تیسرا فرقہ نصاریٰ کا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق آسمانی مذہب پر اعتقاد رکھتے تھے ان کی آسمانی کتاب کا نام انجیل تھا لیکن بدقسمتی سے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات حتیٰ کہ انجیل سماوی بھی تا دیر محفوظ نہ رہ سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں گمراہیاں، بداعمالیاں اور برے عقائد پیدا ہو گئے جن میں سب سے بدتر "عقیدۂ تثلیث" ہے یعنی خدائی کے تین اقنوم یا اجزاء ہیں۔ پھر تینوں مل کر ایک خدا ہیں۔ نصاریٰ اسے "توحید فی التثلیث" کہتے ہیں۔ آئندہ عبارت میں اقانیم ثلاثہ کی تفصیل آرہی ہے اس کی تشریح کے ذیل میں اقانیم کی جہت اتحاد ومغایرت کو بھی بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

أحدها الأب وذلك بإزاء المبدء للعالم والثاني الابن و هو بإزاء الصادر الأول وهو معنى عام شامل لجميع الموجودات والثالث روح القدس وهو بإزاء العقول المجردة .

اللغات المبدأ: اسم ظرف ہے۔ بدایۃ سے، بجائے ابتداء۔ فلاسفہ واجب تعالیٰ کو مبدأ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ماتن نے نصاریٰ کی تثلیث کو "ثالوث فلاسفہ" کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی ہے اس لئے انہیں کی اصطلاحات کو ذکر فرمایا ہے۔ ورنہ مسلم تعریف کے مطابق مُبدی ہونا چاہئے۔ مثلاً ھُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ (البروج)۔ واللہ اعلم۔ الصادر: صدر سے اسم فاعل، ظاہر رونما ہونے والا۔ روح القدس: الروح المقدس۔ العقول المجردۃ: ایسی عقلیں جو جسمانیات سے مبرّا ہیں۔ فلاسفہ کی اصطلاح میں عقل ایسا جوہر مجرد ہے جسے اپنے افعال میں اسباب و آلات کی احتیاج نہیں رہتی ہے اور جو واجب تعالیٰ اور ان کی مخلوقات کے درمیان وجود کے اعتبار سے واسطہ ہوتا ہے یعنی ذات تعالیٰ بحیثیت علۃ العلل عقول کے واسطے سے گویا مخلوق کو وجود بخشتے ہیں۔ ھو جوھرٌ مجرد مستغنٍ عن الآلات الجسمانیۃ متوسط بین الواجب ومصنوعاتہ فی اضافۃ الوجود۔ (ناموس م)

ترجمہ ایک اقنوم "اب" ہے اور وہ مبدأ عالم کے درجہ میں ہے اور دوسرا "ابن" ہے اور وہ صادر اول کے درجہ میں ہے اور یہ ایسا عام معنی ہے جو تمام موجودات کو شامل ہے اور تیسرا "روح القدس" ہے اور وہ عقول مجردہ کے درجہ میں ہے۔

تمہید تمہید کے طور پر پہلے "ثالوث فلاسفہ" کو سمجھ لیجئے تو نصاریٰ کے ثالوث کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ نظریۂ فلاسفہ کے مطابق ذات واجب تعالیٰ (جو ان کی اصطلاح میں مبدأ عالم ہیں) سے جو چیز سب سے پہلے وجود میں آئی،

اس کا نام "عقل اول" ہے۔ (الصادر الاول هو العقل الاول) جس کی تین حیثیتیں ہیں۔ (۱) اس کا نفس وجود۔ (۲) موجود بالواجب ہونا (گویا اس کے وجود کا مستفاد اور غیر سے حاصل ہونا) (۳) اس کا ممکن بالذات ہونا یعنی قبل الوجود قابلِ وجود اور ممکن الوقوع ہونا۔ واجب تعالیٰ واحد ہیں اور ضابطہ فلاسفہ ہے الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد (کہ شے واحد سے ایک سے زائد چیز کا صدور نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا واجب تعالیٰ سے شئ واحد "عقل اول" ہی کا صدور ہوا اور اس کے بعد واجب تعالیٰ معطل ہو گئے (تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً)۔ پھر عقل اول کو جو تین حیثیتیں حاصل ہیں ان کا مر آنفا؛ لہٰذا اس سے تین چیزیں وجود میں آگئیں کہ پہلی حیثیت (نفس وجود) کی وجہ سے عقل ثانی؛ اور تیسری حیثیت (وجود بالواجب) کی وجہ سے فلک اول (جسے فلک الافلاک، فلک اعظم اور عرش اعظم بھی کہا جاتا ہے)، اور دوسری حیثیت (ممکن ذاتی ہونے کی حیثیت) سے فلک اول کی نفس مدبرہ۔ پھر عقل ثانی نے اپنی ان ہی تینوں حیثیتوں سے عقل ثالث، فلک ثوابت، کرسی عہ، اور اس کی نفس مدبرہ کو پیدا کیا۔ اسی طرح عقل ثالث نے عقل رابع، فلک ثالث اور نفس مدبرہ کو پیدا کیا۔ پھر سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ عقل تاسع سے عقل عاشر، فلک تاسع اور نفس مدبرہ معرضِ وجود پر آئے اور یہی عقل عاشر مدبر ہے عالم عناصر کی۔

مقصود یا تشریح

جیسا کہ فلاسفہ نے شئ واحد (مثلاً عقل اول) کو تین حیثیتوں کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح "نصاریٰ کی تثلیث" کو سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کے تین اجزا یا تین اقنوم ہیں۔ ماتن علیہ الرحمۃ کے مطابق اقنوم اول "اب" ہے جس کی نصاریٰ کے یہاں وہی حیثیت ہے جو فلاسفہ کے یہاں "مبدأ عالم" کی ہے۔ اقنوم ثانی "ابن" ہے جس کی حیثیت نصاریٰ کی نظر میں وہی ہے جو فلاسفہ کے یہاں صادر اول (عقل اول) کی ہے۔ اقنوم ثالث "روح القدس" ہے۔ نصاریٰ کے نظریہ سے اس کی وہی حیثیت ہے جو فلاسفہ کے خیال میں عقول مجردہ کی ہے۔ یہ اقانیم ثلاثہ من وجہ متغایر اور من وجہ متحد ہیں۔ عہد جدید (مجموعہ اناجیل اربعہ)

عہ عرش اعظم اور کرسی اسلامی اصطلاح ہے۔

اردو کے مطابق حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا "میں اور باپ ایک ہیں"[1]۔ "باپ مجھ میں ہے اور میں باپ میں ہوں"[2]۔ اور یوحنا نے کہا۔ باپ، بیٹا، روح القدس تینوں ایک ہی ہیں[3]۔ اس لحاظ سے اقانیم ثلثہ میں اتحاد ہے۔ لیکن ان کی اناجیل میں اس کے برخلاف اقوال بھی موجود ہیں مثلاً۔ (۱) تو میرا بیٹا ہے آج مجھ سے پیدا ہوا[4]۔ وہ آسمان پر جا کر دہنی طرف بیٹھا ہوا ہے جہاں فرشتے اور حکومتیں اور قوتیں اس کے تابع کی گئی ہیں[5]۔ "باپ مجھ سے بڑا ہے"[6] (۲) مگر جب وہ وکیل آئے گا جسے میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح الحق جو باپ سے نکلتی ہے۔ تو وہ میری گواہی دے گا[7]۔ میں باپ میں سے نکلا اور دنیا میں آیا ہوں پھر دنیا چھوڑ کر باپ کے پاس جاتا ہوں[8]۔

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اقانیم ثلثہ میں مغایرت ہے۔ اسی وجہ سے ماتن نے فرمایا کہ ان میں من وجہ مغایرت ہے اور من وجہ اتحاد۔

قولہ وھو معنی عام الخ۔ ابتدا میں کلمہ تھا اور کلمہ خدا کے ساتھ تھا اور کلمہ خدا تھا یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا۔ اسی سے سب کچھ پیدا ہوا ایک بھی چیز جو پیدا ہوئی اس کے بغیر پیدا نہ ہوئی" (یوحنا باب ۱، ۱-۳)۔ بظاہر وھو معنی الخ سے نصاریٰ کے اسی عقیدہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور چونکہ عقیدۂ نصاریٰ ہی زیر بحث ہے اس لئے خیال ہے کہ یہی معنی مراد لینا بہتر ہے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت الصادر الاول

---

[1] یوحنا باب ۱۰، ۳۰۔ [2] یوحنا ۱۴، ۱۰۔ [3] یوحنا ۵، ۷۔ [4] رسولوں کے اعمال ۱۳، ۳۳۔ [5] ۱۔ پطرس باب ۳، ۲۲۔ [6] مقدس یوحنا باب ۱۴، ۲۸ یوحنا کے اس فقرہ پر حاشیہ لکھا ہوا ہے کہ مسیح بطور انسان باپ سے چھوٹا ہے۔ مگر بطور خدا باپ کے برابر ہے۔ [7] یعنی روح القدس باپ اور بیٹے سے محبت کی راہ سے صادر ہوتا ہے (یوحنا ۱۵، ۲۶ مع حاشیہ)۔ [8] یوحنا باب ۱۶، ۲۸۔

کی اسلامی تشریح ہو اور اس سے "تجلیِ اول" سے صادر ہونے والی پہلی چیز مراد ہو جسے "ہمہ وجود" کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ وجود ایسا معنیٰ ہے جو کائنات کی ہر شے میں پایا جاتا ہے۔

وكانوا يعتقدون ان اقنوم الابن تدرّع بروح عيسى عليه الصلوة والسلام يعني تصوّر الابن بصورة روح عيسىٰ كما ان جبرئيل عليه السلام يظهر بصورة الانسان ويزعمون ان عيسىٰ على نبينا وعليه الصلوة والسلام الٰه وانه ابن الله ايضًا وانه بشر يجري عليه الاحكام البشرية والالٰهية معًا

اللغات تدرّع: باب تفعّل سے ماضی، زرہ یا قمیص پہننا۔ تصوّر بھی باب تفعّل سے۔ التصور بصورة فلان: فلاں کی شکل اختیار کرنا۔

ترجمہ اور نصاریٰ عقیدہ رکھتے تھے کہ اقنوم ابن نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا لبادہ اوڑھ لیا یعنی "بیٹے" نے روحِ عیسوی کی صورت اختیار کر لی جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام انسانی صورت میں ظاہر ہوتے تھے۔ (صحیح روایت کے مطابق اکثر حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں) اور نصاریٰ دعویٰ کرتے تھے کہ عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام "الٰہ" بھی ہیں اور یہ کہ وہ ابن اللہ بھی ہیں اور یہ کہ وہ ایسے انسان ہیں جن پر بشری اور خداوندی (دونوں قسم کے) احکام ساتھ ساتھ جاری ہوتے ہیں۔

وكانوا يتمسكون في هذا الباب ببعض نصوص الانجيل حيث وقع فيه لفظ الابن وقد نسب الى نفسه بعض الافعال الالٰهية.

ترجمہ اور وہ لوگ اس معاملہ میں انجیل کی بعض عبارتوں سے استدلال کیا کرتے تھے اس وجہ سے کہ اس میں لفظ ابن (لڑکا ہم معنی لفظ) آیا ہے اور حضرت عیسیٰؑ نے بعض خدائی افعال کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

فائدہ نصاریٰ انجیل کی عبارتوں سے مختلف طریقوں پر استدلال کرتے تھے بطور نمونہ چند استدلال پیش خدمت ہیں۔

(۱) اناجیل میں لفظ ابن کا اطلاق حضرت مسیحؑ پر ہوا ہے۔ خود مسیحؑ نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا اور خدا کو اپنا باپ کہا ہے۔ اناجیل اربعہ میں سیکڑوں مثالیں مل جائیں گی مثلاً انجیل مرقس میں حضرت کی دعا منقول ہے۔ "ابا! اے باپ سب کچھ تجھ سے ممکن ہے اس پیالے کو مجھ سے ہٹا لے" (باب ۱۴ ۔ ۳۶)۔ انجیل لوقا میں ہے "اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیرا شکر کرتا ہوں" (باب ۱۰ ۔ ۲۱)

(اس کا جواب کتاب میں آگے آ رہا ہے۔)

(۲) حضرت مسیحؑ نے اپنے بارے میں اس عالم سے ہونے کی نفی کی ہے چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے "فقال لهم انتم من اسفل اما انا فمن فوق انتم من هذا العالم اما انا فلست من هذا العالم" کا مطلب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں خدا ہوں آسمان سے اتر کر مجسم ہو گیا ہوں"۔ جواب یہ ہے کہ اسی طرح کی بات حضرت مسیحؑ نے اپنے تلامذہ کے حق میں کہی ہے چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے "اگر تم دنیا کے ہوتے تو دنیا اپنوں کو پیار کرتی لیکن تم دنیا کے نہیں بلکہ میں نے تمہیں دنیا میں سے چن لیا ہے اس واسطے دنیا تم سے کینہ رکھتی ہے۔ (باب ۱۵ ۔ ۱۹)[1]۔ اگر اس سے الوہیت ثابت ہوتی تب تو یسوع مسیحؑ کے سارے شاگرد معبود ہو جاتے۔ (نعوذ باللہ) ۔ اس لئے عالم سے ہونے کی نفی کا مطلب ہے دنیا کا طالب نہ ہونا۔ بلکہ طالب آخرت اور رضائے

---

[1] باب ۱۷ آیت ۱۶ میں ہے۔ جیسے میں دنیا کا نہیں ہوں وہ بھی دنیا کے نہیں ہیں۔

موتی کا خواہاں ہونا۔ یہ مجازی معنی بہت سی زبانوں میں شائع ہیں چنانچہ علماء اور زہاد کے باب میں کہتے ہیں۔ انہم لیسوا من الدنیا۔

(۳) انجیل یوحنا باب آیت میں ہے "انا والاب واحد" یہ ان کے زعم کے مطابق اللہ اور مسیح کے اتحاد پر دال ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ خود حواریین کے حق میں بھی وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے "جس طرح کہ تو اے باپ مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ایک ہوں (باب۔ آیت ۲۱) اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے میں نے انہیں دیا ہے تاکہ وہ ایک ہوں جس طرح کہ ہم ایک ہیں۔ میں ان میں اور تو مجھ میں تاکہ یہ وحدت میں کامل ہو جائیں (۲۲-۲۳ آیتیں)

پس اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ حواریین کے اتحاد مع اللہ پر دال ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کا یہ اتحاد حقیقی نہیں بلکہ اتحاد باللہ سے مراد احکام خداوندی کی اطاعت ہے۔ فکذا اتحادہ باللہ۔

(۴) کبھی حضرت عیسیٰؑ کو اس لئے اللہ کا بیٹا کہتے ہیں کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ جواب یہ ہے کہ پھر تو حضرت آدم علیہ السلام کو فوقیت حاصل ہونی چاہئے کیونکہ وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ سورۂ آل عمران میں ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ	بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے مثال
کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ	آدم کی بنایا اس کو مٹی سے۔ پھر کہا اس کو کہ ہو جا
قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۔	وہ ہو گیا۔

یعنی حضرت آدمؑ کے نہ باپ تھا نہ ماں۔ عیسیٰؑ کے باپ نہ ہوں تو کیا عجب ہے۔ اس حساب سے تو آدم کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

(۵) کبھی اس لئے کہ آپ نے مردے زندہ کئے ہیں جیسا کہ انجیل مرقس کے پندرھویں باب میں ہے۔ جواب یہ ہے کہ بیشک مردہ کو زندہ کرنا آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے لیکن آپ نے زمانۂ صلیب تک صرف تین اشخاص کو زندہ کیا ہے اور ایک

یائیر کی بیٹی کو جو کسی عبادت خانے کا سردار تھا جیسا کہ لوقا، متی اور مرقس میں ہے اور ایک نوجوان کو جیسا کہ لوقا نے ساتویں باب میں نقل کیا ہے اور ایک عزر کو جسے صرف یوحنا نے اپنی انجیل کے گیارہویں باب میں نقل کیا ہے۔

ادھر حزقیال کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے ہزاروں کو زندہ کیا ہے۔ جیسا کہ ان کی کتاب کے سینتیسویں باب میں ہے۔ نیز حضرت الیاس علیہ السلام کا مردہ کو زندہ کر دینا اول کتاب سلاطین کے سترہویں باب میں لکھا ہے تو ان سب کو خدا کہنا چاہئے بلکہ حزقیال سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں حالانکہ اس کے وہ بھی قائل نہیں۔

قولہ الانجیل" صاحب تحفہ نے لکھا ہے کہ یہ یونانی کلمہ ہے جس کے معنی بشارت کے ہیں ہمارے نزدیک انجیل وہ آسمانی کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ۔

یہ کتاب کتنی بڑی تھی؟ کس طرح اور کس وقت لکھی گئی تھی؟ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں کس کے پاس رہا کرتی تھی؟ یہ اور اس طرح کے سوالات کے جواب صرف اللہ ہی کو معلوم ہیں! البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے الہامات کو جمع کرا لیا تھا اور یہی کتاب وہ مقدس انجیل تھی جس کے "منزل من اللہ" ہونے کا یقین کرنا اہل اسلام کے فرائض میں سے ہے۔ (از روح تعبیر تحریر)

لیکن حضرت عیسیٰ کے "رفع الی السماء" کے بعد ہی نصاریٰ انجیل مقدس سے محروم ہو گئے۔ تاریخ اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ اور حضرت کے بجائے پولوس طرسی کی تعلیمات کی پیروی کر لی اور رفتہ رفتہ ایک انجیل کی جگہ بہت ساری انجیلوں نے لے لی اور پہلی صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک اکیس سے زائد اناجیل کی بھرمار ہو گئی تھی کیونکہ "انجیل مسیح" کی گمشدگی کے بعد "انجیل" کا اطلاق ہر الہام پر ہو گیا تھا۔ لہٰذا جب "بے آمد عبارت نو ساختہ" انجیل کی اس بڑھتی تعداد کو دیکھ کر ارباب نصرانیت کو تشویش ہوئی تو ۳۲۵ء میں "نائسیا کونسل" نے بقول

علامہ مناظر احسن گیلانیؒ ہماری انجیلوں کو اکٹھا کر کے "جھولی کر جانے کی بیں رہ جاتے" کے بعد دعا کے ذریعہ چار کا انتخاب کیا اور باقی نظر انداز کر دی گئیں تاہم ان کا حال بھی اناجیل کے قدیم ذخیرے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہا۔ اور نجم القرآن کا سچا تعبیر انہا الکتب تاریخیۃ مضطرب الاسناد ومنہا ما ہو کاذب ومنہا ما ہو متناقض حرف بحرف صادق ہے۔ حوالجات اور تفصیلات مطلوب ہوں تو قصص القرآن اور الفوز الکبیر ملاحظہ فرمائیں۔ انجیل کے شارح "ہورن" اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء کی جلد چہارم باب دوم کی دوسری قسم میں انجیل کے زمانہ تالیف کے بارے میں صحیح معلومات فراہم نہ ہونے کا شکوہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

الف الانجیل سنۃ ۳۷ او سنۃ ۳۸ او سنۃ ۴۱ او سنۃ ۴۳ او سنۃ ۴۸ او سنۃ ۶۱ او سنۃ ۶۲ او سنۃ ۶۳ او سنۃ ۶۴ من المیلاد و الف الانجیل الثانی سنۃ ۵۶ وما بعدھا الی سنۃ ۶۵ والاغلب انہ الف سنۃ ۶۰ او سنۃ ۶۳۔ والف الانجیل الثالث سنۃ ۵۳ او سنۃ ۶۳ او سنۃ ۶۴۔ والف الانجیل الرابع سنۃ ۶۸ او سنۃ ۶۹ او سنۃ ۷۰ او سنۃ ۸۹ او سنۃ ۹۸ من المیلاد (اظہار الحق ج ۱ ص ۱۲۳)۔

اس صورت حال میں ایسے آسمانی کتاب کہنا اور قرآن کریم کے مقابلہ میں اختیار کرنا کیا نفسانیت و نادانی کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے؟

قولہ وقد نسب الخ: شروع سے آپ نصاریٰ کے پانچ استدلال کا جواب عطا فرما کر چکے ہیں۔ ماتن نے اس عبارت میں پہلے استدلال کو ذکر کیا ہے چنانچہ انجیل اس کے ذکر سے بھی خالی نہیں۔ متی میں ہے " جب وہ پہاڑ سے اترا تو بڑی بھاری بھیڑ اس کے پیچھے ہو لی۔ اور دیکھو ایک کوڑھی نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا: اے خداوند! اگر تو چاہے تو مجھے صاف کر سکتا ہے۔ تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا۔ فوراً اس کا کوڑھ جاتا رہا۔

(متی ۸: ۱ تا ۳)

حضرت کا پاک و صاف یعنی صحتیاب ہونے کی حیثیت کا اپنی طرف منسوب کرنا نصاریٰ کی نظر میں خدائی کی دلیل ہے ۔

ابطالِ تثلیث

عقیدۂ تثلیث بدیہی البطلان ہے تاہم علمائے اسلام نے اس کے باطل ہونے کی مختلف دلیلیں پیش کی ہیں ۔ مافی الضمیر کو سلیقہ کے ساتھ مختلف پیرائے میں بیان کرنے کی خاطر ان دلائل کا مطالعہ ہمارے لئے مفید ثابت ہوگا ۔ تثلیث کے قائل بھی کہتے ہیں کہ ایک تین بھی ہیں ، ایک بھی ہیں بیک وقت کہا ایک

(۱) یہ تینوں اپنے وجود اور تشخص میں ممتاز ہیں یا نہیں ؟ اگر ہیں تو تین اشخاص جداگانہ ہوئے نہ کہ ایک ، پھر ایک کہنا غلط ہے ۔ اور اگر نہیں ہیں تو تین نہ ہوئے ایک ہی ہوا پھر تین کہنا غلط ہے ۔ (۲) تینوں مل کر مستقل خدا ہوتے ہیں یا جداگانہ بھی ہر ایک خدا ہے ۔؟ پہلی صورت میں ہر ایک کو خدا کہنا غلط ہے نہ خود خدا خدا ہے نہ روح القدس خدا ہے نہ حضرت مسیح خدا ہیں ۔ دوسری صورت میں تینوں مستقل خدا ہوئے نہ کہ ایک پس توحید نہ رہی ۔ (۳) حضرت مسیح کو جب خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے تو باپ اور بیٹے میں ضرور تقدم ذاتی اور تقدم زمانی ہے اب اس مرتبہ میں کہ جب خدا مسیح کا بیٹا نہ تھا تو خدا خدا تھا یا نہیں ؟ اگر تھا تو پھر یہ کہنا کہ تینوں مل کر ایک خدا ہوا غلط ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے ہی خدا تھا ۔ اور اگر وہ خدا نہیں تھا تو مسیح بھی خدا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جب باپ ہی خدا نہ تھا اور نقص کی حالت میں اس سے مسیح پیدا ہوئے تو یہ کیونکر خدا ہو گئے ؟ خچر سے گھوڑا پیدا نہیں ہو سکتا ۔ (البیان) ۔

(لطیفہ) : علامہ عتابی نے مامون کی مجلس میں ابو قرہ نصرانی سے سوال کیا کہ حضرت مسیح کے بارے میں کیا خیال ہے ؟ بولا خدا کے بیٹے ہیں ۔ عتابی نے کہا ، بعض کل سے بطریق تجزی ، ولد والد سے بہ سبیل تناسل ، سرکہ شراب سے بطریق استحالہ اور مخلوق خالق سے بجہت صنعت ہے ۔ تو کیا اس کے علاوہ پانچویں صورت بھی ہے ؟ اس نے کہا نہیں ۔ لیکن اگر میں ان میں سے کسی ایک کا قول کروں تو تم کیا

کہو گے ؟ مقابل نے کہا ، باری تعالیٰ متجزی نہیں ہوتے کیونکہ اگر یہ بات جائز ہو تو صورت دوم و سوم بھی جائز ہو گی ۔ اور چوتھی صورت ہمارا مذہب ہے ۔ بہ شکست النصرانی ۔ (الروض) ۔

دلچسپ واقعہ

تین اشخاص نے نصرانی مذہب اختیار کیا ۔ ایک پادری نے بڑے اہتمام سے انھیں اپنے مذہب کے ضروری عقائد سکھائے بالخصوص عقیدۂ تثلیث پر اچھا خاصا زور صرف کیا ۔ یہ تینوں اشخاص ابھی اسی پادری کی خدمت میں تھے کہ پادری کا کوئی قدیم عقیدتمند آ گیا جس کے سوال و جواب باذوق حضرات کے لیے پیش خدمت ہیں ۔

عقیدتمند : کیا کچھ لوگوں نے نصرانیت اختیار کی ؟ پادری : ہاں تین افراد نے یسوع مسیح کا مذہب اختیار کیا ہے ۔ عقیدتمند : ان لوگوں نے کچھ ... ضروری عقائد بھی سیکھ لیے ؟ پادری نے اثبات میں جواب دیا اور ان میں سے ایک کو عقیدتمند کے سامنے بلا کر سوال کیا ۔ عقیدۂ تثلیث کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہے ؟ جدید نصرانی : آپ نے مجھے بتایا کہ خدا تین ہیں ایک وہ جو آسمان میں ہے ۔ دوسرے وہ جو حضرت مریم عذرا کے شکم سے پیدا ہوئے اور تیسرے وہ جس نے بشکل کبوتر معبود ثانی (عیسیٰ) پر تیس سال کی عمر میں نزول فرمایا ۔ پادری یہ جواب سن کر چراغ پا ہو گیا اور جدید نصرانی کو نرا جہول کہہ کر بھگا دیا ۔ پھر دوسرے نصرانی جدید کو بلا کر وہی سوال کیا ۔

دوسرا نصرانی : آپ کی تعلیم کے مطابق تین آلہہ تھے ایک کو سولی دیدی گئی تو اب دو خدا بچے ہیں ۔ پادری نے اس پر بھی ناراضگی کا اظہار کیا اور بھگا دیا ۔ پھر تیسرے نصرانی کو بلایا جو سابقہ دونوں سے زیادہ ذکی و ذہین اور عقائد کو سمجھنے یاد کرنے کا شوقین تھا ۔ اس سے بھی عقیدۂ تثلیث کی توضیح چاہی جواب ملا : میرے آقا و مولا ! جو کچھ آنمحترم نے بتایا ہے ۔ رب مسیح کے فضل سے بندہ نے اسے خوب سمجھ کر اچھی طرح یاد کر لیا ہے یعنی الواحد ثلاثۃ و الثلاثۃ

واحد" ایک تین ہیں اور تین ایک ہے۔ ان میں سے ایک کو سولی دے کر فنا کے گھاٹ پہونچا دیا گیا۔ لہذا (تین ایک کے اتحاد سے) سب فنا ہو گئے اور اب کوئی خدا نہیں رہا ورنہ اتحاد کی نفی لازم آئے گی۔ میں پوچھتا ہوں اس میں ان نصرانیوں کا کوئی قصور نہیں۔ یہ عقیدہ ہی ایسا ہے کہ عوام وخواص دونوں اس میں الجھے ہوئے ہیں۔ علماء مبہوت وحیران ہو کر کہتے ہیں نعتقد ولا نفہم" کہ ہم تو بغیر سمجھے اس کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ بس۔ اسی وجہ سے امام رازی نے فرمایا۔ لا نرى مذهبا فى الدنيا اشد ركاكة وبعدا عن العقل من مذهب النصارى" یعنی دنیا میں نصاریٰ کے دھرم سے زیادہ بوکس وبیہودہ اور بعید از عقل مذہب نظر نہیں آیا۔ (از اظہار الحق صہ ۵۱ ج ۲) ۔

فالجواب عن الاشكال الاول على تقدير تسليم انه كلام عيسى عليه السلام ليس فيه تحريف ان لفظ الابن كان فى الزمان القديم بمعنى المحبوب والمقرب والمختار كما يدل عليه كثير من القرائن فى الانجيل ،

ترجمہ پہلے اشکال کا جواب " اس بات کو مان لینے کی صورت میں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے۔ اس میں تحریف نہیں ہے": یہ ہے کہ لفظ ابن قدیم زمانہ میں محبوب ومقرب اور مختار (پسندیدہ وپیارا) کے معنی میں تھا جیسا کہ اس پر انجیل کے بہت سے قرائن دلالت کرتے ہیں۔

فائدہ یہود ونصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا اشتباہ دو وجہوں سے ہوتا تھا۔ ۱: انجیل میں حضرت عیسیٰؑ پر "ابن" کے اطلاق سے۔ ۲: حضرت عیسیٰؑ کا اپنی طرف بعض افعال الٰہیہ کی نسبت کرنے سے۔ پہلے اشتباہ کے جواب میں حضرت مصنف علام فرماتے ہیں کہ اول تو تسلیم کرنا مشکل ہے

کہ جن جگہوں پر حضرت پر لفظ ابن کا اطلاق ہوا ہے وہ حضرت ہی کا کلام ہے۔ تحریف نہیں ہے کیونکہ کتب اناجیل کا محرف ہونا یقینی ہے جیسا کہ سب پہلے مثالیں گذر چکی ہیں۔ تاہم اگر تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس سے "ابنیت و الوہیت" کا اثبات نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لفظ یا تو حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے یا مجازی معنی میں۔ معنی حقیقی ہیں "وہ حیوان جو والدین کے نطفہ سے پیدا ہوا ہو" یہ معنی مراد نہیں ہو سکتے "أنى يكون له ولد ولم تكن له صاحبة" "اللہ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بیوی تو ہے نہیں" لہذا معنی مجازی مراد لیے جائیں گے جیسا کہ انجیل کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں کہ لفظ "ابن" مقرب و محبوب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لوقا باب سوم میں نسب نامۂ مسیح میں آدم کو "ابن خدا" کہا گیا ہے۔ (آیت ۳۸)۔ اسی طرح متی میں حضرت عیسیٰ کی زبانی خدا کو عیسائیوں کا باپ کہا گیا ہے۔ (ب۵ آیت ۴۵)۔ لہذا سارے نصاریٰ بیٹے ہوئے جیسا کہ انجیل لوقا باب عنوان "میدانی وعظ" آیت ۳۵ میں لکھا ہے "تم خدا تعالیٰ کے فرزند ہو گے"۔ ان حوالوں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ "ابن، ابناء" کا لفظ مقرب و محبوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور مقرب و محبوب خدا وہی ہوتا ہے جو صالح و راستباز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انجیل مرقس میں حضرت عیسیٰ کی وفات کے تذکرہ میں صوبہ دار کا جملہ درج ہے "یہ آدمی در حقیقت خدا کا بیٹا تھا" (ب۱۵ آیت ۳۹) جب کہ لوقا میں اسی واقعہ میں اسی صوبہ دار کا مقولہ ہے "بیشک یہ آدمی راستباز ہے" (ب۲۳ آیت ۴۷)۔

والجواب عن الاشكال الثاني انه على سبيل الحكاية كما يقول رسول ملك من الملوك قد غلبنا الملك الفلاني وقد دمرنا قلعة كذا وفي الحقيقة هذا الامر راجع الى الملك واما الرسول فانما هو ترجمان محض وايضا يحتمل ان يكون طريق الوحي الى عيسى عليه الصلوة والسلام انطباع المعاني

فی لوح نفسہ من قبل العالم الاعلیٰ لا تمثل جبریل بالصورۃ البشریۃ والقاء الکلام فربما یجری بسبب ھذا الانطباع منہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلام مشعر بنسبۃ تلک الافعال الی نفسہ والحقیقۃ غیر خفیۃ ۔

اللغات

رسول: قاصد و سفیر۔ دمرنا: تدمیراً ہلاک کرنا۔ انطباع: منقش ہونا۔ ڈھلنا۔ لوح: تختی، جمع الواح۔ تمثل: کسی کی صورت اختیار کرنا۔

ترجمہ

اور دوسرے اشتباہ کا جواب یہ کہ وہ (بعض افعال الٰہیہ کو اپنی طرف منسوب کرنا) حکایت کے طور پر ہے جیسا کہ بادشاہوں میں کسی بادشاہ کا سفیر (ترجمان) کہے ہم فلاں ملک پر غالب آگئے" اور " ہم نے فلاں قلعہ کو تباہ کر دیا" اور حقیقت میں یہ چیزیں بادشاہ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور بہر حال قاصد تو وہ سفیر محض و صرف نمائندہ ہے۔ نیز احتمال یہ بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کا طریقہ عالم بالا کی جانب سے ان کے لوح دل پر مضامین کے منقش ہونے کا رہا ہو (جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہ حدیث قدسی کا انعکاس و القاء ہوتا تھا) نہ کہ جبرئیل کا بشکل انسانی آنا اور کلام کا القاء کرنا۔ چنانچہ بعض اوقات اسی الہام کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایسا کلام صادر ہوتا تھا۔ جو آپ کی طرف ان افعال کے انتساب کا پتہ دیتا ہے اور حقیقت مخفی نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ حضرت کے کلام میں جہاں کہیں خدائی افعال کو متکلم کے صیغہ سے بیان کیا گیا ہے وہ اپنی طرف انتساب کے طور پر نہیں بلکہ کلام ربانی کی نقل و حکایت کے طور پر ہے۔ لہٰذا آپ کی ذات گرامی محض ترجمان و قاصد یا سفیر و نمائندہ ہے اور ظاہر ہے کہ رسول جن افعال و اقوال کو صیغۂ متکلم سے بیان کرتا ہے وہ در حقیقت مرسل ہی کے اقوال و افعال ہوتے اور سمجھے جاتے ہیں۔

اس لئے حضرت کے اقوال سے جو درحقیقت حق رسالت کی ادائیگی کے طور پر جاری ہوئے ہیں، استدلال کرکے آپ کی الوہیت کے راگ الاپنا ایسا ہی ہے جیسے کسی بادشاہ کے قاصد و سفیر کی گفتگو سن کر کوئی شخص قاصد کی سلطنت پر استدلال کرکے اس کے اقتدار کے گیت گانے لگے۔

والحقیقۃ الخ کا مطلب یہ ہے کہ سبھی جانتے ہیں کہ رسول کے کلام میں صیغہ متکلم کی نسبت حقیقی نہیں مجازی ہوتی ہے لہٰذا کلام مسیحؑ سے استدلال غلط ہے۔

> وبالجملة فقد ردّ الله سبحانه وتعالى هذا المذهب الباطل وقرّر أنّ عيسى عبد الله وروحه المقدس نفخ في رحم مريم الصديقة وايّده بروح القدس ونظر اليه بالعناية الخاصة المرعية في حقه ۔

اللغات قرّر: تقریراً ثابت کرنا۔ نفخ: (ن) نفخاً پھونکنا۔ مریم: بنت عمران والدۂ عیسیٰ وافضل نساء زمانہا۔ ایّدہ: تائیداً قوی کرنا۔ مدد کرنا۔ القدّس یقدّس وغیرہ۔

ترجمہ الحاصل اللہ تعالیٰ نے اس باطل مذہب کا رد فرمایا اور ثابت کیا کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور اس کی وہ پاک روح ہے جس کو اس نے مریم صدیقہ کے رحم میں ڈالا اور اس کی روح القدس سے تائید فرمائی اور اس پر وہ خاص عنایت رکھی جو ان کے حق میں ملحوظ تھی۔

فائدہ قولہ فقد ردّ اللہ الخ جیسے سورۂ مائدہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ	بیشک کافر ہوئے جنھوں نے کہا اللہ ہے
قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ	تین میں کا ایک حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز
وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَّاحِدٌ	ایک معبود کے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بقول صحیح یہ آیت خاص طور سے نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے تینوں فرقے ملکانیہ، یعقوبیہ اور نسطوریہ اقانیم ثلاثہ کے قائل ہیں اور ہر ایک دوسرے کو کافر سمجھتا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ تینوں ہی کافر ہیں۔ وقال اللہ تعالیٰ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۔

قول نفخ: جیسے سورہ تحریم کے بارے میں ارشاد باری ہے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي	اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنے
أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ	شہوت کی جگہ کو پھر ہم نے پھونک دی اس میں ایک
مِن رُّوحِنَا (الآیۃ)	اپنی طرف سے جان۔

یعنی فرشتہ کے ذریعہ سے ایک روح پھونک دی۔ حضرت جبریل نے گریبان میں پھونک ماری جس کا نتیجہ استقرار حمل ہوا اور حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے۔

تنبیہ بعض نصاریٰ سورۂ نساء کی آیت اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ (ماخوذ) مِنْهُ (جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اس کے پاس کی) سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب حضرت مسیح روح اللہ ہیں تو ان کا مرتبہ الوہیت میں ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ کی روح اللہ سے کم درجہ کی نہیں ہو سکتی۔ جواب یہ ہے کہ سورۂ سجدہ میں وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ اور سورۂ حجر و سورۂ ص میں وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں وارد ہے۔ اور سورۂ مریم میں فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا حضرت جبریل علیہ السلام کے حق میں ہے اور کتاب حزقیال میں ہزاروں آدمیوں پر "روح" کا اطلاق ہے اور سورۂ جاثیہ میں ہے وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ یہاں اگر مسیح کے حق میں "روح منہ" کا مطلب یہی ہے کہ وہ اللہ کا بعض و حصہ یا جزو ہے تو "جمیعا منہ" کے معنی بھی یہی ہوں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارا ہی مخلوق خدا ہے۔

(استغفر اللہ)۔ بات اصل یہ ہے کہ روح کی اضافت جو اپنی طرف کی ہے یہ محض تشریف وتکریم اور روح انسانی کا امتیاز ظاہر کرنے کے لئے ہے یعنی وہ خاص جان جس میں نمونہ ہے میری صفات کا اور بسبب خصوصی لطافت کے مجھ سے نسبتہً قریب علاقہ رکھنے والی ہے۔

امام غزالیؒ نے دوسرے عنوان سے اس اضافت پر روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں۔ اگر آفتاب کو قوت گویائی مل جائے اور وہ کہے کہ میں نے اپنے نور کا فیض زمین کو پہونچایا تو کیا یہ لفظ (اپنا نور) غلط ہوگا! جب یہ کہنا صحیح ہے حالانکہ نہ آفتاب زمین میں حلول کرتا ہے نہ اس کا نور اس سے جدا ہوتا ہے بلکہ زمین سے لاکھوں میل دور رہ کر بھی روشنی کی باگ اسی کے قبضہ میں ہے، زمین کا کچھ اختیار نہیں چلتا بجز اس کے کہ اس سے بقدر اپنی استعداد کے نفع حاصل کرتی رہے، تو وراء الورا خدا کا آدم کے حق میں یہ فرمانا وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي (میں نے آدم میں اپنی روح پھونکی) یا عیسیٰ مسیح کی بابت یہ فرمانا وَرُوحٌ مِّنْهُ حلول واتحاد وغیرہ کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

قولہ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" جیسے سورہ مائدہ میں ارشاد باری ہے۔

إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ جب مدد کی میں نے تیری پاک روح سے۔

یوں تو روح القدس سے حسب مراتب سب انبیاء علیہم السلام بلکہ بعض مومنین کی بھی تائید ہوئی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن کا وجود ہی نفخ جبرئیلؑ سے ہوا کوئی خاص قسم کی فطری مناسبت اور تائید حاصل ہے۔

روح القدس کی مثال عالم ارواح میں ایسی سمجھو جیسے عالم مادیات میں قوت کہربائیہ (بجلی کا خزانہ) جس وقت اس خزانہ کا مدیر معین اصول کے موافق کرنٹ چھوڑتا اور جن اشیاء میں بجلی کا اثر پہونچانا ہے۔ ان کا کنکشن درست کر دیتا ہے تو فوراً خاموش اور ساکن مشینیں بڑے زور سے گھومنے لگتی ہیں۔ اگر کسی مریض پر بجلی کا عمل کیا گیا ہو تو مشلول اعضاء اور بے حس ہو جانے والے اعصاب میں بجلی کے

پہونچنے سے حس و حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسے بیمار کے حلقوم میں جس کی زبان بالکل بند ہو گئی ہو، قوت کہربائیہ کے پہونچانے سے قوت گویائی واپس کی گئی ہے۔ حتی کہ بعض ماہر ڈاکٹروں نے تو یہ دعویٰ کر دیا کہ ہر قسم کی بیماری کا علاج قوت کہربائیہ سے کیا جا سکتا ہے۔ (دائرۃ المعارف فرید وجدی)

جب اس معمولی مادی کہربائیہ کا حال یہ ہے کہ تو اندازہ کر لو کہ عالم ارواح کی کہربائیہ میں جس کا فرد ارشد روح القدس ہے کیا کچھ طاقت ہو گی۔ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی ذات گرامی کا تعلق روح القدس سے کسی ایسی خاص نوعیت اور اصول کے ماتحت رکھا ہے جس کا اثر کھلے ہوئے غلبہ روحیت، تجرد اور مخصوص آثار حیات کی شکل میں ظاہر ہوا، ان کا روح اللہ سے ملقب ہونا، بچپن، جوانی اور کہولت میں یکساں کلام کرنا، خدا کے حکم سے افاضۂ حیات کے قابل کالبد خاکی تیار کر لینا، اس میں باذن اللہ روح حیات پھونکنا، مایوس العلاج مریضوں کی حیات کو۔۔ باذن اللہ بدون توسط اسباب عادیہ کے کار آمد اور بے عیب بنا دینا وغیرہ سب آثار اسی تعلق خصوصی سے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر یہ سب امتیازی معاملات ہیں ان سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی چہ جائیکہ الوہیت ثابت ہو۔ (الروح ص ۹۲، ۹۳)

> وبالجملة لو ظهر الله سبحانه وتعالى في الكسوة الروحية التي هي من جنس سائر الارواح وتدرع بالبشرية فهو لا ينطبق لفظ الاتحاد على هذا المعنى عند التدقيق و الإمعان الا بتسامح وَأَقْرَبُ الأَلْفَاظِ لِهٰذَا المَعْنَى .. التَّقْوِيمُ وَمِثْلُهُ - تَعَالَى اللهُ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا

اللغات

کِسْوَۃٌ: لباس، پوشاک۔ تدرّع: زرہ یا چادر پہننا۔ تدقیق: باریک بینی سے کام لینا۔ اِمعان: نہایت غور سے سوچنا۔ تسامح

چشم پوشی، نرم برتاؤ۔ تقویم: سیدھا کرنا۔

ترجمہ خلاصہ کلام بالفرض اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس "روح" ہی میں ظہور فرمایا جو تمام ارواح کی جنس سے ہے اور بشریت کا لبادہ اوڑھ لیا تو (بھی) وقت نظر اور گہری سوچ سے کام لینے کی صورت میں لفظ اتحاد اس معنیٰ پر منطبق نہیں ہو سکتا ہے (فٹ نہیں آ سکتا ہے) مگر (معنی تحقیق سے) چشم پوشی کے ساتھ اور اس مفہوم کا قریب ترین لفظ تقویم ہو اور اس جگہ یہ لفظ) ہے۔ اللہ تعالیٰ (کی ذات پاک) اس سے بہت بلند و بالا ہے جسے یہ ظالم لوگ کہتے ہیں۔

فائدہ اتحاد کے معنیٰ ہیں دو ذاتوں کا اس طرح ایک ہو جانا کہ دوئیت کا تصور ہی ختم ہو جائے۔ تقویم کے معنیٰ ہیں کسی چیز کے قوام یا ساخت میں داخل ہونا۔

ماتن علیہ الرحمہ کا کہنا ہے کہ بفرض محال اگر نصاریٰ کی یہ بات مان لی جائے کہ اللہ تعالیٰ "مخلوق محدث اور ولد" جیسی روح بن کر بشر کی صورت میں جلوہ گر ہوا تو بھی اس جلوہ گری کو "اتحاد" کا نام دینے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے پھر بھی کامیابی مشکل ہوگی۔ جیسے کسی انسان پر جن یا شیطان آ جائے تو دونوں کو متحد کہنا مشکل ہے۔ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)۔ بشریت کے لباس میں روح مخلوق کی جلوہ گری کو زیادہ سے زیادہ تقویم کہا جا سکتا ہے کیونکہ مجموعے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ بشر یعنی یسوع مسیح کے ایک جزء کی حیثیت سے اس کے قوام میں داخل ہے۔

تقویم کا دوسرا معنیٰ: تقویم کا ایک معنیٰ "صورت" بھی ہے اس معنیٰ کے اعتبار سے تقویم "تمثل بشری" کا ہم معنیٰ ہوگا۔ یعنی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشری صورت اختیار کر لی۔ جیسے جبریل علیہ السلام دحیہ کلبی کی صورت میں ظہور فرمایا کرتے تھے۔

نوٹ:۔ یہ بحث تنزلی ہے ورنہ ہمارے نزدیک تو تقویم کا تصور بھی ذات خداوندی سے بعید ہے۔

وان شئت ان ترى انموذجا لهذا الفرق فانظر اليوم الى

اولاد المشائخ والاولیاء ماذا یظنون بآبائهم فتجدهم قد افرطوا فی اجلالهم کل الافراط وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۔

اللغات نموذج۔ نمونہ۔ فریق: جماعت، گروہ۔ افرطوا: افراط، حد سے بڑھ جانا۔ اجلال: تعظیم کرنا۔ منقلب: انقلاب کا اسم ظرف ہے لوٹنے کی جگہ کہا جاتا ہے۔ ای: مرکب اضافی منقلب۔

ترجمہ اور اگر تو دیکھنا چاہے نمونہ اس قوم کا تو دیکھ آج اولیاء اللہ و مشائخ کی اولاد کو کہ وہ اپنے آباء کے حق میں کس قسم کے خیالات رکھتے ہیں پس تو ان کو پائے گا کہ وہ ان کی تعظیم میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور بہت جلد جان لیں گے وہ لوگ جو ظلم کرتے ہیں کہ کون سی پھرنے کی جگہ پھرتے ہیں۔

وایضاً فمن ضلالة اولئک انهم یجزمون انه قد قُتِلَ عیسیٰ علیه الصلوٰة والسلام وفی الواقع انه قد اشتبه فی قصته فلما رُفِعَ الی السماء ظنوا انه قد قُتِلَ ویروون هذا الغلط کابراً عن کابر فازال الله سبحانه وتعالیٰ هذه الشبهة فی القرآن العظیم فقال "وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" وما ذکر فی الانجیل من مقولة عیسیٰ علیه السلام فمعناه اخبار بجرأة الیهود واقدامهم علیٰ قتله وان کان الله سبحانه وتعالیٰ ینجیه من هذه الهلکة واما مقولة الحواریین فمنشاها وقوع اشتباه وعدم اطلاع علیٰ حقیقة الرفع الذی لا تألفه الاذهان والاسماع۔

اللغات یجترءون: (ض) جرأ کسی امر کا قطعی فیصلہ کرنا، یقین کرنا۔ کابر: بلند مرتبہ سردار، سوریث: گل۔ مَصْلُوبٌ: (ن ص) صلبًا سولی دینا، جرأة: دلیری۔ اقدام: دلیری کرنا۔ ینجیہ: تنجیۃ رہائی دلانا۔ مَهْلَکَة: ہلاکت کی جگہ۔ حواریین: جمع حواری۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انصار و اعوان۔ تالفہ (س) الفًا مانوس ہونا۔ اَسْمَاع: جمع سمع کی، کان۔

ترجمہ نیز ایک گمراہی نصاریٰ کی یہ ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مقتول ہو گئے حالانکہ درحقیقت ان کے قتل کے قصہ میں ایک اشتباہ ہو گیا تھا کہ جب آپ آسمان پر اٹھا لئے گئے تو وہ یہود دیکھ کر آپ کو قتل کر دیا گیا۔ اور نسلاً بعد نسلٍ اس غلط روایت کو مسلسل نقل کرتے رہے خداوند تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اس شبہ کا ازالہ کیا اور فرمایا "حالانکہ انہوں نے مسیح کو نہ تو قتل کیا ہے اور نہ سولی پر چڑھایا مگر یہ کہ ان کو ایسا ہی معلوم ہوا" اور انجیل میں اس قصہ کے متعلق جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ذکر کیا گیا ہے، تو اس سے مراد یہودیوں کی دلیری اور ان کے اقدام قتل کی خبر دینا ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ اس سانحہ سے ان کو نجات عطا فرمائے گا۔ رہا حواریین کا مقولہ تو اس کا منشاء یہ اشتباہ کا ہونا اور اس رفع (الی السماء) کی حقیقت سے ناواقف ہونا ہے جس سے ان کے ذہن اور کان مانوس نہ تھے۔

تشریح قولہ ولیت: اکثر عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ آدم نے جو خدا کی نافرمانی کی تھی یعنی اس کے حکم بغیر درخت ممنوعہ سے کھا لیا تھا وہ گناہ نہ ان کی اس سزا سے معاف ہوا کہ وہ جنت سے نکالے گئے۔ نہ تو پشیمان ہوتے پھرنے سے نہ ان کی توبہ و استغفار سے معاف ہوا بلکہ وہ نسل در نسل ہر بنی آدم پر منتقل ہوتا چلا آتا تھا اور خدا کو اس کی سزا دیئے بغیر چارہ نہ تھا کیونکہ عیسائی عقیدہ میں ہر گناہ کی سزا جہنم ہے ـ اس گناہ موروثی سے حضرات انبیاء علیہم السلام بھی پاک نہ تھے اب اس کی سزا بھی دی تو کس کو؟ اپنے پیارے مسیح کو، وہ باوجودیکہ

فریاد اور آہ وزاری بھی کرتے رہے مگر خدائے عادل کب توجہ فرمانے والا تھا! آخر اس معصوم کو صلیب پر یہود کے ہاتھ چڑھوا ہی دیا اور انھوں نے بڑی تکلیف سے پیٹ کر جان دی۔ اور تمام مخلوق کے گناہوں میں انھیں کو ملعون بنا کر تین روز جہنم میں رکھا۔ اور وہ تمام دنیا کے لئے کفارہ ہو گئے (العیاذ باللہ)۔ اصل اس بدعت کے موجد حضرت پولوس مقدس ہیں جن کی اصل غرض اس سے شریعت انبیاء اور احکام توریت سے آزاد کرا دینا تھا۔ اور اس کے رواج دینے کے لئے وہ جھوٹ بولنا بھی جائز سمجھتا تھا۔ (البیان۔ الرحمٰن)۔

قولہ وقع الاشتباہ: اشتباہ سے مراد غیر مسیح کو مسیح سمجھ کر قتل کر بیٹھنا ہے اور نوعیت اشتباہ کی روایات مختلف ہیں۔ حضرت الاستاذ نے العون میں ابن جریر کے حوالے سے بسند صحیح حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کا خلاصہ ہے کہ ایک مکان میں بارہ حواریین تشریف فرما تھے۔ حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کا وقت قریب آیا تو حضرت بھی اسی حجرہ میں رونق افروز ہوئے اور فرمایا کہ تم میں کون میرا ہم شکل ہو کر میری جگہ مقتول ہونا پسند کرے گا؟ اور اس کے عوض میں جنت میں میری رفاقت سے سرفراز کیا جائے گا۔ ایک نوجوان انھیں میں سب سے کم عمر تھا اٹھا اور اس ایثار وسعادت کے لئے اپنا نام پیش کیا۔ آپ نے اسے بٹھا لیا اسی طرح تین مرتبہ حضرت نے اعلان فرمایا اور ہر مرتبہ وہی نوجوان اپنا نام پیش کرتا رہا۔ آپ نے تیسری مرتبہ منظوری دیدی، چنانچہ آناً فاناً وہ نوجوان حضرت کا ہم شکل ہو گیا اور حضرت علیہ السلام حجرہ کے روشندان سے۔ ۔ آسمان کو اٹھا لئے گئے۔ یہودیوں نے حضرت کے شبیہ کو پکڑ کر قتل کیا اور دار پر چڑھا دیا۔ (العون ص۱۱)۔

دوسری روایت وہ ہے جسے علامہ عثمانیؒ نے آیت کریمہ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ الخ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ پہلے پوری آیت مع ترجمہ وتفسیر ملاحظہ فرمائیے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ	انھوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن
شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ	صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں

اختلفوا فیہ لفی شک منہ ما	مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ
لہم بہ من علم الا اتباع	شک میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں ان کو
الظن وما قتلوہ یقینا بل رفعہ	ان کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور
اللہ الیہ وکان اللہ عزیزا حکیما۔	اس کو قتل نہیں کیا بیشک۔ بلکہ اس کو اٹھا لیا

اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا۔

یعنی یہودیوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا۔ یہود جو اس بارے میں مختلف باتیں کر رہے ہیں اپنی اپنی اٹکل سے کر رہے ہیں۔ اللہ نے ان کو شبہ میں ڈالدیا۔ خبر کسی کو بھی نہیں واقعی بات یہ ہے کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا۔ قصہ یہ ہوا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی ان کے گھر میں داخل ہوا۔ حق تعالیٰ نے ان کو تو آسمان پر اٹھا لیا اور اس شخص کی صورت حضرت مسیحؑ کی صورت کے مشابہ کر دی جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو مسیح سمجھ کر قتل کر دیا۔ پھر خیال آیا تو کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کے چہرے کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے ساتھی کا معلوم ہوتا ہے کسی نے کہا کہ یہ مقتول مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے؟ اب صرف اٹکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا۔ علم کسی کو بھی نہیں۔ (فوائد عثمانی)۔ یہاں تک کہ انکے بارے میں تین فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ یعقوبیہ جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ ہم میں رہا جب تک چاہا۔ پھر وہ آسمان پر چڑھ گیا۔ دوم فرقہ نسطوریہ جنھوں نے یہ کہا کہ ابن اللہ ہم میں رہا جب تک چاہا۔ پھر اللہ نے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔ سوم فرقہ مسلمین جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہم میں رہا جب تک چاہا پھر اللہ نے اس کو آسمان پر اٹھا لیا اور حق یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ اللہ نے آسمان پر اٹھا لیا اور یہود کو شبہ میں ڈالدیا۔

(الروض ص۲، العون ص۱۱)

پھر یعقوبیہ و نسطوریہ دونوں کافر فرقے مسلم فرقہ پر غالب آ گئے اور انھیں

قتل کر دیا اس طرح اسلام کا چراغ بجھ گیا اور بجھا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

اس موقع پر یہ بات افادیت سے خالی نہ ہوگی کہ " وقوع اشتباہ " بعض قرآن و اسلام ہی کا دعویٰ نہیں ہے بلکہ مسیحیوں کے قدیم فرقے باسلیدیہ کا یہی عقیدہ رہا ہے کہ مصلوب و مقتول حضرت مسیح نہیں شمعون کرینی ہے۔ (تفسیر ماجدی ۲۲۴)

مقولہ عیسیٰ سے مراد حضرت کا فرمان " دیکھو وہ گھڑی آ پہنچی ہے کہ ابن آدم گنہگاروں کے حوالہ کیا جائے گا " ۔ جو حضرت نے اپنی گرفتاری کے بارے میں فرمایا تھا۔ (دیکھو متی باب ۲۶: ۴۵)۔ مصنف علام نے جواب دیا کہ اس کا مقصد یہود کی ناکام جرأت اور اقدام قتل کی اطلاع دینا ہے جس میں کامیابی ضروری نہیں۔

مقولہ حواریین: یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی۔ (متی باب ۲۷: ۵۰)۔ اس نے سر جھکا کر جان دے دی۔ (یوحنا باب ۱۹: ۳۰)۔

ومن ضلالتهم ايضا انهم يقولون ان فارقليط الموعود هو عيسى روح الله الذى جاءهم بعد القتل ووصّاهم بالتمسك بالانجيل ويقولون ان عيسى وصّى بان المُتَنَبِّئِيْنَ يكثُرون فمن سمّانى فاقبلوا كلامه والّا فلا۔

ترجمہ اور نیز ان کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ " فارقلیط " موعود وہ عیسیٰ روح اللہ ہیں جو قتل ہو جانے کے بعد ان کے پاس آئے اور ان کو انجیل کے کامل اتباع کی وصیت فرمائی۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ میرے بعد مدعیان نبوت بکثرت ہوں گے۔ پس ان میں سے جو شخص میرا نام لے اس کی بات مان لینا ورنہ نہیں۔

فائدہ: دو باتیں ذہن نشین کریں۔ نمبر ۱: فارقلیط کے

زبان کا لفظ ہے اس میں چند اقوال ہیں۔ ۱؎ زبانِ خالدیہ کا ہے جو بابل اور اس کے اطراف کی زبان تھی جس کو کلدیہ اور کلدانی بھی کہتے ہیں۔ مگر یہ بات قابل غور ہے اس واسطے کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بزبان خود دی تھی اور یہ مسلم ہے کہ آپ کی زبان عبرانی تھی جو ملک یہودیہ کی زبان ہے ممکن ہے کلدانی کے غلبہ اور بنی اسرائیل کے مدت دراز تک ان میں رہنے سے اس زبان کے الفاظ بھی عبرانی میں شامل ہو گئے ہوں۔ پھر یونانی میں یا تو اس کا ترجمہ "پیرکلوطس" کیا گیا یا تغیر کر کے لایا گیا جس کے معنی احمد کے ہیں، بشپ بخش جو عیسائیوں میں مسلّم شخص ہیں اسی کے قائل تھے۔ ۲؎ عبرانی لفظ ہے۔ ۳؎ عربی لفظ ہے۔ بشپ مذکور ان دونوں قولوں کو بھی مانتے ہیں مگر عربی زبان میں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ ۴؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عبرانی زبان میں پیشین گوئی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص نام احمد لیا۔ مگر جب اس کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو اس کے ہم معنی لفظ "پیرکلوطوس" کو ذکر کیا گیا جس کا معرب فارقلیط ہوا۔ (الروض ص۳۳)۔

(تشریح) فارقلیط موعود سے مراد وہ شخصیت ہے جس کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نصاریٰ کو بشارت دی تھی کہ میرے بعد وہ تم میں آئے گا اور خیر و حق کی ساری باتیں تمھیں بتائے گا۔ اس کی تعلیم ابدی ہو گی۔ وہ میری عظمت کا قائل ہو گا۔ اس سلسلہ میں چند حوالہ جات پیش کروں گا۔

لیکن انجیل کے حوالے پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ بندہ کے پاس اناجیل اربعہ کا اردو ترجمہ موجود ہے "عہد جدید" کے نام سے "سوسائٹی آف سینٹ پال" سے ۱۹۵۸ء میں پاکستان کے اسقف صاحبان کی اجازت سے طبع کیا تھا اس نسخہ میں فارقلیط کی جگہ پر لفظ "وکیل" درج ہے

(حوالہ ۱) اور میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا وکیل بخشے گا۔ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶)۔

(حوالہ ۲) مگر جب وہ وکیل جسے میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے

بھیجوں گا یعنی روح الحق جو باپ سے منبثق ہے تو وہ میری گواہی دے گا (باب ۱۵ آیت ۲۶) (حوالہ ۔) لیکن تمھیں سچ کہتا ہوں تمھارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ وکیل تمھارے پاس نہ آئے گا۔ (۱۶ باب آیت ۷)۔

اور تیرہویں آیت میں ہے لیکن جب وہ یعنی روح الحق آئے گا تو وہ ساری سچائی کے لئے تمھاری ہدایت کرے گا۔

یوحنا کے جو عربی ترجمے سنہ ۱۸۱۶ء اور سنہ ۱۸۲۵ء اور سنہ ۱۸۴۴ء میں لندن سے طبع ہو کر شائع ہوئے تھے ان سب میں مذکورہ بالا آیتوں میں وکیل کے بجائے فارقلیط موجود ہے۔

فارقلیط کی جگہ وکیل کیوں؟

اس کا پس منظر نصاریٰ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان مقامات پر یونانی لفظ "پاراکلی طوس" استعمال فرمایا تھا جس کے معنی ہیں وکیل، معین، معزی اور علماءِ اسلام نے اسے "پیرکلوطوس" سمجھ لیا جو محمد اور احمد کا قریب المعنی ہے اور اس کی تعریب کی تو "فارقلیط" ہو گیا۔ (دیکھئے اظہار الحق ج ۴ صفحہ ۱۲۴۲ تا ۱۲۴۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نصاریٰ کی ایک شاطرانہ چال ۔ اور کھلی تحریف کا مظاہرہ ہے۔ ورنہ سوال یہ ہے کہ عربی ترجمے جن میں "فارقلیط" طبع ہوا ہے کس کے ہیں؟ علماءِ اسلام کے یا تمھارے؟ اس کو طبع کس نے کیا؟ اور کیا تمھاری اجازت کے بغیر وہ طبع ہو گئے تھے؟

جب نصاریٰ نے دیکھا کہ یہ بشارتیں اور پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں واضح طور پر صادق آرہی ہیں حتیٰ کہ نام بھی ملتا جلتا ہے تو یہ شوشہ چھوڑا گیا اور عافیت اسی میں نظر آئی کہ رفتہ رفتہ لفظ فارقلیط کو غائب کر دیا جائے چنانچہ اردو ترجمہ میں "وکیل" کا لفظ استعمال کیا گیا۔

پیرکلوطوس یا فارقلیط یا وکیل کا مصداق

نصاریٰ کے بقول اس کا مصداق وہ

روح القدس یا روح الحق ہی ہیں جنکا نزول پنتیکوست کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تلامذہ اور رسولوں پر ہوا تھا۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے رسولوں کے اعمال باب ۲)۔

جواب مذکورہ بشارتیں روح القدس پر کسی طرح بھی منطبق نہیں ہوسکتی ہیں اولاً اس وجہ سے کہ روح القدس ان تلامذہ اور رسولوں کے ساتھ صرف چند ساعت رہے جب کہ یوحنا کے مطابق فارقلیط کے بارے میں حضرت عیسیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔[1]

ثانیاً اس وجہ سے کہ اس شخص کی آمد و رفت حضرت عیسیٰ کی موجودگی میں ممکن نہیں ہے جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ وکیل تمہارے پاس نہ آئے گا[2]

ثالثاً اس وجہ سے کہ روح القدس حضرت عیسیٰؑ کی طرح ان کا ایک اقنوم ہے لہٰذا عیسیٰ و روح القدس میں اتحاد ہے۔ اس لئے روح القدس کے حق میں آمد و رفت والی بات صادق نہیں آسکتی ہے۔

رابعاً اس وجہ سے کہ "پاراکلی طوس" کے معنی وکیل یا شافع ہیں[3] اور معلوم ہے کہ وکالت اور شفاعت نبوت کے اوصاف میں سے ہے وہ روح الحق جو متحد بالذات ہیں وکیل یا شافع ہو نہیں سکتے، کیونکہ شافع و مشفوع الیہ اور وکیل و موکل میں مغایرت ضروری ہے۔

خامساً اس وجہ سے کہ حضرتؑ نے فارقلیط کے بارے میں فرمایا "وہ میری گواہی دیگا اور تم بھی گواہی دوگے" ظاہر ہے کہ اس گواہی کا مقصد منکرین تک حق بات کو پہونچانا اور حضرت کی رسالت و صداقت کا اعلان ہے۔ اور یہ مقصد جب ہی پورا ہوسکتا ہے جب منکرین کے سامنے شہادت ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ روح کا ربط و تعلق تلامذہ ہی تک محدود رہا۔ اس کے برخلاف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] دیکھئے یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶ [2] یوحنا باب ۱۶ آیت ۷ [3] بیبل عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء بحوالہ اظہار الحق ج ۲ (۲۴۴)

حضرت عیسیٰؑ کی صداقت وطہارت، دعویٰ الوہیت سے ان کی بیزاری اور ان کی والدہ کی برات (پاکدامنی) کے بارے میں کھل کر شہادتیں فراہم کی ہیں جنہیں قرآنی آیات اور احادیث نبویہ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دوسری صفات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بڑی بے تکلفی کے ساتھ صادق آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دور رسالت میں بھی بہت سے یہودی مشرف باسلام ہوئے اور بعد میں بھی (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے اظہار الحق ج ۴ ص ۱۱۲۱ تا ص ۱۲۴۴)۔

سادستاً اس وجہ سے کہ رسولوں پر روح القدس کی آمد کا واقعہ حضرت عیسیٰؑ کے رفع الی السماء (یا عقیدۂ نصاریٰ کے مطابق وفات) کے دس روز بعد پیش آگیا تھا اگر وکیل شافع (فارقلیط) سے روح القدس مراد ہوتے تو نصاریٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک ان کے انتظار میں کیوں رہتے؟ شاہ حبشہ نجاشی اور مقوقس اسی طرح جارود بن المعلی العبدی جیسے نصاریٰ نے آپ کو نبی منتظر قرار دیا اگر فارقلیط موعود سے روح القدس مراد ہوتے جو رسولوں پر نزول فرما چکے تھے تو آپ کو نبی منتظر قرار دینے کا کیا موقع تھا؟

حضرت عیسیٰ کی وصیت جھوٹے نبیوں کے سلسلہ میں :-

جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں۔ (متی باب ۷ آیت ۱۵)۔

> فتبیّن القرآنُ العظیمُ ان بشارۃَ عیسیٰ انما تنطبقُ علی نبیّنا علیہ الصلوٰۃ والسلام لا علی صورۃ الروحانیۃ لعیسیٰ لانہٗ قالَ فی الانجیلِ اَنّ فارقلیطَ یلبثُ فیکُم مدۃً من الدّھرِ ویعلّمُ العلمَ ویطھّرُ الناسَ ویزکیھم ولا یظھرُ ھذا المعنی فی غیرِ نبیّنا صلی اللہُ علیہ وسلّمَ

وَاَمَّا ذِکْرُ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ فَھُوَ عِبَارَۃٌ عَنْ اِثْبَاتِ نُبُوَّتِہٖ
لَا اَنْ یُسَمِّیَہُ اللّٰہَ اَوِ ابْنَ اللّٰہِ،

ترجمہ پس قرآن عظیم نے واضح کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہوتی ہے۔ ذکر حضرت عیسیٰ کی روحانی صورت پہ کیونکہ انجیل میں کہا ہے کہ فارقلیط تم میں مدت دراز تک رہ کر علم سکھائے گا اور لوگوں کے نفوس کو پاک کرے گا اور یہ بات ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی میں ظاہر نہیں، باقی حضرت عیسیٰ کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ ان کی نبوت کی تصدیق کرے نہ یہ کہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے۔

قولہ ان بشارۃ عیسیٰ الخ اہل اسلام کا سلفاً وخلفاً یہ دعویٰ ہے کہ یہ پیشین گوئی جس کا ذکر کتاب یوحنا میں ہے جس میں لفظ فارقلیط ہے وہ خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حضرت مسیح علیہ السلام نے بلفظ "احمد" دی ہے جس کا عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کیا اور پھر یونانی سے عربی میں فارقلیط بنا لیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں خبر دی گئی ہے۔ سورۂ صف میں ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ	اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل
اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ	میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس یقین
مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ	کرنیوالا اس پر جو مجھ سے آگے ہے توریت، اور
التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ	خوشخبری سنانیوالا ایک رسول کی جو آئیگا میرے
مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ؕ	بعد اس کا نام ہے احمد

یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مژدہ برابر سناتے آئے ہیں لیکن جس صراحت و وضاحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی اور سے منقول نہیں، شاید قرب عہد کی بنا پر یہ خصوصیت ———— ان کے حصے میں آئی ہو۔ کیونکہ ان کے بعد نبی

آخر الزمان ﷺ کے سوا کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا۔ (ماڈرن مذاہب صلہ)

قولہ واما ذکر عیسیٰ الخ: حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبی کی نبوت" اور "سچے نبی" کے لئے اپنے تذکرہ کا جو معیار قائم فرمایا اور جسے ماتن نے فمن سمانی فاقبلوا کلامہ والا فلا سے بیان کیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص میری نبوت کی تصدیق کرے اس کی بات مان لینا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص آپ کو اللہ یا ابن اللہ مانے اس کی اطاعت کرنا ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

اما المنافقون فهم على قسمين قوم يقولون الكلمة الطيبة بألسنتهم وقلوبهم مطمئنة بالكفر ويضمرون الجحود الصرف في انفسهم قال تعالى في حقهم "ان المنافقين في الدرك الاسفل من النار" وطائفة دخلوا في الاسلام بضعف،

اللغات

المنافقون: اس کی اصل نفاق ہے جس کے معنی ہیں اظہار الایمان واخفاء الکفر یا اظہار الخیر واضمار الشر۔ اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ اسلامی ہے۔ دور جاہلیت میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل نہیں تھا، یہ ماخوذ ہے "نافقاء" سے جس کے معنی ہیں گوہ کا مسکن جس میں وہ چھپتی ہے وھو السرب الذی یستتر فیہ الضب (لسان العرب ج ۱۰ ص۳۵۹)۔ الطیبۃ: پاکیزہ۔ یضمرون: اضمار سے پوشیدہ رکھنا، چھپانا۔ مطمئنۃ: راضی، برقرار۔ الجحود: (بتقدیم الجیم علی الحاء) انکار، کفر۔ الدرک: درجہ۔

ترجمہ

بہرحال منافقین تو وہ دو قسموں پر ہیں۔ (۱) وہ لوگ جو اپنی زبانوں سے (توحید و رسالت کے) پاکیزہ کلمہ کے قائل تھے۔ اور ان کے دل کفر پر (راضی) ہوں، اور اپنے دلوں میں یہ لوگ نرا کفر چھپائے رکھتے

تھے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "منافقین یقیناً جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے۔" (۲) اور وہ گروہ جو اسلام میں ضعف (ایمان کی کمزوری) کے ساتھ داخل ہوا۔

فائدہ قرآن کریم نے جن چار گمراہ فرقوں کی تردید کی ہے ان میں سے تین (مشرکین، یہود اور نصاریٰ) کے تذکرے گذر چکے۔ یہاں سے چوتھے فرقہ (منافقین) کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے۔ چنانچہ مذکورہ عبارت میں منافقین کی دو قسمیں مذکور ہیں۔

(۱) وہ کفار جو زبان سے تو اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل تھے لیکن دل سے توحید و رسالت کے منکر اور کفر و شرک کے معتقد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ الآیہ۔ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ

(۲) وہ لوگ جنہوں نے دل سے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اسلامی عقائد پر پورا یقین ان کو حاصل نہیں تھا بلکہ ضعف یقین کا شکار تھے جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اندیشہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا ما اخاف علی امتی الا ضعف الیقین،[1] "کہ میں اپنی امت کے بارے میں خطرہ نہیں محسوس کرتا ہوں مگر ضعف یقین کا۔"

لفظِ نفاق قرآن و حدیث میں

ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ ایمانِ حقیقی جس پر اخروی احکام مرتب ہوتے ہیں مثلاً جہنم سے نجات، جنت میں داخلہ وغیرہ۔ ایمانِ ظاہری، جس پر صرف دنیوی احکام مرتب ہوتے ہیں مثلاً جان و مال کی عصمت وغیرہ۔ ایمان حقیقی کے تین مقابل ہیں۔ فسق، نفاق اصلی اور نفاق عملی۔ کیونکہ ایمان حقیقی کا مدار تین چیزوں پر ہے

---

[1] رواہ العراقی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً و رجالہ ثقات قالہ الہیثمی۔ (العون ص ۔)

(۱) تصدیق قلبی۔ (۲) اعتقاد میں پختگی۔ (۳) اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ۔ تصدیق قلبی نہ ہو تو نفاق اصلی ہے۔ عقائد میں تزلزل اور کمزوری ہو جس کی وجہ سے اعمال میں لاپرواہی آتی ہے تو نفاق عملی ہے۔ قرآن و حدیث میں نفاق ان دونوں معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اگر اعمال صالحہ کی جگہ پر بدعملی قابض ہو تو فسق ہے اور ایمان ظاہری کا مقابل کفر ہے۔ ایمان ظاہری کا مطلب صرف زبان سے اقرار توحید رسالت ہے لہذا جب زبان سے بھی انکار ہونے لگے تو کفر ہی ہوگا۔

فمنهم من يتبعون عادة قومهم ويعتادون موافقتهم ان امن القوم امنوا وان كفروا كفروا ومنهم من هجم على قلوبهم اتباع لذات الدنيا الدنيئة بحيث لم يترك في القلب محلا لمحبة الله ومحبة الرسول صلى الله عليه وسلم او تملك قلبهم الحرص على المال والحسد والحقد ونحو ذلك حتى لا يخطر ببالهم حلاوة المناجاة ولا بركات العبادات، ومنهم من شغفوا بامور المعاش واشتغلوا بها حتى لم يبق لهم فرصة للاهتمام بامر المعاد وتوقعه وتفكره ومنهم من تخطر ببالهم ظنون واهية وشبهات ركيكة في رسالة نبينا صلى الله عليه وسلم وان لم يبلغوا درجة يخلعون بها ربقة الاسلام ويخرجون منه بالكلية ۔

اللغات والتركيب

یتبعون: اتباعٌ سے پیروی کرنا۔ یعتادون: اعتیادٌ سے خوگر ہونا، عادی ہونا۔ ھجم (ن) علیہ: قرار پانا، مجرد: غالب آنا۔ اتباع ہجم کا فاعل ہے۔ المعاد: عودٌ سے اسم ظرف، لوٹنے کی

جگہ (آخرت) ۔ ظنون: ظن کی جمع ۔ واهية: کمزور، بے بنیاد ۔ وآن: ڈھیلا ہے ۔
یخلعون: (ف) خلعًا اتار دینا ۔ نکال دینا ۔ ربقة: رسی کا پھندا ۔ طوق ۔

ترجمہ چنانچہ ان (منافقین) میں سے وہ ہیں جو اپنی قوم کی عادت کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی موافقت کے عادی ہیں اگر قوم ایمان لائے تو ایمان لاویں اور اگر کفر کرے تو کفر کریں ۔ اور ان میں سے وہ (بھی) ہیں جن کے دلوں پر رنگینی دنیا کی لذتوں کے پیچھے پڑنا اس طرح غالب آچکا ہے کہ اس نے دل میں اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کے لئے کوئی جگہ (خالی) نہیں چھوڑی ۔ یا ان کے قلب پر مال کی حرص اور حسد اور کینہ اور اس جیسی (برائیوں) کا قبضہ ہو گیا حتی کہ ان کے دلوں میں مناجات کی مٹھاس کا گذر نہیں ہوتا ہے اور نہ عبادتوں کی برکتوں کا (گذر ہوتا ہے) اور ان میں سے وہ (بھی) ہیں جو امور معاش (دنیاوی زندگی کے وسائل) میں منہمک ہو گئے اور اس میں لگ گئے حتی کہ ان کو امور معاد (آخرت کے معاملات) کے لئے اہتمام اور اس سے مستفید ہونے اور اس کی فکر کرنے کی فرصت نہ رہ گئی اور ان میں وہ (بھی) ہیں جن کے دل و دماغ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کے بارے میں بے بنیاد خیالات اور کمزور شبہات کا گذر ہوتا رہتا ہے اگرچہ وہ (شک و شبہ کی) ۔ ایسی منزل پر نہیں پہونچے جس کی وجہ سے اسلام کا طوق اتار دیں اور اس سے کلی طور پر علاحدہ ہو جائیں ۔

ف ماتن نے ضعیف الاسلام منافقین کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں ان میں سے چار کا تذکرہ مذکورہ عبارت میں ہے ۔

(۱) جن پر قوم کی اتباع و پیروی اور ان کی موافقت کا اتنا غلبہ تھا کہ ان کا کفر و ایمان بھی قوم ہی کے کفر و ایمان کے تابع تھا ۔ چنانچہ غزوۂ احد کے موقع پر عبد اللہ بن ابی بن سلول کے ساتھ تین سو افراد کی میدان جنگ سے واپسی اسی طرح مسجد ضرار کی تعمیر اسی ذہنیت

کا شبہ تھی اور غزوۂ تبوک سے واپسی پر منافقین کی ایک جماعت کا رات کی تاریکی میں منہ چھپا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لئے گھاٹی میں اکٹھا ہو جانا بھی اسی ذہنیت کی کی کارفرمائی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) جن کے قلوب پر دنیا اور اس کی مرغوبات و مالوفات کی محبت کا اتنا غلبہ تھا کہ خدا و رسول کی محبت کے لئے ان میں کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی اسی طرح بخل و وسائل کی حرص اسلام اور مسلمانوں سے حسد و کینہ جیسی گندی خصلتوں کی وجہ سے ان کے قلوب ایسے زنگ خوردہ اور قساوت کا شکار تھے کہ انھیں نہ تو اللہ جل جلالہ سے دعا و مناجات میں کسی قسم کا لطف آتا تھا اور نہ ہی عبادتوں کی کوئی برکت ان پر ظاہر ہوتی تھی۔ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا۔ (نساء ع)۔ أُولٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ (البقرہ)۔ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا۔ (آل عمران)۔ وَفِي ذٰلِكَ إِشَارَةٌ إِلٰى تَنَاهِي عَدَاوَتِهِمْ إِلٰى حَدِّ الْحَسَدِ وَالشَّمَاتَةِ (روح المعانی)۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصّٰلِحِينَ فَلَمَّا آتَاهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ (توبہ)۔

یہ آیات بالترتیب عبادت و مناجات کی لذت سے ناآشنائی اور حب دنیا سے مغلوبیت، کینہ و حسد اور حرص و بخل جیسی منافقین کے ابتلاء پر شاہد عدل ہیں۔

۳ جو کسب معاش اور حصول مال و جاہ میں ایسے منہمک تھے کہ آخرت اور امور آخرت و احکام خداوندی اور عبادات سے بالکل غافل و بیزار تھے۔ اَلْمُنٰفِقُونَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ الآیۃ۔

۴ جو لوگ آقائے مکی و مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے بارے میں طرح

عرب کے بے بنیاد خیالات اور رکیک و لچر قسم کے اوہام و شکوک کے شکار تھے، اگرچہ ابھی اس منزل تک نہیں پہونچے تھے کہ دامن اسلام سے اپنی وابستگی ختم کرلیں۔

ومنشأ تلك الشكوك جريان الأحكام البشرية على حضرة نبينا صلى الله عليه وسلم وظهور ملة الإسلام في صورة غلبة الملوك على أطراف الممالك وما أشبه ذلك ۔

ترجمہ اور منافقین کے ان شکوک کا منشا (وسبب) ہمارے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بشری احکام (و احوال) کا ظہور اور ملکوں کے اطراف پر غلبہ سلاطین کی صورت میں ملت اسلامیہ کا غالب آنا اور اس کے مشابہ چیزیں تھیں (مثلاً یہود کی مخالفت جب کہ وہ اہل کتاب تھے)۔

یعنی چونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں بشریت اور اس کے آثار و خواص نمایاں تھے اسی طرح آپ کی ملت اسلامیہ کو عالم کے مختلف حصوں پر ایسی تیزی اور شان و شوکت کے ساتھ غلبہ حاصل ہو رہا تھا جیسے سلاطین نامدار و دنیاوی بادشاہوں کو فتوحات حاصل ہوتی ہیں اس لئے منافقین آپ کے بارے میں مذبذب تھے۔ حالانکہ نبوت کے کھلے ہوئے معجزات ان شکوک کو زائل کرنے کے لئے کافی تھے اور قلیل دور میں اتنی بڑی کامیابی، پھر عظیم الشان فتوحات ایمان و یقین میں استحکام و پختگی پیدا کرنے کے لئے کافی و وافی تھیں، لیکن ہدایت و ضلالت تو خدائے علیم و حکیم ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اور دل اسی کے کنٹرول میں ہیں، ان القلوب بین اصبعین من اصابع اللہ یقلبہا کیف یشاء (مشکوٰۃ ص۲۰ بروایت ترمذی و ابن ماجہ)

ومنهم من يحملهم محبة القبائل والعشائر على أن يبذلوا الجهد البليغ في نصرتهم وتقويتهم وتأييدهم وإن كان

فیہ علی خلاف اھل الاسلام ویتھاونون فی امر الاسلام عند ھذہ المقابلۃ وھذا القسم من نفاق العمل ونفاق الاخلاق ۔

اللغات العشائر: العشیرۃ کی جمع ہے۔ خاندان۔ یتھاونوا: [illegible] کرنا، تہاون: سستی کرنا۔

ترجمہ اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنہیں قبیلوں اور خاندانوں کی محبت نے اس پر آمادہ کیا کہ ان کی حمایت اور امداد و تعاون میں پورا زور یا پوری قوت صرف کر دیں اگرچہ اس میں اسلام کے برخلاف ہو جائے اور اسلام کے معاملے میں اس تقابل کے وقت سستی کریں۔ ضعف اسلام کی یہ قسم اپنی تمام انواع کے ساتھ نفاق عمل اور نفاق اخلاق ہے۔

فائدہ اس کی ایک مثال یہ ہے قیس بن الفاکہ بن المغیرہ، قیس بن الولید ابن المغیرہ، حارث بن زمعہ بن الاسود، ابوالعاص بن منبہ بن الحجاج اور علی بن امیہ بن خلف، ان پانچوں مشرکین نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن جنگ بدر کے موقع پر اپنی قوم قریش کے ساتھ ہو کر لڑے اور واصل جہنم ہوئے۔ کما روی عن عکرمۃ وعن ابی جعفر رضی اللہ عنہما (کذا فی الدر المنثور ج ۲ ص ۲۰۶)۔

اہم نوٹ عربی عبارت (متن) کے الفاظ کو دور کرنے کے لئے فارسی عبارت ملاحظہ کرتے چلیں۔

"ومثلاً محبت قبائل و عشائر ایشاں را برآں داشت کہ در نصرت ایشاں و تقویت و تائید ایشاں ہر چند خلاف اہل اسلام باشد سعی بلیغ بتقدیم رسانند و دریں مقابلہ امر اسلام را سست کنند"

ترجمہ فارسی اور مثال کے طور پر خاندانوں اور قبیلوں کی محبت نے ان کو اس پر آمادہ کر رکھا تھا کہ خاندان کے تعاون اور ان کی حمایت

وہ امور کہ جن سے اہل اسلام کی کسی بھی مخالفت ہو۔ یا اس جدوجہد کو اولیت دینا، اس تعلق میں یا اسلامی امور کو کمزور کریں۔

فارسی اور اس کے ترجمہ کی روشنی میں صاف لگتا ہے کہ متن عربی میں لفظ "فیہ" کی ضرورت نہیں ہے اور یہاں پر اس کا عطف بیان ہوا ہے، لہذا منفصل ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ خورشید انور قاسمی پرتاپگڑھی غفرلہ۔

ولا يمكن الاطلاع على النفاق الأول بعد حضرة الرسول صلى الله عليه وسلم فإن ذلك من قبيل علم الغيب ولا يمكن الاطلاع على ما استتر في القلوب والنفاق الثاني كثير الوقوع لاسيما في زماننا وإليه الإشارة في الحديث: ثلاث من كن فيه كان منافقا خالصا إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا خاصم فجر، وهمّ المنافق بطنه وهمّ المؤمن فرسه إلى غير ذلك من الأحاديث وقد بين الله سبحانه وتعالى أعمالهم وأخلاقهم في القرآن العظيم وقد ذكر من أحوال الفريقين أشياء كثيرة لتحترز الأمة منها۔

اللغات

استتر: استتارًا، مخفی ہونا، اپنی جگہ چھپ جانا۔ خاصم: مخاصمۃ جھگڑنا۔ فجر (ن) فجورا برائی کرنا، گالی بکنا۔

ھمّ: ارادہ۔

ترجمہ

اور نفاق کی پہلی صورت (نفاق اعتقادی) کا پتہ لگانا بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ علم غیب کی قسم سے ہے۔ اور اس چیز کا پتہ لگانا جو دلوں میں راز رکھی ہوئی ہو ممکن نہیں ہوتا ہے اور دوسرا نفاق کثیر الوقوع ہے اور بہت پایا جاتا ہے، بالخصوص ہمارے زمانہ میں اور

اور حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے "تین خصلتیں ہیں جس شخص میں وہ پائی جائیں وہ پکا منافق ہے، جب بات کرے جھوٹ بولے۔ اور جب وعدہ کرے مکر جائے اور جب جھگڑا کرے گالی بکے۔ اور منافق کا مقصود اس کا پیٹ ہے۔ اور مومن کا مقصود اس کا گھوڑا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث۔ اور تحقیق کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے اخلاق و اعمال بیان فرمائے ہیں۔ اور ان فریقین (دونوں فریق کے احوال میں سے بہت کچھ ذکر فرمایا تاکہ امت ان سے اجتناب کرے۔

فائدہ نفاق اعتقادی (جس میں زبان پر کلمہ توحید و رسالت اور دل میں عقیدہ کفر و شرک ہوتا ہے) ایک مخفی اور باطنی چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں غیبی فتوحات اور آمد وحی کا سلسلہ جاری تھا، اس لئے نفاق کا انکشاف بذریعہ وحی ممکن بلکہ واقع تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز منبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا "اخرج فانک منافق" تو منافق ہے مسجد سے نکل جا۔ (کما فی الروض عن ابن عباس فی ص ۹۱)۔ اور فوائد عثمانیہ میں لکھا ہے: بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھا دیا (بحث) لیکن اب جب کہ سلسلہ وحی ختم ہو چکا ہے نفاق اعتقادی کا سراغ لگانا ناممکن ہو گیا۔ ہاں نفاق عمل و اخلاق کی علامتیں چونکہ قرآن و حدیث میں مذکور ہیں، اس لئے اس کی شناخت ہو سکتی ہے مثلاً ارشاد نبوی ہے:

تلک صلوٰۃ المنافق یجلس یرقب الشمس حتی اذا کانت بین قرنی الشیطان قام فنقر اربع نقرات (رواہ مسلم عن انس) یعنی یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا سورج کا انتظار کرتا رہے، یہاں تک جب سورج شیطان کی دو سینگوں کے درمیان ہو جائے تو دو چار ٹھونگ مار لے۔

اس کے علاوہ تین حدیثیں جن پر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں ان میں سے آخری دو حدیثوں کے بارے میں استاذ حدیث صاحب العنوان نے اپنی لاعلمی کا اظہار فرما دیا تو

ہمارے لئے کیا اشارہ ہے ؟ اور اول الذکر حدیث "ثلاث من کن" کے بارے میں فرمایا کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مجھے نہیں مل سکی ہے۔ ہاں ابن ماجہ کے علاوہ صحاح ستہ نے ابن عمرؓ سے اس مفہوم کی جو حدیث نبوی روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا ومن کانت فیہ خصلۃ منہن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعہا۔ اذا اؤتمن خان واذا حدث کذب واذا عاہد غدر واذا خاصم فجر۔ یعنی چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ چاروں عادتیں موجود ہوں وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی، اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کر بیٹھے اور جب بولے جھوٹ بولے اور جب عہد کرے، غداری کر جائے اور جب جھگڑے گالم گلوچ کرے۔

نوٹ العون اور سالار روحی دونوں شرحوں میں "راوی کا نام غلط چھپ گیا۔ العون میں "ابن عمرؓ" اور سالار روحی میں "ابو عمر" چھپا ہوا ہے جب کہ صحیح "ابن عمرو" ہے۔ (دیکھئے مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷ مسلم شریف ج ۱ ص ۵۶۔ امداد الباری ج ۳ ص ۵۶۸)

پانچویں حدیث :۔ آیۃ الایمان حب الانصار وآیۃ النفاق بغض الانصار (بخاری ۱:۱۲ عن انسؓ)

سوال حدیث "اربع من کن فیہ" الخ میں جھوٹ (فسادِ قول) وعدہ خلافی (فسادِ نیت) اور خیانت (فسادِ عمل) کو خصلتِ نفاق اور منافق کا شیوہ بتایا گیا ہے حالانکہ یہ برائیاں مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ؟

جوابؑ جس مسلمان میں بری عادتیں پائی جاتی ہیں وہ از روئے حدیث اخلاقی منافق ہے۔ اسے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے تاہم کسی کو منافق کہنے میں ہمیشہ محتاط رہنا بھی ضروری ہے۔

جواب ۲ :۔ حدیث میں تشبیہ مقصود ہے نہ کہ حقیقت یعنی جس شخص میں

یہ صفات وعادات ہوں گی وہ منافقین کے مشابہ ہوگا۔ جیسے جس میں شجاعت ہو تو وہ شیر کہا جاتا ہے۔

جواب ۲: حدیث کا منشا یہ ہے کہ منافق وہ شخص ہے جو ان برائیوں کا عادی ہو نہ کہ وہ جو اتفاقاً اس میں ملوث ہو جائے پھر نادم ہو۔

بہرحال قرآن وحدیث میں منافقین کے اخلاق واعمال کو بیان کیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ امت مسلمہ ان سے اجتناب واحتیاط کرتی رہے مشرکین کے احوال بیان کرتے ہوئے رب العالمین فرماتا ہے " وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ، دوسری جگہ فرماتا ہے يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا۔

وان شئتَ ان ترى انموذجًا من المنافقين فانطلق الى مجلس الامراء وانظر الى مُصَاحِبِيهِم يرجحون مرضيهم على مرضي الشارع ولا فرق عند الانصاف بين من سُمِع كلامَه صلى الله عليه وسلم بلا واسطة وسَلَكَ مسالكَ النفاق وبين من حَدَثَ في هذا الزمان و علموا حكمَ الشارع بطريق اليقين ثم آثروا خلافَ ذلك واقدموا على مخالفته، وعلى هذا القياس جماعة من المعقولين تمكنت في خاطرهم شكوك وشبهاتٌ حتى جعلوا المعاد نسيًا منسيًا، فهؤلاء انموذج المنافقين وبالجملة اذا قرأت القرآن فلا تحسب ان المخاصمة كانت مع قوم انقرضوا بل الواقع انه ما من بلاء كان فيما سبق من الزمان الا وهو موجود اليوم بطريق الانموذج بحكم الحديث "لتتبعن سنن من قبلكم" فالمقصود الاصلي

بیانُ کلیاتِ تلک المفاسد لاخصوص تلک الحکایات و هذا ما تیسّر لی فی هذا الکتاب من بیان عقائد الفِرَق الضالۃ المذکورۃ وتقریر اجوبتہا وھذا القدرُ کافٍ فی فہم معانی آیات المخاصمۃ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللغات الأمراء: جمع امیر، حاکم، والی قوم۔ مصاحبیہم: مصاحب کی جمع ہے۔ اصل میں مصاحبین تھا۔ نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ ہم نشین۔ مسلک: راستہ۔ حدثوا: (ن) احدوثا۔ نو پید ہونا۔ آثروا: ایثارا۔ دوسرے کو ترجیح دینا۔ تمکنت: تمکنا۔ جاگزیں ہونا۔ خاطر: دل۔ المعاد: آخرت۔ نسیا منسیا: بھولی ہوئی چیز۔ انقرضوا: انقراضا۔ ختم ہونا، گذرنا۔ سنن: طریقہ۔ فِرَق: جمع فرقہ۔ گروہ، جماعت۔ الضالۃ گمراہ۔ اجوبۃ: جمع جواب۔ (الرحمٰن)۔

ترجمہ اور اگر تو منافقین کا نمونہ دیکھنا چاہے تو امراء کی مجالس میں جا کر ان کے مصاحبین کو دیکھ لے کہ امراء کی مرضی کو شارع کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں اور کوئی فرق نہیں النفاق کی رو سے ان منافقین میں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ کلام سنا۔ اور نفاق کی روش اختیار کی اور ان میں جو اس زمانہ میں پیدا ہوئے اور شریعت کے علم کو یقین کے طور پر جان لیا۔ علی ہذا القیاس معقولیوں کی وہ جماعت ہے جن کے دلوں میں بہت سے شکوک و شبہات جاگزیں ہو گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے معاد کو بھولی بسری چیز کر دیا ہے۔ بالجملہ جب تو قرآن کی تلاوت کرے تو یہ نہ گمان کر کہ مباحثہ ایک خاص قوم سے تھا جو گذر چکی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی بلا گذشتہ زمانہ میں نہ تھی مگر یہ کہ اس کا نمونہ آج بھی موجود ہے بمصداق حدیث لتتبعن سنن من قبلکم۔ اس لئے مقصود اصلی ان مفاسد کے کلیات کا بیان ہے:

کہ ان حکایات کی خصوصیات، اور مذکورہ گمراہ فرقوں کے عقائد کا وہ بیان اور ان کے جوابوں کی وہ تقریر ہے جو اس کتاب میں مجھ سے ہو سکی ہے۔ اور یہ مقدار آیات مخاصمہ کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فصل فی بقیۃ مباحث العلوم الخمسۃ، لیعلموا ان المقصود من نزول القرآن تہذیب طوائف الناس من العرب والعجم والحضر والبدو فاقتضت الحکمۃ الالٰہیۃ ان لا یخاطب فی التذکیر بآلاء اللہ باکثر مما یعلمہ اکثر افراد بنی آدم ولم یبالغ فی البحث والتفتیش مبالغۃ زائدۃ

اللغات طوائف: طائفہ کی جمع ہے، جماعت۔ الحضر: آبادی، شہر یا دیہات۔ البدو: خانہ بدوش، عربی قبائل۔

ترجمہ (دوسری) فصل باقی علوم پنجگانہ کے مباحث میں، جاننا چاہئے کہ نزول قرآن کا مقصد لوگوں کی جماعتوں یعنی عرب و عجم اور آباد و خانہ بدوشوں کی تہذیب (و اصلاح) ہے لہٰذا حکمت الٰہیہ اس کی متقاضی ہوئی کہ تذکیر بآلاء اللہ میں اس سے زیادہ خطاب نہ کیا جائے جسے بنی آدم کے اکثر افراد جانتے ہوں اور بحث و تحقیق میں زیادہ مبالغہ نہ کیا جائے۔

فائدہ یہ باب اول کی دوسری فصل ہے جس میں اولاً علم التذکیر بآلاء اللہ، ثانیاً علم التذکیر بایام اللہ، ثالثاً علم التذکیر بالمعاد، اور آخر میں علم الاحکام کا بیان ہے۔ مندرجہ بالا متن علم التذکیر بآلاء اللہ کی تمہید ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی جن بے شمار نعمتوں کی شب و روز بارش ہو رہی ہے اور انسان جن سے ہر وقت محظوظ ہو رہا ہے ان کی دو قسمیں ہیں: ۱: ان کا فیضان عربی و عجمی اور شہری و بدوی وغیرہ سب پر عام اور آشکارا

ہے۔ (۲) جو مخصوص اشخاص اور خاص خاص علاقوں کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں ان کو صرف وہی لوگ جانتے ہیں جو ان سے مستفیض ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے تذکیر بآلاء اللہ میں عمومی اور عام فہم ۔ ۔ ۔ نعمتوں کے ذکر و بیان پر اکتفاء کیا ہے جس سے اکثر افراد بنی آدم واقف ہوتے ہیں خصوصاً الہامات جن سے اکثریت نابلد و ناواقف ہوتی ہے اسی طرح فلسفیانہ اور سائنسی موشگافیاں بھی یکسر نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ کیونکہ انسان کے اندر قدرت نے نامعلوم چیزوں کو معلوم کرنے کی جو فطرت ودیعت فرمائی ہے وہ اس کے دل و دماغ کو مجہولات کی تحصیل و تفتیش میں ایسا منہمک کر دیتی ہے کہ عبرت و موعظت جیسے پہلو یا تو نظروں سے بالکل اوجھل ہو جاتے ہیں یا بہت دور جا پہنچتے ہیں لہذا عمومی نعمتوں کا تذکرہ مقصد تذکیر کے لئے مکمل ہوتا۔ اس وجہ سے عمومی اور کھلی ہوئی نعمتوں پر اکتفاء کیا گیا۔

وسيق الكلام في اسماء الله وصفاته عزوجل بوجه يمكن فهمه والاحاطة به بادراك وفطانة خلق الانسان في اصل الفطرة عليها بدون ممارسة الحكمة الالهية وبدون مزاولة علم الكلام فاثبت ذات المبدئ اجمالا لان هذا العلم سار في جميع افراد بني ادم لا ترى طائفة منهم في الاقاليم الصالحة والامكنة القريبة من الاعتدال ينكرون ذلك .

ترجمہ | اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں کلام اس طریقہ پر کیا گیا ہے کہ اس کا سمجھنا اور اس کا احاطہ کرنا صرف اس عقل و ذہانت کے ذریعہ ممکن ہے جس پر انسان اصل فطرت میں پیدا کیا گیا ہے

حکمتِ الٰہیہ میں مہارت کے بغیر اور علمِ کلام کے سہارے کے بغیر لہٰذا ذاتِ مبدئ (خالق) کو اجمالاً ثابت کر دیا گیا۔ اس لئے کہ یہ علم تمام افرادِ بنی آدم میں جاری ہے تم معتدل ممالک اور اعتدال سے قریب خطوں (اور علاقوں) میں ان کی کسی ایک جماعت کو (بھی) اس کا منکر نہیں پاؤ گے۔

فائدہ الاقالیم المتقاربہ سے مراد وہ علاقے ہیں جو معتدل المزاج اور سلیم الطبع شخصیات کو جنم دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے حجازِ مقدس جہاں سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کے مزاج و فطرت میں جو اعتدال تھا اس کی نظیر خالقِ کائنات نے روئے زمین کے کسی حصہ پر پیدا نہیں فرمایا اور جیسے ملکِ شام جسے التی بارکنا فیہا کا تمغہ خود خالقِ کائنات نے دیا۔ تاہم یہ صلاحیت انھیں دونوں علاقوں تک محدود نہیں۔

مذکورہ بالا و آلاء اللہ کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کی یاد دہانی کرنا تاکہ بندوں میں شکر و اطاعت کے جذبات بیدار ہوں اور معصیت و نافرمانی کی صورت میں احسان فراموشی کا احساس پیدا ہو جو عاصی کو منعمِ حقیقی کی بارگاہ میں ندامت کے آنسو بہانے اور توبہ و استغفار کرنے پر آمادہ کرے۔ اور نعمتیں دو قسم کی ہیں۔ قدیم و ازلی اور مخلوق و حادث۔ قدیم نعمتوں سے مراد باری تعالیٰ کی صفاتِ حسنیٰ ہیں۔

سوال:۔ صفاتِ حسنیٰ نعمت کیونکر ہیں؟

جواب:۔ چونکہ باری تعالیٰ کی صفاتِ جمالیہ (عفو و حلم، ربوبیت و رزاقیت) وغیرہ باعث جذب و کشش ہیں اور موصوف سے تعلق پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں جب کہ صفاتِ جلالیہ (قہار، جبار اور شدید العقاب و ذو انتقام ہونا) ترہیب و تخویف کا سبب ہیں اس لئے ان صفات کی وجہ سے اطاعت و عبادت کا جذبہ اور سرکشی و نافرمانی سے تنفر پیدا ہوتا ہے جو فلاحِ دارین کی کنجی ہے۔ اس

حیثیت سے صفاتِ حسنیٰ کو نعمتوں کی فہرست میں اولین مرتبہ حاصل ہے ۔ اور قرآن کریم کی ابتدائی آیات میں اسماء حسنیٰ و صفاتِ عظمیٰ کا تذکرہ بھی شاید اسی نکتہ کا حامل ہے ۔ یا بقول مصنف علامؒ "صفاتِ باری پر ایمان و اعتقاد سے چونکہ بندے کو مولیٰ کی عظمت و کبریائی کا انکشاف ہوتا ہے اور تعلق مع اللہ کی راہ کھلتی ہے[عہ] اس لئے صفاتِ باری تعالیٰ کو نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے اگر وصلِ حبیب سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور "ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے" ۔

بہرحال چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حسنیٰ بھی "آلاء اللہ" میں داخل ہیں ۔ اسلئے تذکیر بآلاء اللہ کے مواقع پر قرآن میں ان صفات کو بھی بار بار ذکر کیا گیا ہے لہٰذا ماتنؒ نے "تذکیر بآلاء اللہ" کی بحث کا آغاز صفاتِ خداوندی کے ذکر سے فرمایا ہے ۔ اور زیر مطالعہ عبارت میں اس سلسلہ میں قرآن کریم کے اندازِ بیان پر اجمالی روشنی ڈالی ہے جسے مختصر لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ صفاتِ خداوندی کے بیان میں قرآن نے عام فہم اور ایسا سہل طرز اختیار کیا ہے کہ اسے سمجھنے کے لئے معقولات و فلسفہ اور علم کلام جیسے دقیق و مشکل علوم کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ صرف صحیح المزاج و سلیم الطبع انسان ہونا کافی ہے ۔

ولما امتنع بالنسبة اليهم اثبات الصّفات بطريق تحقيق الحقائق مع انهم لم يطلعوا على الصّفات الالهية فلم ينالوا معرفة الربوبية التي هي انفع الاشياء في تهذيب النفوس اقتضت الحكمة الالهية ان يختار شيءٌ من الصفات البشرية الكاملة ممّا يعلمونها ويجري التمدح بها فيما بينهم فتستعمل بازاء المعاني الغامضة التي لا

[عہ] حجۃ اللہ البالغۃ ا ص ۹۷ ۔

مدخل للعقول البشرية في ساحتها جلا لها وجعل نكتة "ليس كمثله شيء" ترياقا للداء العضال من الجهل المركب ومنع من الصفات البشرية التي تثير الاوهام بجانب العقائد الباطلة في اثبات مثلها كاثبات الولد والبكاء والجزع —

اللغات والتركيب

لما امتنعت کی جزاء اقتضت ہے ۔ اثبات الصفات، اقتضی کا فاعل ہے ۔ بطریق الدلیل سے حاصل کرنا ۔ الغامضة ای الخفية التي لا سبيل الى ادراك حقيقتها ۔ الداء العضال: لاعلاج بیماری ۔ تثیر: اثارة، جوش مارنا ۔ الجزع: گھبراہٹ ۔

ترجمہ

اور چونکہ ان صفات کو تحقیق حقائق کے طریقہ پر ثابت (بیان) کرنا ان کی (بندوں کی) بہ نسبت محال تھا باوجودیکہ اگر لوگ صفات الٰہیہ سے واقف نہ ہوں تو اس ربوبیت کی معرفت نہ حاصل کرسکیں ۔ جو تزکیۂ نفوس کے لئے مفید تر چیز ہے ۔ (اس لئے) حکمت خداوندی کا تقاضا ہوا کہ انسان کی صفات کاملہ میں سے چند (اوصاف) کا انتخاب کیا جائے جن کو وہ لوگ جانتے ہیں، اور جن پر فخر کرنا (یا جن کے ذریعہ قابل تعریف و لائق ستائش ہونا) ان میں رائج ہے ۔ پھر ان (صفات بشریہ) کو اللہ تعالیٰ کے (ان دقیق اوصاف کی جگہ پر استعمال کیا جائے جن کے میدان (عظمت) میں انسانی عقلوں کو کوئی دخل نہیں ہے اور نکتہ "لیس کمثلہ شئ" کو لاعلاج بیماری یعنی "جہل مرکب" کے لئے تریاق (زہر مہرہ) بنا دیا ۔ اور ان صفات بشریہ سے منع کردیا جو خیالات کو عقائد باطلہ کی طرف لے جاتی ہیں ان کے مثل کے اثبات میں جیسے اولاد اور گریہ اور گھبراہٹ کا اثبات ۔

مفید نوٹ

متن کی عبارت "ومنع من الصفات الخ" کی فارسی عبارت ملاحظہ فرمائیں " وچند از صفات بشریہ کہ در اثبات آں

تورانِ اوہام بجانبِ عقائدِ باطلہ حاصل می شد مثلِ اثباتِ ولد و بکا و جزع ممتنع فرمود" (الفوز الکبیر فارسی ص۱) ۔

اس فارسی کے پیشِ نظر اگر عربی عبارت تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ یوں ہوتی تو بہتر ہوتا ۔ "وہی عن الصفات البشریۃ التی تنور الاوھام فی اثبات مثلہا نحو العقائد الباطلۃ" ۔ بالخصوص خط کشیدہ ترمیم زیادہ ضروری ہے ۔ فافہم ۔

تشریح

اولاً ذہن نشین کریں کہ شرک آمیز عقائد سے نجات حق تعالیٰ کی معرفت پر موقوف ہے ۔ اور اس کی معرفت صفات کمالیہ پر موقوف ہے کیونکہ جو شخص صفاتِ خداوندی سے ناآشنا ہوگا وہ مخلوق میں ایسے اوصاف و کمالات کا معتقد ہو سکتا ہے جو حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً ربوبیت و رزاقیت ۔ ۔ جیسی صفات کو مخلوقات میں تسلیم کرے گا ۔ کسان کو "ان داتا" یہیں سے کہا گیا ہے ۔ خداوند قدوس کی ناواقف آدمی ہر اس مخلوق کو رازق سمجھ سکتا ہے جس سے بظاہر روزی کا سہارا مل رہا ہو ۔ جیسے کارخانوں اور فیکٹریوں کے مالک ۔ جو مزدوروں کو مزدوری دیتے ہیں اور مثلاً شوہر جو بیوی کے نان نفقہ کا انتظام کرتا ہے ۔ اور مثلاً سربراہانِ مملکت سلاطین اور وزراء جو رعایا کی ضرورتوں کے کفیل و ذمہ دار ہوتے ہیں ۔ خدا کی صفات سے ناواقف انسانوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرعونِ مصر نے "انا ربکم الاعلیٰ" کا دعویٰ کر رکھا تھا جس کے لئے "الیس لی ملک مصر وھذہ الانہار تجری من تحتی" سے استدلال بھی کیا کرتا تھا ۔

اسی طرح جو شخص رب العٰلمین کی شانِ ربوبیت سے ناواقف ہوگا وہ کسی بھی نفع بخش و سود مند چیز کو "رب" تسلیم کرے گا ۔ "گئو" کی پوجا بھی اسی کمزوری کی کارفرمائی ہے کیونکہ وہ بظاہر روٹی کپڑا اور مکان کے علاوہ عزت و تقدس کا بھی ذریعہ اور سبب ہے ۔ گنگا ماتا ۔ سورج دیوتا وغیرہ کی پوجا میں بھی یہ فریب تسلسل

کا رونا ہے ۔

ثانیاً : ذہن نشین کریں کہ جیسے خود ذات باری تعالیٰ محجوب و مخفی ہیں۔ اور ان کی کنہ و حقیقت کا ادراک ممکن نہیں ہے اسی طرح صفات باری کی حقیقت و ماہیت کے ادراک سے بھی عقل انسانی عاجز ہے ۔ کیونکہ صفات خداوندی کے بیان و تعارف کے لئے دو ہی قسم کے الفاظ کا استعمال ممکن ہے ، یا تو وہ الفاظ استعمال کئے جائیں جو انسانی محاسن و کمالات کی ترجمانی کرتے ہیں اور جن سے ہمارے کان آشنا ہیں ۔ یا پھر ایسے جدید الفاظ کا استعمال کیا جائے جن سے حق تعالیٰ کی صفات کمالیہ کی حقیقی ترجمانی ہو سکے ۔ پہلی صورت میں بات سمجھ میں آجائے گی لیکن حق ترجمانی نہیں ادا ہو سکے گا ۔ کیونکہ یہ الفاظ مخلوق و حادث اور ناقص صفات کی ترجمانی کرتے ہیں جب کہ باری تعالیٰ کی صفات کمالیہ مخلوق کے اوصاف سے بالکل ممتاز و مختلف ہیں ۔ اور دوسری صورت میں ترجمانی کا حق ادا ہو جائے گا لیکن بات سمجھ میں نہیں آسکے گی ۔

صفات خداوندی کے بیان میں یہ ایک پیچیدگی ہے ۔ ماتنؒ نے عبارت بالا میں اسی کو حل پیش کیا ہے کہ "ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ" کی روشنی میں باری تعالیٰ کی عظیم صفات کے لئے وہ الفاظ استعمال کئے گئے جو انسانی محاسن و کمالات کے لئے رائج تھے تاکہ انسان اپنی قوت فہم اور بساط کے مطابق ہی سہی اپنے خالق و مالک کی صفات جلالیہ و جمالیہ سے آشنا و واقف ہو سکے لیکن ساتھ ہی ساتھ "لیس کمثلہ شیء" کی تصریح فرما کر دو اہم باتوں کی طرف اشارہ فرما دیا۔ ایک یہ کہ خالق و مخلوق کی صفات میں اشتراک صرف لفظی ہے معانی و حقائق کے اعتبار سے دونوں میں بہت بڑا فرق ہے لہٰذا خالق کی صفات کو مخلوق کے اوصاف پر قیاس نہ کیا جائے ۔

دوسرے یہ کہ ان مشترک الفاظ کے ذریعہ حق تعالیٰ کی جو معرفت حاصل ہو اسے معرفت کا ایک آدھ ہی قطرہ سمجھ کر ما عرفناک حق معرفتک کے

نیازمندانہ اعتراف پیہم ہر حال قائم رہا جائے اور اگر خدانخواستہ کسی کو کمال معرفت حاصل ہونے کی غلط فہمی ہو جائے تو اپنے کو "ہر کہ نداند و بداند کہ داند در جہل مرکب است" کا مصداق سمجھے اور اس جہل مرکب کے علاج کی فکر کرے۔

قولہ ومنع من الصفات الخ یعنی چونکہ تہذیب نفوس یعنی عقائد باطلہ سے لوگوں کا تحفظ ہی صفات الٰہیہ کے بیان کا بنیادی مقصد ہے اس لئے باری تعالیٰ کی شان میں ایسے الفاظ کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا جن سے غلط نظریات اور غلط عقائد کی راہ کھلتی ہو۔

وان تاملت بتعمق النظر وجدت الجريان على مسطر العلوم الانسانية غير المكتسبة وتمييز صفات يمكن اثباتها ولا يقع بها خلل من الصفات التي تثير الاوهام الباطلة امرا دقيقا لاتدركه اذهان العامة لاجرم كان هذا العلم توقيفيا ولم يؤذن لهم في التكلم بكل ما يشتهون ،

اللغات تعمق: مصدر از تفعل گہری نگاہ ڈالنا، خوب غور کرنا۔ وجدت: وجودًا افعال قلوب میں سے ہے۔ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ بمعنی پانا۔ یہاں مفعول اول الجریان (بفتح الجیم والراء) ہے۔ اور مفعول ثانی امرا دقیقا ہے۔ مسطر: رول، سطر کھینچنے کا آلہ۔ من الصفات: تمییز کے متعلق ہے۔ خلل: نقص، فساد۔ لم یؤذن: ایذان سے اجازت دینا۔

ترجمہ اور اگر تو دقت نظر کے ساتھ غور و فکر کریگا تو انسانی غیر کسبی علوم کی راہ پر چلنے کو اور ان صفات کو۔ جن کا اثبات ممکن ہے اور ان سے کوئی نقص نہیں آتا ہے۔ ایسی صفات سے الگ کرنے کو جو خیالات باطلہ کو بھڑکاتے ہیں۔ ایسی دقیق اور لطیف چیز پائے گا جس کا ادراک

عوام کے ذہن نہیں کر سکتے ہیں (اسی وجہ سے) لامحالہ یہ علم توقیفی ٹھہرا اور لوگوں کو وہ سب کچھ بولنے کی اجازت نہیں دی گئی جسے وہ چاہیں ۔

فائدہ : توقیفی ایسے امور شرعیہ کو کہا جاتا ہے جو سماع اور نقل شرعی پر موقوف ہوں قیاس را درو جائے نباشد ۔

اس عبارت میں صفات عقلی و اسماء حسنیٰ کے توقیفی و غیر قیاسی ہونے کی حکمت پر روشنی ڈالی گئی ہے ماقبل کی عبارت میں بتایا گیا ہے کہ صفات باری تعالیٰ کی ترجمانی کے لئے "اوصاف انسانی" پر دلالت کرنے والے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے جب کہ بظاہر اس طرح کے الفاظ اللہ جل شانہٗ کی عظیم الشان صفات کی تعبیر میں ناقص بلکہ موہم نقص ہیں ۔ (مثلاً لفظ سمیع احتیاج الی الاذنین کا موہم ہے اور لفظ بطش احتیاج الی الید کا) اسلئے حق تعالیٰ کی شان میں ان الفاظ کا استعمال کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے لیکن بشر کی محدود معلومات اور حق تعالیٰ کے تعارف کی ضرورت کے پیش نظر ان الفاظ کا استعمال کیا گیا پھر بھی انسان کیلئے استعمال ہونے والے بعض الفاظ ممنوع الاستعمال رہے ۔

اس پر سوال ہو کہ یہ تفریق کیوں ہے کہ بعض کا استعمال جائز اور بعض کا ناجائز ہے ۔

جواب : جو زیر مطالعہ عبارت میں دیا گیا یہ ہے کہ ۔ مباح و ممنوع الفاظ میں انتہائی لطیف فرق ہے جسے عامۃ الناس کو نہیں سمجھایا جا سکتا ہے ۔ لہذا اس مسئلہ میں بندوں کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا بلکہ نقل و سماع پر اسے موقوف رکھا گیا ۔

مباح و ممنوع الفاظ کا لطیف فرق

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس فرق کو بیان فرمایا ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں ۔

والحق ان صفاته واسمائه توقيفية اور حق یہ ہے کہ اسکے اسماء و صفات توقیفی

بمعنى انا وان عرفنا القواعد
التي بنى الشارع بيان صفاته
تعالى عليها كما حررنا في صدر
الباب (فوجب ان يستعمل ...
الصفات بمعنى وجود غاياتها
لا بمعنى وجود مباديها وان
تستعار الفاظ تدل على تسخير
الملك لمدينته لتسخيره تعالى
لجميع الموجودات وان تستعمل
تشبيهات بشرط ان لا يقصد
الى انفسها بل الى معان مناسبة
لها في العرف وبشرط ان لا
يوهم المخاطبين ايهاما
صريحا انه في الوان البهيمة)

لكن كثيرا من الناس لو ابيح
لهم الخوض في الصفات لضلوا
واضلوا وكثيرا من الصفات
وان كان الوصف بها جائزا
لكن قوما من الكفار يحملوا
تلك الالفاظ على غير محملها
وشاع ذلك فيما بينهم فكان
حكم الشرع النهي عن استعمالها

ہیں اس معنی کر کہ ہم اگرچہ ان اصول و قوانین کو جانتے ہیں جن پر شریعت نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان کی بنیاد رکھی ہے جیسا کہ ہم نے باب کے شروع میں لکھا ہے (کہ ضروری ہے کہ صفات کا استعمال "وجود غایات" کے معنی میں کیا جائے نہ کہ "وجود مبادی" کے معنی میں اور یہ کہ تمام موجودات پر اللہ تعالیٰ کی تسخیر و قدرت کے لئے وہ الفاظ مستعار لئے جائیں جو شہروں اور ملکوں پر بادشاہوں کی تسخیر کو بیان کرتے ہیں اور یہ کہ تشبیہات کا استعمال کیا جائے بشرطیکہ تشبیہات کے اصل معنی مراد نہ ہوں بلکہ ان کے وہ معانی مراد ہوں جو اہل عرف میں ان کے مناسب ہوں اور اس شرط کے ساتھ کہ ان تشبیہات کا استعمال مخاطب کو اس صریح شبہ میں نہ ڈال دے کہ وہ بہائم کی قسموں میں سے ہے) لیکن بہت سے لوگ اگر انہیں صفات میں غور و فکر کی اجازت دے دی جائے تو خود بھی گمراہ ہو جائیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں اور بہت سی صفات ہیں کہ اگرچہ ان کے ساتھ متصف کرنا جائز ہے مگر کفار کی ایک جماعت نے ان الفاظ کو ان کی مراد کے خلاف (معنی) پر محمول کر لیا ہے اور یہ ان لوگوں میں رائج ہو چکا ہے لہٰذا ان کے استعمال

وقعت تلك المفسدة في كثير	پر پابندی کا حکم شرعی اسی خرابی کو دور
من الصفات بوهم استعمالها	کرنے کے لئے ہے ۔ اور بہت سی صفات
على ظواهرها خلاف المراد	ہیں جن کا ظاہری معنی پر استعمال خلاف
فوجب الاحتراز عنه .	مقصود کا وہم پیدا کرتا ہے لہٰذا ان سے بچنا بھی
فلهذا الوجه جعلت الصفات	ضروری ہے ان ہی مصلحتوں کی وجہ سے شریعت
توقيفية ولم يبح الخوض	نے صفات کو توقیفی قرار دیا اور اس میں
فيها بالرأي (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۶۲)	رائے زنی کی اجازت نہیں دی ۔

اس عبارت میں صفات کے توقیفی ہونے کی متعدد مصلحتوں کے ساتھ "فرق لطیف" کا بیان بھی آ گیا ہے کہ کچھ صفات کا استعمال صحیح معرفت کا سبب ہوتا ہے ان کی اجازت دے دی اور کچھ صفات کا استعمال گمراہی اور غلط عقائد کا سبب ہوتا ہے ان پر پابندی لگا دی ۔ واللہ اعلم

واخبر سبحانه وتعالى من آلائه وآيات قدرته جل علا ما تساوت في فهمه الحضر والبدو والعرب والعجم ولهذا لم يذكر النعم النفسانية المخصوصة بالاولياء والعلماء ولم يخبر بالنعم الارتفاقية المخصوصة بالملوك وانما ذكر سبحانه وتعالى ما ينبغي ذكره كخلق السماوات والارضين وانزال الماء من السحاب واخراجه من الارض واخراج انواع الثمار والحبوب والازهار بواسطة الماء والهام الصناعات الضرورية والاقدار على فعلها -

اللغات : الآلاء : جمع الیٰ نعمتیں - (کامعاء جمع معی) ، ما تساوت : باہم برابر

اختیار کا مفعول ہے۔ تساوت: واحد مونث غائب تساوی سے برابر ہونا۔ النعم: بروزن الحِکَم جمع نعمۃ۔ النفسانیۃ: نفس کی طرف منسوب ہے اس سے مراد روحانی ومعنوی عنایات ربانی ہیں جیسے حلاوتِ عبادت جس کے بارے میں حضرت ابراہیم ابن ادہم نے فرمایا۔ واللہ انا لفی لذۃ لو علمہا الملوک لجالدونا علیہا بالسیوف اور کہا گیا ہے۔ اہل اللیل فی لیلہم الذ من اہل اللہو فی لیلہم (جنید بغدادی) اور تجلیات ربانی کا مشاہدہ۔ ان نعمتوں کا فیضان اولیاء کرام پر ہوتا ہے۔ اسی طرح علمی لطائف وحکم کے انکشافات پر فرحت ومسرت جو علم و وسعت نظرات کو حاصل ہوتی ہے۔ النعم الارتفاقیۃ: وہ مادی نعمتیں اور راحتیں جن سے پوری نوع انسانی مستفیض ہو رہی ہے۔ جیسے مطعومات، مشروبات اور ازواج و بیوت وغیرہ۔ الثمار: جمع ثمر، پھل۔ الحبوب: جمع حب، دانے غلے۔ الازھار: جمع زہرۃ، کلی، شگوفہ۔ الاقدار: افعال سے۔ قدرت دینا۔

ترجمہ | اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور قدرت کی آیات میں سے۔ بزرگ برتر ہے۔ ان چیزوں کا اختیار و منتخب فرمایا جن کے سمجھنے میں دیہاتی، شہری اور عربی وعجمی برابر ہیں اور اسی وجہ سے ان روحانی نعمتوں کا تذکرہ نہیں فرمایا جو اولیاء وعلماء کے ساتھ خاص تھیں اور ان ارتفاقی نعمتوں کی خبر دی جو بادشاہوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تو وہی چیز ذکر فرمائی جس کا تذکرہ مناسب تھا جیسے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اور بادل سے پانی نازل کرنا اور زمین سے پانی نکالنا اور پانی کے واسطے سے قسم قسم کے پھل پھلے اور پھول اگانا۔ اور ضروری صنعتوں اور کاریگریوں کا الہام اور ان کے کرنے پر قدرت دینا۔

خلق السموات والارض: الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور (الانعام)۔ الحمد للہ فاطر السموات والارض (فاطر)۔ وغیر ذلک من الآیات کثیرۃ

انزال الماء: وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم (البقرۃ)۔

وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکناہ فی الارض وانا علی ذھاب بہ لقادرون [illegible]

لکم بہ جنات من نخیل واعناب لکم فیہا فواکہ کثیرۃ ومنہا تاکلون ۔

اخراج الماء : امّن جعل الارض قرارا وجعل خلالہا انہارا (النمل) اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقناہما (المومنون)

اخراج انواع الثمار : ونزلنا من المعصرات ماء ثجاجا لنخرج بہ حبا ونباتا وجنات الفافا (النبا) وہو الذی انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ نبات کل شیء فاخرجنا منہ خضرا نخرج منہ حبا متراکبا ومن النخل من طلعہا قنوان دانیۃ وجنت من اعناب والزیتون والرمان مشتبہا وغیر متشابہ (الانعام)

اس آیت میں لغات مشکلہ زیادہ ہیں لہذا ترجمہ بھی زیب قرطبی سے لیا ہے۔

"اور وہی وہ ذات ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ (باوجود اس کے واحد ہونے کے کما فی آیۃ اخری "وتسقی من ماء واحد") ہر قسم کے نباتات کو (زمین) سے نکالا پھر ہم نے اس (نبات کے اول نمودار ہونے والی چیز) سے (جسے بعض علاقوں میں سوئی یا کھونٹی کہتے ہیں) سبز شاخ نکالی کہ ہم اس سے اوپر تلے والے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گچھے میں سے خوشے (نکلتے ہیں) جو دانے کے بوجھ کے نیچے کو جھکے جاتے ہیں اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں ہوتے ہیں۔"

الہام الصناعات : حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من باسکم (الانبیاء) - اور ہم نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت تم لوگوں کے (نفع کے) واسطے سکھائی تاکہ وہ زرہ تم کو ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔ والنا لہ الحدید ان اعمل سابغات وقدر فی السرد واعملوا صالحا (سبا) اور ہم نے ان کے واسطے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور کڑیوں کے جوڑنے میں (مناسب) اندازہ کا خیال رکھو۔ واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد وبوأکم فی الارض تتخذون -

من سهولها قصورا وتنحتون الجبال بيوتا فاذكروا آلاء الله۔ الآیۃ (الاعراف)

نوٹ :- مذکورہ بالا سبھی نعمتیں عالمگیر ہیں اور مذہب اسلام ہمہ گیر۔ اس لئے اس کے دستور اساسی کی جامعیت اسی کو متقاضی تھی کہ اس میں ہمہ گیر احسانات وانعامات کا ذکر کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

وقد قرر في مواضع كثيرة من التنبيه على اختلاف احوال الناس عند هجوم المصائب وانكشافها من الامراض النفسانية الكثيرة الوقوع۔

اللغات قرر: ماضی معروف تقریر سے بمعنی اثبات وبیان۔ عند: اختلاف کا ظرف ہے۔ هجوم: (ن) اچانک آنا۔ الكثيرة: قرر کا مفعول بہ ہے۔

ترجمہ اور اللہ جل شانہ نے مصائب کی افتاد اور ان کے ختم ہونے کے وقت لوگوں کے اختلاف احوال پر تنبیہ کے بہت سے موقعوں پر نفسانی امراض میں سے زیادہ پائے جانے والے امراض کو ثابت فرمایا ہے۔ یعنی جس طرح تذکرۃ الانعامات میں عموم ملحوظ رہا ہے اسی طرح ان کے نفسانی امراض اور طبعی تغیرات (جو ایام مصیبت اور عیش کی گھڑیوں میں پیش آتے ہیں) ان کے ذکر میں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو عیوب نوع انسانی میں عام اور کثیر الوقوع ہیں۔ ان کا ہی تذکرہ کیا جائے۔ مثلاً خوشحالی میں غفلت ولاپرواہی اور زبوں حالی میں آہ وزاری اسی طرح عجلت پسندی وجلد بازی یا حرص وبخل کی بیماریاں۔ بالترتیب ہر ایک سے متعلق آیات ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهٖ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ (یونس)۔ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ

منیبا الیہ ثم اذا خولہ نعمۃ منہ نسی ما کان یدعوا الیہ من قبل (زمر)۔ خلق الانسان من عجل (انبیاء)۔ وکان الانسان عجولا (اسراء)۔ واحضرت الانفس الشح (نساء)۔ ان الانسان خلق ھلوعا (معارج)۔ اسی طرح انسان کا جھگڑالو ہونا، آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینا، اسراف و تبذیر اور غیبت و تحریص جیسی سیکڑوں مذموم عادتیں ہیں جن میں شیطانیت کا اتباع ہوتا ہے۔ اور قرآن نے ہر ایک پر کسی نہ کسی نوع سے نکیر کی ہے۔

والتذكير بايام الله — يعني الوقائع التي احدثها الله سبحانه وتعالى كتنعيم المطيعين وتعذيب العصاة — ما قرع سمعهم وذكر لهم اجمالا مثل قصص قوم نوح وعاد وثمود وكانت العرب تتلقاها ابا عن جد ومثل قصص ابراهيم وانبياء بني اسرائيل عليهم السلام فانها كانت مالوفة لاسماعهم لمخالطة اليهود العرب في قرون كثيرة لا القصص الشاذة غير المالوفة ولا اخبار المجازاة بين فارس والهنود۔

اللغات الوقائع: جمع الوقیعۃ، لڑائی، واقعات و حوادث۔ العصاۃ: (بضم العین) العاصی کی جمع ہے، نافرمان۔ [illegible] قرع: (ف) کھٹکھٹانا۔ وذکر: (مجہول) یاد کرایا۔ الشاذۃ: نادر، غیر معروف، انجان۔ والجزاء: کسی چیز کا بدلہ دینا۔ القصص الشاذۃ کا عطف ما قرع پر ہے۔

ترجمہ اور ایام اللہ (یعنی ان واقعات) میں سے جنہیں اللہ جل شانہ نے رونما فرمایا جیسے فرمانبرداروں پر انعامات کی بارش اور نافرمانوں کی سزا، ایسے منتخب فرمایا جو ان کے کان کھٹکھٹا چکے تھے اور جو اجمالاً ان کے

سامنے مذکور ہو چکے تھے جیسے قوم نوح و ثمود اور قوم عاد کے قصے اور عرب ان واقعات کو باپ دادوں سے سنتے چلے آتے تھے۔ اور جیسے حضرت ابراہیم اور انبیاء بنی اسرائیل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے کیونکہ وہ ان کے کانوں کے لئے مانوس تھے۔ بہت عرصے تک عرب کے ساتھ یہودیوں کے اختلاط کی وجہ سے۔ نہ کہ نادر و غیر معروف قصوں کو اور نہ فارس و ہند کی جزاء و سزا کی خبروں کو۔

یعنی تذکیر بایام اللہ کے لئے انتخاب ایسے واقعات کا کیا گیا جن سے اہل عرب مانوس و واقف تھے اور اپنے بڑوں سے اجمالاً سنتے چلے آئے تھے۔

جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے واقعات اور احوال اسی طرح انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام اور ان کی امتوں کے تذکرے چونکہ عرب اور یہود کی بود و باش عرصہ دراز سے ایک ساتھ تھی اس لئے انبیاء بنی اسرائیل کے احوال سے بھی عرب مانوس ہو گئے تھے لہٰذا ان کے تذکرے بھی کئے گئے لیکن ایسی قوموں کے قصص و واقعات جن سے عرب ناآشنا تھے، قرآن میں نہیں ذکر کئے گئے مثلاً ہند و سندھ اور ایران و افغانستان وغیرہ میں بھی قومیں بستی تھیں، یقیناً ان میں بھی حضرات انبیاء کرام مبعوث ہوئے ہیں اور یہ قومیں بھی انکار و تسلیم اور ایمان و کفر کی روش پر چل کر ثواب و عذاب کی مستحق ہوئی ہونگی لیکن قرآن نے "ولکل قوم ھاد" اور "ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ" جیسے اجمالی تذکروں سے زیادہ کچھ نہیں بیان کیا کیونکہ ان واقعات کا مقصد تذکیر و ترہیب اور ترغیب و تحریض ہے۔ انسان کی فطرت کچھ ایسی ہے کہ جب معلومات کا اسے استحضار ہوتا ہے تو تحقیق و جستجو اور جدت پسندی کا مادہ اس کے دل و دماغ کو فوائد اور نتائج کی طرف لے جاتا ہے۔ لہٰذا عبرت و موعظت بھی ہوتی ہے لیکن جب کوئی نامعلوم واقعہ اس کے علم میں آتا ہے یا نئی خبر سنتا ہے تو نفس واقعہ اور نفس خبر ہی کی طرف اپنی خاصی توجہ مبذول ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں نتائج کی طرف سے کلیۃً غفلت ہو جاتی ہے ورنہ کم از کم تاخیر تو ہو ہی جاتی

ہے لہٰذا تذکیر و موعظت کے مواقع پر مشہور و مانوس قصے ہی مفید ہوتے ہیں (کما بیانی)۔ واللہ اعلم۔

ضروری ملاحظات

(۱) متن کی عبارت "وذکرہم بجملاتٍ" کے بجائے مولانا سلمان حسنی ندوی زید مجدہم کی عبارت "وکانوا قد سمعوا قصصہا بصورۃ اجمالیۃ" اصح و احسن ہے کیونکہ فارسی عبارت ہے "واجمالاً ذکرے ازاں شنیدہ باشند"۔

(۲) "ولا اخبار المجازات" اس عبارت کے لفظ مجازات کا ترجمہ راقم الحروف نے "جزا و سزا" کیا ہے اور مراد فارس و ہند کے مطیعین کی تنعیم اور عصاۃ کی تعذیب ہے جب کہ العون میں مجازات سے جنگیں مراد لی گئی ہیں۔ فتدبر۔

(۳) "فانہا کانت مالوفۃ لاسماعہم" کی ترکیب مقلوب ہے بقصد شاید مبالغہ ہو اصل عبارت "فان اسماعہم کانت مالوفۃ بہا" ہے، کما ہو الظاہر۔

(۴) "کانت العرب الخ" اس عبارت میں قوم نوح وغیرہ کے احوال و واقعات سے اہل عرب کی واقفیت کا سبب و ذریعہ بتایا گیا ہے۔ جب کہ لمخالطتہا الیہود میں فانہا کانت مالوفۃ کا سبب بتایا گیا ہے۔

> وانتزع من القصص المشهورة جملاً تنفع في تذكيرهم ولم يسرد القصص بتمامها مع جميع خصوصياتها والحكمة في ذلك ان العوام اذا سمعوا القصص النادرة غاية الندرة او استقصى بين ايديهم ذكر الخصوصيات يميلون الى القصص نفسها ويفوتهم التذكر الذي هو الغرض الاصلي فيها ،

اللغات :۔ انتزاع، نکالنا، منتخب کرنا۔ یسرد: سرداً، پورا نقل کرنا۔

اُستقصی: استقصاء سے ماضی مجہول۔ التذکر: نصیحت حاصل کرنا، عبرت پذیری۔

ترجمہ اور مشہور قصوں میں سے ایسے ٹکڑے منتخب فرمائے جو ان کی تذکیر (و تنبیہ) کے لئے مفید ہوں اور پورے قصے ان کی تمام خصوصیات کے ساتھ نقل نہیں کئے۔ اور حکمت اس کی یہ ہے کہ عامۃ الناس جب بہت عجیب غریب قصے سنتے ہیں اور ان کے سامنے خصوصیات کے تذکرہ کا احاطہ کر لیا جاتا ہے تو نفس واقعات ہی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اور عبرت حاصل کرنا، جو قصوں کا مقصد اصلی ہوتا ہے ان عوام سے فوت ہو جاتا ہے۔

ونظیر هذا الكلام ما قاله بعض العارفین ان الناس لما حفظوا قواعد التجوید شُغِلوا عن الخشوع فی التلاوة، ولما ساق المفسرون الوجوه البعیدة فی التفسیر صار علم التفسیر نادرًا کالمعدومؒ

ترجمہ اور اس کلام کی نظیر وہ بات ہے جسے کسی عارفؒ نے کہا کہ جب سے لوگوں نے تجوید کے قاعدے (اور ہجے) یاد کئے تلاوت کے خشوع (وخضوع) سے محروم ہو گئے۔ اور جب سے مفسرین نے تفسیر میں وجوہ بعیدہ کو ذکر کرنا شروع کیا علم تفسیر ایسا کمیاب ہو گیا جیسے معدوم (ہو گیا ہو)۔

فائدہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اوپر فرمایا تھا کہ وعظ وتذکیر کے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جو بھی واقعہ بیان کیا جائے اس کے صرف اہم اور عبرت انگیز پہلو ذکر کئے جائیں کیونکہ "مفصل واقعات مع جزئیات اور خصوصیات کے جب عامی آدمی کے سامنے آتے ہیں تو وہ ان ہی خصوصیات و جزئیات میں الجھ کر اصل مقصد سے غافل رہ جاتا ہے۔ زیر مطالعہ عبارت میں مصؒ نے اپنی اس رائے کی تائید ونظیر کے طور پر کسی عارف کا قول پیش فرمایا ہے۔ کہ

؎ غالباً ان سے حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ مراد ہیں۔ فیض الانور۔

قواعد تجوید کی طرف جب سے توجہ ہوئی تلاوت قرآن کا اصل مقصد انابت الی اللہ اور خشوع وخضوع ختم ہو گیا۔ اسی طرح جب سے تفسیری نکات کو مفسرین نے اہمیت دی علم تفسیر کا اصل مقصد "قرآن فہمی" عنقا ہو گیا۔ مفسرین کیا بن گئے

ومما تكرر من القصص قصّة خلق اٰدم من الارض وسجود الملٰئكة له وامتناع الشيطان منه وكونه ملعونًا وسعيه بعد ذلك في اغواء بني اٰدم وقصة مخاصمة نوح وهود وصالح وابراهيم ولوط وشعيب عليهم الصلوٰة والسلام واقوامهم في باب التوحيد والامر بالمعروف والنهي عن المنكر وامتناع الاقوام من الامتثال بشبهات ركيكة مع ذكر جواب الانبياء وابتلاء الاقوام بالنقمة الالٰهية وظهور نصرته عز وجل للانبياء وتابعيهم وقصة موسٰى مع فرعون وقومه ومع سفهاء بني اسرائيل ومكابرة هذه الجماعة مع حضرته عليه الصلوٰة والسلام وقيام الله سبحانه وتعالى بعقوبة الاشقياء وظهور نصرة نبيه موسٰى مرة بعد مرة وقصة خلافة داؤد وسليمان واٰياتها وكراماتها ومحنة ايوب ويونس وظهور رحمة الله سبحانه لهما واستجابة دعاء زكريا وقصصُ سيدنا عيسٰى العجيبة من تولده بلا اب وتكلمه في المهد وظهور الخوارق منه فذكرت هذه القصص باطوار مختلفة اجمالًا وتفصيلًا بحسب ما اقتضاه اسلوب السور،

لغات

مَلعُون: لعنۃ (ف) خیر ورحمت سے دور کرنا، دھتکارنا۔ اِغواء۔ گمراہ کرنا، بہکانا۔ مکابرۃ: مخالفت کرنا۔ محنۃ: (ف) آزمائش۔ جمع محن۔ خوارق: خارق کی جمع ہے، خلافِ عادت، وہ خلافِ معمول احوال وواقعات

ترجمہ

اور ان قصوں میں سے جو (قرآن میں) مکرر بیان، زمین سے آدمؑ کی تخلیق، اور فرشتوں کا انہیں سجدہ کرنا اور شیطان کا اس سے باز رہنا اور ملعون ہونا، اور اس کے بعد بنی آدم کو گمراہ کرنے کی کوشش کرنا اور توحید اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں حضرت نوحؑ، ہود، صالح، ابراہیمؑ اور لوط و شعیب علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی اقوام کے مجادلہ و مباحثہ اور پھر شبہات کی وجہ سے اطاعت سے قوموں کے انحراف کا قصہ ہے۔ انبیاء کے جواب اور خدائی عذاب میں قوموں کے ابتلاء اور انبیاء و متبعین انبیاء کے حق میں نصرت خداوندی کے ظہور کے ساتھ۔ اور (ان ہی مکرر قصوں میں سے) فرعون و قوم فرعون کے ساتھ اور بنی اسرائیل کے نادانوں کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کا قصہ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس جماعت کی دشمنی (ہٹ دھرمی) اور بدبختوں کو اللہ جل شانہٗ کی سزا اور اپنے نبی موسیٰؑ کے حق میں بار بار اپنی نصرت کے اظہار کا قصہ ہے اور (ان ہی میں سے) داؤد و سلیمان کی خلافت اور ان کے معجزات و کرامات اور ایوبؑ و یونسؑ کے امتحان اور ان کے حق میں رحمتِ خداوندی کے ظہور اور دعاء زکریا کی قبولیت کا قصہ ہے اور ان ہی میں سے عیسیٰؑ کے عجیب عجیب واقعات یعنی بغیر باپ کے آپ کی ولادت اور آپ کا گہوارہ میں گفتگو کرنا، اور آپ سے خلافِ معمول افعال کا صدور۔ چنانچہ یہ قصے مختلف طریقوں پر اجمالاً و تفصیلاً اس اسلوب کے مطابق بیان کئے گئے ہیں جس کا سورتوں کے اسالیب نے تقاضا کیا۔

فائدہ

قرآن عزیز کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں میں ان سورتوں کے مضامین کے مناسب نئے اور اچھوتے انداز میں بیان کرنے کے باوجود واقعہ کی اصل حقیقت اور اس کی صحت اور سنجیدگی میں ذرا سا فرق بھی نہیں آنے دیتا، کہیں واقعہ کی تفصیل ہے کہیں اجمال، کسی مقام پر اس کا ایک پہلو نظر انداز کر دیا گیا ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو سب سے زیادہ نمایاں حقیقت (اہمیت) دی گئی ہے۔ ایک جگہ اسی واقعہ

سے مسرت وانبساط اور لذت وسرور پیدا کرنے والے نتائج نکالے گئے ہیں تو دوسری جگہ واقعہ میں معمولی سا تغیر کئے بغیر خوف ودہشت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے بلکہ بعض مرتبہ ایک ہی مقام پر لذت والم دونوں کا مظاہرہ نظر آتا ہے مگر عبرت وموعظت کے اس تمام ذخیرہ میں ناممکن ہے کہ نفس واقعہ کی حقیقت ومتانت میں معمولی سا تغیر بھی پیدا ہو جائے، بلاشبہ یہ کلام الٰہی کے ہی شایان شان ہے۔ (قصص القرآن ج ۱)

قصہ تخلیق آدم

ولقد خلقناكم ثم صورناكم ثم قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا إلا إبليس الآية (اعراف آیت ۱۱) — وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ للملائكة إني خالق بشرا من صلصال من حمإ مسنون ۝ فإذا سويته ونفخت فيه من روحي فقعوا له ساجدين ۝ فسجد الملائكة كلهم أجمعون ۝ إلا إبليس أبى أن يكون مع الساجدين ۝ (حجر آیت ۲۸) إذ قال ربك للملائكة إني خالق بشرا من طين ۝ فإذا سويته ونفخت فيه من روحي فقعوا له ساجدين ۝ فسجد الملائكة كلهم أجمعون ۝ إلا إبليس استكبر وكان من الكافرين ۝ (ص آیت ۷۱ تا ۷۴)

ان آیات میں تخلیق آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سجود ملائکہ اور انکار شیطان کے قصے بھی آگئے۔ رہا اس کا ملعون ہو کر اغوا بنی آدم کے لئے تگ ودو کرنا تو اس کی آیتیں یہ ہیں۔

شیطان کی ملعونیت اور انسان کو بہکانے کی کوشش

قال الله تعالى: ما منعك ألا تسجد إذ أمرتك قال أنا خير منه خلقتني من نار وخلقته من طين ۝ قال فاهبط منها فما يكون لك أن تتكبر فيها فاخرج إنك من الصاغرين ۝ قال أنظرني إلى يوم يبعثون ۝ قال إنك من المنظرين ۝ قال فبما أغويتني لأقعدن لهم صراطك المستقيم ۝ ثم لآتينهم من بين أيديهم ومن خلفهم وعن أيمانهم وعن شمائلهم ولا تجد أكثرهم شاكرين ۝ (اعراف آیت ۱۲) قال فاخرج منها فإنك رجيم ۝ وإن عليك اللعنة

الی یوم الدین ۝ قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون ۝ قال فانک من المنظرین
الی یوم الوقت المعلوم قال رب بما اغویتنی لازینن لہم فی الارض و . . .
لاغوینہم اجمعین ۝ (حجر ۳۶ تا ۳۹) ۔ قال (ابلیس) ارءیتک ہذا الذی کرمت
علی لئن اخرتن الی یوم القیمۃ لاحتنکن ذریتہ الا قلیلا ۝ قال اذہب
فمن تبعک منہم فان جہنم جزاؤکم جزاء موفورا ۝ (الاسراء ۶۲، ۶۳) ۔
قال فاخرج منہا فانک رجیم ۝ وان علیک لعنتی الی یوم الدین ۝ قال رب
فانظرنی الی یوم یبعثون ۝ قال فانک من المنظرین ۝ الی یوم الوقت المعلوم
قال فبعزتک لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین (ص ۷۷ تا ۸۳)

ان آیات کے علاوہ سورۂ بقرہ آیت (۳۴ تا ۳۶)، سورۂ کہف آیت (۵۰)۔
اور سورۂ طٰہٰ آیت (۱۱۶ تا ۱۲۳) میں مذکورہ مضامین موجود ہیں ۔

حضرت نوح علیہ السّلام اور ان کی قوم کا مخاصمہ : ۔

ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ انی لکم نذیر مبین ۝ ان لا تعبدوا الا اللہ انی
اخاف علیکم عذاب یوم الیم فقال الملا الذین کفروا من قومہ ما نرٰک الا بشرا
مثلنا وما نرٰک اتبعک الا الذین ہم اراذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من
فضل بل نظنکم کاذبین ۝ قال یقوم ارءیتم ان کنت علی بینۃ من ربی واتنی
رحمۃ من عندہ فعمیت علیکم انلزمکموہا وانتم لہا کرہون ۝ یہ سورۂ ہود
کی آیات ہیں۔ آپ آیت ۴۸ تک پڑھ جائیے۔ آپ کو جانبین سے مختلف سوال وجواب کے
علاوہ حضرت نوح کی ہدایت و تبلیغ سے منہ موڑنے والوں پر عذاب خداوندی، ایمان لانے
والوں کی نجات اور ان کے ساتھ خدائی نصرت و رحمت کا تذکرہ اس طرح ملے گا: حتی
اذا جاء امرنا وفار التنور قلنا احمل فیہا من کل زوجین اثنین واہلک الا من سبق
علیہ القول ومن امن وما امن معہ الا قلیل ۝ وقال ارکبوا فیہا بسم اللہ مجرٖیہا ومرسٰہا ۴۱۔
اسی طرح سورۂ اعراف میں اجمالاً وہ سارے مضامین موجود ہیں۔ جن کی طرف ابھی اشارہ
کیا ہے۔ ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ فقال یقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ انی اخا

علیکم عذاب یوم عظیم ۔ قال الملأ من قومه انا لنرٰک فی ضلٰل مبین ۔ قال یقوم لیس بی ضلٰلة ولکنی رسول من رب العٰلمین ابلغکم رسٰلٰت ربی وانصح لکم واعلم من الله ما لا تعلمون ۔ اوعجبتم ان جاءکم ذکر من ربکم علی رجل منکم لینذرکم ولتتقوا ولعلکم ترحمون ۔ فکذبوه فانجینٰه والذین معه فی الفلک واغرقنا الذین کذبوا بایٰتنا انهم کانوا قوما عمین (اعراف ع ۸) ۔

علاوہ ازیں سورۂ شعراء، سورۂ غافر، سورۂ نوح و سورۂ قمر وغیرہ میں یہ مضامین موجود ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم کا مباحثہ:

والی عاد اخاھم ھودا قال یقوم اعبدوا الله ما لکم من اله غیره افلا تتقون ۔ قال الملأ الذین کفروا من قومه انا لنرٰک فی سفاهة وانا لنظنک من الکٰذبین ۔ قال یقوم لیس بی سفاهة ولکنی رسول من رب العٰلمین ۔ ابلغکم رسٰلٰت ربی وانا لکم ناصح امین ۔ اوعجبتم ان جاءکم ذکر من ربکم علی رجل منکم لینذرکم واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح وزادکم فی الخلق بصطة فاذکروا اٰلاء الله لعلکم تفلحون ۔ قالوا اجئتنا لنعبد الله وحده ونذر ما کان یعبد اٰباؤنا فأتنا بما تعدنا ان کنت من الصٰدقین ۔ قال قد وقع علیکم من ربکم رجس وغضب اتجادلوننی فی اسماء سمیتموها انتم واٰباؤکم ما نزل الله بها من سلطٰن فانتظروا انی معکم من المنتظرین ۔ فانجینٰه والذین معه برحمة منا وقطعنا دابر الذین کذبوا بایٰتنا وما کانوا مؤمنین (اعراف ع ۹)

نیز سورۂ ہود و سورۂ شعراء اور سورۂ قمر وغیرہ میں بھی ان مضامین کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم کا مباحثہ:

والی ثمود اخاھم صٰلحا قال یقوم اعبدوا الله ما لکم من اله غیره قد جاءتکم بینة من ربکم هٰذه ناقة الله لکم اٰیة فذروها تاکل فی ارض الله ولا تمسوها بسوء فیاخذکم عذاب الیم ۔ واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد وبوأکم فی الارض تتخذون

من سهولها قصورا وتنحتون الجبال بيوتا فاذكروا الاء الله ولا تعثوا في الارض مفسدين ۝ قال الملأ الذين استكبروا من قومه للذين استضعفوا لمن امن منهم اتعلمون ان صالحا مرسل من ربه قالوا انا بما ارسل به مؤمنون ۝ قال الذين استكبروا انا بالذي امنتم به كافرون ۝ فعقروا الناقة وعتوا عن امر ربهم وقالوا يا صالح ائتنا بما تعدنا ان كنت من المرسلين فاخذتهم الرجفة فاصبحوا في دارهم جاثمين ۝ فتولى عنهم وقال يا قوم لقد ابلغتكم رسالة ربي ونصحت لكم ولكن لا تحبون الناصحين" (اعراف ۷۴ تا ۷۹) نیز سورۂ ہود، سورۂ شعراء، سورۂ نمل، سورۂ فصلت، سورۂ النجم، سورۂ قمر، سورۂ الحاقہ اور سورۂ الشمس کا مطالعہ کیجیے۔

حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام اور قوم کی مخاصمانہ گفتگو:۔

واتل عليهم نبا ابراهيم ۝ اذ قال لابيه وقومه ما تعبدون من بعدي قالوا نعبد اصناما فنظل لها عاكفين قال هل يسمعونكم اذ تدعون ۝ او ينفعونكم او يضرون ۝ قالوا بل وجدنا اباءنا كذلك يفعلون ۝ قال افرايتم ما كنتم تعبدون انتم واباؤكم الاقدمون ۝ فانهم عدو لي الا رب العالمين ۝ الذي خلقني فهو يهدين ۝ والذي هو يطعمني ويسقين ۝ واذا مرضت فهو يشفين ۝ والذي يميتني ثم يحيين ۔ (سورہ شعراء ۶۹ تا ۸۱)۔ حضرت ابراہیمؑ کے حق میں نصرت خداوندی کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۂ انبیاء میں کہا گیا: "قلنا يا نار كوني بردا وسلاما على ابراهيم ۝ وارادوا به كيدا فجعلناهم الاخسرين ۝ ونجيناه ولوطا الى الارض التي باركنا فيها للعالمين"۔ اور سورہ عنکبوت میں ارشاد ہے۔ فما كان جواب قومه الا ان قالوا اقتلوه او حرقوه فانجاه الله من النار ان في ذلك لايت لقوم يعقلون۔ (۲۴)۔ نیز سورۂ انبیاء (آیت ۵۲ تا ۶۸)۔ سورۂ انعام (آیت ۸۰ و ۸۱) سورۂ الصافات (آیت ۸۵ تا ۹۶) وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت لوط علیہ السلام اور قوم لوط کے درمیان مباحثہ:۔ اذ قال لهم اخوهم

لوطٌ الا تتقون ۝ انی لکم رسول امین ۝ فاتقوا اللہ واطیعون ۝ وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین ۝ اتاتون الذکران من العالمین ۝ وتذرون ما خلق لکم ربکم من ازواجکم بل انتم قوم عادون ۝ قالوا لئن لم تنتہ یلوط لتکونن من المخرجین ۝ قال انی لعملکم من القالین ۝ رب نجنی واھلی مما یعملون ۝ فنجینہ واھلہ اجمعین (الشعراء ۱۶۱ تا ۱۷۰) علاوہ ازیں سورۂ اعراف، سورۂ ہود، سورۂ نمل، وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور اصحاب الایکہ کا مباحثہ:-

کذب اصحاب الئیکۃ المرسلین ۝ اذ قال لھم شعیب الا تتقون ۝ انی لکم رسول امین ۝ فاتقوا اللہ واطیعون ۝ وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین ۝ اوفوا الکیل ولا تکونوا من المخسرین ۝ وزنوا بالقسطاس المستقیم ۝ ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین ۝ واتقوا الذی خلقکم والجبلۃ الاولین ۝ قالوا انما انت من المسحرین ۝ وما انت الا بشر مثلنا وان نظنک لمن الکذبین ۝ فاسقط علینا کسفا من السماء ان کنت من الصادقین ۝ قال ربی اعلم بما تعملون ۝ فکذبوہ فاخذھم عذاب یوم الظلۃ انہ کان عذاب یوم عظیم (الشعراء ۱۷۶ تا ۱۸۹) مزید تفصیلات کے لئے سورۂ اعراف (۸۵ تا ۹۳) اور سورۂ ہود (۸۴ تا ۹۵) پڑھئے۔ قصہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے پڑھئے سورۂ اعراف پ۹، سورۂ طٰہٰ پ۱۶، سورۂ مومن پ۲۴ وغیرہ۔

داؤد و سلیمان علیہما السلام کی خلافت وغیرہ کا قصہ

(۱) ولقد اتینا داؤد وسلیمان علما وقالا الحمد للہ الذی فضلنا علی کثیر من عبادہ المؤمنین ۝ وورث سلیمان داؤد وقال یایھا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیء ۝ ان ھذا لھو الفضل المبین ۝ وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون۔ (النمل آیت ۱۵ تا ۱۷) مزید آیت ۴۴ تک پڑھ جائیے۔

(۲) ولقد اتینا داؤد منا فضلا یجبال اوبی معہ والطیر والنا لہ

الحدید ۝ ان اعمل سٰبغٰت وقدر فی السرد واعملوا صالحاً انی بما تعملون بصیر ۝ ولسلیمٰن الریح غدوها شهر ورواحها شهر تا " فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المهین ۔ (سبا آیت ۱۰ تا ۱۴)

(۳) یٰداود انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق و لا تتبع الهوٰی فیضلک عن سبیل اللہ ۝ تا " فسخرنا له الریح تجری بامره رخاءً حیث اصاب والشیٰطین کل بناء وغواص (ص آیت ۲۶ تا ۳۷ ، مزید آیت ۱۷ تا ۲۰) ۔ نیز دیکھئے سورۃ انبیاء (آیت ۷۸ تا ۸۲) ۔

محنۃ ایوب علیہ السلام :- (۱) وایوب اذ نادیٰ ربه انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین ۝ (انبیاء ۸۳) ۔ (۲) واذکر عبدنا ایوب اذ نادیٰ ربه انی مسنی الشیطٰن بنصب وعذاب تا " نعم العبد انه اواب (ص آیت ۴۱ تا ۴۴) ۔

حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش :- (۱) وان یونس لمن المرسلین ۝ اذ ابق الی الفلک المشحون ۝ فساهم فکان من المدحضین ۝ فالتقمه الحوت وهو ملیم ۝ فلولا انه کان من المسبحین ۝ للبث فی بطنه الی یوم یبعثون ۝ (سورۃ الصافات آیت ۱۳۹ تا ۱۴۴ مزید آیت ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷) ۔ (۲) وذا النون اذ ذهب مغاضباً فظن ان لن نقدر علیه فنادیٰ فی الظلمٰت ان لا اله الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین ۝ فاستجبنا له ونجینٰه من الغم وکذٰلک ننجی المؤمنین ۝ (انبیاء آیت ۸۷، ۸۸) ۔ (۳) فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت اذ نادیٰ وهو مکظوم ۝ لولا ان تدٰرکه نعمة من ربه لنبذ بالعراء وهو مذموم ۝ فاجتبٰه ربه فجعله من الصٰلحین ۝ (القلم ۴۸ تا ۵۰)

استجابۃ دعاء زکریا علیہ السلام :- (۱) هنالک دعا زکریا ربه قال رب هب لی من لدنک ذریة طیبة انک سمیع الدعاء ۝ فنادته الملٰئکة وهو قائم یصلی فی المحراب ان اللہ یبشرک بیحییٰ مصدقاً بکلمة من اللہ وسیداً

وحصورا (آل عمران) - (۲) كٓهيعٓصٓ ۝ ذكر رحمت ربك عبده زكريا ۝ إذ نادى ربه نداء خفيا ۝ يا زكريا إنا نبشرك بغلام اسمه يحيى لم نجعل له من قبل سميا ۔ (آیات ، مریم ۱ تا ۷) - (۳) وزكريا إذ نادى ربه رب لا تذرني فردا و أنت خير الوارثين ۝ فاستجبنا له ووهبنا له يحيى وأصلحنا له زوجه (الانبیاء)

قصص سیدنا عیسیٰ علیہ السلام :- (۱) إذ قالت الملائكة يا مريم إن الله يبشرك بكلمة منه اسمه المسيح عيسى ابن مريم وجيها في الدنيا والآخرة ومن المقربين ۝ تا ومكروا ومكر الله والله خير الماكرين (آل عمران ۴۵-۵۴) (۲) واذكر في الكتاب مريم إذ انتبذت من أهلها مكانا شرقيا ۝ تا والسلام علي يوم ولدت ويوم أموت ويوم أبعث حيا ۝ (مریم ۱۶ تا ۳۳) - (۳) والتي أحصنت فرجها فنفخنا فيها من روحنا وجعلناها وابنها آية للعالمين ۝ (الانبیاء) نیز ملاحظہ کیجئے سورۂ نساء (آیت ۱۵۷ و ۱۵۸) اور سورۂ مائدہ (آیت ۱۱۰ تا ۱۱۵) ۔

ومن القصص التي ذكرت مرة او مرتين فقط رفع سيدنا ادريس ومناظرة سيدنا ابراهيم لنمرود ورؤيته احياء الطير ذبح ولده وقصة سيدنا يوسف وقصة ولادة سيدنا موسى والقائه في اليم وقتله القبطي وخروجه الى مدين وتزوجه هناك ورؤيته النار على الشجرة وسماع الكلام منها وقصة ذبح البقرة وقصة لقاء موسى والخضر وقصة طالوت و جالوت وقصة بلقيس وقصة ذي القرنين وقصة اصحاب الكهف وقصة رجلين تحاورا فيما بينهما وقصة اصحاب الجنة وقصة رسل عيسى الثلاثة والمؤمن الذي قتله الكفار شهيدا وقصة اصحاب الفيل، فليس المقصود من هذه القصص معرفتها بانفسها بل المقصود انتقال ذهن السامع الى وخامة

الشرك والمعاصي وعقوبة الله تعالى عليها واطمينان المخلصين بنصرة الله تعالى وظهور عنايته عزوجل بهم.

اللغات

رفع: رفع، بلند کرنا، اوپر اٹھانا۔ مناظرة: بحث و مباحثہ کرنا۔ القاء: ڈالنا۔ الیم: سمندر۔ اتھاہ گہرائی

مدین: بحر قلزم کے مشرقی ساحل اور عرب کے مغرب و شمال میں تبوک کے بالمقابل ایسی جگہ آباد تھا، جس کو شام متصل حجاز کا آخری حصہ کہا جا سکتا ہے۔ شام، فلسطین بلکہ مصر تک جانے والی حجازی شاہراہ مدین سے ہو کر گذرتی ہے۔ آغاز اسلام میں یہ شہر یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور یہاں بڑے بڑے قلعے تھے جن کو اسلام نے عہد نبوت ہی میں یکے بعد دیگرے فتح کر لیا تھا۔

(دیکھئے قصص القرآن ج ۱ ص ۳۳۳، ارض القرآن سید سلیمان ندوی مرحوم)

التقاء: ملاقات۔ تحاور: تحاور سے ماضی، باہم گفتگو کرنا۔ [illegible] صحبت ہونا۔

ترجمہ

اور ان قصوں میں صرف ایک یا دو مرتبہ ذکر کئے گئے ہیں: سیدنا ادریسؑ کا رفع اور نمرود سے سیدنا ابراہیمؑ کا مباحثہ اور آپؑ کا پرندوں کو زندہ کرتے دیکھنا، اور اپنے صاحبزادے کو ذبح کرنا اور سیدنا یوسفؑ کا قصہ اور سیدنا موسیٰؑ کی ولادت، اور ان کو دریا میں ڈالے جانے اور قبطی کو قتل کرنے اور مدین کا سفر کرنے اور وہاں نکاح کرنے اور درخت پر آگ دیکھنے اور اس (درخت) سے کلام کو سننے کا قصہ (ہے)۔ اور موسیٰ و خضرؑ کی ملاقات کا واقعہ اور طالوت و جالوت (کی جنگ) کا واقعہ اور قصہ بلقیس، واقعہ ذوالقرنین و قصہ اصحاب کہف اور قصہ ان دو آدمیوں کا جنہوں نے آپس میں گفتگو کی، اور باغ والوں کا قصہ اور حضرت عیسیٰؑ کے تینوں قاصدوں کا قصہ اور اس مومن کا واقعہ جس کو کفار نے شہید کیا۔

اور اصحاب فیل کا واقعہ ہے اور ان قصوں کا مقصد نفس واقعات کا جاننا نہیں ہے بلکہ مقصد سامعین کے ذہن کی توجہ (مبذول کرنا) ہے شرک و معاصی کے ضرر اور ان پر اللہ تعالیٰ کی سزا کی طرف) اور نصرت خداوندی پر مخلصین کے اطمینان اور ان پر اللہ عزوجل کی عنایت کی طرف۔

فائدہ متن کی ترتیب کے مطابق قرآنی آیات ملاحظہ کریں۔

(۱) وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم)۔ کعب احبارؓ کی تفسیر کے مطابق رفع ادریس سے چوتھے آسمان پر اٹھایا جانا مراد ہے۔ جو اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس سے نبوت و قرب الٰہی کی بلندیوں پر پہنچنا مراد ہے۔ (ملاحظہ ہو العون اور فوائد عثمانی)۔

مُناظرۂ ابراھیمی:- الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان اتاہ اللہ الملک اذ قال ابراھیم ربی الذی یحیی و یمیت قال انا اُحیی و اُمیتُ قال ابراھیمُ فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فأت بہا من المغرب فبھت الذی کفر (البقرہ پ۳)۔

رویت احیاء:- واذ قال ابراھیم رب أرنی کیف تحیی الموتیٰ قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃ من الطیر فصُرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءً ثم ادعھن یاتینک سعیا واعلم ان اللہ عزیز حکیم (البقرہ پ۳)۔

ذبح ولد:- قال یٰبنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یا أبت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصٰبرین فلما اسلما وتلّہ للجبین ونادینٰہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا (الصافات پ۲۳)۔

قصۂ سیدنا یوسف:- اس کے لئے سورۂ یوسف کی تلاوت اور مطالعہ کی زحمت خود فرمائیں۔

قصۂ ولادتِ موسیٰ:- واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا

خفت عليه فالقيه في اليم ولا تخافي ولا تحزني (ق ر۔ القصص پ٢٠)۔ ولقد مننا عليك مرة اخرى، اذ اوحينا الى امك ما يوحى ان اقذفيه في التابوت فاقذفيه في اليم فليلقه اليم بالساحل (ق۔ طہ پ١٦)۔

قتل قبطی :- ودخل المدينة على حين غفلة من اهلها فوجد فيها رجلين يقتتلان هذا من شيعته وهذا من عدوه فاستغاثه الذي من شيعته على الذي من عدوه فوكزه موسى فقضى عليه الآية (قصص پ٢٠)۔

خروج الی المدین :- وجاء رجل من اقصا المدينة يسعى قال يموسى ان الملا ياتمرون بك ليقتلوك فاخرج اني لك من النصحين ۔ فخرج منها خائفا يترقب قال رب نجني من القوم الظلمين ۔ (القصص)

تزویج موسیٰ :- قال (شعیب) اني اريد ان انكحك احدى ابنتي هتين على ان تاجرني ثماني حجج فان اتممت عشرا فمن عندك وما اريد ان اشق عليك ستجدني ان شاء الله من الصلحين قال ذلك بيني وبينك ايما الاجلين قضيت فلا عدوان علي والله على ما نقول وكيل ۔ (القصص)

رؤیتہ النار :- جہاں تک راقم الحروف کی نظر کا تعلق ہے ۔ قرآن کریم نے "درخت پر آگ دیکھنے" کی تصریح کہیں نہیں کی ہے ۔ لیکن مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت موسیٰ نے جو آگ دیکھی تھی وہ درخت پر تھی لہذا قرآن کریم نے رؤیت نار کا تذکرہ جن آیتوں میں کیا ہے ۔ وہی آیتیں اس موقع پر پیش کی جا رہی ہیں ۔

وهل اتٰك حديث موسى ۔	کیا آپ کو موسیٰ کی خبر بھی پہونچی ہے ۔ جب کہ
اذ را نارا فقال لاهله امكثوا اني	انھوں نے ایک آگ دیکھی سو اپنے گھر والوں سے
آنست نارا لعلي اتيكم منها	فرمایا کہ تم ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے
بقبس او اجد على النار هدى	شاید میں اس میں سے تمہارے پاس ایک شعلہ
(طہ پ١٦)	لاؤں یا آگ کے پاس راستہ کا پتہ مل جائے ۔

فلما قضی موسی الاجل و سار باھلہ انس من جانب الطور نارا۔ قال لاھلہ امکثوا انی انست نارا لعلی اتیکم منہا بخبر او جذوۃ من النار لعلکم تصطلون ۔	غرض جب موسیٰ اس مدت کو پورا کر چکے اور اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہوئے تو ان کو کوہ طور کی جانب سے ایک آگ دکھلائی دی انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا انگارا لاؤں ۔ تاکہ تم سینک لو ۔
فلما اتاھا نودی من شاطئ الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ان یموسی انی انا اللہ رب العالمین ۔ (قصص ۳)	سو جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کے داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں رب العالمین ہوں ۔

وسماع الکلام من الشجرۃ : ۔ اس کا تذکرہ سورۂ قصص کی صرف اسی ایک آیت میں ہے جسے ابھی آپ نے پڑھا یعنی فلما اتاہا ۔

قصۃ ذبح البقرۃ : ۔ واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ قالوا اتتخذنا ھزوا قال اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ما ھی قال انہ یقول انہا بقرۃ لا فارض ولا بکر عوان بین ذلک فافعلوا ما تؤمرون ○ قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ما لونہا قال انہ یقول انہا بقرۃ صفراء فاقع لونہا تسر الناظرین ○ قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ما ھی ان البقر تشابہ علینا وانا ان شاء اللہ لمھتدون قال انہ یقول انہا بقرۃ لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث مسلمۃ لا شیۃ فیہا قالوا الئن جئت بالحق فذبحوھا وما کادوا یفعلون (البقرۃ ع ۵)

موسیٰ و خضر کی ملاقات کا قصہ : ۔ واذ قال موسیٰ لفتٰہ لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین او امضی حقبا ○ فلما بلغا مجمع بینہما نسیا حوتہما فاتخذ

فی البحر سربا ۔ فلما جاوزا قال لفتٰہ اٰتنا غداءنا لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا ۔
قال ارءیت اذ اوینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت وما انسٰنیہ الا الشیطٰن
ان اذکرہ واتخذ سبیلہ فی البحر عجبا ۔ قال ذلک ما کنا نبغ فارتدا علی اٰثارھما
قصصا ۔ فوجدا عبدا من عبادنا اٰتینٰہ رحمۃ من عندنا وعلمنٰہ من لدنا
علما ۔ آیات (الکہف پ ۱۵) ۔ پورا واقعہ ۲۳ آیتوں پر مشتمل ہے ۔

قصہ طالوت وجالوت :۔ طالوت وجالوت بنی اسرائیل کے دو شخص ہیں طالوت کو حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کا حاکم مقرر کیا تھا اور جالوت ایک کافر بادشاہ تھا جس نے لاکھوں مسلح فوجیوں کے ساتھ حضرت طالوت کے تین سو تیرہ مخلص مومنین سے محاذ آرائی کی تھی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا تھا ۔ طالوت جالوت کا واقعہ سورۃ بقرہ پ ۲ کے آخر میں مذکور ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

الم تر الی الملا من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا
نقاتل فی سبیل اللہ قال ھل عسیتم ان کتب علیکم القتال الا تقاتلوا قالوا
وما لنا الا نقاتل فی سبیل اللہ وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا فلما کتب
علیھم القتال تولوا الا قلیلا منھم واللہ علیم بالظلمین وقال لھم نبیھم ان
اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا قالوا انی یکون لہ الملک علینا ونحن احق بالملک
منہ ولم یؤت سعۃ من المال قال ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطۃ فی
العلم والجسم واللہ یؤتی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم ۔ وقال لھم نبیھم ان
اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک اٰل موسیٰ
واٰل ھٰرون تحملہ الملٰئکۃ ان فی ذلک لاٰیۃ لکم ان کنتم مؤمنین ۔ فلما
فصل طالوت بالجنود قال ان اللہ مبتلیکم بنھر فمن شرب منہ فلیس منی
ومن لم یطعمہ فانہ منی الا من اغترف غرفۃ بیدہ ۔ فشربوا منہ الا قلیلا
منھم فلما جاوزہ ھو والذین اٰمنوا معہ قالوا لا طاقۃ لنا الیوم بجالوت وجنودہ
قال الذین یظنون انھم ملٰقوا اللہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ

واللہ مع الصابرین ۔ ولما برزوا لجالوت وجنودہ قالوا ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین ۔ فہزموھم باذن اللہ وقتل داؤد جالوت واتٰہ اللہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشاء ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العلمین ۔

قصۂ بلقیس کے لئے سورۂ نمل پارہ ۱۹ ، رکوع ۲ ، ۳ پڑھئے ۔

جسے قرآن نے ہدہدِ سلیمانی کے الفاظ " انی احطت بما لم تحط بہ وجئتک من سبا بنبا یقین ۔ انی وجدت امراۃ تملکھم واوتیت من کل شئ ولہا عرش عظیم " سے شروع کر کے بلقیس (ملکۂ سبا) کے الفاظ رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین ۔ پر ختم کر دیا ہے ۔

قصۂ ذوالقرنین کے لئے سورۂ کہف پ ۱۶ ع ۲ پڑھئے جس کا آغاز

ویسئلونک عن ذی القرنین قل ساتلوا علیکم منہ ذکرا انا مکنا لہ فی الارض واتینہ من کل شئ سببا سے اور اختتام قال ھذا رحمۃ من ربی فاذا جاء وعد ربی جعلہ دکاء وکان وعد ربی حقا ۔ پر ہوتا ہے اور اصحاب کہف کا قصہ پ ۱۵ سورۂ کہف میں جو سورہ کی آیت ۹ ام حسبت ان اصحٰب الکہف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا ۔ سے شروع ہو کر آیت ۲۱ وکذلک اعثرنا علیہم لیعلموا ان وعد اللہ حق وان الساعۃ لا ریب فیہا اذ یتنازعون بینہم امرھم فقالوا ابنوا علیہم بنیانا ربہم اعلم بہم قال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیہم مسجدا پر ختم ہو جاتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب مسیحی کے ابتدائی دور (تخمیناً سنہ ۲۵۰ء) میں شہر رقیم جس پر ظلیوبا کی حکومت تھی اور بت پرستی کا گہوارہ بنا ہوا تھا ۔ کی چند نوجوان سعید روحیں شرک سے بیزار و متنفر ہو کر دین عیسوی سے وابستہ ہو گئیں اور مشرک بادشاہ و مشرک قوم کے شر سے دامن بچا کر ایک پہاڑ کی غار میں جا چھپے جہاں رب العالمین نے ان پر نیند طاری کر دی اور تین سو نو سال تک سوتے رہے ۔ پھر مشیت خداوندی کہ وہ توحید پرست نوجوان بیدار ہوئے اور مدت قوم کے مطالعہ میں بے تعجب و متحیر

سی گفتگو کرنے کے بعد ایک شخص کو سکے دے کر شہر میں بھیج دیا کہ پوری راز داری کے ساتھ شہر سے کچھ کھانے کی چیز لائے، شہر پہنچا تو دنیا بدلی ہوئی تھی قدیم ترین سکہ سے راز آؤٹ ہو گیا چونکہ اب شہر رقیم پر نبطیوں کے بجائے رومی عیسائیوں کی حکومت تھی اس لئے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ لوگوں نے غار سے نکال کر شہر لانے کی کوشش کی لیکن اصحاب کہف نے غار کی راہبانہ زندگی کو ترجیح دی اور مدت حیات پوری کر کے غار ہی سے آخر کے سفر پر روانہ ہو گئے رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ ۔ وفات کے بعد شہریوں میں انکی ایک یادگار قائم کرنے کا چرچا ہوا تو بااقتدار ارباب اثر و رسوخ نے غار کے دہانے پر ایک مسجد (ہیکل) تعمیر کرا دی ۔

قصۂ رجلین الخ اس سے مراد سورۂ کہف پ۱۵، رکوع ۵ کا واقعہ ہے ۔ جسے قرآن نے واضرب لہم مثلاً رجلین جعلنا لاحدھما جنتین من اعناب وحففناھما بنخل وجعلنا بینھما زرعا سے شروع فرما کر واحیط بثمرہ فاصبح یقلب کفیہ علی ما انفق فیھا وھی خاویۃ علی عروشہا ویقول یلیتنی لم اشرک بربی احدا ولم تکن لہ فئۃ ینصرونہ من دون اللہ وما کان منتصرا ھنالک الولایۃ للہ الحق ھو خیر ثوابا وخیر عقبا پر ختم کیا ہے ۔ واقعہ جاہلیت کے لفظوں میں ملاحظہ ہو !

" کسی جگہ دو آدمی تھے ایک کو خداوند تعالیٰ نے دنیوی عیش و عشرت کے کل سامان دے رکھے تھے اور دوسرا تنگدست اور پریشان حال تھا۔ وہ خدا کا منکر اور دولت کے نشہ میں چور اپنے نادار دوست سے غرور و نخوت کے ساتھ یہ کہتا رہتا تھا کہ میری یہ دولت و حشمت پائدار ہے کوئی طاقت نہیں کہ اس کو مجھ سے چھین لے ۔ وما اظن ان تبید ھذہ ابدا ! " اور ایک تو یہ ہے کہ افلاس و تنگی میں بسر کر رہا ہے ۔ مفلس و اگرچہ تنگ دست تھا۔ مگر خدا پر بڑا کامل بھروسہ رکھتا تھا۔ اس نے جواب میں کہا: اپنی دولت کے نشہ میں اس درجہ مغرور نہ ہو۔ کون جانتا ہے کہ دنوں میں کیا سے کیا ہو جائے اور کس کو خبر ہے کہ وہ مجھ کو ان کن نعمتوں سے نواز دے جس پر آج تو غرور کر رہا ہے خدا ہی [illegible]

یعنی خیرا من جنتکم۔ آخر کار یہی ہوا کہ اس کے وہ تمام باغ جن کی شادابی اور طراوت پر اس کو گھمنڈ تھا اچانک جل بھن کر خاک ہو گئے۔ دور کل تک جہاں چمن زار تھا آج وہاں ویرانی کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔ (قصص القرآن ج ۳)

وقصۃ اصحاب الجنۃ :۔ باغ والوں کا قصہ سورۂ ن

پ ۲۹ میں ہے جس کی پہلی آیت انا بلونٰھم کما بلونا اصحاب الجنۃ اذ اقسموا لیصرمنھا مصبحین ہے اور آخری آیت عسٰی ربنا ان یبدلنا خیرا منھا انا الی ربنا راغبون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے جو ان اہل مکہ کو سامان عیش دے رکھا ہے جس پر یہ مغرور ہو رہے ہیں۔ تو ہم نے ان کی آزمائش کر رکھی ہے کہ دیکھیں یہ نعمتوں کے شکر میں ایمان لاتے ہیں یا ناشکری و بیقدری کر کے کفر کرتے ہیں جیسا کہ ان سے پہلے نعمتیں دے کر ہم نے باغ[1] والوں کی آزمائش کی تھی الخ

باغ والوں کا قصہ :۔ اہل کتاب میں ایک بہت مالدار و دیندار آدمی تھا۔ اپنی زمین کی پیداوار کا بڑا حصہ فقراء و مساکین پر خرچ کیا کرتا تھا۔ وفات کے بعد جائیداد پر اولاد کا قبضہ ہوا تو ان لوگوں نے باپ کی فیاضی و سخاوت کو حماقت و نادانی پر محمول کیا اور طے کیا کہ پھل توڑنے کے لئے باغ یا کھیت میں علی الصباح پہونچو اور اتنی عجلت و چستی سے کام کرو کہ فقراء و مساکین کو ہماری کھیتی کٹنے کی ہوا بھی نہ لگے۔ ادھر یہ نادان یہ مشورہ کر رہے تھے اُدھر رب العالمین انھم یکیدون کیدا واکید کیدا" کی شان انتقامی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ راتوں رات ان کی سرسبز و شاداب کھیتی اور لہلہاتا ہوا باغ خدائی عذاب کا شکار ہو جاتا ہے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں یہ عذاب یا تو خالص آگ کا تھا یا تیز اور گرم ہوا کا جسے لو کہتے ہیں

---

[1] یہ باغ بقول ابن عباس حبشہ میں اور بقول سعید بن جبیر یمن میں تھا۔ کذا فی الدر (جمال القرآن)

بہر حال فیصلہ خداوندی سے بے خبر یہ لوگ اپنی تیار کھیتی کاٹنے پہونچے تو معاملہ اتنا دگرگوں پایا کہ ابتدائی مرحلہ میں اپنا باغ بھی نہ پہچان سکے۔ پھر کچھ آثار و نشانات سے باغ کا تعین ہوا تو آنکھیں کھل گئیں اور سمجھ گئے کہ ہمارے بخل اور فقراء کی حق تلفی کا یہ کرشمہ ہے۔ پھر کیا تھا۔ اپنی ضلالت و گمراہی کا احساس ہوا۔ محرومی و بدبختی کا شکوہ کرنے لگے۔ آپس ہی میں ایک دوسرے کو ملامتیں کرنے لگے۔ تسبیح و استغفار میں لگ گئے لیکن پاداش عمل کے طور پر جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا۔

وقصۃ رسل عیسٰی الثلاثۃ :- سورۂ یٰسین کا ایک مختصر واقعہ ہے جو آیت کریمہ واضرب لهم مثلا اصحاب القرية اذ جاءها المرسلون سے شروع ہو کر ان كانت الا صيحة واحدة فاذا هم خامدون پر ختم ہو جاتا ہے۔ سورۃ کی نسبت سے اس کو واقعہ اصحاب یٰسین اور آیات کے اسلوب بیان کے مطابق واقعہ اصحاب قریہ کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بستی میں (جس کا نام مفسرین نے انطاکیہ (شام) لکھا ہے) اللہ رب العلمین نے کفر و شرک کو مٹانے اور رشد و ہدایت پھیلانے کے لئے دو رسول بھیجے۔ قوم نے ان کی دعوت حق کو ٹھکرا دیا، رسالت کی تکذیب کر دی۔ تو اللہ جل شانہ نے ان دونوں رسول کی تصدیق کے لئے ایک اور رسول بھیجا۔ اللہ کے ان تین پیغمبروں نے اپنی رسالت کا اعلان کیا قوم کو یقین دلانے کی کوشش کی۔ قوم نے ایمان تسلیم کرنے کے بجائے مذاق اڑایا۔ اور ان نفوس قدسیہ کو منحوس بتایا۔ سنگسار کرنے کی دھمکی دی۔ قالوا انا تطيرنا بكم لئن لم تنتهوا لنرجمنكم وليمسنكم منا عذاب اليم۔ بستی کے آخری کنارے پر ایک نیک مرد رہتا تھا اسے معلوم ہوا کہ قوم جہالت و نادانی اور تکذیب انبیاء پر تلی ہوئی ہے۔ تو بڑی عجلت کے ساتھ موقع پر پہونچ کر قوم کو سمجھایا یا قوم اتبعوا المرسلين، اتبعوا من لا يسئلكم اجرا وهم مهتدون، الآیات۔ قوم اپنی مخالفت اور سرکشی

بیباکانہ رسولوں کی تصدیق وموافقت پر غیظ وغضب میں آگئی اور اسے قتل کردیا۔ اللہ جل شانہ نے حق گوئی کی اس جرأت وبیباکی کے بدلے میں اسے جنت عطا کی۔ جسکا اظہار کرنے کے بعد اس مرد صالح نے وفور آفریں انداز میں کہا۔ یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین۔ کاش میری قوم سمجھتی کہ میرے رب نے میری بخشش کیوں فرمائی؟ اور کس وجہ سے میری عزت افزائی فرمائی؟

متن میں المؤمن الذی قتلہ الکفار شہیداً: سے مراد یہی مرد مجاہد ہے جس کا واقعہ وجاء من اقصا المدینۃ رجل یسعی قال یا قوم سے شروع ہوکر من المکرمین پر ختم ہوگیا ہے۔

وقصۃ اصحاب الفیل کیلئے سورۃ فیل پڑھئے۔

یہ کل بائیس واقعے ہوئے جن میں سے صرف دو واقعے دو دو مرتبہ مذکور ہیں باقی صرف ایک ایک مرتبہ مذکور ہیں۔ ماتن نے ولیس المقصود سے بیانِ واقعات کے اصل مقصود کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ واقعات اصلاً مقصود نہیں کیونکہ قرآن نہ واقعات کی کتاب ہے اور نہ تاریخ کی۔ قرآن اصلاً کتاب ہدایت ہے جس کا مقصد اصلی دعوت الی الخیر ہے لہذا واقعات کو اس لئے ذکر کرتا ہے تاکہ قرآن پڑھنے اور سننے والے عبرت وموعظت حاصل کریں۔ اپنے پیشرؤں کے اچھے انجام پڑھ کر خیر وفلاح کے لئے سعی کریں اور برے انجام سے عبرت حاصل کرتے ہوئے برائیوں سے بچنے کی کوشش کریں۔ دنیوی عیش وراحت کے مقابلہ میں اخروی چین وسکون کو ترجیح دیں۔ جیسا کہ قرآن نے بھی ذکر واقعات کا یہی مقصد بیان کیا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں حضرت آدم کا قصہ اور نیک وبد کا انجام ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ ان فی ذلک لآیات لاولی النہیٰ۔ قصہ یوسف کے بعد فرمایا لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب۔ سورۃ ہود میں فرمایا وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک وجاءک فی ہذہ الحق۔

موعظة وذکری للمؤمنین) ولذا قال الامام الرازی ان المقصود بالذکر من القصص والاقاصیص فی القرآن العبرة لا مجرد الحکایة - (کبیر) -

وقد ذکر جل شانہ من الموت وما بعدہ کیفیۃ موت الانسان وعجزہ فی تلک الساعۃ وعرض الجنۃ والنار علیہ بعد الموت وظہور ملائکۃ العذاب ۔

ترجمہ اور اللہ جل شانہ نے موت اور اس کے مابعد کے احوال میں سے انسان کی موت کی کیفیت اور اس (آخری) وقت میں اس کی بے بسی (کو ذکر کیا ہے) اور اس کے سامنے جنت و دوزخ کی پیشی اور عذاب کے فرشتوں کے ظاہر ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے ۔

فائدہ یہاں سے علوم خمسہ میں سے چوتھے علم تذکیر بالموت وما بعدہ جس کا دوسرا نام تذکیر بالعذاب ہے کا آغاز ہو رہا ہے ۔ اس سلسلے میں قرآن نے جا بجا مختلف اسالیب میں بہت ساری چیزیں ذکر کی ہیں ان میں سے چار چیزیں پیش نظر متن میں آگئی ہیں ۔ چنانچہ موت انسانی کی کیفیت یوں بیان فرمائی کلا اذا بلغت التراقی وقیل من راق وظن انہ الفراق ' والتفت الساق بالساق ، الی ربک یومئذ المساق ، یعنی آخرت کو ہرگز دور مت سمجھو ، جب مریض کی روح سمٹ کر ہنسلی تک پہنچ جائے اور سانس حلق میں رکنے لگے ظاہری علاج سے مایوس ہو کر جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کی سوجھنے لگے اور مریض یہ سمجھ بیٹھے کہ اب رحلت و مفارقت کے بغیر چارہ نہیں ایک پنڈلی دوسری پنڈلی پر بے اختیار جا گرے ، بس سمجھ جاؤ کہ سفر آخرت شروع ہو گیا [illegible]

۲ـ فلولا اذا بلغت الحلقوم وانتم حینئذ تنظرون ونحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون ۔ فلولا ان کنتم غیر مدینین ترجعونہا

ان کنتم صٰدقین[1] (الواقعۃ)۔

(۳) ولو تری اذ الظٰلمون فی غمرٰت الموت والملٰئکۃ باسطوا ایدیہم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الہون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق، الآیۃ۔ (الانعام پ۷)۔

نوٹ: قرآن کریم نے ان آیات میں انسانی موت کی جو کیفیت بیان کی ہے اس سے موت کے وقت کی عاجزی و بے بسی بھی خوب سمجھ میں آجاتی ہے۔ لہذا "عجز عند الموت" کے لئے مستقل آیت ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور صاحب ارض التفسیر نے اس موقع پر جو آیات پیش کی ہیں وہ بے محل ہیں کیونکہ حق میں عجز عند الموت کا ذکر ہے جب کہ ان آیات میں روز حشر کی بے بسی کا بیان ہے۔ واللہ اعلم۔

عرض الجنۃ والنار: النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا[2] (المؤمن)

ظہور ملائکۃ: ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملٰئکۃ یضربون وجوہہم وادبارہم الآیۃ۔ (الانعام)۔ ولو تری اذ الظٰلمون فی غمرٰت الموت والملٰئکۃ باسطوا ایدیہم الآیۃ۔ ان الذین توفٰہم الملٰئکۃ ظالمی انفسہم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض، الآیۃ۔

---

[1] یعنی جس وقت تمہارے کسی عزیز کی جان نکلنے والی ہو، سانس حلق میں اٹک جائے وہ موت کی شدت کے سامنے بے بس ہو اور تم حسرت و بے کسی کی تصویر بنے ہوئے پاس بیٹھے اس کی بے بسی و درماندگی کا تماشہ دیکھ رہے ہو، دوسری طرف خدا یا اس کے فرشتے تم سے زیادہ اس سے نزدیک ہیں جنہیں تم دیکھ نہیں پاتے۔ اگر تم کسی دوسرے کے قابو میں نہیں ہو تو اس کی جان کو روک کیوں نہیں لیتے یا لوٹا کیوں نہیں لاتے؟۔

[2] وہ لوگ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ (بیان القرآن)۔

وقد ذكر اشراط الساعة من نزول عيسىٰ وخروج الدجال وخروج دابة الارض وخروج ياجوج وماجوج ونفخة الصعق ونفخة القيام ۔

ترجمہ اور (اللہ تعالیٰ نے) قیامت کی علامتیں ذکر فرمائی ہیں یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) کا نزول اور دجال کا ظہور اور دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا اور یاجوج و ماجوج کا خروج اور بے ہوشی (موت) کی پھونک (مراد نفخہ اولیٰ ہے جس سے عالم فنا ہو جائے گا) اور نفخہ قیام کو ذکر کیا ہے)۔

فائدہ خروج یاجوج و ماجوج تک تو علامات قیامت مذکور ہیں۔ اور نفخۃ الصعق سے خود قیامت کا تذکرہ شروع ہے

ترکیب اشراط ذکر کا مفعول ہے اور اسی پر نفخۃ الصعق اور نفخۃ القیام کا عطف ہو رہا ہے۔ نزول معطوف علیہ، خروج الدجال خروج دابۃ اور خروج یاجوج و ماجوج معطوف۔ لہٰذا خروج تینوں جگہ پر مجرور۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام عہد نبوت سے لے کر آج تک پوری امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے علماء، صلحاء اور مجتہدین و مفسرین کا اتفاق ہے کہ عیسیٰ بن مریم جو بنی اسرائیل میں مریم عذراء کے بطن سے بغیر باپ کے نفخہ جبرئیل سے پیدا ہو کر بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے اور جن کو اللہ رب العزت نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا (اگرچہ یہود کی اپنی دانست میں قتل عیسیٰ کا کام ہو چکا تھا) وہی عیسیٰ بن مریم قیامت کے قریب آسمان سے نزول فرمائیں گے عہ ہاں فلسفیانہ انداز فکر کی حامل روشن خیالی نے آیات

عہ شیخ بحر العلوم فواتح الرحموت میں لکھتے ہیں لا اختلاف فی انہ ینزل فی آخر الزمان۔ ابو حیان [illegible]

لکھتے ہیں اجمعت الامۃ علی ان عیسیٰ حی فی السماء وانہ ینزل فی آخر الزمان علی ما ثبت فی

الحدیث المتواتر۔ (تفسیر بحر محیط ج ۲ ص ۴۷۳) [illegible]

اور احادیث نبویہ کو پس پشت ڈال کر اس اجماعی عقیدہ کی مخالفت کی ہے ۔

روشن خیالی اس تاریکی میں ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کا نزول بحیثیت نبی ہوتا ہے تو عقیدۂ ختم نبوت کو ٹھیس پہونچتی ہے اور اگر امتی یا رئیس الامت کی حیثیت سے نزول فرماتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ سے کس قصور کی سزا میں نبوت چھینی گئی ؟ والعیاذ باللہ ۔ ظاہر ہے کہ ہمارے روشن ضمیر علماء اس سوال کو چٹکیوں میں حل کریں گے ۔ لولا الحیثیات لبطلت الحکمۃ ۔ اس کا مختصر جواب ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی واپسی بحیثیت رسول نہیں ہوگی لیکن اس سے "سلب نبوت" لازم نہیں آتا ہے کیونکہ امتی یا نائب نبی یا رئیس الامت ہونا نبوت و رسالت کے منافی نہیں ، حضرت ہارونؑ بیک وقت نبی ، نائب نبی اور امت موسوی کے نگراں و رئیس رہے ۔ خورشید انور علوی ۔

خروج دجال : ۔ دجال دجل سے مبالغہ کا صیغہ ہے "بڑا دھوکہ باز" ۔ دجال ایک طویل العمر مخلوق ہے جو حقیقۃً و فطرۃً شیطان ہے لیکن صورۃً انسان ہے جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک جزیرہ میں محبوس و مقید فرما دیا تھا حضرت عیسیٰؑ کا دجال سے خوب تقابل ہے وہ ایک طویل العمر بد فطرت خبیث النفس مخلوق ہے اگرچہ صورۃً انسان ہے ۔ آپ ایک طویل العمر فرشتہ صفت پاکیزہ نفس مخلوق ہیں ۔ جن کی فطرت جبریلی اور شکل انسانی ہے ۔ وہ مسیح ضلالت ہے آپ مسیح ہدایت ہیں ۔ وہ جزیرہ میں محبوس و نظر بند ہے ، آپ آسمان پر محفوظ ہیں ۔ وہ الوہیت کا دعویدار ہوگا آپ عبدیت کے علمبردار ہیں ۔ وہ شر و فساد کا پتلا ، عالم کے بیشتر حصوں میں انارکی و بدامنی پھیلائے گا اور آپ پورے عالم پر بساط عدل و انصاف بچھائیں گے ۔ حاصل یہ کہ خداوند قدوس نے آپ کو اس کی کاٹ کے لئے پیدا فرمایا ہے ۔ چنانچہ جب خروج دجال ہوگا تو حضرت کو آسمان سے روئے زمین پر اتارا جائے گا ۔ اور آپ دجال کو قتل کریں گے ۔ اس طرح نزول مسیح و خروج دجال میں ایک مناسبت ہے

لہٰذا آیت کریمہ وانّہ لعلم للساعۃ میں نزولِ مسیح اور اس کے ضمن میں خروج دجال بھی گویا کہ مذکور ہے۔ ولیس لخروج دجال ذکر فی القرآن اصرح من ذلک۔[1] (العون [illegible])۔

خروج دابۃ الارض: ۔ واذا وقع القول علیہم اخرجنا لہم دابۃ من الارض تکلمہم ان الناس کانوا بآیاتنا لا یوقنون۔[2] (النمل [illegible])۔

دابۃ الارض سے متعلق بہت سارے رطب یابس اقوال تفسیری کتابوں میں ملتے ہیں۔ مگر معتبر روایات سے تقریباً اتنا ہی ثابت ہے جتنا حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب نے لکھا ہے کہ "قیامت سے پہلے کوہِ صفا پھٹے گا اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور سچے اہل ایمان کو اور جھوٹے منکروں کو نشان دے کر جدا کر دے گا۔" (دیکھئے فوائد عثمانی)۔ وروی ابوداؤد الطیالسی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً تخرج دابۃ الارض ومعہا عصا موسیٰ وخاتم سلیمان علیہما السلام الخ (العون)

وورد فی حدیث صحیح: ان اول الآیات خروجاً طلوع الشمس من مغربہا وخروج الدابۃ علی الناس ضحیً وایہما ما کانت قبل صاحبتہا فالاخری علی اثرہا قریباً۔ (رواہ مسلم [illegible] عن عبداللہ بن عمروؓ)

وخروج یاجوج: ۔ حتی[3] اذا فتحت یاجوج وماجوج وہم من کل حدب ینسلون۔ (الانبیاء پ ۱۷ آیت ۹۶)

---

[1] یعنی قرآن میں ظہور دجال کا تذکرہ صراحۃً کہیں نہیں ہے۔ خورشید الوعفا اللہ عنہ وعافاہ۔

[2] اور جب وعدہ (قیامت کا) ان پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کیلئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے کہ وہ ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری باتوں پر یقین نہ لاتے تھے۔ (بیان القرآن)

[3] یہاں تک کہ جب (وہ وقت موعود آپہنچے گا جس کا ابتدائی سامان یہ ہوگا کہ) یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ (غایت کثرت کی وجہ سے) ہر بلندی سے نکلتے (معلوم) ہوں گے۔

ونفخة الصعق ونفخة القيام۔ ونفخ في الصور فصعق من في السمٰوٰت ومن في الارض الا من شاء الله ثم نفخ فيه اخرٰى فاذا هم قيام ينظرون۔ (الزمر پ ۲۴ ع ۴)۔

والحشر والنشر والسؤال والجواب والميزان واخذ صحف الاعمال باليمين والشمال ودخول المؤمنين الجنة ودخول الكفار النار واختصام اهل النار من التابعين والمتبوعين فيما بينهم وانكار بعضهم على بعض ولعن بعضهم بعضاً واختصاص اهل الايمان برؤية الله عز وجل وتلون انواع التعذيب من السلاسل والأغلال والحميم والغساق والزقوم وانواع التنعيم من الحور والقصور والانهار والمطاعم الهنيئة والملابس الناعمة والنساء الجميلة وصحبة اهل الجنة فيما بينهم صحبة طيبة مفرحة للقلوب فتفرقت هذه القصص في سور مختلفة باجمال وتفصيل بحسب اقتضاء اسلوبها۔

اللغات

الحشر: جمع کرنا۔ النشر: (نشر الله الموتٰى): زندہ کرنا۔ تلون: تلون بمعنی رنگ، تشکل سے ہے۔ مختلف ہونا۔ السلاسل: جمع سلسلۃ، زنجیر

ف حضرت شاہ عبد القادر صاحب لکھتے ہیں: ایک بار نفخ صور ہے عالم کے فنا کا، دوسرے زندہ ہونے کا، یہ تیسرا بعد حشر کے بے ہوشی کا، چوتھا خبردار ہونے کا۔ اس کے بعد اللہ کے سامنے سب کی پیشی ہوگی۔ (تیسیر) لیکن اکثر علماء محققین کے نزدیک کل دو مرتبہ نفخ صور ہوگا۔ پہلی مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے۔ پھر زندہ تو مردہ ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ بعدہ دوسرا نفخ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف لوٹ آئیں گی اور بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا۔ اس وقت محشر کے عجیب و غریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہ جائیں گے۔
(فوائد عثمانی ص [illegible])

الاغلال، جمع غُل: طوق، ہتھکڑی۔ الغساق: بدبودار جہنمیوں کا پیپ۔ الحور: جمع حوراء۔ خوبصورت آنکھ والی جنت کی حسینائیں۔ القصور: جمع القصر: محل۔ المطاعم: جمع المطعم: خوراک، غذا۔ طیبۃ: پاکیزہ، دلکش، پُرلطف۔

ترجمہ اور (ذکر فرمایا) حشر ونشر اور سوال وجواب اور میزان اور اعمال ناموں کے پیٹھ کو داہنے یا بائیں ہاتھ میں اور جنت میں مومنین کے جانے اور جہنم میں کفار کے جانے کو اور جہنمیوں یعنی تابعین ومتبوعین کی باہمی مخاصمت (رد وجواب کو) اور ان میں سے بعض پر دوسروں کی نکیر اور بعض پر بعض کی لعن طعن کو اور دیدار خداوندی کے ساتھ اہل ایمان کی خصوصیت کو اور عذاب کی مختلف انواع واقسام یعنی زنجیریں اور ہتھکڑیاں اور کھولتا ہوا پانی اور پیپ اور تھوہڑ، اور انعام کی مختلف اقسام یعنی حور وقصور اور نہریں اور پسندیدہ کھانے، اور عمدہ لباس اور خوبصورت عورتیں اور اہل جنت کی آپس میں ایسی پُرلطف ہم نشینی جو دلوں کے لئے فرحت بخش ہو۔ پھر یہ قصے (اور خبریں) مختلف سورتوں میں ان کے تقاضائے اسلوب کے مطابق اجمال وتفصیل کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

فائدہ اس متن میں معاد سے متعلق جن احوال کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ وہ قرآن میں مذکور ہیں ان سے متعلق آیات متن ہی کی ترتیب پر حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

الحشر والنشر: - ویوم یحشرهم کان لم یلبثوا الا ساعة من النهار یتعارفون بینهم (یونس ۴۵) - ویوم نحشرهم جمیعا (یونس ۲۸، الانعام ۲۲) - وان ربك هو یحشرهم انه حکیم علیم (پ ۱۴، ع ۲) - یوم ینفخ فی الصور ونحشر المجرمین یومئذ زرقا (طٰہٰ پ ۱۶) - قل بلی وربی لتبعثن ثم لتنبؤن بما عملتم (التغابن آیت ۷، پ ۲۸) - والموتی یبعثهم الله (الانعام ۳۶) - کذلك یحیی الله الموتی (البقرة) - (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) -

السّؤالُ والجوابُ :- تذکیرِ معاد کے سلسلہ میں قرآن نے مختلف قسم کے سوال و جواب ذکر کئے ہیں۔ مثلاً انسانوں اور فرشتوں کے درمیان سوال و جواب — ان الذین توفاھم الملئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا۔ الآیۃ۔ (نساء پ۵)۔ کلما القی فیھا فوج سالھم خزنتھا الم یاتکم نذیر۔ قالوا بلٰی الآیۃ (ملک پ۲۹)۔

اہلِ جنت و اہلِ جہنم کا سوال و جواب :- ونادی اصحب الجنۃ اصحب النار ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا قالوا نعم (اعراف پ۸) ونادی اصحب النار اصحب الجنۃ ان افیضوا علینا من الماء الآیۃ (اعراف پ۸) ما سلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین الآیۃ (المدثر پ۲۹)۔

اہلِ جنت کا باہمی سوال و جواب :- فاقبل بعضھم علی بعض یتساءلون قال قائل منھم انی کان لی قرین (صافات پ۲۳)۔

اللہ اور معبودوں کا سوال و جواب :- ویوم یحشرھم وما یعبدون من دون اللہ فیقول ءانتم اضللتم عبادی ھؤلاء ام ھم ضلوا السبیل ۝ قالوا سبحانک الآیۃ (فرقان پ۱۸) یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا الا ما علمتنا الآیۃ (مائدہ پ۷) واذ قال اللہ یعیسی بن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ قال سبحنک الآیۃ (مائدہ پ۷) — ویوم ینادیھم فیقول این شرکاءی قالوا اذنک ما منا من شھید (حم السجدہ پ۲۵)۔ ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیمۃ اعمی۔ قال رب لم حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا۔ قال کذلک اتتک ایاتنا فنسیتھا وکذلک الیوم تنسی۔ (طہ پ۱۶)۔

المیزان :- فاما من ثقلت موازینہ (قارعہ پ۳۰)۔ والوزن یومئذ الحق فمن ثقلت موازینہ فاولئک ھم المفلحون ومن خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسھم بما کانوا بایتنا یظلمون۔ (اعراف پ۸)۔

نشرِ صُحُف :- نامۂ ۔۔۔ [illegible]

ثم وأما من أوتي كتابه بشماله فيقول يا ليتني لم أوت كتابيه. (الحاقہ پ۲۹) ۔ فأما من أوتي كتابه بيمينه فسوف يحاسب حسابا يسيرا وينقلب إلى أهله مسرورا وأما من أوتي كتابه وراء ظهره فسوف يدعوا ثبورا ويصلى سعيرا. (الانشقاق پ۳۰) ۔

دخول الجنة والنار :۔ فأما الذين شقوا ففي النار وأما الذين سعدوا ففي الجنة (ہود پ۱۲) ۔ إن الأبرار لفي نعيم وإن الفجار لفي جحيم. (الانفطار پ۳۰) ۔

اختصام أهل النار :۔ ولو ترى إذ الظالمون موقوفون عند ربهم يرجع بعضهم إلى بعض القول يقول الذين استضعفوا للذين استكبروا لولا أنتم لكنا مؤمنين

قال الذين استكبروا للذين استضعفوا أنحن صددناكم عن الهدى

بعد إذ جاءكم بل كنتم مجرمين. الآيات ۔ (السبا پ۲۲ ع۱۰) ۔

هذا فوج مقتحم معكم لا مرحبا بهم إنهم صالوا النار قالوا بل أنتم

لا مرحبا بكم أنتم قدمتموه لنا فبئس القرار. الآيات ۔ (سورہ ص۔ پ۲۳ ع۱۴)

لعن بعضهم البعض :۔ كلما دخلت أمة لعنت أختها۔ (الاعراف پ۸) ۔

ربنا آتهم ضعفين من العذاب والعنهم لعنا كبيرا. (الاحزاب پ۲۲) ۔

واختصاص أهل الإيمان :۔ قال الإمام أبو عبد الله

الشافعي في هذه الآية (كلا إنهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون) دليل

على أن المؤمنين يرونه تعالى يومئذ وهذا الذي قاله الإمام في غاية

الحسن وهو استدلال بمفهوم هذه الآية كما دل عليه منطوق قوله تعالى

وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة (ابن کثیر)

قال الزجاج : في الآية دليل على أن المؤمنين يرون ربهم وإلا لا

يكون التخصيص مفيدا. (مدارک)

قولہ من السلاسل الخ ۔ فسوف یعلمون اذ الاغلال فی اعناقہم و السلاسل یسحبون فی الحمیم (المومن آیت ۷۱-۷۲) [illegible]

اذٰلک خیر نزلا ام شجرۃ الزقوم (الصافات ۶۲) ۔ ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم (الدخان) ۔

الزقوم : ۔ ایک خاردار پودا ہے جو عرب میں اپنی تلخی کے لیے مشہور تھا۔ اسے اردو میں تھوہڑ کہتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے ۔ انہا شجرۃ تخرج فی اصل الجحیم۔ یوں بھی زہریلا اور تلخ ہوتا ہے، اس لئے انسانی غذا کے قابل کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ اور دوزخ کا زقوم بخصوصی کام و دہن نا شاد ہو جاتے ہیں۔ حفظنا اللہ منہا۔ آمین۔

انواع التنعیم : ۔ تنعیم کے معنی نعمتوں سے نوازنا۔ یہاں نوازش و عنایت سے بھی ترجمہ ہو سکتا ہے۔

آیات متعلقہ حور و قصور ۔ یغفر لکم ذنوبکم ویدخلکم جنت تجری من تحتہا الانہار ومسٰکن طیبۃ فی جنت عدن ذلک الفوز العظیم (الصف ۱۲) ۔ وعد اللہ المومنین والمومنت جنت تجری من تحتہا الانہر خلدین فیہا ومسٰکن طیبۃ فی جنت عدن ورضوان من اللہ اکبر ذلک ہو الفوز العظیم (براءۃ آیت ۷۲) ۔ فیہن قٰصرت الطرف لم یطمثہن انس قبلہم ولا جان (الرحمٰن آیت ۵۶) ۔ فیہن خیرٰت حسان، فبای الاء ربکما تکذبٰن، حور مقصورٰت فی الخیام (الآیات ۷۰-۷۲) ۔ وحور عین کامثال اللؤلؤ المکنون (الواقعہ) ۔

المطاعم : ۔ یطوف علیہم ولدان مخلدون باکواب واباریق وکاس من معین لا یصدعون عنہا ولا ینزفون وفاکہۃ مما یتخیرون ولحم طیر مما

والكلية في مباحث الاحكام انه صلى الله عليه وسلم بعث بالملة الحنيفية فلزم بقاء شرائع تلك الملة وعدم التغير في امهات تلك المسائل سوى تخصيص العموم وزيادة التوقيتات والتحديدات ونحوها واراد الله سبحانه وتعالى ان يزكي العرب بحضرة النبي صلى الله عليه وسلم ويزكي سائر الاقاليم بالعرب فلزم ان تكون مادة شريعته صلى الله عليه وسلم على رسوم العرب وعاداتهم

ترجمہ اور مباحث احکام میں کلیہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملت حنیفی (ابراہیمی) کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لئے اس ملت کے طریقوں کا باقی رہنا اور اس کے امہات مسائل میں تبدیلی نہ ہونا ضروری ہے عموم کی تخصیص اور اوقات کی تعیین اور حد بندیوں وغیرہ کے سوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ عرب کا تزکیہ (و اصلاح) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کرے اور تمام ممالک کا تزکیہ عرب کے ذریعہ کرے۔ اس لئے یہ ضروری ہوا کہ آپ کی شریعت کا مادہ عرب کی رسوم وعادات کے مطابق ہو۔

فائدہ :۔ اولاً چار چیزیں ذہن نشین کریں۔ (۱) ملت حنیفیہ سے مراد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یشتھون (الواقعہ)۔ وامددناھم بفاکھۃ ولحم مما یشتھون یتنازعون فیھا کاسا لا لغو فیھا ولا تاثیم (الطور)۔ ان المتقین فی ظلال وعیون وفواکہ مما یشتھون۔ (المرسلات)۔

الملابس :۔ علیھم ثیاب سندس خضر واستبرق وحلوا اساور من فضۃ (الدھر)۔ ویلبسون ثیابا خضرا من سندس واستبرق (الکہف پ ۱۵)۔ ولباسھم فیھا حریر (الحج پ)۔

صحبۃ اھل الجنۃ :۔ اس کے لئے ملائکہ کی آیات میں غور کریں۔

ملت ابراہیمی ہے جس میں شعائر اللہ کی تعظیم اور شعائر شرک کی مذمت و تذلیل اور تحریف و رسوم فاسدہ کا ابطال تھا۔ کذا فی الحجۃ۔ (۲) تفصیل رسوم مثلاً معاملات میں تفصیل کر کے بیع کی بہت سی قسموں کو ممنوع قرار دیا ہے۔ (۳) زیادتی توقیت نماز کے اوقات اور روزے کے ایام کی تعیین، وجوب زکوٰۃ کے لئے حولانِ حول کی شرط وغیرہ، تحدیدات جیسے طلاق کی رجعت، دائرۂ وصیت، تعدد ازدواج وغیرہ کی حد بندی۔ (۴) اجمات مسائل جیسے عبادت کے لئے طہارت، خصال فطرۃ، نماز، زکوٰۃ، وصیت وغیرہ۔

ثانیاً یہ یاد رکھیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اصول دین میں متفق ہوتے ہیں۔ اور بسا اوقات اپنے پیشرو انبیاء و رسل کے دین کی تجدید و تہذیب کی غرض سے مبعوث ہوتے ہیں۔ اسی رشتہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت نوحؑ کے گروہ میں شمار کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے وان من شیعتہ لابراھیم۔ اور اسی رشتے سے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم کی ملت بتایا گیا ہے جیسا کہ ملۃ ابیکم ابراھیم کی شہادت ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی ملت کی تجدید و تہذیب کے لئے اس کے بنیادی مسائل کا باقی رہنا ضروری ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر امامؒ نے ماقبل کی عبارت میں فرمایا انہ بعث بالملۃ الا جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین و مذہب چونکہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دین حنیف کا تجدیدی و تہذیبی نقش جمیل ہے۔ اسی لئے ملتِ اسلامیہ کے احکام و شرائع میں ملت ابراہیمی کا بیشتر حصہ موجود ہے۔

دوسرا اصول:۔ مذاہب سماویہ میں فطرت انسانی کا بالخصوص اس قوم کی عادتوں کا بھرپور لحاظ کیا جاتا ہے جس میں نبی مبعوث ہوتا ہے، یا جہاں سے دعوت و تبلیغ کا کام شروع ہوتا ہے لہذا ہر نبی اپنی قوم کے مزاج و عادات سے ہم آہنگ شریعت لے کر آتا ہے سو چونکہ ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

کی شریعت غرّا میں قوم عرب کی عادات و روایات کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے ۔

انھم ما زالوا یحرمون المحارم کالبنات وغیرھا وکانت لھم مزاجر مثل المھر کالقصاص والدیات واتفقتا وعقوبات علی الزنا والسرقۃ ۔ (ج ۱، ص ۱۲۲)

سوال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پورے عالم کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور آپ کی ملت بیضاء عالمگیر ہے پھر اس میں عرب ہی کے مزاج اور اخلاق و احوال کی رعایت کیوں کی گئی ؟

جواب اسلام اگرچہ ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے آیا تھا لیکن اس کی نشر و اشاعت کا سلسلہ ایک محدود رقبہ (عرب) سے شروع ہوا تھا اور بقیہ عالم کو ان کے واسطے سے تبلیغ ہونی تھی اسلئے اولین مرحلہ میں اس محدود رقبہ کے باشندہ (اہل عرب) کا لحاظ بڑی اہمیت کا حامل تھا ۔ لہٰذا ان کے مزاج و احوال کی رعایت لازم ٹھہری[1] ۔ ماتن ؒ نے واراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے وعاداتھم تک یہی بات بیان کی ہے ۔

---

[1] جیسا کہ قوم یہود کی طاقت و قوت کے پیش نظر انھیں دوام صیام کا مکلف کیا گیا تھا جبکہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ان کے قویٰ کے ضعف کی رعایت میں صوم وصال سے منع کر دیا گیا ۔ یہود چونکہ قوی مضبوط تھے انکے سامنے اندازہ بھوک پیاس کی نہیں تھیں ۔ مال غنیمت ان پر حرام تھا امت محمدیہ کیلئے حلال کر دیا گیا ۔ یہود کے یہاں بھانجیاں خاندان سے باہر اور اجنبی شمار کی جاتی تھیں ماموں کے لئے حلال تھیں اہل عرب بھانجیوں کو خاندانی شمار کرتے تھے ملت بیضاء میں حرام کر دی گئیں ۔ اسی طرح جواز طلاق، تعدد ازدواج اور تقسیم پر پوری، عزائم نوازی و صلہ رحمی کا استحسان اور کل و جزو دل یا اتفاق کی مدد وغیرہ عرب کے مزاج و عادات کے مطابق ہے اگرچہ انہیں ترمیم تحسین اور تحدید کر دی گئی (رشحات تجدید العلوم)

رہی یہ بات کہ عرب کو یہ مرکزی و بنیادی حیثیت کیوں دی گئی ۔ ملت کی تبلیغ کا کام وہاں کیوں شروع ہوا ؟ تو اس کا ایک مختصر اور سادہ جواب یہ ہے کہ ملت ابراہیمی —— جس کی تجدید و توضیح کیلئے ملت بیضاء کی آمد ہوئی تھی —— اہل عرب ہی تک محدود تھی اسلئے تجدید و اصلاح کا اصل محور بھی عرب ہی تھے جس میں کسی اور کے اخلاق و عادات سے کوئی واسطہ نہیں تھا ۔ و تراجم، خورشید انور قاسمی

واذا نظرت الى مجموع شرائع الملة الحنيفية ولاحظت رسوم العرب وعاداتهم وتاملت تشريعه صلى الله عليه وسلم الذى هو بمنزلة الاصلاح والتسوية تحققت لكل حكم سببا وعلمت لكل امر ونهى مصلحة وتفصيل الكلام طويل،

ترجمہ اور تم جب ملت ابراہیمی کے مجموعۂ احکام پر نظر ڈالو گے اور عرب کے رسوم و عادات (و معمولات) کا جائزہ لو گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت (جو اُن پر مروجہ رسوم) کی اصلاح اور ملت ابراہیمی کی تکمیل (اور تجدید و توسیع) کے مرتبہ پر ہے غور کرو گے تو ہر حکم کا کوئی نہ کوئی سبب پاؤ گے اور ہر امر و نہی کی کوئی نہ کوئی مصلحت تمہارے علم میں آئے گی اور کلام میں تفصیل زیادہ ہے۔

تشریح قولہ واذا نظرت الخ شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں متعدد مقامات پر اس مضمون کی تفصیلوں کو واضح کیا ہے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ موصوفؒ "باب کان علیہ حال اہل الجاہلیۃ فاصلحہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

ان كنت تريد النظر فى معانى شريعة	اگر تو شریعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معانی
رسول الله صلى الله عليه وسلم فتحقق اولا	میں غور کرنا چاہے تو اولًا ان امیوں کے حالات
حال الاميين الذين بعث فيهم التى هى	کی تحقیق کر جن میں آپ کی بعثت ہوئی جو حالات
مادة تشريعه وثانيا كيفية اصلاحه	آپ کی شریعت کا مادہ ہیں ثانیًا ان کے
لها بالمقاصد المذكورة فى باب التشريع	اصلاح کی اس کیفیت کو دریافت کر جو ایسے
والتيسير واحكام الملة،	مقاصد کی وجہ سے ہے جو باب تشریع و تیسیر
فاعلم انه صلى الله عليه وسلم بعث بالملة	اور احکام ملت میں مذکور ہیں تو واضح ہو
الحنيفية الاسماعيلية لاقامة	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ملت حنیفیہ
عوجها وازالة تحريفها واشاعتها	اسماعیلیہ کی کجی کو درست کرنے اس کی تحریف

فيها وذلك قوله تعالىٰ ملة ابيكم ابراهيم، ولما كان الامر على ذلك وجب ان تكون اصول تلك الملة مسلمة وسننها مقررة، اذ النبي اذا بعث الى قوم فيهم بقية سنة راشدة فلا معنى لتغييرها وتبديلها بل الواجب تقريرها لانه اطوع لنفوسهم واثبت عند الاحتجاج عليهم، وكان بنو اسماعيل توارثوا منهاج ابيهم اسماعيل وكانوا على تلك الشريعة الى ان وجد عمرو بن لحي فادخل فيها اشياء برأيه الكاسد فضل واضل وشرع عبادة الاوثان وسيب السوائب وبحر البحائر، فهنالك بطل الدين واختلط الصحيح بالفاسد، وغلب عليهم الجهل والشرك والكفر فبعث الله سيدنا محمدا صلى الله عليه وسلم مقيما لعوجهم ومصلحا لفسادهم فنظر صلى الله عليه وسلم في شريعتهم فما كان منها موافقا لمنهاج اسماعيل عليه السلام او

کو دور کرنے اور اس کے نور کو پھیلانے کے لئے تھی۔ و ذلک قولہ تعالیٰ ملۃ ابیکم ابراھیم۔ جب حالت یہ ہے تو ضروری ہے کہ اس ملت کے اصول مسلم ہوں اور اس کا طریقہ مقرر ہو کیونکہ جب نبی ایسی قوم میں مبعوث ہو جن میں عمدہ طریقہ باقی ہیں تو ان میں تغیر و تبدل بے معنی ہے بلکہ ان کو باقی رکھنا ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے نفوس انکو اچھی طرح سے قبول کرتے ہیں اور ان سے ان پر خوب حجت قائم ہو سکتی ہے بنو اسماعیل اپنے باپ اسماعیل کے طریقہ کو وراثۃً لیتے رہے اور اسی شریعت پر قائم رہے یہاں تک کہ عمرو بن لحی پیدا ہوا اور اس نے اپنی فاسد رائے سے ملت میں بہت سی چیزیں داخل کر دیں پس وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اس نے بت پرستی شروع کی سانڈ چھوڑے اور بحیرہ مقرر کئے۔ اس وقت سے دین خراب ہو گیا اور صحیح چیز غلط کے ساتھ مخلوط ہو گئی۔ لوگوں پر جہل اور شرک کفر چھا گیا۔ تب حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کجی کی درستی اور خرابیوں کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ نے انکی شریعت میں غور کیا اور جس چیز کو اسماعیلی مسلک کے موافق یا شعائر الٰہی کے پایا اسکو باقی رکھا اور جس

من شعائر ابقاه، وما كان منها تحريفاً او افساداً ومن شعائر الشرك والكفر ابطله وسجّل على ابطاله، وما كان من باب العادات وغيرها بيّن آدابها ومكروهاتها تحرزاً عن غوائل الرسوم ونهى عن الرسوم الفاسدة وامر بالصالحة، وما كان من مسئلة اصلية او عملية تركت في الفترة اعادها غضة طرية كما كانت فتمت بذلك نعمة الله واستقام دينه۔

تحریف یا خرابی پائی یا انکو شعائر کفر و شرک پایا ان کو مٹایا اور انکا بطلان مستحکم کر دیا اور جو امور عادات وغیرہ کی قسم سے تھے ان کی خوبیاں اور برائیاں اس طرح بیان کر دیں کہ ان بری رسمی آلائشوں سے احتراز کیا جا سکے اور آپ نے بری رسموں سے منع کیا اور نیکی کا حکم فرمایا اور جو مسائل اصلی یا عملی زمانہ فترت میں متروک ہو گئے تھے ان کو تر و تازہ ویسا ہی کر دیا جیسے کہ وہ تھے اس طرح خدا کا انعام مکمل ہوا اور دین مستقیم ہو گیا

اسی باب میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔

وكان من المعلوم عندهم ان كمال الانسان ان يسجد وجهه لربه و يعبده باقصى مجهوده وان من ابواب العبادة الطهارة وما زال الغسل من الجنابة سنة معمولة عندهم وكانت فيهم الصلوة والزكوة وكان فيهم الصوم من الفجر الى غروب الشمس وكانت قريش تصوم عاشوراء في الجاهلية وكان الجوار في المسجد وبالجملة كان اهل الجاهلية يتحنثون بانواع التحنثات وكانوا على بقية دين ابراهيم في ترك النجوم وترك الخوض في دقائق الطبيعيات غير الجائية ابداً وكان بنو اسماعيل على منهاج ابيهم الى ان

ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ انسان کا کمال یہی ہے کہ اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہو۔ وہ انتہائی کوشش سے اسکی عبادت کرے اور یہ کہ ابواب عبادت میں سے طہارت بھی ہے اور غسل جنابت تو انکا ایک معمول بہ تھا اور ان میں نماز اور زکوٰۃ بھی مروج تھی اور صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ بھی تھا اور قریش لوگ زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور مسجد میں اعتکاف کرنا بھی تھا مختصر یہ کہ اہل جاہلیت مختلف عبادات کے ذریعہ خدا کی عبادت کرتے تھے وہ بقیہ دین ابراہیم پر تھے نجوم کو نہ مانتے تھے اور دقائق طبیعیات میں غور و خوض کرنے میں سوائے بدیہی چیزوں کے اور بنو اسماعیل اپنے باپ کے طریقہ پر تھے یہاں تک کہ ان میں

وجد فيهم عمرو. وكانت لهم سنن متوارثة يتلاومون على تركها في مآكلهم ومشاربهم ولباسهم وولائمهم و... أعيادهم ودفن موتاهم ونكاحهم وطلاقهم وعدتهم وإحدادهم و بيوعهم ومعاملاتهم وما زالوا يحرمون المحارم كالبنات والأمهات والأخوات وغيرها وكانت لهم مزاجر في مظالمهم كالقصاص والديات والقسامة وعقوبات على الزنا والسرقة وحدثت فيهم من الأكاسرة والقياصرة علوم الارتفاق الثالث والرابع.

عروج کو پہنچا ہوا ان کے یہاں مستحکم طریقے تھے جن کے ترک پر ملامت ہوتی تھی کھانے پینے میں، لباس میں، دعوتوں میں، عیدوں میں، دفن مردگان میں، نکاح، طلاق، عدت اور سوگ میں اور خرید و فروخت اور معاملات میں، اور وہ محارم کو حرام سمجھتے تھے جیسے بیٹیاں، مائیں اور بہنیں وغیرہ اور ان کے یہاں سزائیں تھیں ظلم و تعدی پر جیسے قصاص، دیت، قسامت اور سزائیں تھیں زنا اور چوری کی اور ایران و روم کی سلطنتوں کے ذریعے ان میں منزلی اور مدنی علوم بھی آگئے تھے۔

لكن فيهم الفسوق والقتل والسبي و النهب وشيوع الزنا والنكاحات الفاسدة والربا وكانوا تركوا الصلوة والذكر و أعرضوا عنهما.

لیکن ان میں بدکاری اور ستم ظریفی آگئی تھی قید کرنے لوٹ مار لڑنے زنا کرنے اور نکاح فاسد اور سود خوری کی وبا تھی اور انہوں نے نماز اور ذکر الٰہی کو بالکل ترک کر دیا تھا۔

فبعث النبي صلى الله عليه وسلم فيهم وهذه حالهم فنظر في جميع ما عند القوم فما كان بقية الملة الصحيحة أبقاه وحض على الأخذ به وضبط لهم العبادات بتشريع الأسباب والأوقات والشروط والأركان والآداب و... المفسدات والرخصة والعزيمة والأداء والقضاء وضبط لهم المعاصي ببيان الأركان

پس ایسے حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے ان کے تمام امور میں غور کیا پس جو امور ملت صحیحہ کے باقی تھے ان کو باقی رکھ کر ان کی تاکید فرمائی اور اسباب، اوقات، شروط، ارکان، آداب، مفسدات، رخصت و عزیمت، ادا و قضا کی تعلیم کر کے ان کے لئے عبادات کو منضبط کیا اور معاصی کو بھی ارکان و شروط بیان کر کے منضبط کیا اور گناہوں کی روک تھام کے لئے حدود و زواجر

والشروط وشرع فيها حدودا ومزاجر وكفارات ويسر لهم الدين ببيان الترغيب والترهيب وسد ذرائع الاثم والحث على مكملات الخير او غير ذلك مما يتعين ذكره وبالغ في اشاعة الملة الحنيفية و تغليبها على الملل كلها وما كان من تحريفات تم نفاه وبالغ في نفيه وما كان من الارتفاقات الصحيحة مجمع عليه وحرضها وما كان من رسومهم الفاسدة منعهم عنه وقبض على ايديهم وقام بالخلافة الكبرى و جاهد بمن معه من دونهم حتى ظهر امر الله وهم كارهون (حجۃ اللہ البالغۃ مترجم الروحی ص ۱۲۱ ج ۲)

اور کفارات متعین فرمائے، بیان ترغیب ترہیب کے ذریعہ دین کو آسان کیا، گناہوں کے تمام ذرائع بند کئے اور ان امور پر آمادہ کیا جن سے نیکی کی تکمیل ہوتی ہے۔

اور ملت حنیفیہ کے پھیلانے اور اس کو تمام مذاہب پر غالب کرنے کی انتہائی کوشش فرمائی، دین کی تمام تحریفات کو مٹانے کی سعی بلیغ فرمائی اور جو تمام صحیح تھیں ان کو باقی رکھا اور ان کا حکم فرمایا اور جو رسوم فاسدہ تھیں ان سے روک دیا اور ان پر... خلافت کبریٰ قائم کی اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے غیروں سے جہاد کیا یہاں تک امر خداوندی پورا ہوگیا گو وہ ان پر شاق ہی گذرتا رہا۔ (حجۃ اللہ اردو)

وبالجملة فقد كان وقع في العبادات من الطهارة والصلوٰة و الصوم والزكوٰة والحج والذكر فتور عظيم من التساهل في... اقامتها واختلاف الناس فيها بسبب عدم المعرفة في اكثرها ودخول تحريفات اهل الجاهلية فيها اسقط القرآنُ عدم النسق منها وسواها حتى استقام امرها،

ترجمہ

اور خلاصۂ کلام عبادات یعنی طہارت اور نماز و روزہ و زکوٰۃ اور حج اور ذکر خدا میں بڑی خامی آگئی تھی یعنی ان کی تعمیل (وانجام دہی) میں سستی اور ناواقفیت کی وجہ سے اکثر عبادتوں میں لوگوں کا (باہمی) اختلاف اور ان میں اہل جاہلیت کی تحریفات کی دراندازی پائی جاتی تھی۔

(لہٰذا) قرآن نے عبادات کی بے نظمی کو ساقط کر دیا اور ان کی اصلاح کر دی یہاں تک کہ ان (عبادات) کا معاملہ صحیح و درست ہو گیا۔

فائدہ گزشتہ عبارت میں ماتن ؒ نے فرمایا تھا: "وتفصیل ذلک یطول" اس عبارت میں اسی تفصیل کی طرف اجمالی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ متن کا مفہوم واضح ہے۔ تفصیل ماتن ہی کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے حوالہ سے پیش کی جا چکی ہے۔

> فأما تدبير المنزل فقد كان وقع فيه رسوم ضارّة وأنواع تعدٍّ وعتوّ وأيضاً اختلت أحكام السياسة المدنية فضبط القرآن العظيم أصولها وحدودها ووقّتها وذكر من هذا الباب أنواع الكبائر وكثيراً من الصغائر.

ترجمہ بہرحال تدبیر منزل تو اس میں نقصان دہ رسوم اور ظلم و سرکشی کی مختلف قسمیں وقوع پذیر ہو گئی تھیں اور سیاست مدنیہ کے احکام بھی نقص کا شکار ہو گئے تھے۔ لہٰذا قرآن عظیم نے اس کے اصول و حدود کو منضبط کیا اور اس کے اوقات متعین کئے اور اس باب کے کبیرہ گناہوں کے اقسام اور بہت سے صغائر کو ذکر فرمایا۔

فائدہ تدبیر منزل یا گھریلو نظام میں پیدا ہونے والی خرابیوں میں... اموالِ یتامیٰ کا ناجائز خرچ، بیویوں کی حق تلفی، طلاق میں زیادتی، باپ کی بیویوں (سوتیلی ماؤں) سے نکاح بالجبر اور تقسیم میراث کی بے اصولی و بے اعتدالی وغیرہ تھیں، ان میں سے ہر ایک کی تردید و اصلاح قرآن نے کی۔ فرمایا (ولا تاکلوا اموال الیتامیٰ ظلماً (نساء پ ۴)۔ ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف (بقرہ پ ۲) ۔ الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح

باعث ہے (بقرہ پ۲) ۔ یاایہا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا
ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء الا ما قد سلف (نساء پ۴) ۔ یوصیکم
اللہ فی اولادکم الآیۃ (نساء پ۴) ۔

سیاست مدنیہ میں رشوت، ربوا، زنا اور قتل وقتال جیسے جرائم ونقائص پیدا ہوگئے تھے جن کی جڑیں روز بروز مضبوط ہوتی جا رہی تھیں، قرآن نے ان پر قدغن و پابندی لگائی ۔ فرمایا: ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون (بقرہ پ۲) لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ (آل عمران پ۴) ۔ ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ (اسراء پ۱۵) ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق (ہ) ۔ والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما (مائدہ پ۶) ۔ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ (مائدہ پ۷) ۔

ذکر مثالہ: (۱) ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما محسورا ۔ (۲) ولا تقف ما لیس لک بہ علم (۳) ولا تمش فی الارض مرحا (اسراء پ۱۵) ۔ (۴) ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا اولی القربی والمساکین والمہاجرین فی سبیل اللہ (النور پ۱۸) ۔ (۵) فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض (احزاب پ۲۲) ۔ ھذہ نبذۃ من القسم وعلیک باستخراج الامثلۃ الاخری ۔

> وذکر مسائل الصلوۃ بطریق الاجمال وذکر فیہا لفظ اقامۃ الصلوۃ فصلہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاذان وبناء الم والجماعۃ والاوقات وذکر مسائل الزکوۃ ایضا بالاختصار ففصلہا صلی اللہ علیہ وسلم تفصیلا ۔

ترجمہ مع تشریح

اور مسائل نماز کو اجمالی طریقہ پر ذکر فرمایا۔ (کما قال ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا۔ وقوموا للہ قانتین۔ قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون۔ وارکعوا مع الراکعین۔) اور اس میں اقامت صلوٰۃ کا لفظ ذکر فرمایا (جس سے ترویج و اشاعت" مراد ہے کیونکہ علماء کے بقول اقامۃ الصلوۃ، قامت السوق سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں" بازار لگ گیا" اور خرید و فروخت کا سلسلہ چل پڑا۔) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل پیش کی۔ اذان، تعمیر مساجد اور جماعت و اوقات کے ذریعہ اور ذکر فرمایا مسائل زکوٰۃ کو بھی اختصار (و اجمال) کے ساتھ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

عہ دین اسلام خالص الہامی مذہب ہے۔ اس کے اصول و قوانین بھی الہامی ہیں۔ احکم الحاکمین نے ان اصول کی تشریح و تفصیل کی ذمہ داری رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور امت کے فقہاء و علماء رحمہم اللہ کے کاندھوں پر ڈالی ارشاد ہوا۔ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں حسب ضرورت اس فریضہ کو ادا کیا اور مستقبل کے لئے العلماء ورثۃ الانبیاء، اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم، علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، رضیت لامتی ما رضی لھا ابن ام عبد وسخطت لھا ما سخط لھا ابن ام عبد" جیسی ہدایات دیکر ایک طرف امت کو علماء و فقہاء اور صحابہ کرام کی اتباع کا حکم دیا تو دوسری طرف ان کی دینی تشریحات پر اعتماد و اطمینان کا بھی اظہار فرمادیا اور یہ درحقیقت ارشاد باری یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کی تفسیر و توضیح ہے۔ اسی وجہ سے حضرت جابر و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حسن بصری، عطاء، مجاہد رحمہم اللہ نے اولوا الامر کی تفسیر اولوا الفقہ والعلم سے کی ہے۔ اخرج ابن جریر والحاکم وغیرھما عن ابن عباس ھم اھل الفقہ والدین (دیکھئے احکام القرآن جصاص ص ۲۱۱/۲) تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۵۳)۔ اس سلسلہ میں امام شافعیؒ نے بڑی اچھی بات کہی ہے جسے آپ شرح پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

نے اس کی پوری تفصیل بیان فرمائی، (چنانچہ نصاب زکوٰۃ، مقدار واجب الادا، جنس واجب الادا اور دیگر شرائط و تفصیلات احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

وذکر الصوم فی سورۃ البقرۃ والحج فیها وفی سورۃ الحج والجهاد فی سورۃ البقرۃ والانفال وفی مواضع متفرقۃ والحدود فی المائدۃ والنور والمیراث فی سورۃ النساء والنکاح والطلاق فی سورۃ البقرۃ والنساء والطلاق وغیرها ؛

اللغۃ :- الحدود هی جمع حد والحد فی اللغۃ المنع ومنه الحداد للبواب لمنعه الناس من الدخول و" احدت المعتدۃ " اذا منعت نفسها من الملاذ والتعطر على ما عرف وحدود الشرع موانع وزواجر عن ارتکاب اسبابها والحدود فی اصطلاح الفقهاء " عقوبة مقدرة وجبت حقا لله تعالى " قال الحنفیة " ان الحدود ما ثبت بالقرآن الکریم وهی خمسة فقط حد الزنا حد السرقة، حد شرب الخمر، حد قطاع الطریق، حد القذف۔ (الفقہ الاسلامی)

ترجمہ اور ذکر کیا روزہ کو سورۃ بقرہ میں اور حج کو اس میں اور سورۃ حج میں (بھی) اور جہاد کو سورۃ بقرہ وانفال میں اور مختلف مقامات پر اور حدود کو (ذکر کیا) مائدہ و نور میں اور میراث کو سورہ نساء میں اور نکاح و طلاق کو سورہ بقرہ اور نساء و طلاق وغیرہ میں ۔ آیات کے لیے حاشیہ کا مطالعہ فرمائیں۔

سه ذکر صوم :- یایها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب على الذین من قبلکم لعلکم تتقون الآیات بقرہ ب ؛

ذکر حج :- الحج اشهر معلومات فمن فرض فیهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (الآیۃ بقرہ ب)۔ واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق۔ (حج پ) ۔

ذکر جهاد :- وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا (الآیۃ بقرہ)

وإذا عرفت القسم الذي تعرف فائدته جميع الأمة فهنالك قسم
آخر وذلك مثل أنه كان يعرض عليه صلى الله عليه وسلم سوال
فيجيب أو بذل الأنفس والأموال من أهل الإيمان في حادثة و

(حاشیہ صفحہ ۲۲۴)
یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوہم الادبار (آیہ انفال پ) کما اخرج ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المؤمنین لکارہون (آیات ۔) ۔ فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم (توبہ پ) ۔ نیز سورۂ محمد، سورۂ فتح سورۂ حشر وغیرہ کا مطالعہ کیجئے ۔ جہاد کا تذکرہ ہر سورۃ میں ملے گا ۔

ذکر حدود : ۔ قطع طریق کی حد ۔ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا (آیہ ۳۳) میں اور سرقہ کی حد والسارق و السارقۃ فاقطعوا ایدیہما (آیہ ۳۸) میں بیان ہوئی ہے جب کہ شرب خمر کی حد کو انما الخمر والمیسر والانصاب (آیہ) سے ثابت کیا گیا ہے ۔ حد زنا کا ثبوت : الزانیۃ و الزانی فاجلدوا (الآیہ) سے اور حد قذف کا ثبوت والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء (الآیہ) سے ہے ۔

ذکر میراث : ۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم (الآیۃ) ۔

ذکر نکاح : ۔ ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن (الآیۃ بقرہ) ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء (الآیہ ۲۳۵ بقرہ) ۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء (الآیہ نساء) ۔ ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء (الآیات نساء) ۔

ذکر طلاق : ۔ والمطلقات یتربصن بانفسہن ثلثۃ قروء (آیات بقرہ پ) ۔ وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احداہن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا (الآیہ نساء پ) ۔ یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوہن لعدتہن و... احصوا العدۃ (آیات الطلاق پ) علاوہ ازیں سورۂ احزاب اور سورۂ تحریم وغیرہ میں مسائل طلاق مذکور ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ (ر ۔ ط ۔ ت ۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امساك المنافقين واتباعهم الهوى فمدح الله سبحانه المؤمنين وذم المنافقين مع تهديدهم

ترجمہ اور جب ہم نے دو قسم بیان کی جن کا فائدہ پوری امت کو عام ہے تو یہاں ایک اور قسم ہے اور وہ مثلاً یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی سوال پیش کیا جاتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ جواب عنایت فرماتے تھے یا مثلاً کسی واقعہ میں اہل ایمان کی طرف سے جان و مال کی قربانی اور منافقین کا بخل اور ان کا خواہشات کی پیروی کرنا۔ تو اللہ تعالیٰ نے مومنین کی تعریف فرمائی اور منافقین کی دھمکی آمیز مذمت کی۔

او وقعت حادثة من قبيل نصرة على اعدا او كف ضررهم فمن الله سبحانه وتعالى على المؤمنين وذكرهم تلك النعمة او عرضت حالة تحتاج الى تنبيه وزجر او تعريض او ايماء او امر او نهي فانزل الله سبحانه في ذلك الباب فما كان من هذا القبيل فلابد للمفسر من ذكر تلك القصص بطريق الاجمال

ترجمہ یا دشمنوں کے مقابلہ میں مدد اور ان کے ضرر (و نقصان) سے بچانے کی نوع کا کوئی واقعہ رونما ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مومنین کے حق میں اس کا احسان جتایا اور اس احسان کے ذریعہ ان کو نصیحت فرمائی یا کوئی ایسی حالت پیش آئی جو زجر و توبیخ یا تعریض یا ایماء یا امر یا نہی کا تقاضا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں کوئی آیت نازل فرمائی تو جو واقعات اس قسم کے ہوں مفسر کے لئے ان کا اجمالی تذکرہ ضروری ہے۔

ف۔ نسخہ فارسی عبارت "چوں ازیں قسم کہ فائدہ آں عام است [illegible] قسمے دیگر است کہ سوالے پیش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آوردہ باشند جواب فرمودہ یا حادثہ از اہل ایمان بذل نفس و اموال نمودند و منافقان [illegible] ورزیدند [illegible] خدائے تعالیٰ مدح مومنان و نکوہش و تہدید منافقان فرمود" کے پیش نظر ترجمہ میں کام لیا گیا ہے اور مقام پر اصلاح و ترمیم ضروری ہے۔ (۱) "وذلك مثل" کے بجائے "مثل ما اجاب الله عما سئل عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم" زیادہ بہتر ہے۔ (۲) "بذل الانفس والهوی" کے بجائے "و المؤمنون كانوا يجودون في حادثة بانفسهم واموالهم والمنافقون يبخلون بهما ويتبعون هواهم فمدح" زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] مجرور بکونہ مصدرا علی قول ابن کمال۔ [3] جار مجرور "بذلك" کے متعلق ہے۔

[4] غزوۂ تبوک۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال و جواب کی مثالوں کیلئے ص ـــ ملاحظہ کریں۔

● مسلمانوں کی جانی و مالی قربانیوں پر مدح سرائی اور منافقین کی جہاد سے فرار کیلئے حیلہ جوئی اور بخل پر مذمت کی آیتیں سورۂ احزاب و توبہ وغیرہ میں بکثرت ہیں مثلاً:

واذ يقول المنافقون والذين في قلوبهم مرض ما وعدنا الله ورسوله الا غرورا ۔۔۔ يحسبون الاحزاب لم يذهبوا وان يأت الاحزاب يودوا لو انهم بادون في الاعراب يسئلون عن انبائكم ولو كانوا فيكم ما قاتلوا الا قليلا (احزاب ۱۲۔۲۰) ولما رأ المؤمنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله وما زادهم الا ايمانا وتسليما، تا، ورد الله الذين كفروا بغيظهم لم ينالوا خيرا وكفى الله المؤمنين القتال وكان الله قويا عزيزا (احزاب ۲۲۔۲۵) ۔ فرح المخلفون بمقعدهم خلف رسول الله وكرهوا ان يجاهدوا باموالهم وانفسهم في سبيل الله وقالوا لا تنفروا في الحر قل نار جهنم اشد حرا لو كانوا يفقهون (توبہ ۸۱) ۔ لكن الرسول والذين امنوا معه جاهدوا باموالهم وانفسهم واولئك لهم الخيرات واولئك هم المفلحون (توبہ ۸۸) لا يستوي القاعدون من المؤمنين غير اولي الضرر والمجاهدون في سبيل الله باموالهم وانفسهم تا وكان الله غفورا رحيما (نساء ۹۵۔۱۰۰)

● دشمنوں کے مقابلہ میں نصرت خداوندی اور بطور احسان اس کے تذکرہ کی مثال: لقد نصركم الله ببدر وانتم اذلة (آل عمران ۱۲۳) ۔ ثم انزل عليكم من بعد الغم امنة نعاسا يغشى طائفة منكم الخ (آل عمران ۱۵۴) ۔ لقد نصركم الله في مواطن كثيرة ويوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا الخ (توبہ ۲۵) ۔ يا ايها الذين امنوا اذكروا نعمة الله عليكم اذ جاءتكم جنود فارسلنا عليهم ريحا وجنودا لم تروها الخ (احزاب ۹) ۔

● **کفِ شر کا تذکرہ:** ۔ يا ايها الذين امنوا اذكروا نعمت الله عليكم اذ هم قوم ان يبسطوا اليكم ايديهم فكف ايديهم عنكم الخ (مائدہ ۱۱) ۔

● پیش آمدہ حالات کے مطابق زجر و تنبیہ کی مثال حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم

غزوۂ احد کے لئے روانہ ہوئے۔ رفقاء سفر میں سے کچھ افراد جنگ سے پہلے ہی واپس ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ کا ان کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ ایک جماعت ان کو مباح الدم قرار دے رہی تھی۔ دوسری جماعت کو اس سے اختلاف تھا اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فما لکم فی المنافقین فئتین واللہ ارکسھم بما کسبوا ۔۔۔ الآیۃ (نساء ۸۸)۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انہا طیبۃ تنفی الخبث کما تنفی النار خبث الحدید۔ اخرجہ الشیخان۔ وفی سبب نزول ھذہ الآیۃ اقوال اخر، من شاء الاطلاع علیہا یطالع کتب التفاسیر۔

● **تعریض و پیار اور امر و نہی کی مثالیں:** ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونہم باذنہ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ (آل عمران ۱۵۲)۔ لاتکونوا کالذین کفروا وقالوا لاخوانہم اذا ضربوا فی الارض او کانوا غزی لو کانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا ۔۔۔ الآیۃ (آل عمران ۱۵۶)۔ اساریٔ بدر سے فدیہ لینے پر زجر و توبیخ اور تعریض کے بعد فدیہ کو حلال قرار دیتے ہوئے فرمایا: فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا (انفال ۶۹)۔

خاص حالات کے پیش نظر نہی کی مثال: یایہا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم (مائدہ ۸۷)۔ ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء فلا تتخذوا منہم اولیاء حتی یہاجروا (نساء ۸۹)۔

> وقد جاءت تعریضات بقصۃ بدر فی الانفال وبقصۃ اُحد فی آل عمران وبالخندق فی الاحزاب وبالحدیبیۃ فی الفتح وبنی النضیر فی الحشر وجاء الحث علی فتح مکۃ وغزوۃ تبوک فی براءۃ والاشارۃ الی حجۃ الوداع فی المائدۃ والاشارۃ الی قصۃ نکاح زینب فی الاحزاب وتحریم السریۃ فی سورۃ التحریم و قصۃ الافک فی سورۃ النور واستماع الجن تلاوتہ صلی اللہ علیہ وسلم

فی سورۃ الجن والاحقاف ومسجد ضرار فی براءۃ واشیر الی قصۃ الاسراء فی اول بنی اسرائیل وھذا القسم ایضاً فی الحقیقۃ من باب التذکیر بایام اللہ ولکن لما توقفت حل التعریضات فیہ علی سماع القصۃ میز من سائر الاقسام ۔

اللغات الحث: برانگیختہ کرنا، حوصلہ افزائی۔ افک: بہتان لگانا۔ افک عائشہ صدیقہؓ مراد ہے۔ السریۃ: لونڈی و باندی جو ہمخوابی کے لیے مخصوص ہو۔ اغلب یہ ہے کہ اس کا اشتقاق سر بمعنی راز سے ہے۔ اور بعض کے نزدیک سرور سے مشتق ہے۔ جمع سراری آتی ہے۔

ترجمہ اور اشارے وارد ہوئے ہیں قصۂ بدر کی جانب سورۂ انفال میں، اور قصۂ احد کی جانب آل عمران میں اور غزوۂ خندق کی جانب احزاب میں اور صلح حدیبیہ کی جانب سورۂ فتح میں اور بنو نضیر کی .... (جلاوطنی کی) جانب سورۂ حشر میں اور فتح مکہ و غزوۂ تبوک کے بارے میں حوصلہ افزائی و للکار وارد ہوئی ہے سورۂ براءۃ میں اور حجۃ الوداع کی طرف اشارہ (وارد ہوا ہے) سورہ مائدہ میں اور حضرت زینبؓ کے نکاح کے قصے کی جانب اشارہ (وارد ہوا ہے) سورۂ احزاب میں اور باندی کی حرمت کے قصہ کی جانب اشارہ ہے) سورۂ تحریم میں، اور واقعہ افک (کی طرف) سورۂ نور میں اور جناتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سننے کا واقعہ سورۂ جن و احقاف میں (آیا ہے) اور مسجد ضرار کی (بنا کے واقعہ کی) طرف اشارہ (وارد ہوا ہے) سورۂ براءت میں اور واقعہ اسراء (و معراج) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے سورۂ بنی اسرائیل کے شروع میں۔ اور یہ قسم (جس کا تذکرہ ھنالک قسم اخر سے شروع ہوا) بھی درحقیقت تذکیر بایام اللہ کے قبیل سے ہے لیکن چونکہ اس کے اشارات کا حل واقعہ کو سننے پر موقوف ہے (لہذا) اس کو تمام اقسام سے الگ کر دیا گیا۔

فائدہ مذکورہ تعریضات کا واقعات سے متعلق آیات بالترتیب ملاحظہ فرمائیں۔

قصہ بدر: کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المؤمنین لکارہون ۔ اذ یوحی ربک الی الملٰئکۃ انی معکم فثبتوا الذین اٰمنوا الآیات (انفال ۵، ۱۲) ۔

قصہ احد: ولقد صدقکم اللہ وعدہٗ ۔ ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعٰن انما استزلہم الشیطٰن ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنہم ان اللہ غفور حلیم (آل عمران ۱۵۲، ۱۵۵)

غزوۂ خندق: یایہا الذین اٰمنوا اذکروا الی واورثکم ارضہم و دیارہم واموالہم وارضا لم تطؤہا وکان اللہ علی کل شیء قدیرا (احزاب ۹، ۲۷)۔

صلح حدیبیہ: انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر ویتم نعمتہ علیک ویہدیک صراطا مستقیما ۔ لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام الی شعائر اللہ ۔ الآیات (الفتح ۱، ۲۷)۔

غزوۂ بنی نضیر: ھو الذی اخرج الذین کفروا من اہل الکتاب من دیارہم لاول الحشر الآیۃ ـــ لا یقاتلونکم جمیعا الا فی قری محصنۃ او من وراء جدر الآیۃ (حشر ۲، ۱۴) ۔

الحث علی فتح مکۃ: اعلان براءۃ خود ایک قسم کی توضیح فرمائی ہے اس اعلان سے سورۃ کی ابتداء ہوئی ہے ۔ براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاہدتم من المشرکین الآیات ۔ نیز فرمایا: کیف وان یظہروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا ولا ذمۃ الآیۃ ۔ نیز فرمایا: وان نکثوا ایمانہم من بعد عہدہم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انہم لا ایمان لہم لعلہم ینتہون ۰ الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانہم وہموا باخراج الرسول الآیۃ

الحث علی غزوۃ تبوک: یایہا الذین اٰمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الآخرۃ فما متاع

الحیوٰۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل۔ (۳۸) نیز فرمایا :۔ انفروا خفافاً وثقالاً و جاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللّٰہ الآیۃ (۴۱)۔

حجۃ الوداع کی طرف اشارہ :۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ الآیۃ (۳)۔

واقعہ نکاح زینبؓ کی طرف اشارہ :۔ وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللّٰہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم الآیۃ۔ فلما قضی زید منھا وطراً زوجنٰکھا۔ الآیۃ (۳۶، ۳۷)

باندی کی تحریم :۔ یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللّٰہ لک الآیۃ (۱)۔

واقعہ افک :۔ ان الذین جاؤا بالافک عصبۃ منکم لا تحسبوہ شراً لکم بل ھو خیر لکم لکل امرئ منھم ما اکتسب من الاثم والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم۔ اولٰئک مبرؤن مما یقولون لھم مغفرۃ ورزق کریم (۱۱-۲۶)

جناتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سننا :۔ قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآناً عجباً الآیات (سورۂ جن)۔ واذ صرفنا الیک نفراً من الجن یستمعون القرآن فلما حضروہ قالوا انصتوا الآیۃ۔ اولٰئک فی ضلٰل مبین (احقاف) [۲۹-۳۲]

ذکر مسجد ضرار :۔ والذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً وتفریقاً بین المؤمنین وارصاداً لمن حارب اللّٰہ ورسولہ۔ الآیۃ۔

واقعہ اسراء :۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیاتنا انہ ھو السمیع البصیر

باب اول کی تسوید سے ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کو فراغت ہوئی تھی جبکہ اس کی تبییض سے فراغت آج ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ کو ہوئی (تقریباً ۲ سال کے بعد)

فالحمد للّٰہ الذی بنعمتہٖ تتم الصالحات، والصلوٰۃ علیٰ رسولہ سیدنا ومولانا محمد وآلہٖ

اَلْبَابُ الثَّانِيْ

فِيْ بَيَانِ وُجُوْهِ الْخَفَاءِ فِيْ مَعَانِيْ نَظْمِ الْقُرْاٰنِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى اَذْهَانِ اَهْلِ الزَّمَانِ وَاِزَالَةِ ذٰلِكَ الْخَفَاءِ بِاَوْضَحِ بَيَانٍ۔

ترجمہ:- دوسرا باب اہل زمانہ کے حق میں نظم قرآن کے معانی میں خفاء (غیر واضح ہونے) کے اسباب اور اس ابہام کو نہایت واضح بیان کے ذریعہ ختم کرنے کے بیان میں ہے۔

فائدہ:- قرآن کا زمانۂ نزول عربی زبان کے عروج و ترقی کا زمانہ تھا۔ اہل عرب قرآن کی زبان اور اس کے لب و لہجہ کو خوب سمجھتے تھے، صرف چند محدود سے ایسے مقامات ہیں جہاں اہل عرب کو مراد متکلم تک پہنچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کرنی پڑی۔ لیکن بعد میں جب عرب و عجم کا اختلاط ہوا اور عربی زبان کا زور ادب ٹوٹ گیا تو عجم تو بے زبان ٹھہرے اہل عرب کی نظر میں بھی بہت سی آیات مبہم اور غیر واضح ہوگئیں۔ دوسرے باب میں اس ابہام و خفاء کے اسباب پر روشنی ڈالی جائے گی۔ پھر ابہام کو ختم کرنے کے طریقے بیان کئے جائیں گے۔

لِيُعْلَمْ اَنَّ الْقُرْاٰنَ قَدْ نَزَلَ بِلُغَةِ الْعَرَبِ سَوِيًّا بِغَيْرِ تَفَاوُتٍ وَهُمْ فَهِمُوْا مَعْنٰى مَنْطُوْقِهٖ بِقَرِيْحَةٍ جُبِلُوْا عَلَيْهَا كَمَا قَالَ: وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ، وَقَالَ: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ، وَقَالَ: كِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰيَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ، وَكَانَ مِنْ مَرْضِيِّ الشَّارِعِ عَدَمُ الْخَوْضِ فِيْ تَاْوِيْلِ الْمُتَشَابِهِ وَتَصْوِيْرِ حَقَائِقِ الصِّفَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ وَتَسْمِيَةِ الْمُبْهَمِ وَاسْتِقْصَاءِ الْقَصَصِ وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ وَلِهٰذَا مَا كَانُوْا يَسْاَلُوْنَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ وَلِهٰذَا اُرْفِعَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ قَلِيْلٌ۔

اللغات:- سَوِيًّا برابر درست، بے عیب، کہا جاتا ہے غلامٌ سَوِيٌّ بے عیب بچہ، قَرِيْحَةٌ مِنَ الْاِنْسَانِ طبیعت قريحةُ الشاعر او الكاتب طبع راست، جُبِلُوْا ماضی مجہول ضرب نصر

سے مشتق ہے۔ جبلۃ اللہ: اللہ نے اسے پیدا کیا، کہا جاتا ہے جبلہ اللہ علی الکرم یعنی اللہ نے اس کو
فطرت شرافت پر پیدا کیا۔ التعمق (اس مصدر تعمقاً) غور وخوض کرنا، استیفاء: احاطہ کرنا، تفصیل کرنا۔

ترجمہ:۔ یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ قرآن ٹھیک ٹھیک بالکل فصیح عرب کی زبان میں نازل ہوا۔ اور ان عربوں نے اس کے الفاظ کی مراد کو اس فطرت اور ملکہ راسخہ کے ذریعہ سمجھ لیا جس پر انہیں پیدا کیا گیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا والکتاب المبین (یعنی واضح کتاب کی قسم) اور فرمایا قرآنا عربیا (یعنی ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ سکو) اور فرمایا کتب احکمت آیاته (یعنی اس کی آیات مضبوط کی گئیں پھر ان کو کھول کر بیان کی گئیں) اور شارع کی ایک عنی متشابہات کی تفسیر اور صفات ربانی کے حقائق کی منظر کشی پر (خواہ تصوراتی ہو یا تقریری و تحریری) اور مجمل کی تعیین اور واقعات (کی تفصیلات) کے احاطہ اور اسکے مشابہ چیزوں ایسی نہ پڑنے کی تھی اور اسی وجہ سے وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان میں سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے اس باب میں بہت تھوڑی چیز منقول ہوئی ہے۔

فائدہ:۔ متن میں ایک دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صحابہ کرامؓ کے لئے انتہائی واضح، عام فہم اور آسان تھا کہ اسے سمجھنے کے لئے ان کو کسی مفسر کی تفسیر وتوضیح کی ضرورت نہ تھی۔

(تیس پاروں کی اس عظیم و ضخیم کتاب میں چند ہی جگہوں پر مراد متکلم تک پہنچنے میں دشواری ہوئی وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے چھوٹے دو ایک فقروں سے ختم ہوگئی)۔ ماتن علیہ الرحمۃ نے اپنے اس دعوے کی دو دلیلیں ذکر کی ہیں۔

دلیل ۱:۔ قرآن کریم ان کی مادری زبان میں نازل ہوا تھا، جس کے نشیب و فراز، محاورے اور لغات میں انہیں کمال و عبور حاصل تھا، ہاں قرآن کے اسلوب بیان میں ضرور جدت و ندرت تھی لیکن ناقابل فہم حد تک نہیں۔ کیونکہ قرآن کے نئے اسلوب میں اہل عرب کے قدیم اسالیب کا رنگ ڈھنگ بھی موجود تھا، اس لئے قرآن سمجھنا ان کے لئے آسان تھا۔

دلیل ۲:۔ بعد کے لوگوں کو جن آیات کے سمجھنے سمجھانے میں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا وہ دو قسم کی ہیں (۱) وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے جنہیں متشابہات کہا جاتا ہے۔
(۲) وہ آیات جن میں گذشتہ اقوام وانبیاء کے واقعات کا بیان ہے۔

قسمِ اوّل میں دشواری کا سبب صفاتِ خداوندی کی وہ مخفی حقائق ہیں جن کے ادراک سے عقلِ انسانی عاجز ہے کیونکہ بشر کی قوتِ فکر محدود اور ربّ العالمین کے اوصاف و کمالات کی بلندیاں لامحدود ہیں۔ قسمِ دوم میں دشواری کا سبب واقعات کی وہ تفصیلات ہیں جنہیں نہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں چھیڑا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں ذکر فرمایا۔ کیونکہ نزولِ قرآن کے عظیم مقصد کے لئے ان کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ حضراتِ صحابہ ان دونوں الجھنوں سے الگ تھلگ رہے۔ نہ تاویلِ متشابہات میں پڑے نہ واقعات کی غیر ضروری تفصیلات میں الجھے۔ لہٰذا تفسیری مشکلات سے محفوظ رہے۔ اور سچ یہ ہے کہ ربّ العالمین ہی کو یہ منظور نہیں تھا کہ صحابہ کرامؓ اصل مقصد (تزکیہ و تذکیر اور عبرت و موعظت) کو چھوڑ کر اپنی فکری صلاحیتوں اور دماغی کاوشوں کا محور آیاتِ متشابہات کی تفسیر یا واقعات کی غیر ضروری تفصیلات کو بنائیں۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ «فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ» سے ظاہر ہے۔ جس میں آیاتِ متشابہات کی تاویل و تفسیر میں پڑنے کو قلب کی کجی اور عقل کا فتور بتایا گیا ہے۔ اسی لئے اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے «الاستواء معلوم والکیف مجہول والسوال عنہ بدعۃ» الحاصل اولاً تو صحابہ کرام اور قرآن کی زبان ایک تھی، ثانیاً تفسیری الجھن کے مشکل مقامات اور ان کے اسباب سے وہ دور رکھے گئے۔ لہٰذا قرآن ان کے لئے محتاجِ تفسیر نہیں رہا اسی وجہ سے اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کی طرف سے سوالات کی نوبت بہت کم آئی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و بیانات بھی بہت تھوڑے ہیں۔

تنبیہ: المبہم سے مراد ان چیزوں کی توضیح و تعیین ہے جن کو باری تعالیٰ نے مخفی رکھا۔ واضح نہیں فرمایا لیکن مفسرین ان کی تحقیق و تفتیش میں پڑ گئے۔ مثلاً اصحابِ کہف کے کتے کا رنگ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن طیور (پرندوں) کو ذبح کرکے مختلف پہاڑوں پر ڈال دیا تھا پھر انہیں بحکمِ خداوندی آواز دی تو وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس حاضر ہو گئے تھے، ان کی انواع کی تعیین و تفصیل۔ اصحابِ کہف کے اسماء، حضرت شعیب علیہ السلام کی جو صاحبزادی حضرت موسیٰ کو بلانے آئی تھیں چھوٹی تھیں یا بڑی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ان میں سے کس کے ساتھ ہوا تھا۔ جس درخت کے قریب حضرت موسیٰ کو شرفِ ہمکلامی نصیب ہوا وہ کون سا درخت تھا۔ وغیرہ ذٰلک من المبہمات۔

(العون و زبدہ ملخص)

ضروری نہیں ہے۔ متن کی عبارت "ما کانوا یسئلونہ" صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ فارسی عبارت "با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال کم کردند" کے خلاف ہے۔ اور خلاف واقعہ بھی ہے۔ لہٰذا صحیح ترجمانی کے لئے "ما کانوا یسئلونہ" کی عبارت ہونی چاہئے۔

تیسرا ماتن کے اس ارشاد کا تعلق ان سوالات سے ہے جو قرآنی آیات کو سمجھنے کی غرض سے صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ جن کی تعداد بہت ہے۔ تینتالیس سوالات کا تذکرہ تو الاتقان میں بھی موجود ہے۔ نمونہ کے طور پر چند سوال و جواب پیش خدمت ہیں۔

رہے وہ سوالات جن کا تذکرہ حضرت ابن عباسؓ کے درج ذیل ارشاد میں کیا گیا ہے۔ اور جو تعداد میں مع اختلاف الروایات ۱۲ یا ۱۳ یا ۱۴ ہیں وہ راقم الحروف کی نظر میں موضوع سے خارج ہیں۔ کیونکہ (۱) ان کا مقصد قرآن فہمی نہیں ہے۔ جبکہ یہاں تذکرہ ایسے ہی سوالات کا ہے۔ (۲) ان چودہ سوالات میں بعض صحابہ کرام کی طرف سے ہیں۔ اور بعض کفار و یہود کی طرف سے۔ جبکہ شاہ صاحبؒ کے پیش نظر وہی سوالات ہیں جو صحابہ کرام کی طرف سے قرآن فہمی کی غرض سے پیش کئے گئے تھے۔ آپ کے غور و فکر کی خاطر ابن عباسؓ کا ارشاد اور سوالات کی فہرست پیش خدمت ہے۔

سوالات کی تعداد اور روایتوں کا تضاد

امام رازیؒ نے لکھا ہے روی سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ انہ قال ما رأیت قوما خیرا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما سألوہ الا عن ثلاث عشرۃ مسئلۃ حتی قبض کلھن فی القرآن منھن یسئلونک عن الشھر الحرام (تفسیر کبیر ج ۲)

بلکہ خود امام رازیؒ آگے لکھتے ہیں نقل عن ابن عباسؓ انہ قال ما کان قوم اقل سؤالا من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سألوا عن اربعۃ عشر حرفا فاجیبوا۔ الاستاذ مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم نے بھی البرہان کے حوالہ سے یہی روایت نقل کی ہے۔

(۱) ارشاد باری۔ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ، کے بارے میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:
عن ابی ذر انه سأل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الکرسی فقال: یا ابا ذر ما السموات السبع والارضون السبع عند الکرسی الا کحلقة ملقاة بارض فلاة وان فضل العرش علی الکرسی کفضل الفلاة علی تلك الحلقة۔ وفی روایة الدارقطنی والخطیب عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قوله تعالیٰ وسع کرسیه، قال کرسیه موضع قدمیه والعرش لا یقدر قدره۔ (روح المعانی [illegible])

(۲) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ کے بارے میں لکھتے ہیں: عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه ان الاٰیة لما نزلت شق ذلك علی الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم وقالوا اینا لم یظلم نفسه فقال صلی اللہ علیہ وسلم ما تظنون انما هو ما قال لقمان علیه السلام لابنه یا بنی لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ اخرجه الشیخان واحمد والترمذی۔

(بقیہ حاشیہ [illegible])

امام رازی نے ان چودہ سوالات کی جو فہرست مرتب کی ہے وہ یہ ہے۔

(۱) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (۲) یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ (۳) یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ الآیة (۴) یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۵) یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ (۶) یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ (۷) یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی (۸) یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ (یہ آٹھ سوالات تو سورۂ بقرہ میں ہیں باقی دوسری سورتوں میں ملاحظہ فرمائیں) (۹) یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (بنی اسرائیل)۔ (۱۰) ویسئلونك عن ذی القرنین (الکہف) (۱۱) یسئلونك ماذا اُحِلَّ لَهُمْ (المائدہ) (۱۲) ویسئلونك عن الانفال (الانفال) (۱۳) وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ (طٰہٰ) یسئلونك عن الساعة (النازعات)

لیکن علامہ سیوطی کو امام رازی کی اس روایت (فہرست) پر اطمینان نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے بزار عن ابن عباس کے حوالے سے بارہ سوالات کی روایت نقل کرکے فرمایا: واوردہ الامام الرازی بلفظ اربعة عشر یعنی امام رازی ہی کے حوالے سے چودہ سوالات کی مذکورہ فہرست دیکر اس میں دو سوال یہ کہہ کر بڑھا دیئے کہ۔ السائلون عن الروح وعن ذی القرنین مشرکوا مکة والیهود لا الصحابة فالحصر اثنا عشر کما صحت به الروایة۔ (دیکھیے الاتقان [illegible])

(۳) يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ الخ کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

اخرج احمد ومسلم والترمذی والنسائی والطبرانی وابن حبان وغیرہم عن المغیرة بن شعبة قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اهل نجران فقالوا ارأیت ما تقرءون یا اخت هارون وموسی قبل عیسی بکذا وکذا قال فرجعت فذکرت ذلک لرسول اللہ علیہ الصلوٰة والسلام فقال الا اخبرتهم انهم کانوا یسمون بالانبیاء والصالحین قبلهم۔
(روح)

(۴) اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ الخ کے بارے میں نقل فرمایا ہے:-

فقد روى الثعلبي وغيره عن عدي بن حاتم قال اتيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وفي عنقي صليب من ذهب فقال يا عدي اطرح عنك هذا الوثن وسمعته يقرأ في سورة براءة اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فقلت له يا رسول الله لم يكونوا يعبدونهم فقال عليه الصلوة والسلام اليس يحرمون ما احل الله تعالى فيحرمونه ويحلون ما حرم الله فقلت بلى قال ذلك عبادتهم (روح المعانی ج۱۰)

(۵) اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-

اخرج عبد الرزاق وابن ابي شيبة والامام احمد وعبد بن حميد والبخاري ومسلم وابو داود والترمذي والنسائي وابن ماجة وابن مردويه عن كعب بن عجرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رجل يا رسول الله اما السلام عليك فقد علمناه فكيف الصلوة عليك قال قولوا اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد۔ اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد (روح)

مزید خواہشمند حضرات "الاتقان کی آخری نوع" (النوع الثمانون) ملاحظہ فرمائیں۔

وَلٰكِنْ لَمَّا مَضَتْ تِلْكَ الطَّبَقَةُ وَدَخَلَهُمُ الْعَجَمُ وَتُرِكَتْ تِلْكَ اللُّغَةُ وَاسْتُصْعِبَ فَهْمُ الْمُرَادِ فِيْ بَعْضِ الْمَوَاضِعِ وَاحْتِيْجَ اِلٰى تَفْتِيْشِ اللُّغَةِ وَالنَّحْوِ وَجَرَى السُّؤَالُ وَالْجَوَابُ بَيْنَ ذٰلِكَ وَصُنِّفَتْ كُتُبُ التَّفَاسِيْرِ فَلَزِمَ اَنْ نَذْكُرَ مَوَاضِعَ الصُّعُوْبَةِ اِجْمَالًا وَنُوْرِدَ اَمْثِلَةً فِيْهَا لِئَلَّا يُحْتَاجَ عِنْدَ الْخَوْضِ اِلٰى زِيَادَةِ بَيَانٍ وَلَا يُفْتَحَ

الاضطرار الى المبالغة فى الكشف عن تلك المواضع ۔

لغات:۔ مضت (مضی) گزر گیا۔ داخلت: مداخلت سے فعل ماضی، در انداز ہونا۔ استغلق: باب استفعال سے ماضی مجہول، دشوار ہوگیا۔ تفتیش: تلاش، جستجو، تحقیق۔

ترجمہ:۔ لیکن جب وہ جماعت گذر گئی اور ان (عربوں) میں عجمی در انداز ہونے لگے۔ اور وہ (قدیم) زبان متروک ہوگئی اور بعض مواقع پر مراد کا سمجھنا مشکل ہوگیا۔ اور نحو و لغت کی چھان بین کی ضرورت پڑی اور اس سلسلہ میں سوال و جواب ہونے لگے۔ اور تفسیر کی کتابیں لکھی گئیں۔ تو ضروری ٹھہرا کہ ہم مشکل مقامات کو اجمالی طور پر ذکر کریں۔ اور ان کی مثالیں پیش کر دیں۔ تاکہ غور و فکر کے وقت طول بیانی کی ضرورت نہ پڑے۔ اور ان مقامات کی توضیح میں مبالغہ (زور صرف کرنے) کی مجبوری پیش نہ آئے۔

یعنی ماہرین زبان حضرات صحابہ کرامؓ سے جب دنیا خالی ہوگئی اور عرب و عجم کے اختلاط سے عربی زبان کا زور و ادب جو شروع میں عرب میں پایا جاتا تھا ٹوٹ گیا، بلکہ زبان بدل گئی، تو قرآن کی بہت سی آیات کے سمجھنے میں دشواریاں پیش آئیں، لغت، نحو، صرف وغیرہ علوم کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ اشکالات و جوابات کے سلسلے چل پڑے۔ اور اہل علم و ارباب قلم نے تشنگان علوم قرآنی کی پیاس بجھانے کے لئے تصنیفات کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ تو ہم نے ضروری سمجھا کہ مشکل مقامات کا اجمالی و مختصری تذکرہ کر کے کچھ نمونے اور مثالیں پیش کر دیں۔ تاکہ آیات قرآنیہ کو سمجھنے سمجھانے کے لئے بہت زیادہ طویل طویل بیانات کی ضرورت نہ پڑے۔

نوٹ:۔ شاید دونوں نسخوں میں ا۔۔ صعب، واؤ عاطفہ کے بغیر لکھا ہوا ہے۔ جس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ جزاء ہے لما مضت کی جبکہ فارسی میں واؤ موجود ہے۔ عبارت یوں ہے۔ وآں لغت اول متروک گشت و در بعض مواضع صعوبت فہم حاصل شد۔ الخ۔ واللہ اعلم

فنقول ان عدم الوصول الى فهم المراد باللفظ يكون تارةً لسبب

استعمال لفظ غريب وعلاجه نقل معنى اللفظ عن الصحابة والتابعين وسائر اهل المعاني وتارة يكون ذلك لعدم تمييز المنسوخ من الناسخ وتارة يكون لغفلة عن سبب النزول وتارة يكون بسبب حذف المضاف او الموصوف او غيرهما وتارة لابدال شيء مكان شيء او ابدال الحرف بحرف او اسم باسم او فعل بفعل او لذكر الجمع موضع المفرد وبالعكس او لاستعمال الغيبة مكان الخطاب وتارة بتقديم ما حقه التاخير وبالعكس وتارة بسبب انتشار الضمائر وتعدد المراد من لفظ واحد وتارة بسبب التكرار والاطناب وتارة بسبب الاختصار والايجاز ومرة بسبب استعمال الكناية والتعريض والمتشابه والمجاز العقلي فينبغي لاهل السعادة من الاحباب ان يطلعوا في مبدأ الكلام على حقيقة هذه الامور وشيء من امثلتها ويكتفوا في موضع التفسير باشارة ورمز۔

ترجمہ:- لہٰذا ہم کہتے ہیں (تم سنو) کہ الفاظ سے شارع کی مراد تک نہ پہنچنا کبھی لفظ غریب کے استعمال کی وجہ سے ہوتا ہے، اور اس کا حل صحابہ وتابعین اور باقی اہل معانی سے لفظ کے معنی کو نقل کرنا ہے۔ اور یہ (مراد تک نہ پہنچنا) کبھی منسوخ کو ناسخ سے الگ نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی شان نزول سے غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی مضاف یا موصوف یا ان کے علاوہ کسی اور چیز کے حذف کی وجہ سے ہوتا ہے، اور کبھی ایک چیز کی جگہ پر دوسری چیز کا بدل کرنے کی وجہ سے یا ایک حرف کو دوسرے حرف یا ایک اسم کو دوسرے اسم یا ایک فعل کو دوسرے فعل سے بدل دینے یا مفرد کی جگہ پر جمع کو ذکر کر دینے اور اس کا برعکس کر دینے کی وجہ سے یا خطاب کی جگہ پر غیبت کا استعمال کر لینے کی وجہ سے ہوتا ہے، اور کبھی اس چیز کو مقدم کر دینے کی وجہ سے جس کا حق مؤخر کرنا ہے، اور برعکس کی وجہ سے، اور کبھی ضمیروں کے انتشار سے اور ایک ہی لفظ

کی متعدد قرأتیں ہونے کی وجہ سے اور کبھی تکرار و اطناب کی وجہ سے۔ اور کبھی اختصار و ایجاز کی وجہ سے اور کبھی کنایہ، تعریض، متشابہ اور مجاز عقلی کے استعمال کی وجہ سے۔ لہٰذا استفادہ مند دوستوں کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ آغاز کلام میں اختصار پر گفتگو کرنے سے پہلے ان امور کی حقیقت اور ان کی چند مثالوں سے واقف ہو جائیں۔ اور مقام تفسیر میں رمز و اشارہ پر اکتفا کریں۔

فائدہ:- اس موقع پر دو باتیں ذہن نشین کر لیں۔ نمبر ۱ اہل معانی سے مراد وہ علماء ہیں جنہیں الفاظ قرآن کے معانی اور ان کی مراد بیان کرنے کا ملکہ حاصل تھا۔ اور جو لوگ وسعت علم و مہارت کی وجہ سے مفردات قرآن کی تشریح کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے جیسے زجاج، فراء، اخفش اور ابن الانباری وغیرہ (ماخوذ من الاتقان والخیر الجاری)

نمبر ۲ آیات قرآنیہ کو سمجھنے سمجھانے میں دشواری کے مذکورہ دس اسباب کے لئے اس باب میں چار فصلیں قائم کی گئی ہیں۔ پہلی فصل میں غریب نامانوس الفاظ کی معتبر شروح و تفاسیر کا بیان ہے۔ دوسری فصل میں ناسخ و منسوخ کی تفصیلی بحث ہے۔ تیسری فصل میں شان نزول کے سلسلہ کی ضروری مباحث کا تذکرہ ہے۔ چوتھی فصل میں بقیہ تمام اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کے علاوہ باب کے آخر میں ایک اور فصل کا ذکر کی گئی ہے جس میں کنایہ اور تعریض وغیرہ جیسی اہم اصطلاحات کی تعریف و تشریح ہے۔ جو ابھی مذکورہ عبارت میں آپ کی نظر سے گذری ہے۔

اس لئے یہاں اجمالی طور پر ان دس اسباب کے یاد کرنے پر اکتفا کریں۔

الفصلُ الاوّل فی شرح غریب القرآن

وَأَحْسَنُ الطُّرُقِ فِی شَرْحِ الْغَرِیبِ مَا صَحَّ عَنْ تَرْجُمَانِ الْقُرْآنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ مِنْ طَرِیقِ ابْنِ أَبِی طَلْحَۃَ وَاعْتَمَدَہُ الْبُخَارِیُّ فِی صَحِیحِہٖ غَالِبًا ثُمَّ طَرِیقُ الضَّحَّاکِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَوَابُ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أَسْئِلَۃِ نَافِعِ بْنِ الْأَزْرَقِ وَقَدْ ذَکَرَ السُّیُوطِیُّ ہٰذِہِ الطُّرُقَ الثَّلَاثَۃَ فِی الْإِتْقَانِ ثُمَّ مَا نَقَلَہُ الْبُخَارِیُّ مِنْ شَرْحِ الْغَرِیبِ عَنْ أَئِمَّۃِ التَّفْسِیرِ ثُمَّ مَا رَوَاہُ سَائِرُ الْمُفَسِّرِینَ مِنَ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِینَ وَأَتْبَاعِ التَّابِعِینَ مِنْ شَرْحِ الْغَرِیبِ

ترجمہ:۔ اور لفظ غریب کی تفسیر کے لئے سب سے عمدہ سند وہ ہے جو ترجمان قرآن عبداللہ بن عباسؓ سے ابن ابی طلحہ کے واسطے سے صحت کے ساتھ ثابت ہے۔ اور امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اکثر اسی پر اعتماد کیا ہے، پھر حضرت ابن عباسؓ سے ضحاک کی سند ہے، اور نافع ابن الازرق کے سوالات کے سلسلے میں ابن عباس کے جواب ہیں، اور سیوطیؒ نے ان تینوں سندوں کو اتقان میں ذکر کیا ہے۔ پھر (تیسرے نمبر پر) وہ سند ہے جسے امام بخاریؒ نے غریب (قلیل الاستعمال) لفظ کی تفسیر میں ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے۔ پھر (چوتھے نمبر پر) لفظ غریب کی وہ توضیح ہے جسکو صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں سے بقیہ مفسرین نے نقل کیا ہے۔

فائدہ:۔ اس موقع پر تین باتوں کا خیال رکھیں (۱) اس فصل میں قرآن کے غریب الفاظ کی تفسیر نہیں بیان کی جائیگی جیسا کہ عنوان سے وہم ہوتا ہے، بلکہ غریب الفاظ کی ان تفسیروں کی نشاندہی کی جائے گی جو زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ غریب الفاظ کی تفسیر کے لئے تو مصنف علامؒ نے مستقل ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ (۲) غریب قرآن سے قرآن کریم کے وہ الفاظ مراد ہیں جن کے معانی تک ذہن کی رسائی آسانی سے نہیں ہو پاتی ہے۔ کیونکہ ان کا استعمال کم ہوتا ہے۔ (۳) الطرق طریق کی جمع ہے جس کے لغوی معنی راستہ، اس سے مراد مفسرین کا وہ سلسلہ ہے جس کے ذریعہ تفسیریں ہم تک پہنچی ہیں۔ اس سلسلہ کی اہم ترین شخصیت، سرخیل مفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں جنہیں لسان نبوت (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے "اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل" کی قابل رشک دعا میسر ہوئی ہے اور جن کی قرآن فہمی پر کبار صحابہؓ کو بھی رشک آجاتا ہے۔ ان کے تفسیری اقوال کم و بیش دس طریقوں سے مروی ہیں۔ ان میں سب سے افضل و قابل اعتماد سند ابن ابی طلحہ کی ہے[1] قال احمد بن حنبل بمصر صحیفۃ فی التفسیر رواھا علی بن ابی طلحۃ لو رحل رجل فیہا الی مصر قاصدا ما کان کثیرا (اتقان ج ۲)

---

[1] علمی دنیا کا ایک عجوبہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ جن کی سند احسن الطرق قرار پارہی ہے ان کی زندگی کے حالات کا علم اکابر کو بھی نہیں [illegible] شئی من المعرفۃ ہے اور بات یہ ہے کہ آپ نے حدیث میں اپنے پیچھے ثبت [illegible] اور قابل اعتماد فیض یافتگان کا ایک طویل سلسلہ چھوڑ گئے ہیں کہ جس کی وجہ سے علمی دنیا میں آپ کا نام روشن اور آپ کے علوم زندہ ہیں۔

اور بعض مقامات میں امام بخاری نے اپنی صحیح کے اندر اسی سند پر اعتماد کیا ہے۔ وہ سند تفسیر پر ضحاک عن ابن عباس کی سند ہے۔ اور یہی تاریخی حیثیت حضرت ابن عباسؓ کے ان اقوال کی ہے جو آپ نے نافع ابن الازرق کے سوالوں کے جواب میں ارشاد فرمائے تھے۔ ارباب ذوق کے لئے چند نمونے پیش ہیں۔ قال نافع ابن الازرق اخبرنی عن قوله تعالى الخيط الابيض من الخيط الاسود۔ قال بياض النهار من سواد الليل وهو الصبح اذا انفلق۔ اما سمعت قول امية

شعر: الخيط الابيض ضوء الصبح منفلق ÷ والخيط الاسود لون الليل مكموم

قال اخبرني عن قوله تعالى جد ربنا۔ قال عظمة ربنا۔ واستشهد بقول امية ابو الصلت۔

شعر: لك الحمد والنعماء والملك ربنا ÷ فلا شيء اعلى منك جدا وامجد

قال اخبرني عن قوله تعالى الا في غرور۔ قال في باطل۔ اما سمعت قول حسان۔

شعر: تمنتك الاماني من بعيد ÷ وقول الكفر يرجع في غرور (الاتقان نوع ۳۶)

شرح غرائب میں تیسرا درجہ ان اقوال کا ہے جنہیں امام بخاری نے اکثر تفسیر حضرت امام حسن بصری، قتادہ اور سعید بن مسیب، ابن عیینہ اور معمر وغیرہم رحمہم اللہ سے نقل فرمایا ہے۔ اور چوتھا و آخری مرتبہ ان اقوال کا ہے جن کو عام مفسرین صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

نوٹ: مترجم دمشقی کی عبارت "واحسن الطرق فی شرح غریب القرآن ما صح" میں اطرق کا لفظ محل و اصل دونوں کے خلاف ہے۔ خلاف اصل اس وجہ سے ہے کہ فارسی عبارت میں "و بہترین شرح غریب آنست الخ" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غریب الفاظ کی بہترین و عمدہ شرح وہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ابن ابی طلحہ کی سند سے منقول ہے لیکن مصنف کا مقصد بھی شرح و عمدہ تفسیر کا بیان ہے نہ کہ تفسیر کی صحیح سند کا۔ فافہم

اور خلاف محل اس وجہ سے ہے کہ ما صح عن ترجمان القرآن احسن الطرق کی خبر ہے۔ اور اس کا مصداق شرح و تفسیر ہے جبکہ احسن کا مصداق سند ہے۔ ظاہر ہے کہ شرح کا محل سند نہیں ہے لہذا یہ عبارت صحیح نہیں ہے۔ بلکہ الطرق کی جگہ التفاسیر یا الشروح کا لفظ ہونا چاہئے تھا خود شیخ الہند رحمہ اللہ

ومن المستحسن عندي أن أجمع في الباب الخامس من الرسالة جملة صالحة من شرح غريب القرآن مع أسباب النزول فأجعلها رسالة مستقلة فمن شاء أدخلها في هذه الرسالة ومن شاء أفردها على حدة۔ ع وللناس فيما يعشقون مذاهب

ترجمہ: میری ایک پسند یہ ہے کہ اس رسالہ الفوز الکبیر کے پانچویں باب میں اسباب نزول کے ساتھ ساتھ غرائب قرآن کا ایک قابل اعتبار ذخیرہ اکٹھا کردوں اور اسے مستقل رسالہ بنادوں پھر جس کا جی چاہے وہ اسے اس رسالہ میں شامل کرلے اور جس کا جی چاہے وہ اسے الگ رکھے۔

اور اپنی پسند میں لوگوں کے نظریے الگ الگ ہیں۔ ع (خیال اپنا اپنا پسند اپنی اپنی)

ومما ينبغي أن يعلم ههنا أن الصحابة والتابعين ربما يفسرون اللفظ بلازم معناه وقد يتعقب المتأخرون التفسير القديم من جهة تتبع اللغة وتفحص موارد الاستعمال والغرض من هذه الرسالة سرد تفسيرات السلف بعينها ولتنقيحها ونقدها موضع غير هذا الموضع ولكل مقام مقال ولكل نكتة مقام.

اللغات: يتعقب تفعل سے گرفت کرنا، اعتراض کرنا۔ تتبع تفعل کا مصدر ہے تلاش کرنا۔ تفحص تفعل کا مصدر ہے کھود کرید کرنا، تلاش و جستجو کرنا۔ موارد مورد کی جمع ہے گھاٹ، راستہ، مراد مواقع و مقامات ہیں۔ سرد (ن، ض) بجنسہ نقل کرنا۔ تنقیح اصلاح کرنا۔ نقد (ن) مصدر ہے نقد الکلام تنقید کرنا، عیوب و محاسن کو ظاہر کرنا۔

ترجمہ: اور ان چیزوں میں سے جن کا اس موقع پر جاننا مناسب ہے یہ ہے کہ صحابہ و تابعین کبھی لفظ کی تفسیر اس کے لازم معنی سے کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی متاخرین مواقع استعمال کی تفتیش اور لغات کی تحقیق کے اعتبار سے اس قدیم تفسیر پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور اس رسالہ کا مقصد

اسلاف کی تمام تفسیروں کو بعینہ نقل کر دینا ہے۔ اور اس کی اصلاح و تنقید کے لئے اس کے علاوہ دوسرا مقام ہے (ہر مکانے را سخنے و ہر نکتہ را مکانے) ہر موقع کے لئے الگ کلام اور ہر نکتہ کے لئے الگ مقام ہوتا ہے۔

فائدہ: تفسیر کی کتابوں میں جا بجا ایک ایک آیت کی تشریح میں کئی کئی اقوال سامنے آجاتے ہیں جس سے تفسیر کے مبتدی طلبہ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حضرت علامہ اسی ذہنی کشمکش کے ازالہ کی خاطر فرماتے ہیں کہ صحابہ و تابعین کبھی آیات و الفاظ قرآنی کی تفسیر میں لغوی و اصلی معنی کے بجائے اس کے لازمی مفہوم کو ذکر کر دیتے ہیں جس کو متأخرین مواقع استعمال اور لغوی تحقیقات کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ اور جب ان کی کسوٹی پر وہ تفسیر پوری اور کھری نہیں اترتی ہے تو متقدمین کا تعاقب اور رد کیا جاتا ہے۔ انہیں تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ قدیم مفسرین کے اختلافی اقوال کو مقصد کے اعتبار سے ہیں ایک دوسرے کا مخالف سمجھنا محض کم فہمی اور سطحی مطالعہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ان اقوال مختلفہ کو اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تو محض الفاظ و عبارت اور تعبیر کا اختلاف ہے۔

شعر: عباراتنا شتی وحسنک واحد ۔ وکل الی ذاک الجمال یشیر

سبب اختلاف: مذاق گفتگو اور گرد و پیش کے احوال کی رعایت اس اختلاف لفظی کی اصل محرک ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کوئی اصل معنی موضوع لہ سے تفسیر کرتا ہے، کوئی اس کے لازمی معنی کا تذکرہ کرتا ہے۔ کوئی اس کی نظیر پیش کرتا ہے۔ کوئی مقاصد اور ثمرات و فوائد کو ذکر کرتا ہے۔ اور کوئی سائل یا مخاطب کے مناسب حال تفسیر پر اکتفا کر لیتا ہے۔ جبکہ آیت کریمہ ان تمام معانی کو حاوی و جامع ہوتی ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے: اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا۔ (کہف)

مَا عَلَی الْاَرْضِ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس نے فرمایا: الرجال خاصۃ ہم زینۃ الارض۔ وقیل اراد بہم العلماء والصلحاء وقیل ما یصلح ان یکون زینۃ لہا من زخارف الدنیا۔

ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی فرماتے ہیں۔

ویمکن ان یراد بما علی الارض علی العموم کما ہو الظاہر وکونہ زینۃ من حیث النظام الجملی او من حیث ان کل شیء وان خلا فذلک زینۃ لانہ حسن الاشیاء الحسنۃ تعرف

كما هي عند من لم يتتبع المقصد اوجهًا۔

سمجھنے کے لئے یہ چار اقوال ہیں۔ لیکن ان میں تعارض یا تناقض ہرگز نہیں۔ بلکہ ان اقوال میں عموم و خصوص کی نسبت ہے۔ قاضی صاحب کی تفسیر عام ہے بعض تفسیریں خاص۔ لیکن خاص کے ثبوت سے عام کی نفی تو نہیں ہو جاتی ہے۔ مثال دوم: حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے المغضوب علیہم کا مصداق یہود کو اور الضالین کا مصداق نصاریٰ کو بتایا ہے۔ بعض مفسرین کی رائے میں المغضوب سے فساق و بداعمال اور الضالین سے گمراہ و بد اعتقاد لوگ مراد ہیں۔

علامہ آلوسی بغدادی۔۔۔ اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ان تفسير المغضوب عليهم والضالين باليهود والنصارى جاء في الحديث الصحيح المأثور فلا يعتد بخلافه (روح المعانی ج ۱)

اسی طرح حضرت ابو حیان نے بھی اس قول پر طعن کرتے ہوئے فرمایا: واذا صح هذا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وجب المصير اليه۔ لیکن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی ہدایت کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ اشکالات کمزور نظر آتے ہیں۔ کیونکہ مذکورہ تفسیر جس پر یہ اکابر جرح کناں ہیں۔ تفسیر ماثور کے معارض نہیں ہے۔ بلکہ تفسیر ماثور کو متضمن اور جامع ہے۔ اگرچہ یہ بھی صحیح ہے کہ ان دونوں الفاظ کے اولین مصداق یہود و نصاریٰ ہی ہیں۔ لہٰذا تفسیر ماثور کو نظیر کی حیثیت دیا جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

خورشید انور عفا اللہ عنہ ولوالدیہ واساتذتہ وتلامیذہ۔

الفصل الثاني في معرفة الناسخ والمنسوخ

من المواضع الصعبة في فن التفسير التي ساحتها واسعة جدًا والاختلاف فيها كثير معرفة الناسخ والمنسوخ۔

ترجمہ: دوسری فصل ناسخ و منسوخ کی شناخت (پہچان) کے بیان میں ہے۔ فن تفسیر کے ان مشکل مقامات میں سے جن کا میدان بہت وسیع ہے اور جن میں اختلاف بہت ہے ناسخ و منسوخ کو پہچاننا ہے۔

یعنی ناسخ و منسوخ کی بحث بھی فن تفسیر کی مشکل مباحث میں سے ہے۔ جس میں نسخ کے امکان و وقوع سے لیکر ناسخ و منسوخ آیتوں کی تعداد و تعیین تک کی اختلاف ہیں، پھر مثبتین و منکرین کے دلائل اور ان کے جوابات کی بحث بھی تفصیل طلب ہے۔

فائدہ:- زمانہ سلف تا خلف پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ قرآن کریم میں ناسخ آیتوں کے ساتھ منسوخ آیتیں بھی موجود ہیں، اگرچہ متقدمین میں ابو مسلم اصفہانی اور معتزلہ اور متاخرین میں مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم و مولانا عبد الصمد رحمانی بہاری مرحوم قرآن کی موجودہ آیات میں سے کسی کو منسوخ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مولانا بہاری مرحوم نے تو ابو مسلم اصفہانی وغیرہ کی زبردست وکالت کرتے ہوئے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ہے "قرآن محکم جس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے"۔ کتاب پر حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کی طرف سے تقریظ و تحسین اور مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی بہاری کے قلم سے پیش لفظ موجود ہے۔ ان شاء اللہ فرصت کے کسی وقت میں اس کا بھی جائزہ لیا جائیگا۔

سردست ماتن کی طرح ہم بھی "ثبوت نسخ" کی بحث سے صرف نظر کرتے ہیں۔ اور ناسخ و منسوخ آیتوں کی تعداد و تعیین کو مصنف کی اتباع میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کریں گے، لیکن اس تفصیل کے آغاز سے پہلے اپنے پیشرو شارحین کی اتباع میں اس موضوع کی اہمیت اور اس کے متعلق رجال امت کی تصنیفی خدمات کا اجمال اور نہایت مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں۔

موضوع کی اہمیت ناسخ و منسوخ کی معرفت کو علماء تفسیر کے یہاں بڑی اہمیت حاصل ہے حتی کہ اسے اجتہاد کے لئے موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے، اور ائمہ تفسیر اس شخص کو تفسیر کی اجازت نہیں دیتے۔ جسے یہ علم حاصل نہ ہو۔

حضرت علیؓ کا ایک واعظ کے پاس سے گذر ہوا آپ نے اس سے پوچھا "اتعرف الناسخ والمنسوخ"، ناسخ و منسوخ آیات کی شناخت رکھتے ہو؟ جب واعظ کی طرف سے نفی میں جواب پاکر حضرت نے فرمایا "هلكت وأهلكت" تم نے اپنے ساتھ دوسروں کی تباہی و بربادی کا بھی سامان کر لیا ہے

کتاب الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم لابی جعفر النحاس (م ۳۳۸ھ) میں

اس کے حاشیہ پر اس واعظ کا نام عبد الرحمن بن داب لکھا ہے۔ اور یہ کہ یہ حضرت ابو موسیٰ

اشعریؓ کے رفیق تھے۔ لوگ ان کے اردگرد حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے ان سے سوالات کر رہے تھے۔ اور یہ امر و نہی اور جائز و ناجائز کو خلط ملط کر کے جواب دے رہے تھے۔ اس پر حضرت علیؓ نے یہ سوال و جواب فرمایا تھا۔ (واللہ اعلم)

اسی اہمیت کی وجہ سے اس موضوع پر تصنیف کی بہتات ہے مثلاً کتاب الناسخ والمنسوخ کے علاوہ معرفۃ الناسخ والمنسوخ کے نام سے شیخ ابن حزم نے، اخبار الرسوخ بمقدار الناسخ و المنسوخ کے نام سے علامہ ابن الجوزی نے، الموجز فی الناسخ والمنسوخ کے نام سے ابن خزیمہ فارسی نے اور افادۃ الشیوخ فی الناسخ والمنسوخ کے نام سے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے تصنیف فرمائی ہے۔

واقوى الوجوه الصعبة اختلاف اصطلاح المتقدمين والمتأخرين وما علم في هذا الباب من استقراء كلام الصحابة والتابعين أنهم كانوا يستعملون النسخ بإزاء المعنى اللغوي الذي هو إزالة شيء بشيء لا بإزاء مصطلح الأصوليين فمعنى النسخ عندهم إزالة بعض الأوصاف من الآية بآية أخرى إما بانتهاء مدة العمل أو بصرف الكلام عن المعنى المتبادر إلى غير المتبادر أو بيان كون قيد من القيود اتفاقيا أو تخصيص عام أو بيان الفارق بين المنصوص وما قيس عليه ظاهرا أو إزالة عادة الجاهلية أو الشريعة السابقة فاتسع باب النسخ عندهم وكثر جولان العقل هنالك واتسعت دائرة الاختلاف ولهذا بلغ عدد الآيات المنسوخة خمسمائة وإن تأملت متعمقا فهي غير محصورة

نوٹ:- یہاں عبارت واقوی الوجوہ الصعبۃ کے بجائے واقوی وجوہ الصعوبۃ ہونی ہے۔

ترجمہ: اور دشواری کی قوی ترین وجہ متقدمین و متاخرین کی اصطلاحات کا اختلاف ہے۔ اور اس باب میں صحابہ و تابعین کے کلام کے استقراء و تتبع سے جو کچھ معلوم ہو سکا ہے یہ ہے کہ وہ لوگ لفظ نسخ کو معنی لغوی کے بالمقابل استعمال کیا کرتے تھے کہ وہ ازالۃ شیء بشیء ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ذریعہ زائل کر دینا ہٹا دینا، نہ کہ اصولیین کی اصطلاح کے بالمقابل۔ لہذا ان لوگوں کے نزدیک نسخ کا معنی آیت کے کسی وصف کو دوسری آیت کے ذریعہ زائل کر دینا ہے۔ یا تو مدت عمل کے انتہا کو پہنچ جانے (کی وضاحت) کے ذریعہ، یا کلام کو معنی متبادر[1] سے معنی غیر متبادر کی طرف پھیر کر، یا قیود میں سے کسی قید کے اتفاقی ہونے کی وضاحت یا عام کی تخصیص یا منصوص اور اس چیز کے درمیان فرق کی وضاحت جس کو اس منصوص پر بظاہر قیاس کر لیا گیا ہے، یا دور جاہلیت کی عادت کو یا سابق شریعت کو ختم کرنا۔ اسی وجہ سے ان لوگوں کے یہاں نسخ کا باب وسیع ہو گیا۔ اور اس کا موقع پر عقل کا دور بڑھ گیا۔ اور دائرہ اختلاف نے وسعت اختیار کر لی۔ اسی وجہ سے آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی۔ اور اگر تم گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہوئے غور کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ لا محدود ہیں۔

یعنی بحث نسخ کے مشکل ہونے کا ایک بڑا اور اہم سبب یہ ہے کہ نسخ کی تفسیر و تعریف میں اتفاق نہیں ہے۔ متقدمین نسخ کو اس کے لغوی معنی میں استعمال کرتے ہیں جس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جسے بعض علماء نے سات حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ متاخرین کی نظر میں نسخ ایک مخصوص اصطلاح ہے جس کا دائرہ بہت محدود اور مختصر ہے۔

معنی لغوی ازالۃ الشیء بالشیء = کسی چیز کو دوسری چیز کے ذریعہ ختم کر دینا۔ فقال الراوی الدمنۃ فی طلل ناقتہ [illegible] الشیء [illegible] کہتے ہیں: نسخت الریح آثار القوم، ہوا نے قوم کے نشان مٹا دیے۔ نسخت الشمس الظل، سورج نے سایہ کو ختم کر دیا۔ ارشاد باری ہے: فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ۔ (ترجمہ دوسرے صفحہ پر)

---

[1] متبادر: تبادر الشیء سے اسم فاعل ہے، جلدی کرنا، [illegible] متبادر وہ معنی جو ذہن میں آتا ہے اسے متبادر اور [illegible] کی طرف ذہن منتقل ہو اسے غیر متبادر کہا جاتا ہے۔ خورشید انور۔

تو اللہ تعالیٰ اقتدار شیطانی کو مٹا دیتا ہے۔ امام رازیؒ نے اسی معنی میں لفظ کو حقیقت بتایا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اس کے مقابلہ میں قفالؒ وغیرہ نے جو دوسرا معنی پیش کیا ہے یعنی، نقل و تحویل، کسی چیز کو دوسری جگہ منتقل کرنا۔ یہ معنی، ازالہ و ابطال، کے مقابلہ میں اخص ہے کیونکہ، نقل، میں اصل شئے موجود رہتی ہے صرف صفت میں تبدیلی ہوتی ہے جبکہ، ابطال و عدم، کا مطلب ہوتا ہے سرے سے چیز ہی کا معدوم و نیست و نابود ہو جانا۔ ضابطہ یہ ہے کہ لفظ جب دو معنوں میں دائر ہو جن میں سے ایک معنی عام اور دوسرا خاص ہو تو لفظ کو معنی عام میں حقیقت قرار دینا اولیٰ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۲۷)۔ معنی ہندی گفتہ اکثر برآنند کہ در ازالہ حقیقت ست۔ (افادہ ص ۲)

بہر حال متقدمین لفظ نسخ کو، ازالۃ شی بشی، کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ مگر علامہؒ نے اس کی تفصیل میں چھ شکلیں ذکر کی ہیں (نمبر ۱) آیت کے کسی وصف کو دوسری آیت کے ذریعہ ختم کر دینا جس کی دو صورتیں ہیں (اوّل) مدت عمل کے ختم ہو جانے کا بیان جیسے فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ، میں معافی و چشم پوشی کے حکم پر عمل کرنے کی اجمالی مدت مقرر کر دی گئی ہے۔ کہ جب تک کوئی دوسرا حکم نہیں آتا ہے مشرکین کے ساتھ عفو و درگذر کا سلوک کرتے رہو، پھر دو سال کے بعد آیت کریمہ: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا، کے ذریعہ بیان کر دیا گیا کہ عفو صفح پر عمل کی مدت پوری ہو چکی ہے۔ یہ سدیؒ، ابن سلامہ اور ابن حزمؒ کی رائے ہے۔ آیات العفو منسوخۃ بآیۃ السیف — قال العلماء ان ھذہ الآیۃ منسوخۃ بقولہ تعالٰی۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (کبیر [illegible]) ابن جریرؒ کے مطابق آیت سیف، فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ الآیۃ، کے ذریعہ ایک سو تیرہ اور ابن حزم کے مطابق ایک سو دو آیتیں منسوخ ہوئیں جو اڑتالیس سورتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ (الموجز ص ۳۳)

(دوسری) معنی غیر متبادر کے مراد ہونے کی وضاحت جیسے آیت کریمہ، حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ، میں خیط ابیض و خیط اسود کے معنی متبادر، سیاہ و سفید دھاگے ہیں اور غیر متبادر معنی، بیاض نہار و سواد لیل، یعنی دن کا اجالا اور رات کا اندھیرا ہے۔

امام طحاویؒ نے فرمایا کہ "من الفجر" اس کے لئے ناسخ ہے یعنی من الفجر نے معنی متبادر کے احتمال کو ختم کر کے معنیٰ ثانی متعین کر دیئے اور حضرت سہل بن سعدؓ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک "من الفجر" کا نزول نہیں ہوا بہت سے صحابہؓ اس سے سیاہ و سفید دھاگے ہی مراد لیتے رہے ۔ بلکہ ایک دوسری روایت کے مطابق بعض حضرات اسی بنیاد پر طلوع صبح صادق کے بہت بعد اور طلوع آفتاب سے کچھ پہلے تک سحری کھاتے رہے، اور جب یہ جزء "من الفجر" نازل ہو گیا تو خیط ابیض و خیط اسود کے معنی غیر متبادر، بیاض نہار و سواد لیل متعین ہو گئے۔ و مثلہا یعنی نسخ التفسیر الظاہری۔

(نمبر ۶) آیت کی کسی شرط یا قید کے اتفاقی ہونے کا بیان

یہ بھی متقدمین کے یہاں نسخ کہلاتا ہے۔ **مثال:** حسب تصریح مفسرین سورۂ نساء کی آیت کریمہ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا میں "ان خفتم" کی شرط اتفاقی ہے۔ التعبیر بقولہ تعالیٰ ان خفتم لا لیس للشرط و انما خرج مخرج الغالب اذ کان الغالب علی المسلمین الخوف فی الاسفار (روائع ج ۱ ص ۵۰۸) اسی وجہ سے شارحین الفوز الکبیر نے اس موقع پر اسے مثال میں پیش کیا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل نبوی، حالت امن میں قصر فرمانے کو اس شرط کے لئے ناسخ بتایا ہے۔

خیالی بندہ: لیکن راقم الحروف کی نظر میں یہ مثال موقع و مقتضاء حال کے مناسب نہیں ہے کیونکہ موضوع بحث وہ قید اتفاقی ہے جس کو متقدمین نے منسوخ بتایا ہو، جبکہ اس قید یا شرط کا منسوخ ہونا متقدمین میں سے کسی سے منقول نہیں ہے، چنانچہ شیخ ابو جعفر النحاس مصری سورۂ نساء کی دس منسوخ آیتوں کے لئے الگ الگ ابواب قائم کرنے کے بعد اس آیت کریمہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انما لم افرد لها بابا لانه لم يصح عندي انها ناسخة ولا منسوخة ولا ذكرها احد من المتقدمين بشيء من ذلك فيذكر (الناسخ والمنسوخ ص ۱۳۳)

اور ہماری معلومات کے مطابق ابو محمد مکی قیسی کی کتاب "الموجز فی الناسخ والمنسوخ" میں بھی اس آیت کا تذکرہ نہیں ہے، جبکہ وہ مجموعی کتابوں کی تلخیص ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مناسب حال مثال: سورۂ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے: الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی۔ بظاہر مذکورہ تین اصناف (حر، عبد، انثیٰ) کا قصاص مقتول و قاتل کی مماثلت کے ساتھ

مقید ہے۔ اگر یہ قید احترازی ہے تو عبد کے بدلہ میں حُر اور انثیٰ کے بدلہ میں رَجُل کا قصاص مشروع نہیں ہوگا۔ احناف، سفیان ثوریؒ و قاضی ابن ابی لیلیٰ وغیرہ کے نزدیک یہ قید اگرچہ اتفاقی ہے اور آیت کریمہ ان النفس بالنفس۔ اس کے لئے بیان ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ، امام شعبیؒ، قتادہؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ اور امام نخعیؒ وغیرہ کے نزدیک قید احترازی ہے اور دوسری آیت اس کے لئے ناسخ ہے۔ (دیکھئے: نادرة الشیوخ ج ۲ باب کتاب الناسخ والمنسوخ صفحہ [illegible])

نمبر ۳ لفظ عام کی تخصیص۔

تخصیص کے معنی ہیں: قصر العام علی بعض افرادہ۔ یعنی لفظ کے حکم کو اس کے بعض افراد کے ساتھ خاص کر دینا۔ مثال: ارشاد ربانی: لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا۔ عام ہے، جس میں رہائشی و غیر رہائشی ہر قسم کے گھر داخل تھے۔ آیت کریمہ: لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونۃ فیھا متاع لکم۔ سے اس میں تخصیص ہوئی اور غیر رہائشی مکانات استیذان کے حکم سے مستثنیٰ ہو گئے۔ حضرت ابن عباسؓ اور ان کے شاگرد رشید حضرت عکرمہؒ سے منقول ہے کہ پہلی آیت دوسری کے لئے ناسخ ہے۔ [illegible]

نمبر ۴۔ قیاس فاسد۔ جس میں قیاس صحیح کی پوری شرائط نہ پائی جاتی ہوں

قیاس فاسد کی تردید اور منصوص و غیر منصوص کے درمیان فرق کی وضاحت بھی متقدمین کے یہاں نسخ ہی کی ایک شکل ہے۔

مثال: بعض شارحین نے اس کی مثال میں مشرکین کے قول "انما البیع مثل الربوٰ" کو قیاس فاسد کی حیثیت سے اور ارشاد ربانی "واحل اللہ البیع وحرم الربوٰ" کو بیان فارق اور ناسخ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اور حضرت الاستاذ مدظلہ نے ایک اور مثال بھی پیش کی ہے کہ دور جاہلیت کے لوگ اللہ کے نام کے ذبیحوں و قربانیوں پر قیاس کر کے بحیرہ و سائبہ وغیرہ کو جائز قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب۔ فرمایا۔ پھر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ نسخ متقدمین کی اصطلاح میں مطلق ازالہ کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا جس میں بہت عموم تھا جس کو علماء فن کے غالب ہو جانے کی وجہ سے اس فن کا ختم ہو جانا

بھی متقدمین کے نزدیک ایک قسم کا نسخ ہی تھا۔ لہٰذا عام مخصوص و عام لازمی منسوخ ہے کیونکہ ان کے علاوہ یہی ہے۔ (ہ) کسی قیاس باطل کی تردید بھی نسخ میں داخل ہے۔ جیسے جائز و مباح کا نسخ اور حکم کی مدت عمل کے خاتمہ کا بیان تو نسخ ہی ہے۔ (مستفاد از الفوز الکبیر [illegible])

(۳) رسم جاہلیت کے طور طریقوں اور پچھلے رسول کی تردید کو بھی متقدمین کے یہاں نسخ کہہ دیا جاتا تھا
مثال:۔ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا (الآیۃ) علماء کی ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ یہ آیت جاہلیت کے اس نظریہ اور دستور کی ناسخ ہے کہ ظہار سے بیوی حرام ہو جاتی ہے اور وہ طلاق کا ایک طریقہ ہے۔ حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباسؓ سے اسی قسم کی روایت نقل کرتے ہیں (کتاب الناسخ [illegible])

مثال ۲:۔ آیت طلاق تین سے طلاق کی تحدید معلوم ہوتی ہے۔ زمانہ جاہلیت کے غیر محدود طلاق کی بری رسم کے لئے ناسخ ہے۔ (کتاب الناسخ [illegible])

(۴) بعض متقدمین کے نظریہ کے مطابق نسخ کی چوتھی شکل۔ شریعت سابقہ کے کسی حکم کے خلاف فیصلہ دینا ہے۔ مثال: فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ۔ قیل هی ناسخة لما كان عليه بنو اسرائيل من القصاص بغير دية۔ عن مجاهد عن ابن عباسؓ قال كان القصاص في بني اسرائيل ولم تكن الدية فقال الله عز وجل لهذه الامة فمن عفي له الآية قال العفو ان يقبل الدية في العمد۔ (الناسخ [illegible])

الاصل بنی اسرائیل کے لئے شریعت موسویہ میں قتل کی سزا صرف قصاص تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قتل عمد میں اس امت کے لئے دیت کی گنجائش نکال کر اسرائیلی شریعت کو منسوخ کر دیا۔
مذکورہ تمام شکلیں متقدمین کی نظر میں نسخ ہیں۔ بلکہ معنی لغوی کے عموم پر نظر رکھی جائے تو استثناء، شرط اور صفت کا ذکر بھی نسخ میں داخل ہے۔ کما ذکرها ابن القیم فی اعلام الموقعین۔
اس تعمیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب اللہ کی منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی بلکہ ابن قیمؒ کے بقول اگر بنظر غائر کلام اللہ کا مطالعہ کیا جائے تو آیات منسوخہ حد و شمار سے باہر ہیں۔

والمنسوخ باصطلاح المتاخرين عدد قليل لا سيما بحسب ما اخترناه من التوجيه وقد ذكر الشيخ جلال الدين السيوطي في كتاب الاتقان

بتقریر مبسوط کما ینبغی بعض ما ذکرہ العلماء ثم حرّر المنسوخ الذی فیه رای المتأخرین علی وفق الشیخ ابن العربی فعدّدہ قریبا من عشرین آیة وللفقیر فی اکثر تلک العشرین نظر فلنورد کلامه مع التعقب ۔

اللغات :۔ حرّر تحریراً عمدہ لکھنا، عدّد تعدیداً شمار کرنا، فلنورد فا برائے سبب لنورد ایراد سے فعل امر، ایراداً لانا، ذکر کرنا۔ التعقب گرفت کرنا، نقص تلاش کرنا۔ یا پھر عقب الکلام تعقیباً سے ہے جس کے معنی ہیں نوٹ لگانا چاہے تائید ہو یا تردید، یا محض اعتراض کی صورت میں۔ (کذا فی العون)

الاعلام :۔ جلال الدین السیوطی کا نام عبد الرحمن بن ابی بکر بن محمد سابق الدین الخضیری المصری ہے۔ مقام اسیوط میں پیدا ہوئے جس کی نسبت سے سیوطی کہلاتے ہیں۔ ۸۴۹ھ میں یکم رجب کو ولادت باسعادت ہوئی اور ۹۱۱ھ میں جمعہ مورخہ ۱۹ جمادی الاولی کی شب میں سحر کے وقت اکسٹھ سال دس مہینے چند یوم کی عمر میں تفسیر وحدیث اور تاریخ وادب جیسے عظیم علوم کا یہ امام آشیانۂ قدس جا پہونچا۔

الشیخ ابن العربی :۔ سے مراد ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعافری الاندلسی کی ذات گرامی ہے جو اشبیلیہ کے قاضی القضاۃ، اسلامی علوم کے امین، تفسیر وحدیث کے ماہر اور فقہ میں امام مالک کے متبع تھے۔ تفسیر وحدیث کی خدمت آپ کا مشغلہ تھا۔ عارضۃ الاحوذی کے نام سے سنن ترمذی شریف کی شرح فرمائی۔ اور احکام القرآن کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں آیات الاحکام کی تفسیر لکھی۔ آپ ان کے علاوہ بھی کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس دار فانی میں آپ کی بود وباش تقریباً پچھتر سال رہی۔ ۴۶۸ھ میں آپ کی ولادت باسعادت کی خوشیاں منائی گئیں اور ۵۴۳ھ میں وفات حسرت آیات کی غم انگیز خبر نے ایک عالم کو سوگوار کیا۔

نوٹ :۔ ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ و فصوص الحکم جنہیں تصوف میں خاصی شہرت حاصل ہے وہ اور ہیں۔ اور وہ ابن العربی دوسرے ہیں، ان کا لقب محی الدین اور نام محمد بن علی بن محمد بن احمد

بن عبداللہ معافری ہے۔ سنہ ۴۶۸ھ میں ولادت اور ۵۴۳ھ میں وفات پائی۔ (کذا فی الروض ص ۲۱۳)

الاتقان: علوم قرآن پر علامہ سیوطی کی ایک اہم اور مشہور کتاب ہے۔ جسے مصنف نے سیکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد کم و بیش تقریباً چار سال کی طویل مدت میں اپنی تفسیر "مجمع البحرین و مطلع البدرین" کے مقدمہ کی حیثیت سے تصنیف فرمایا تھا۔ اسّی نوعوں میں کتاب کو تقسیم فرمایا ہے اور علوم کے دریا بہائے ہیں۔

ترجمہ: اور منسوخ متاخرین کی اصطلاح کے مطابق تھوڑی تعداد میں ہے۔ بالخصوص اس توجیہ کے مطابق جسے ہم نے اختیار کیا ہے۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے "الاتقان" میں تفصیلی تقریر کے ساتھ جیسا کہ مناسب ہے اس میں سے کچھ ذکر کیا ہے۔ جسے علماء نے ذکر فرمایا ہے پھر اس منسوخ کو شیخ ابن العربی کے موافق جسے اس نے تحریر کیا ہے جس میں متاخرین کی رائے ہے۔ اور انکی بیس آیتیں شمار کرائی ہیں۔ اور فقیر کو ان بیس کی اکثر (آیتوں) میں تامل (و اشکال) ہے۔ لہٰذا ہم سیوطی کے کلام کو توضیح (اپنی رائے) کے ساتھ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

تصحیح: محترم مترجم کو خط کشیدہ ترجمے کے گنجلک اور غیر واضح ہونے کا پورا احساس ہے، تاہم عربی عبارت کی رعایت میں آپ بھی اسے تھوڑی دیر کے لئے انگیز کر لیجئے اور آئیے ہم اب ملکر اصل فارسی عبارت کا مطالعہ کریں۔ اگر ماتن کے مقصد تک رسائی حاصل ہو سکے۔ اور مترجم دمشقی کی عربی عبارت کا بدل تیار کیا جا سکے۔

فارسی عبارت: شیخ جلال الدین سیوطی در کتاب اتقان بعد ازانکہ از بعض علماء آنچہ مذکور شد بسیط لائق تقریر نمود و آنچہ برائے متاخرین منسوخ است بروفق شیخ ابن العربی محرر کرد قریب بست آیت شمردہ۔

اردو ترجمہ: شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے کتاب اتقان میں۔ اس کے بعد کہ جو کچھ بعض علماء سے منقول ہے (اسے) مناسب تفصیل کے ساتھ تحریر کیا اور جو کچھ ابن العربی کی رائے کے مطابق متاخرین کی نظر میں منسوخ ہے اسے لکھا، بیس آیتیں شمار کی ہیں۔

عربی ترجمانی: لہٰذا عربی عبارت اس طرح ہوتی تو مصنف کا مقصد بآسانی سمجھ میں آجاتا۔

"الشیخ السیوطی عدّ فی کتابہ "الاتقان" قریباً من عشرین آیۃ بعد ذکر ما روی عن

بعض من العلماء بشرح مناسب وما عہ هو منسوخ عند المتأخرين على رأي الشيخ ابن العربي"

فائدہ:- عبارت کی وضاحت سے پہلے متأخرین کے نظریہ کے مطابق نسخ کی اصطلاحی تعریف ذہن نشین کرلیں۔ تعریف ۱: هو بيان انتهاء الحكم الشرعي المطلق الذي في تقدير اوهامنا استمراره لولاه بطريق التراخي (كتاب التحقيق ص...) یعنی نص جدید کے ذریعہ حکم شرعی مطلق عن الوقت کے اختتام کا ایسا بیان جو تاخیر سے ہونے کی صورت میں حکم مطلق کے استمراری ودائمی ہونے کا خیال ہو۔ تعریف ۲: هو في الشريعة عبارة عن رفع الحكم بدليل متأخر (۳)۔ دلیل جدید کے ذریعہ کسی (سابق) شرعی قانون کو اٹھا لینا نسخ ہے۔

تعریف ۳: بيان انتهاء حكم شرعي بطريق شرعي متراخ عنه حتى لا يجوز امتثاله ([illegible])

یعنی شریعت کے کسی جدید طریقے سے کسی قدیم حکم شرعی کی مدت عمل ختم ہو جانے کا ایسا بیان کہ قدیم حکم پر عمل کی گنجائش باقی نہ رہ سکے۔ اس کی تائید علامہ سیوطی کے ارشاد "انما النسخ الازالة للحكم حتى لا يجوز امتثاله" سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن خط کشیدہ قید پر اشتراط نہیں ہے۔ فتدبر وسنذكره ان شاء الله تعالى۔

وحقيقته انتهاء مدة الحكم المعبر عنه بالنسخ بالنسبة الى علم الله تعالى والواقع بيان و بالنسبة الينا تبديل۔ (المنار [illegible])

ماحصل متن یہ ہے کہ علامہ سیوطی نے اپنی مشہور تصنیف "کتاب الاتقان فی تفسیر القرآن" میں نسخ پر گفتگو کرتے ہوئے آخر متقدمین علماء کی رائے رقم فرمائی ہے۔ پھر شیخ ابن العربی کی رائے کے موافق ان انیس آیتوں کا ذکر فرمایا جو متأخرین کے نظریہ کے مطابق منسوخ ہیں اور آخر میں اپنی رائے ظاہر کی ہے جس میں بعض آیتوں کے سلسلہ میں ابن العربی کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ ان انیس آیتوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "فهذه احدى وعشرون آية منسوخة على خلاف في بعضها لا يصح دعوى النسخ في غيرها والاصح في الاستئذان والقسمة الاحكام فصارت تسعة عشر ويضم اليها قوله تعالى "فاينما تولوا فثم وجه الله" على رأي ابن عباس انها منسوخة بقوله تعالى "فول وجهك شطر المسجد الحرام" الآية فتمت عشرون"

(الاتقان ص ۲۵ ج ۲)

عہ ای وبعد ذکر ما هو الخ

فمن البقرۃ قولہ تعالیٰ: كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ، الآیۃ منسوخۃ قیل بآیۃ المواریث وقیل بحدیث: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، وقیل بالاجماع حکاہ ابن العربی قلت منسوخۃ بآیۃ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ، وحدیث: لا وصیۃ، مُبَیِّنٌ للنسخ

ترجمہ:- چنانچہ بقرہ میں سے باری تعالیٰ کا ارشاد کتب علیکم الخ منسوخ ہے اس کا ترجمہ ہے (تم پر والدین اور اقرباء کے واسطے وصیت فرض کر دی گئی ہے، اس وقت جبکہ تم میں سے کسی کو موت آئے بشرطیکہ اس نے مال چھوڑا ہو) کہا گیا ہے کہ آیت میراث سے، اور کہا گیا ہے کہ حدیث لا وصیۃ لوارث سے (جس کے معنی ہیں، کسی وارث کے حق میں وصیت نہیں) اور کہا گیا کہ اجماع سے۔ اسے ابن العربی نے نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں بلکہ آیت یوصیکم اللہ الخ سے منسوخ ہے اور حدیث لا وصیۃ لوارث نسخ کے لئے بیان ہے۔

فائدہ:- وہ اکیس آیتیں جنہیں ابن العربی نے متاخرین کے نظریہ کے مطابق منسوخ الحکم مانا ہے، اور علامہ سیوطی نے اتقان میں تفصیل و تنقید کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ماتن کے بیان سے ان آیتوں کو تفصیل کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ ان میں سے چھ آیتیں سورۂ بقرہ کی ہیں، آل عمران کی ایک اور مائدہ و نساء کی تین تین، انفال و براءت کی ایک ایک، نور کی دو، احزاب، مجادلہ، ممتحنہ اور مزمل کی ایک ایک یہ کل اکیس آیتیں ہیں۔

سورۂ بقرہ کی پہلی آیت: کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین۔ ہے۔ اس آیت کے ناسخ کی تفصیل سے پہلے آیت سے متعلق چند اہم اور مفید معلومات کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

(۱) الوصیۃ فی الشرع: عہد خاص مضاف الی ما بعد الموت۔ (القاموس الفقہی ص [illegible])

یعنی اصطلاح شریعت میں وصیت سے وہ باتیں مراد ہوتی ہیں جو وصیت کرنے والے کی موت کے بعد عمل درآمد ہوتی ہیں۔

(۲) شرعی ولغوی معنی میں مناسبت۔ یقال وصیت الشیء بالشیء اذا وصلتہ بہ۔

یعنی وصیت کے لغوی معنی ہیں ملا دینا کان الموصی لما وصی بالمال وصل ما بعد الموت بما قبلہ فی نفوذ التصرف (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۳ ص ۳۱۵) ۔

(۲) وصیت سے متعلق آثار واحادیث ۔

(۱) فی المشکوٰۃ عن البخاری عن ابن عباسؓ قال کان المال للولد والوصیۃ للوالدین فنسخ اللہ من ذلک ما احب فجعل للذکر مثل حظ الانثیین ۔

(حاشیۃ بیان القرآن وجلالین وانظر الاوجز ص ۳۳ ج ۵)

(۲) عن عامر بن سعد عن ابیہ قال عادنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع من وجع اشفیت منہ علی الموت فقلت یا رسول اللہ بلغ بی ما تری من الوجع وانا ذو مال ولا یرثنی الا ابنۃ لی واحدۃ افاتصدق بثلثی مالی قال لا قلت افاتصدق بشطرہ قال لا الثلث والثلث کثیر الحدیث ۔

(۳) وعن مصعب بن سعد عن ابیہ قال عادنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت اوصی بمالی کلہ فقال لا قلت فالنصف فقال لا فقلت ابالثلث فقال نعم والثلث کثیر (مسلم ج ۲)

(۴) عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تصدق علیکم عند وفاتکم بثلث اموالکم رواہ ابن ماجۃ (اوجز ج ۵ ص ۱۳۱)

ماحصل ان آثار واحادیث سے معلوم ہوا کہ ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب کوئی شخص مرض الوفات کا شکار ہو جائے اور اسے آثار موت ظاہر ہونے لگیں تو والدین اور اعزا و اقارب کے لئے وصیت کرے جس میں تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی تھیں ۔

(۱) وصیت کا وجوب جس کے ثبوت کے لئے آیت وصیت کا لفظ کتب ہی کافی ہے جبکہ علیکم اور حقا علی المتقین سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے ۔

(۲) شریعت نے والدین و اعزا کے حصے متعین نہیں کئے تھے بلکہ موصی کو اختیار دیدیا تھا کہ احتیاج اور مراتب قرابت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے حصص متعین کرے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد: کان المال للولد والوصیۃ للوالدین فنسخ اللہ من ذلک ما احب فجعل للذکر مثل حظ الانثیین سے اشارۃ النص کے ذریعہ ثابت ہو رہا ہے ۔

ترجمہ: یعنی وصیت کرکے مرنے کے بعد کی حالت کو نفاذ تصرف میں ماقبل سے جوڑ دیتا ہے ۔

(٣) موصی بہ (مالِ وصیت) کی مقدار کا ایک ثلث سے زیادہ نہ ہونا جیسا کہ ابوہریرہؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ علامہ نوویؒ نے شرح مسلم شریف میں ایک اور حدیث (بلا سند ہی) ذکر کی ہے کہ ایک صاحب نے مرض الموت میں اپنے چھ غلام آزاد کردیئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کے حق میں آزادی کا اور بقیہ چار کے بارے میں رقیت و غلامی کا فیصلہ فرمایا۔ (دیکھئے مسلم ج ٢ ص ٤٨)

علامہ سیوطیؒ نے آیت وصیت کے ناسخ کے بارے میں تین قول پیش فرمائے ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ آیت وصیت، آیت میراث یوصیکم اللہ فی اولادکم الخ سے منسوخ ہے جو حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ، عکرمہ، مجاہد، قتادہ، شریحؒ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (دیکھو اوجز ج ٥ ص ٢٢٠ و ٢١٥ و روح المعانی ص ٥٢/٢) اور یہی راجح بھی ہے۔ کیونکہ دونوں آیتوں میں اس حیثیت سے کھلا تعارض ہے کہ آیت وصیت میں والدین اور اقربین کے حصوں کی تعیین نہیں کی گئی تھی بلکہ وصیت کو فرض قرار دیا گیا تھا۔ لہٰذا ماننا پڑیگا کہ حصص کی تعیین میں بندہ کو اختیار دیا گیا تھا۔ اور آیت میراث میں وہ اختیار سلب کرکے منجانب اللہ حصے متعین کردیئے گئے پھر لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعا، کہہ کر اس کی حکمت بھی بتادی کہ حصص کی تعیین جن مصالح پر مبنی ہے تم ان سے ناآشنا ہو اس لئے ہم نے خود حصے متعین کردیئے ہیں۔

قاضی صاحبؒ کا اشکال محل اشکال ہے۔

یہاں قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اشکال کہ آیت میراث، آیت وصیت کے منافی نہیں بلکہ اس کے لئے تاکید ہے کیونکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وصیت میراث پر مقدم ہے، خود محل اشکال ہے، کیونکہ جو وصیت میراث پر مقدم ہے اس سے "وصیت للوالدین والاقربین" مراد نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ وارث ہیں۔ اور وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ "لاوصیۃ لوارث" فرمایا گیا ہے۔

فخر الاسلامؒ (ھو ابو العسر علی بن محمد النسفی البزدوی المولود فی [illegible] والمتوفی [illegible]) نے بھی دونوں وصیتوں میں مغایرت ثابت کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ چونکہ آیت میراث

آیت وصیت کے بعد اس وقت نازل ہوئی ہے جب وصیت للوالدین بمعروف مشہور ہوچکی تھی، اس لئے اگر آیت میراث میں وہی وصیت مشہورہ ہی مراد و مقصود ہوتی تو اسے نکرہ کے بجائے معرفہ لانا ضروری تھا۔ (دیکھو روح ج ۲ ص ۵۴)

شیخ ابوبکر جصاص (متوفی ۳۷۰ھ) نے بھی اسی دلیل سے دونوں وصیتوں میں مغایرت ثابت کی ہے۔ (دیکھئے احکام القرآن ج ۱ ص ۱۶۴)

دوسرے یہ کہ آیت میراث میں وصیت سے اگر وصیت للوالدین مراد لی جائے تو دو میں سے ایک استحالہ لازم آئیگا، یا تو تقدیم الشئ علی نفسہ جو مستلزم محال ہے، یا فیصلہ خداوندی کا ابطال جو شرعاً محال ہے۔ کیونکہ والدین کے حصے آیت میراث میں منجانب اللہ متعین کئے جاچکے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بندہ کی وصیت یا تو میراث کے مطابق ہوگی یا مخالف۔ موافق ہو تو میراث عین وصیت ہوگی۔ اور میراث پر وصیت کی تقدیم "تقدیم الشئ علی نفسہ" کے مرادف ہوگی جو مستلزم محال ہے۔ اور اگر وصیت میراث کے مخالف ہو تو نافذ و جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں بندہ کے فیصلہ کو خدائی فیصلہ پر مقدم کرنا لازم آئے گا جو درحقیقت فیصلہ خداوندی کا ابطال ہے۔ وھو محال شرعاً۔ واللہ اعلم بالصواب

خورشید انور پرتم پوری غفرلہٗ

دوسرا قول مع دلیل کے مطابق بعض علماء کی رائے ہے کہ آیت وصیت حدیث نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) الا لا وصیۃ لوارث کے ذریعہ منسوخ ہے۔ اس قول کا تذکرہ رازی، آلوسی، ابو السعود، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی، ابو جعفر النحاس وغیرہ نے کیا ہے لیکن قائل کے نام کی تصریح کسی نے نہیں کی ہے۔ اور امام رازی نے دوسرے اقوال کی طرح اسپر بھی مستقل اعتراض و ردوقدح کی ہے۔ اس قول پر ایک مشہور اشکال یہ ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے۔ اور خبر واحد سے کتاب اللہ کا نسخ جائز نہیں۔ اس کے کئی جواب دئے گئے ہیں۔

پہلا جواب :- امت نے اس روایت کو تلقی بالقبول سے نوازا ہے۔ اس لئے وہ متواتر کے درجہ میں ہے۔ وھذہ الاحادیث لتلقی الامۃ لھا بالقبول انتظمت فی سلک المتواتر فی صحۃ النسخ بھا عند ائمتنا قدس اللہ اسرارھم۔

افاداتِ عمِّ محترم

حضرت مولانا محمد احمد صاحب زید مجدہم استاذ حدیث و تفسیر دار العلوم دیوبند

قولہ معرفہ لانا ضروری تھا۔ (۱) یہ ضرورت تو مسلم ہے کیونکہ المعرفۃ اذا اعیدت معرفۃ کانت الثانیۃ عین الاولیٰ، یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں ہے۔

(۲) قولہ سو تعین ہو تو میراث معین وصیت ہوگی الخ یہ استدلال قابل غور ہے۔

(۳) ممکن ہے الوصیۃ کو جنس ہی بنا لیا جائے کیونکہ لفظ وصیۃ مطلق ہے۔ اور مطلق کا اطلاق بھی منصرف الی الکامل ہوتا ہے جس کو غیر وارث کی قید کے ساتھ مقید کرنے کی دلیل لا وصیۃ لوارث ہی کو بنایا گیا ہے حالانکہ وہ خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی ہے۔ اس سے تقیید کتاب اللہ جائز نہیں ہے۔ رہی تلقی بالقبول کی راہ سے اس کو متواتر قرار دینے کی بات تو وہ قاضی صاحب کے دل کو نہیں لگی۔ جب تقیید ہی نہ ہوئی تو تاکید کا قول صحیح ہے۔

(ب) علاوہ معرفہ کے قاعدہ کا مدار بھی نحوی اعتبار سے جاندار نہیں ہے۔

(۴) والاقربین بالمعروف آیت وصیت میں عام ہے۔ آیت میراث نے ان کے بعض افراد کے لئے حصص کی تعیین کر دی مگر باقی کے بارے میں ساکت ہے یا یوں کہو بعد الوصیۃ کے قرینہ سے مؤکدہ۔

نوٹ: قاضی صاحب جو اس کو ناسخ بتاتے ہیں وہ خلاف ضابطہ نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام کا اجماع دراصل اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں منسوخ ہو چکا تھا جس کا ثبوت وہ روایت ہے جس کو سند اجماع کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

---

[1] شرح میں قاضی صاحب کے اشکال پر جو نقد کیا گیا ہے۔ یہ قابل قدر نقدات ہیں لفظی تردید میں۔ شناعت کی طرح یہ افادات تحریر کی زینت بننے کے لائق ہیں۔ لہٰذا ان کو داخل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

دوسرا جواب :- یہ حدیث متواتر ہے، اور متواتر کی دو صورتیں ہیں، ایک تو مشہور ہے یعنی وہ حدیث جس کے راویوں کا اتفاق علی الکذب محال ہو۔ دوسرے یہ کہ جس حدیث پر بلا نکیر عمل کرنے والوں کی تعداد اتنی ہو جتنی متواتر کی ہوتی ہے وہ بھی متواتر کہلاتی ہے، بقول البعض انها من المتواتر والمتواتر قد یکون بنقل من لا یتصور تواطؤهم علی الکذب وقد یکون بفعلهم بان یکونوا عملوا به من غیر تنکیر منهم (کذا الجواب بعض روح المعانی ج ۲ ص ۵۴) فی الکمالین قال الشافعی نص فی ان هذا المتن متواتر وعن صاحب الکشف انه فی قوۃ المتواتر من حیث ظهور العمل (دیکھئے جلالین و بیان القرآن کے حاشیے)

حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے حضرت ابو امامہ، عمرو بن خارجہ، عمرو بن شعیب، حضرت انس، حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت علی رضی اللہ عنہم کی روایتوں کا حوالہ دینے کے بعد فرمایا "ولا یخلو اسناد کل منها عن مقال لکن مجموعها یقتضی ان للحدیث اصلا بل جنح الشافعی فی الام الی ان هذا المتن متواتر" پھر مسئلہ میں امام شافعی کی ایک عبارت نقل فرمائی جس کا محصل خود امام شافعی کے لفظوں میں ملاحظہ کیجئے۔ فکان نقل عامة عن عامة فهو اقوی من نقل واحد۔ (اوجز ج ۶ ص ۲۶۰)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں :-

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ اگرچہ یہ حدیث ہم تک خبر واحد کے طریق پر پہنچی ہے۔ مگر اس کے ساتھ حجۃ الوداع کے سب سے بڑے اجتماع میں ایک لاکھ سے زائد صحابہؓ کے سامنے اس کا اعلان فرمانا اور پھر اس پر اجماع صحابہ اور اجماع امت نے یہ واضح کر دیا کہ یہ حدیث ان حضرات کے نزدیک قطعی الثبوت ہے۔ ورنہ شک و شبہ کی گنجائش ہوتے ہوئے اس (حدیث) کی وجہ سے آیت قرآن کے حکم کو چھوڑ کر اس پر اجماع نہ کرتے۔ (معارف القرآن ج ۱)

نوٹ :- یہ روایت مذکورہ چھ صحابہ کرامؓ کے علاوہ حضرت خارجہ بن عمرو، زید بن ثابت، براء بن عازب اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، امام ترمذی نے اسے "حسن صحیح" بتایا ہے۔ (دیکھئے نصب الرایہ للزیلعی ج ۴ ص ۴۰۳ تا ۴۰۵)

تیسرا قول یہ ہے کہ آیت وصیت کا ناسخ آیت میراث ہے۔ لیکن یہ قول معتبر نہیں کیونکہ اجتماع

"اتفاقِ آراء" کا نام ہے۔ اور رائے شخص واحد کی ہو یا جماعت کی قرآن کریم کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ اس لئے جمہور کا مذہب ہے کہ اجماع، ناسخ نہیں بن سکتا ہے۔ ہاں اجماع کو کسی ناسخ کے وجود کی دلیل بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ قرطبی اسی راہ پر چلے ہیں۔

اور ضابطہ ہے "الاجماع لا ینسخ ای لا ینسخہ شیٔ ولا ینسخ ھو غیرہ لکن یدل علی ناسخ ای علی وجود ناسخ غیرہ۔" (تدریب الراوی علی تقریب النواوی ص ۱۲۲)

شاہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ آیت میراث ناسخ اور حدیث نبوی اس کی تفسیر ہے یعنی آیت میراث میں حصوں کی تعیین کا مقصد ذوی الفروض کے حق میں وصیت پر پابندی عائد کرنا ہے۔ میراث اور وصیت میں کسی کو تعارض نظر آئے یا نہ آئے حق میراث متعین ہو جانے کے بعد وصیت کا دروازہ ورثاء کے حق میں بند ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا وصیۃ لوارث" فرما کر آیت میراث کے اسی مقصد کی وضاحت فرما دی ہے۔

تطبیق کی کوشش: الاستاذ ابو قر صاحب العون الکبیر مدظلہ نے آیت میراث و آیت وصیت میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ بعض اعتبار سے آیت کریمہ اب بھی معمول بہا ہے۔ یعنی جب مورث کو خطرہ ہو کہ اس کے ورثاء مالِ میراث کو شرعی طریق کے مطابق نہیں تقسیم کریں گے اور میرے مر جانے کے بعد میراث کی تقسیم میں ظلم و زیادتی ہوگی۔ ایسی صورت میں مورث کے ذمہ واجب ہے کہ گواہوں کی موجودگی میں تمام ورثاء کے شرعی حقوق و حصص کی وصیت کرے۔ بلکہ ممکن ہو تو اس کی لکھا پڑھی بھی کرا دے۔ اس توجیہ پر دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں رہ جاتا ہے۔ (العون ص ۱۵۲)

طالب علمانہ اشکال: دفع تعارض کی یہ کوشش قابلِ قدر ہے۔ لیکن اس پر ایک طالب علمانہ اشکال یہ ہے کہ آیت وصیت کا جب نزول ہوا تھا اس وقت نہ آیت میراث تھی اور نہ ورثاء کے یہ حقوق مشروع ہوئے تھے، تو کیا آیت وصیت میں غیر مشروع حقوق کی وصیت کو فرض قرار دیا گیا تھا؟ ظاہر ہے کہ نزول کے وقت آیت وصیت میں ان حقوق کی وصیت کا پہلو موجود ہی نہیں تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

قوله تعالى: وعلى الذين يطيقونه فدية. قيل منسوخة بقوله فمن شهد منكم الشهر فليصمه، وقيل محكمة و"لا" مقدرة. قلت عندي وجه آخر وهو أن المعنى وعلى الذين يطيقون الطعام فدية هي طعام مسكين فأضمر قبل الذكر لأنه متقدم رتبة وذكّر الضمير لأن المراد من الفدية هو الطعام والمراد منه صدقة الفطر عقّب الله تعالى الأمر بالصيام في هذه الآية بصدقة الفطر كما عقّب الآية الثانية بتكبيرات العيد.

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ. کہا گیا ہے کہ منسوخ ہے اس کے فرمان فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ سے۔ اور کہا گیا ہے کہ محکم ہے اور لا مقدر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک دوسری توجیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آیت کے معنی ہیں، اور ان لوگوں پر جو کھانے کے کھلانے پر قدرت رکھتے ہوں فدیہ ہے وہ ایک مسکین کا کھانا ہے تو (مرتبہ کے) ذکر سے پہلے ضمیر لائے اس وجہ سے کہ وہ رتبہ مقدم ہے اور ضمیر کو مذکر لائے۔ اس وجہ سے کہ فدیہ سے مراد طعام ہے، اور اس سے مراد صدقہ فطر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم صوم کے بعد اس آیت میں صدقہ فطر کا ذکر فرمایا جیسے کہ دوسری آیت کے آخر میں تکبیرات عید کو ذکر کیا۔

فائدہ:۔ متن میں وارد آیت کریمہ کے نسخ و احکام کے سلسلہ میں اسلاف کے دو نظریئے پیش کئے گئے ہیں اور پھر شاہ صاحب نے اپنی رائے پیش کی ہے۔ لیجئے پہلے اسلاف کے اقوال کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔ **پہلا نظریہ:۔** آیت کریمہ۔ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ۔ منسوخ ہے۔ اس کا ناسخ ارشاد ربانی۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ ہے جمہور اسی کے قائل ہیں۔ علامہ ابو جعفر النحاس نے اسے راجح قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس کا بھی ایک قول اسی نظریہ کے مطابق ہے جبکہ دوسرا قول اس کے خلاف ہے۔ کما سیاتی۔

دلیل:۔ امام بخاری و مسلم کے علاوہ ابو داؤد و ترمذی، نسائی اور طبرانی وغیرہ نے حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی نقل فرمایا ہے۔ لما نزلت هذه الآية۔ وعلى

الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ۔ فکان من شاء صام ومن شاء افطر ویفتدی فعل ذلک حتی نزلت الآیۃ التی بعدھا۔ فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ۔ فنسختھا۔ وھٰذا مروی عن ابن مسعودؓ ومعاذؓ وابن عمرؓ وغیرھم۔ یعنی ابتدائے زمانۂ اسلام میں جب روزے فرض ہوئے اور چونکہ اہلِ اسلام ان کے عادی نہیں تھے اس وجہ سے روزوں کا شاق گذرنا قرینِ قیاس اور بشریت کے عین مطابق تھا لہٰذا ربّ العالمین کی طرف سے یہ چھوٹ بھی رہی کہ استطاعت کے باوجود جس کا جی چاہے روزے نہ رکھے بلکہ اس کا فدیہ ادا کر دے۔ اسی کے مطابق صحابۂ کرامؓ کا عمل رہا۔ یہاں تک کہ ارشادِ ربانی۔ فمن شہد منکم الشہر۔ الآیۃ کا نزول ہوا۔ اور یہ اختیار منسوخ ہو گیا۔

(دیکھئے روح ج ۲ ص ۵۸ و روائع ج ۱ ص ۲۰۸)

دوسرا نظریہ:۔ یہ ہے کہ آیت محکم و غیر منسوخ ہے۔ اور آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں جنہیں انتہائی بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو۔ یہ تفسیر صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ و حضرت علیؓ اور تابعین میں سعید بن المسیب و عکرمہ سے منقول ہے۔ نفی استطاعت کا معنی لینے کے لئے تین توجیہیں کی گئی ہیں۔ (۱) فعل سے پہلے "لا نافیہ" مقدر ہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت حفصہؓ سے "لا یطیقونہ" منقول ہے۔ (۲) فعل میں ہمزۂ افعال سلبِ ماخذ یعنی نفیِ استطاعت کے لئے ہے۔ (۳) یطیقونہ گویا "یطوقونہ" کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ بوڑھے جنہیں جوانی میں روزہ رکھنے کی استطاعت تھی پھر بڑھاپے کی وجہ سے بے بس ہو گئے۔

(دیکھئے روح المعانی ج ۲ ص ۵۸ و احکام القرآن ص ۱۷۷ ج ۱)

التطبیق:۔ ما وجدنا الاقوال علی اختلاف تفسیر الآیۃ فمعنی کلام ھؤلاء الاکابر انہ ان فسرت الآیۃ بنفی الطاقۃ فھی آیۃ غیر منسوخۃ ومحلھا الشیخ والشیخۃ الغیر المطیقین وھو حاصل قول ابن عباسؓ بان الآیۃ نزلت فی الشیخ الھرم والعجوز الکبیرۃ الھرمۃ کما رواہ البخاری وابو داؤد وغیرھما۔ وان فسرت الآیۃ بالطاقۃ بالتکلف ای القدرۃ مع الجھد والمشقۃ کانت الآیۃ خاصۃ بالشیخ والشیخۃ المطیقین بالکلفۃ وکذا الحامل والمرضع فتکون منسوخۃ وھو حاصل قول ابن عباسؓ کانت رخصۃ للشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ وھما یطیقان الصیام ان یفطرا ویطعما مکان کل یوم

مسکیناً والحبلی والمرضع اذا خافتا افطرتا واطعمتا وان فسرت بمطلق الطاقة كانت الآية عامة فتجمع ثم تكون منسوخة وهو حاصل قول سلمة ومعاذ بن جبل فارتفع الاختلاف وحصل الائتلاف. (الفوز الكبير)

شاہ صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ آیت کریمہ محکم و غیر منسوخ ہے اور روزے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت میں صدقۃ الفطر کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ فدیہ یعنی طعام مسکین یا صدقۃ الفطر پر قادر ہوں ان کے ذمہ فدیہ یا صدقۃ فطر واجب ہے۔ اس توجیہ پر سیاق و سباق کی آیتیں واقعی پوری مکمل ترتیب کے مطابق ہو جاتی ہیں۔ کہ اولاً "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ" میں روزوں کا حکم فرمایا۔ ثانیاً "وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ" الآیۃ میں صدقۃ فطر واجب فرمایا پھر "وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰکُمْ" میں نماز عید کا ذکر فرمایا ہے۔ اس صورت میں یطیقونہ کی ضمیر منصوب کا مرجع فدیۃ ہوگا جبکہ جمہور کے نزدیک اس کا مرجع الصیام ہے اور اسی پر اجماع ہے۔ شاہ صاحبؒ کی توجیہ پر نحوی حیثیت سے دو اشکال وارد ہوتے ہیں۔ اشکال ۱: ضمیر پہلے ہے اور فدیہ بعد میں۔ لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے۔ مصنف علامؒ نے جواب دیا ہے فانه اضمار قبل الذکر لانه متقدم رتبۃً۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ" خبر مقدم ہے اور فدیۃ مبتدا مؤخر ہے۔ لہٰذا فدیہ رتبۃً مقدم ہے اور اضمار قبل الذکر نہیں لازم آرہا ہے۔

اشکال ۲: فدیہ مؤنث ہے اور اس کی ضمیر مذکر ہے۔ لہٰذا ضمیر اور اسکے مرجع میں مطابقت نہیں پائی گئی؟
مصنفؒ نے اپنے قول: وذکر الضمیر لان المراد من الفدیة هو الطعام سے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ فدیہ سے مراد طعام ہے اور طعام مذکر ہے۔ لہٰذا ضمیر و مرجع میں معنیً مطابقت ہوگئی۔
جواب پر اشکال: جیسا کہ آپ نے فرمایا: فدیہ سے طعام مراد ہے اور طعام مذکر ہے لہٰذا فدیہ مذکر کے حکم میں ہے، اسی طرح معترض کہہ سکتا ہے کہ آپ کی توجیہ کے مطابق طعام سے صدقۃ الفطر مراد ہے لہٰذا طعام مؤنث کے حکم میں ہے۔ اس لئے ضمیر مذکر اور مرجع مؤنث ہونے کا اشکال اپنی جگہ برقرار رہا ہے؟
جواب: حضرت اقدسؒ کا مقصد یہ ہے کہ [illegible] ضمیر کا مرجع لفظ طعام ہے کیونکہ [illegible] (مستفاد از [illegible])

علامہ بنوریؒ کا ارشاد: شاہ صاحبؒ کی اس رائے پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مایہ ناز شاگرد محدث کبیر علامہ محمد یوسف بنوری متوفیٰ ۱۳۹۷ھ نے یہ نوٹ لکھا ہے۔

او كان هذا من باب الاشارة في الآية یعنی یہ توجیہ اشارۃ النص کے قبیل سے جزئی حیثیت

فيمكن ان يكون لطيفا ولكن باب التاويل يتسع امثال هذه وانما احمل وصل الآية بعده فمن تطوع خيرا فهو خير له، وان تصوموا خير لكم، فلا لذلك، ولاسيما قصد الاخير وعلى ما قالوه لا يكون هذا امر مرتبطا في النظم

(معارف السنن ص ۳۳۰ ج ۵)

سے ممکن ہے لطیف وارد ہو، لیکن نقل و روایات کے باب میں اس قسم کی باتوں پر پابندی لازم ہے۔ اور اگلی آیت فمن تطوع خیرا بالخصوص اس کا اگلا حصہ "وان تصوموا خیر لکم" اس تفسیر سے میل نہیں کھاتا، کیونکہ اس حصہ میں صیام کو فدیہ سے بہتر عمل اور اس کا نعم البدل قرار دیا ہے جبکہ صدقۂ فطر کے بدل کی حیثیت سے صیام کا کوئی اعتبار نہیں۔

حضرت الاستاذ نے بھی نقد کیا ہے لکھتے ہیں: یہ توجیہ انتہائی بعید ہے، اگرچہ اسے حضرت امام رشید احمد گنگوہی نے لطائف رشیدیہ میں اختیار کیا ہے۔ (العرف ص ۱۶۳)

قوله تعالى أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ الآية ناسخة لقوله تعالى كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لان مقتضاها الموافقة فيما كان عليهم من تحريم الاكل والوطي بعد النوم ذكره ابن العربي وحكى قولا آخر انه نسخ لما كان بالسنة قلت معنى كما كتب التشبيه في نفس الوجوب فلا نسخ انما هو تغيير لما كان عندهم قبل الشرع ولم يجد دليلا على ان النبي صلى الله عليه وسلم شرع لهم ذلك ولو سلم فانما كان ذلك بالسنة۔

ترجمہ: باری تعالیٰ کا ارشاد "احل لکم الآیۃ" ناسخ ہے ان کے قول "کما کتب" کے لئے، اس لئے کہ اس (دوسری آیت) کا مقتضا (مومنین کا الذین من قبلکم کے) موافق ہونا ہے ان احکام میں جو ان پر لازم تھے یعنی سونے کے بعد صحبت اور کھانے کی حرمت، اسے ابن العربی نے ذکر کیا ہے۔ اور ایک دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ یہ نسخ ہے ان احکام کا جو سنت سے ثابت تھے۔ میں کہتا ہوں کہ کما کتب کا مقصد محض فرضیت میں تشبیہ دینا ہے، لہٰذا نسخ نہیں ہے۔

یہ تو ایسا دستور یا ایسی رسم ہے جو ان کے یہاں رائج تھا شریعت سے پہلے۔ اور ہم تک اس کی کوئی دلیل نہیں پائی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے اسے مشروع فرمایا ہو۔ اور اگر تسلیم کرلیا جائے تو یہ حکم سنت سے تھا۔

فائدہ:۔ جمہور فقہاء و مفسرین اس پر متفق ہیں کہ ابتداء اسلام میں رمضان کی راتوں میں عشاء کی نماز پڑھنے یا نیند آنے سے پہلے ہی پہلے تک کھانے پینے یا جماع وغیرہ کی اجازت ہوتی تھی۔ اس کے بعد شب پر پابندی عائد ہوجایا کرتی تھی۔ پھر آیت کریمہ احل لکم الخ سے یہ حکم منسوخ ہوگیا لیکن علت مسئلہ میں اس حکم کی مشروعیت کس دلیل سے ہوئی تھی اس میں اختلاف ہے۔ جن میں ابن العربی کے حوالے سے دو قول پیش کئے گئے ہیں۔ **پہلا قول یہ** ہے کہ یہ حکم آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ سے مشروع ہوا تھا جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ امت محمدیہ پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے گزشتہ اقوام و امم کے اوپر فرض کئے گئے تھے کیونکہ یہ تشبیہ احکام صیام میں ہے۔ یعنی گزشتہ اقوام کے لئے روزے جن احکام کے ساتھ مشروع تھے امت محمدیہ کے لئے بھی ان ہی احکام کے ساتھ مشروع ہوئے ہیں۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ صحابہ کرام کا یہ عقیدہ کہ رمضان کی رات میں سوجانے کے بعد یا عشاء کی نماز سے فارغ ہوجانے کے بعد کھانا پینا اور جماع وغیرہ ممنوع ہوجاتے ہیں، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں مصرح ہے، اسی آیت کریمہ سے ثابت و مستفاد تھا۔

امام بخاری نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی ہے: کان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان الرجل صائما فحضر الافطار فنام قبل ان یفطر لم یاکل لیلتہ ولا یومہ حتی یمسی۔

اور ابوداؤد ص ۳۲ ج ۱ اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے کعب بن مالک سے روایت نقل کی ہے

کان الناس فی رمضان اذا صام الرجل فامسی فنام حرم علیہ الطعام والشراب والنساء حتی یفطر من الغد

لہٰذا ارشاد ربانی احل لکم الخ آیت کریمہ کتب علیکم الخ کے لئے ناسخ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مشروع ہوا تھا لہٰذا احل لکم الخ حکم ثابت بالسنۃ کے لئے ناسخ ہے نہ کہ آیت کے لئے۔ لہٰذا آیت صیام محکم و غیر منسوخ ہے۔

شاہ صاحب کی رائے :- قلت معنی کما کتب سے حضرت نے اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے جس میں سابقہ دونوں اقوال کی مخالفت ہے۔ پہلے قول کی مخالفت میں معنی کما کتب الخ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں نفس فرض ہونے کی حیثیت سے تشبیہ دی گئی ہے کہ روزے ان پر بھی فرض تھے تم پر بھی فرض ہیں) اس تشبیہ اور سابقہ مشارکت کا دوسرے احکام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور قول ثانی کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا ولم نجد دلیلاً کہ ہمیں کوئی حدیث ایسی نہیں مل سکی جس سے یہ معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو ان احکام کا مکلف کیا تھا۔ لہٰذا اسے ثابت بالسنۃ کہنا بھی مشکل ہے۔ معلوم ہوا کہ اُحِلَّ لَکُمْ الخ سے سابقہ شریعتوں کا حکم منسوخ کیا گیا ہے۔ اس لئے متاخرین کی رائے میں اس پر نسخ کی تعریف نہیں صادق آسکتی ہے

تسلیمی جواب :- اوپر شاہ صاحب کے انکاری جوابوں کی تفصیل تھی جن کا تعلق سابقہ دونوں اقوال سے تھا۔ آپ نے ولو سلم سے ایک تسلیمی جواب بھی لکھا ہے جس کا تعلق قول اوّل سے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر ملت اسلامیہ میں ان احکام کی مشروعیت تسلیم کر لی جائے تو ان کا ثبوت سنت نبوی سے ہوگا۔ آیت صیام بہرحال محکم و غیر منسوخ ہے۔

نوٹ :- جمہور کی رائے کے مطابق یہ احکام شریعت محمدیہ میں نافذ و معتبر تھے۔ لیکن ابومسلم اصفہانی کے خیال میں شریعت محمدی کا کوئی بھی حکم منسوخ نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ حکم منسوخ اس شریعت کا حکم ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں جمہور کے دلائل رقم فرمائے ہیں۔ ان دلائل کے سلسلے میں ابومسلم اصفہانی کے تردیدی اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ لیکن ان میں دم نہیں ہے۔

(دیکھئے تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۹۷، ۱۹۸)

علامہ بلیاویؒ فرمایا کرتے تھے: مولوی صاحب امام رازیؒ کا جواب ادھار ہے۔
(بروایت حضرت مولانا محمد احمد صاحب زید مجدہٗ)

عہ ابن جریر نے ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت عمرؓ سے یہ غلطی ہو گئی کہ شب میں بیوی کے سو جانے کے بعد حضرت نے ان سے ہمبستری کر لی اور صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت فرمائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما کنت حقیقاً بذلک یا عمر۔

(دیکھئے روح ج ۲ ص ۶۳ و کبیر ج ۲ ص ۱۹۹)

وقوله تعالى يسئلونك عن الشهر الحرام الأية منسوخة بقوله تعالى وقاتلوا المشركين كافة الأية اخرجه ابن جرير عن عطاء ابن ميسرة قلت هذه الأية لا تدل على تحريم القتال بل تدل على تجويزه وهى من قبيل تسليم العلة واظهار المانع فالمعنى ان القتال فى الشهر الحرام كبير شديد ولكن الفتنة اشد منه فيجاز فى مقابلتها وهذا التوجيه ظاهر من سياقها كما لا يخفى۔

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد و یسئلونک عن الشھر الحرام منسوخ ہے اس کے فرمانِ وقاتلوا المشرکین کافۃ سے، اسے ابن جریر نے عطا ابن میسرہ سے روایت کیا ہے، میں کہتا ہوں یہ آیت قتال کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی ہے، بلکہ اس کو جائز قرار دینے پر دلالت کرتی ہے اور یہ اظہار مانع کے ساتھ علت تسلیم کرنے کے قبیل سے ہے. تو مطلب یہ ہے کہ شہر حرام میں قتال بڑا سخت (جرم) ہے، لیکن (کفر و شرک کا) فتنہ اس سے بھی سخت ہے، لہٰذا اسکے مقابلہ میں جائز ہے۔ اور یہ توجیہ آیت کے اگلے حصے سے ظاہر ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

فائدہ:- پہلے آیت منسوخہ مع ترجمہ و شانِ نزول ملاحظہ کریں۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ	لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے
قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ	ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر یعنی عمداً قتال
وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ	کرنا جرم عظیم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا
مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ	اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کیساتھ، اور جو
الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى	لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا
يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۔ الآية	جرم عظیم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا

قتل سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ (حضرت تھانویؒ)

جمہور مفسرینؒ نے قل قتال فیہ کبیر، کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ اصلاً اشہر حرم (ذی قعدہ،

ذی الحجہ، محرم اور رجب) میں قتال حرام و ممنوع ہے۔ مفتی بغداد علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ یہ امر عظیم وزرا، وفیہ تقریر لحرمۃ القتال فی الشہر الحرام (روح ج ۲ ص ۱۰۶) امام المنقولات ثم نسخ فخر رازیؒ رقم طراز ہیں اتفق الجمہور علی ان حکم ہذہ الآیۃ حرمۃ القتال فی الشہر الحرام

مختصر شانِ نزول: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کا ایک سفر میں اتفاق سے کفار کے ساتھ مقابلہ ہو گیا، ایک کافر ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور جس روز یہ قصہ ہوا رجب کی پہلی تاریخ تھی مگر صحابہ اس کو جمادی الاخری کی تیس تاریخ سمجھے تھے۔ اور رجب اشہر حرم میں سے ہے۔ کفار نے اس واقعہ پر طعن کیا کہ مسلمانوں نے شہر حرام کی حرمت کا بھی خیال نہیں کیا۔ مسلمانوں کو اس کی فکر ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ اور بعض روایت میں ہے کہ خود بعض کفار قریش نے بھی حاضر ہوکر اعتراضاً سوال کیا، جس کے جواب میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۳۳)

اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی سننہ عن جندب بن عبد اللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث رہطا وبعث علیہم عبد اللہ بن جحش فلقوا ابن الحضرمی فقتلوہ ولم یدروا ان ذلک الیوم من رجب او من جمادی ... فقال المشرکون للمسلمین قتلتم فی الشہر الحرام فانزل اللہ تعالی یسئلونک عن الشہر الحرام۔ الآیۃ

(حاشیہ بیان القرآن)

تشریح: متن میں آیت کریمہ یسئلونک الخ کو منسوخ بتایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اشہر حرم میں قتال کی حرمت منسوخ ہے۔ آیت کی منسوخیت پر رازیؒ، آلوسیؒ اور ابوجعفر النحاسؒ نے اجماع نقل کیا ہے۔ اور شیخ ابوجعفر نے ابن عباسؓ کے ساتھ سعید بن المسیب، سلیمان بن یسارؒ، حضرت قتادہؒ اور امام اہل الشام عبد الرحمن اوزاعیؒ کے نام کی تصریح بھی کی ہے۔ رہا مسئلہ اس آیت کے ناسخ کا، تو اس سلسلہ میں دو قول مشہور ہیں۔ (۱) ابن جریر نے عطاء بن میسرہ سے نقل کیا ہے کہ اس حکم کا ناسخ سورۂ توبہ کی آیت وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ الآیۃ ہے۔ (۲) اکثر مفسرین کے مطابق یہ حکم سورۂ توبہ کی آیت فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم سے منسوخ ہے۔ اور یہی حضرت ابن عباسؓ کی بھی رائے ہے۔ فرمایا: فکان القتال محظورا حتی نسختہا آیۃ السیف

و بقولہ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم۔

ایک تیسرا قول جو غیر مشہور ہے حضرت قتادہ کا ہے کہ دونوں آیتیں منسوخ ہیں۔

(دیکھئے روح المعانی [illegible])

طریق استدلال یہ ہے کہ انسلاخ الاشہر الحرم میں اشہر حرم سے معروف اشہر حرم (ذی القعدہ وغیرہ) نہیں بلکہ اعلان براءۃ کے وقت (یعنی دس ذی الحجہ) سے چار ماہ (ربیع الثانی تک) کا زمانہ مراد ہے۔ جس میں مشرکین کو سیر و تفریح کی مہلت دی گئی تھی کما قال اللہ تعالیٰ فسیحوا فی الارض اربعۃ اشہر۔ لہٰذا قتال بالمشرکین کے حکم کو انسلاخ شہر حرم (مدت مہلت کے اختتام) کی شرط کے ساتھ مشروط کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان مہینوں کے گزر جانے کے بعد مشرکین کے ساتھ قتال کا حکم ہمیشہ اور ہر مقام کے لئے عام ہے۔ فالتقیید بہا یفید ان قتالہم بعد انسلاخہا مطلق فی جمیع الامکنۃ والازمنۃ۔ (روح المعانی)

خلاف جمہور امام تفسیر عطاء بن ابی رباح قسم کھا کر فرماتے تھے۔ ما یحل للناس ان یغزوا فی الحرم ولا فی الشہر الحرام الا ان یقاتلوا فیہ کہ حرم میں جنگ کرنا لوگوں کے لئے حلال نہیں ہے اور نہ شہر حرام میں ہاں اگر وہاں ان سے قتال کیا جائے تو دفاعی جوابی کارروائی کریں۔ (روح المعانی)

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ کا ارشاد گرامی :۔ شہر حرم میں قتل و قتال کی حرمت منسوخ ہونیکا کوئی کیسے دعویٰ کر سکتا ہے جبکہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان عدۃ الشہور عند اللہ اثنا عشر شہرا فی کتاب اللہ یوم خلق السموات والارض منہا اربعۃ حرم ذلک الدین القیم فلا تظلموا فیہن انفسکم (التوبہ) یعنی بے شک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہیں جس دن کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ان میں چار مہینے حرام ہیں یہ مضبوط دین ہے پس ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ اور یہ آیت تمام آیتوں میں سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے یعنی آیت سیف ہے جو سنہ ۹ھ کے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اور جس میں ان مہینوں کے حرام ہونے کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس سے بخصوصیت ثابت ہوئی کہ ان مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں میں قتل و قتال کرنا واجب ہے اور ان میں جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو مہینے قبل حجۃ الوداع میں عرفہ کے روز کا خطبہ

اجو حضور نے پڑھا تھا۔ ان شہر حرم میں قتل و قتال کرنے کی حرمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں ان میں سے چار مہینے حرام ہیں تین پے بہ پے ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک رجب۔ (تفسیر طبری اُردو ج ۱ ص ۴۴۲)

جواب :۔ قاضی صاحب کے استدلال کا دارومدار اس پر ہے کہ قرآن و حدیث میں ان چار مہینوں کو اشہر حرم کہا گیا ہے۔ لہٰذا ان میں قتال حرام ہوگا۔ پھر اسی خیال کے پیش نظر فلا تظلموا فیہن انفسکم کی تفسیر میں ظلم سے قتال فی الشہر الحرام مراد لیکر اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے جس کی مختلف وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ :۔ ان مہینوں کو اشہر حرم کہنے سے ان کا محترم ہونا تو ضرور سمجھ میں آتا ہے لیکن قتال کی حرمت نہ قرآن میں مذکور ہے نہ حدیث میں۔ بلکہ آیت کریمہ کا سیاق قتال کی اجازت پر دال ہے۔ کیونکہ اربعۃ حرم پر تفریع کرتے ہوئے فرمایا فلا تظلموا فیہن انفسکم وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ کہ ان مہینوں کے احترام میں معاصی اور باہمی ظلم و زیادتی سے باز رہو۔ اور مشرکین سے قتال کرو۔ (الواو للجمع المطلق) ظلم کی ممانعت پر قتال مشرکین کا عطف جبکہ ان کی تفریع مہینوں کے محترم ہونے ہی پر کی گئی ہے۔ کم از کم قتال کے جواز پر دلالت کرتا ہے ورنہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ نے تو ان مہینوں میں دوسرے امور خیر کی طرح قتال کو بھی افضل لکھا ہے۔ دلیل یہ دی ہے کہ جیسے مکان کی شرافت و عظمت سے اعمال کی فضیلت میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح وقت و زمان کی عظمت سے بھی اعمال کی عظمت کو چار چاند لگتا ہے۔

دوسری وجہ :۔ آیت کریمہ فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم قل قتال فیہ کبیر کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس کے بعد اربعۃ حرم والی آیت کا نزول ہوا۔ خطبہ حجۃ الوداع بھی اس سے مؤخر ہے۔ انسلاخ اشہر حرم والی آیت حرمت قتال کے لئے ناسخ ہے کیونکہ ثبوت شرط ثبوت جزا کو مستلزم ہوا کرتا ہے۔ اب اگر حجۃ الوداع کے خطبہ اور اربعۃ حرم کو حرمت قتال پر محمول کیا جائے تو دوبارہ نسخ لازم آئیگا۔ ولا قائل بہ احد۔

تیسری وجہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام مسلسل غزوات کرتے رہے لیکن تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ شہر حرم ان حضرات کے لئے جنگ بندی یا آغاز جنگ میں تاخیر

کا سبب بنے ہوں۔ ان امور کی تصریح اور جزئی تفصیلات کے لئے ملاحظہ کریں: احکام القرآن

مصنفہ مولانا ظفر احمد عثمانی و مفتی شفیع احمد صاحب دیوبندی رحمہما اللہ تعالیٰ

شاہ صاحب کی رائے: آپ نے سورۂ بقرہ کی اس چوتھی آیت منسوخہ کے بارے میں قلت ھذہ الآیۃ کے ذیل میں اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے کہ آیت کے اگلے حصہ پر نگاہ رکھو تو معلوم ہوگا کہ جس میں قتال کے جرم کو کبیرہ بتایا گیا ہے۔ اور اس کے بالمقابل مشرکین کی نازیبا حرکتوں کو اکبر بتایا گیا ہے۔ یعنی حرمت قتال کی علت تو تسلیم کی گئی ہے لیکن فتنہ و کفر کے موانع اور رکاوٹوں کو اکبر کہہ کے علت کو غیر مؤثر قرار دے دیا گیا۔ اور جب علت غیر مؤثر ہو تو حرمت کی جگہ پر اباحت آگئی، چنانچہ آیت کے اس حصہ سے قتال کی حرمت نہیں، اجازت ثابت ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ:

جمہور کے نزدیک اس آیت کریمہ سے مطلق قتال کی حرمت ثابت ہوتی ہے خواہ اقدامی ہو یا دفاعی۔

عطاء بن ابی رباح کے نزدیک آیت سے صرف دفاعی قتال کی حلت کا ثبوت ہوتا ہے، اقدام کی حرمت حسب سابق باقی ہے۔

شاہ صاحب کے خیال میں آیت سے مطلق قتال کی اجازت ثابت ہوتی ہے کیونکہ مقصد جہاد یعنی دفع شر و دفع فتنہ اسی میں ہے۔

---

(۵) قوله تعالىٰ والذين يتوفون منكم الى قوله متاعا الى الحول الاية منسوخة باية اربعة اشهر وعشرا والوصية منسوخة بالميراث والسكنى ثابتة عند قوم منسوخة عند آخرين بحديث: ولا سكنى. قلت هي كما قال منسوخة عند جمهور المفسرين ويمكن ان يقال يستحب او يجوز للميت الوصية ولا يجب على المرأة ان تسكن في وصيته وعليه ابن عباس وهذا التوجيه ظاهر من الاية۔

ترجمہ: حق تعالیٰ کا ارشاد والذین یتوفون سے آگے قول متاعا الی الحول تک منسوخ ہے بآیۃ

اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا والی آیت سے، اور وصیت منسوخ ہے آیتِ میراث سے۔ اور یہ بھی ایک جماعت کے نزدیک ثابت ہے۔ دوسری جماعت کے نزدیک حدیث لاوصیّۃ سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت جیسا کہ ابن العربی نے فرمایا جمہور کے نزدیک منسوخ ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وصیت کرنا میت کے لئے مستحب یا جائز ہے لیکن عورت پر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مرد کی وصیت میں رہے، اور اسی پر ابن عباسؓ گئے ہیں، اور یہ توجیہ آیت سے ظاہر ہے۔

فائدہ:- اولاً ناسخ و منسوخ آیتوں پر ایک نظر ڈالیے ــــ آیت منسوخ جو سورۂ بقرہ میں دو سو چالیس نمبر پر ہے وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِیَّۃً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ۔ آیت کریمہ میں دو حکم بہت واضح طور پر موجود ہیں۔ (۱) بیوہ کی مدتِ عدت ایک سال ہے۔ (۲) زمانۂ عدت کے دوران میت کے مال میں نفقہ اور رہائشی مکان بیوہ کا حق ہے، یہ دونوں حکم مَتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ سے ثابت ہوتے ہیں۔

ناسخ آیت جو سورۂ بقرہ میں دو سو چونتیس نمبر پر ہے یعنی ترتیب میں مقدم ہے، اگرچہ نزول میں مؤخر ہے وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا اس آیت میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس یوم بتائی گئی ہے۔ بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ اس لئے اکثر متقدمین و متاخرین کی رائے ہے کہ پہلی آیت منسوخ اور دوسری ناسخ ہے۔ صحیح روایات کے مطابق حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (دیکھئے تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۴۱ و کتاب الناسخ والمنسوخ ص [illegible])

ناسخ آیت کو سمجھنے کے لئے دو باتیں ذہن نشین کیجئے۔ (۱) زمانۂ جاہلیت میں بیوہ کو پوری زندگی بدترین حالت میں گزارنی پڑتی تھی۔ اسے دوسری شادی کرنے کا حق نہیں ہوتا تھا، زیب و زینت نہیں کر سکتی تھی۔ زندگی کے تمام حقوق سے اسے محروم رکھا جاتا تھا۔ اسلام آیا تو اس نے تدریجاً تخفیف کی راہ اختیار کی، چنانچہ ابتداءً بیوہ کی عدت ــ پوری عمر سے گھٹا کر ــ ایک سال مقرر کی گئی۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۴ ص ۲۲۴)

(۲) جیسے ابتداءِ اسلام میں والدین و اقربین کے حق میں ترکہ کے حقوق و حصص کی وصیت فرض تھی اسی طرح بیوی کے حق میں بھی وصیت نفقہ و سکنیٰ فرض تھی، آیت منسوخہ کے لفظ وصیّت میں اسی فرضیت کا

بیان ہے۔ (مظہری و معارف القرآن ادریسی)

مختصر یہ بتایا گیا ہے کہ آیت متاع عدت چار ماہ دس یوم کی عدت سے اور وصیت کا وجوب آیت میراث سے منسوخ ہے۔ جبکہ رہائش و مکان کے سلسلہ میں فقہا و مفسرین کا اختلاف ہے۔ جس میں دو مذہب ہیں۔

(۱) حضرت علی، حضرت ابن عباس، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے قول کے مطابق بیوہ کو سکنیٰ کا استحقاق نہیں ہوتا ہے۔ یہی مذہب ہے امام اعظم ابوحنیفہ اور مفسر مزنی کا۔ بلکہ بقول امام رازی جمہور (جن کے نزدیک سال عدت کی آیت منسوخ ہے) نفقہ کی طرح حق سکنیٰ کو بھی منسوخ مانتے ہیں۔ فصار مجموع القرآن والسنۃ ناسخا للوصیۃ للزوجۃ بالنفقۃ والسکنیٰ فی الحول۔ علامہ جصاص لکھتے ہیں:- اتفق اہل العلم علی ان عدۃ الحول منسوخۃ بعدۃ الشہور۔ وان وصیۃ النفقۃ والسکنیٰ للمتوفیٰ عنہا زوجہا منسوخۃ اذا لم یکن حاملا۔ (دیکھئے احکام القرآن مولانا ظفر احمد عثمانی ج ۱ ص ۳۴۳)

(۲) حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم کی رائے میں بیوہ کو سکنیٰ کا استحقاق حاصل ہے۔ یہی مذہب ہے ائمہ ثلاثہ اور مفسر قرطبی کا۔ جصاص کی تصریح کے مطابق پہلے نظریہ کے لوگ حدیث پاک "لا سکنیٰ" کو استحقاق سکنیٰ کے لئے ناسخ مانتے ہیں۔ لیکن بڑی کوششوں کے باوجود یہ حدیث نہیں مل سکی۔ بلکہ حنفیہ نے اس مذہب کی جو دلیل پیش کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ نفقہ اور سکنیٰ میت کی وصیت سے واجب ہوتے تھے۔ آیت میراث نے میت کے ترکہ میں میراث جاری کر کے ورثہ کے حق میں وصیت پر پابندی عائد کر دی۔ جس کی تصریح ارشادات نبوی میں "لا وصیۃ لوارث" کے الفاظ میں موجود ہے۔ اور بیوی ورثہ میں سے ہے۔ لہٰذا اس کے حق میں بھی وصیت مطلقاً ممنوع ہوگی خواہ نفقہ کی ہو یا سکنیٰ کی۔ لہٰذا استحقاق سکنیٰ کی گنجائش نہیں رہی۔ اس مسلک کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس آیت سے چار ماہ دس یوم کی عدت کو واجب فرمایا ہے اس میں نہ نفقہ کا ذکر ہے نہ سکنیٰ کا۔ اسی دلیل کو مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ ان مال الزوج صار میراثا للوارث وانقطع ملکہ بالموت۔ فلا سکنیٰ للمتوفیٰ عنہا زوجہا کما لا نفقۃ لہا ــ واللہ اعلم بالصواب۔

شاہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ آیت عدت والی آیت کو منسوخ ماننا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ میت کے لئے مستحب ہے کہ وہ بیوہ کے لئے ایک سال عدت اور دوران عدت نان نفقہ و سکنیٰ کی وصیت کر جائے۔ لیکن اس وصیت کے مطابق عمل کرنے کے سلسلہ میں بیوہ کو اختیار حاصل رہے۔ چاہے تو ایک سال مکمل کرے، و نفقہ لیتی رہے، مکان پر قابض رہے، اور اگر چاہے تو چار مہینے دس دن کی عدت پوری کرکے آزاد ہو جائے۔ اور مکان چھوڑ دے، نفقے سے دستبردار ہو جائے۔ لیکن اس پر ایک طالب علمانہ اشکال یہ ہے کہ حدیث لا وصیۃ لوارث کا کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ عورت کو یہ اختیار وصیت ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور وصیت کرنی جائز نہیں۔ تو آیت کو استحباب پر محمول کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

محمد حسن انور فیض آبادی غفرلہ

قولہ وعلیہ اشکال۔ عرض: شاہ صاحب کی رائے کے دو جز ہیں (۱) شوہر کے لئے مستحب ہے کہ زوجہ کے لئے نفقہ و سکنیٰ اور ایک سال کے لئے یا صرف مکان کی وصیت کر جائے (۲) وصیت کے مطابق پورے ایک سال عدت میں بیٹھنا عورت کے ذمہ ضروری نہیں ہے بلکہ اسے اختیار ہے۔

دوسرا جز ابن عباسؓ کا مسلک اور مستحکم جز ہے کیونکہ استحباب وصیت کی کوئی روایت حضرت سے ثابت نہیں ہے۔ اور دوسرا جز ثابت ہے۔ قال عطاء قال ابن عباسؓ نسخت هذه الآية التی فی غیر اخراج عدتها عند اهلها فتعتد حيث شاءت (العرف علی البخاری ج ۱ ص ۲۰۲)

نوٹ:- جمہور، تابعین اور حضرت شاہ صاحب کے دو قول آپ نے ملاحظہ فرمائے ان کے علاوہ متقدمین میں حضرت مجاہد، ابو مسلم اصفہانی اور متاخرین میں حضرت الاستاذ صاحب العون الکبیر بھی مستقل رائے رکھتے ہیں۔ اول الذکر دو حضرات کے مذاہب کے لئے تفسیر کبیر اور حضرت الاستاذ کی رائے کے لئے العون الکبیر ملاحظہ کریں۔ حضرت مجاہد کی رائے کو مولانا ادریس صاحب کاندھلوی نے معارف القرآن اور امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں جگہ دی۔ ابو مسلم اصفہانی کی رائے کو امام رازیؒ نے فی غایۃ الضعف سے تعبیر کیا ہے۔

۱۔ قولہ تعالیٰ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ

الآية منسوخة بقوله بعده لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا قلت هو من باب تخصيص العام بينت الآية المتأخرة ان المراد ما في انفسكم من الاخلاص والنفاق لا من احاديث النفس التي لا اختيار فيها فان التكليف لا يكون الا فيما هو في وسع الانسان۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وان تبدوا الخ (جس کا ترجمہ ہے اور اگر تم ظاہر کرو اس چیز کو جو تمہارے جی میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا محاسبہ کرے گا) منسوخ ہے اس کے بعد والے قول لا یکلف اللہ الخ سے (یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں کرتا ہے مگر اس کی قدرت کے بقدر) میں کہتا ہوں یہ عام کی تخصیص کے قبیل سے ہے (نہ کہ نسخ کے قبیل سے) بعد والی آیت نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ ما فی انفسکم سے اخلاص و نفاق مراد ہے نہ کہ نفس کے وہ خیالات جن میں اختیار نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ ذمہ داری نہیں ہوتی ہے مگر اس چیز کی جو انسان کی استطاعت میں ہو۔

فائدہ:۔ پہلی آیت میں ما فی انفسکم کے عموم کا تقاضا ہے کہ اس میں اختیاری و غیر اختیاری ہر قسم کے خیالات داخل ہوں اور سب کا حساب ہو جبکہ دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اختیاری خیالات پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اس حیثیت سے دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ اس لئے صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت پہلی آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ کہتی ہے۔ جن میں سے چند نام یہ ہیں۔ صحابہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم۔ تابعین و تبع تابعین میں حضرت عطاء بن ابی رباح، محمد بن سیرین، محمد بن کعب، موسیٰ بن عبیدہ اور امام شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ

دلیل نسخ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت کریمہ وان تبدوا الخ۔ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام پر (طبعی طور پر) گراں ہوئی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور عرض پرداز ہوئے کہ یا رسول اللہ کُلِّفْنَا من الاعمال ما نطيق الصلوٰة والصوم والجهاد والصدقة وقد انزل الله عليك هذه الآية ولا نطيقها (اے اللہ کے رسول ہمیں نماز،

روزہ، جہاد و صدقہ کا حکم دیا گیا جن کی ہم استطاعت رکھتے تھے، اب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی جس پر ہمیں اختیار و قدرت نہیں ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اتریدون ان تقولوا کما قال اهل الکتابین من قبلکم سمعنا وعصینا، کیا تم لوگ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی طرح سمعنا وعصینا کہنا چاہتے ہو، بلکہ سمعنا واطعنا غفرانك ربنا والیك المصیر کہو۔ جب صحابہؓ نے یہ کلمات کہے اور ان کی زبانیں اس کی خوگر ہو گئیں تو اللہ جل شانہ نے اس کے بعد آمن الرسول بما انزل الیه من ربه کو نازل فرمایا۔ جب صحابہؓ نے اس پر عمل کر لیا تب اللہ نے اسے منسوخ کر دیا۔ اور لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها الخ کا نزول ہوا۔ (ابن کثیر) قال اخرجه احمد ومسلم ([illegible] ج ۱ ص ۳۴۰)

شاہ صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ نسخ نہیں، تخصیص العام کے قبیل کی چیز ہے۔ ما، اپنے عموم کے اعتبار سے یقیناً ہر قسم کے خیالات کو شامل تھا لیکن آیت ثانیہ لا یکلف الخ نے اس عموم میں تخصیص پیدا کر کے یہ واضح کر دیا کہ انسان اپنے قصد و اختیار سے جن خیالات کو اپنائے گا اس سے ان ہی کا محاسبہ کیا جائیگا۔ لہٰذا ما کا مصداق صرف اخلاص و نفاق ہے بس اور وہ خیالات جو غیر اختیاری طور پر انسان کے دل و دماغ میں آجاتے ہیں ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ مواخذہ صرف اختیاری امور پر ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ آیت ثانیہ ناسخ نہیں مخصص ہے۔ یہ متقدمین کی اصطلاح میں نسخ اور متأخرین کی اصطلاح میں تخصیص ہے۔

ایک اشکال:۔ حضرت ابوہریرہؓ کے بیان میں جس آیت کو منسوخ کہا گیا ہے وہ خبر ہے جبکہ نسخ انشاء کے ساتھ مخصوص ہے، خبر میں جائز نہیں، کیونکہ اس سے کلام منسوخ کا کذب ہونا لازم آتا ہے۔ وهو محال؟

جواب:۔ آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ یقیناً خبر ہیں لیکن جس پیرایہ میں برے خیالات سے بچنے کا حکم مضمر ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ کی معروضات گذر چکیں۔ کلفنا من الاعمال ما نطیق وقد انزل اللہ تعالیٰ علیك هذه الآیة ولا نطیقها، سے صاف سمجھ میں آتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ خبر انشاء کو متضمن ہوئی، اور اسی اعتبار سے آیت کریمہ پر نسخ کا حکم لگایا گیا ہے (الخبر الشرعی المفهوم منه الطلب یجوز نسخه بالاتفاق کما یدل علیه کلام العضد۔ (روح ج ۳ ص ۶۰)

تنبیہ:- ابن العربی کے مطابق متاخرین کے نزدیک سورۃ البقرۃ کی مذکورہ چھ آیتیں منسوخ ہیں۔ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے صرف پہلی آیت کتب علیکم اذا کو منسوخ تسلیم کیا۔ باقی پانچ آیتوں میں ایسی تاویلات پیش کیں جن پر نسخ ماننے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

---

(٧) ومن آل عمران قوله تعالى فَاتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ قيل انه منسوخ بقوله فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وقيل لا بل هو محكم وليس فيها آية يصح فيها دعوى النسخ غير هذه الآية قلت حَقَّ تُقَاتِهٖ في الشرك والكفر وما يرجع الى الاعتقاد و مَا اسْتَطَعْتُمْ في الاعمال من لم يستطع الوضوء يتيمم ومن لم يستطع القيام يصلي قاعدًا وهذا التوجيه ظاهر من سياق الآية وهو قوله وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

ترجمہ:- اور آل عمران میں سے اللہ تعالیٰ کا فرمان فاتقوا اللہ الخ ہے (یعنی ڈرو اللہ سے جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور ہرگز نہ مرو تم مگر مسلمان) کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے اس کے فرمان فاتقوا اللہ ما استطعتم سے (یعنی اللہ سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے) اور کہا گیا ہے کہ منسوخ نہیں ہے، بلکہ محکم ہے۔ اور اس (سورۃ) میں اس آیت کے علاوہ کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کے بارے میں نسخ کا دعویٰ صحیح ہو سکے۔ میں کہتا ہوں حق تقاتہ، کا حکم شرک و کفر اور ان امور کے سلسلے میں ہے جو اعتقاد سے تعلق رکھتے ہیں اور ما استطعتم کی رخصت اعمال کے بارے میں ہے۔ جو شخص وضو کی قدرت نہ رکھے تیمم کرے اور جو قیام کی قدرت نہ رکھے بیٹھ کر نماز ادا کرے، اور یہ توجیہ آیت کے سیاق (آخری جز) سے ظاہر ہے، اور وہ اس کا فرمان ولا تموتن الا وانتم مسلمون ہے۔

فائدہ:- آیت کریمہ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العلمین سے کما حقہ ڈرا جائے جس کی تفسیر مولانا صدیق حسن خان بھوپالی کے بقول، طاعت بجا لایا

و ذکر بے نسیان و شکر بے کفران۔ ہے۔ یعنی اللہ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ پوری زندگی اطاعت ہی اطاعت ہو۔ نافرمانی کبھی نہ ہو۔ ہر آن خدا کی یاد سے سرشار رہے۔ نسیان و فراموشی کا شکار کبھی نہ ہو۔ ہمیشہ شکر گذار رہے۔ ناشکری کو بھولے سے بھی قریب نہ آنے دے۔ ظاہر ہے کہ یہ بس کی بات نہیں ہے۔ اور دوسری آیت۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم میں حتی الوسع اور حسب المقدور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس ظاہری تعارض کے پیش نظر پہلی آیت کے منسوخ و محکم ہونے کے بارے میں جمہور مفسرین کا اختلاف ہے۔ جس میں تین مذاہب مذکور ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت قتادہ، حضرت ربیعؒ اور ابن زید وغیرہ کا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ آیت منسوخ ہے۔ حضرات مفسرین لکھتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام کو گھبراہٹ ہوئی دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اس درجہ کا تقویٰ اختیار کرنا کس کے بس کی بات ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کے جواب میں دوسری آیت نازل فرما دی۔

(دیکھئے قرطبی کی احکام القرآن اور تفسیر مظہری وغیرہ)

دوسرا مذہب: یہ ہے کہ یہ آیت محکم و ثابت ہے دوسری آیت اس کا بیان ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا یہی مذہب نقل کیا ہے کہ حدثنی المثنی

ثنا معاویة بن صالح عن علی بن ابی طلحة عن ابن عباسؓ قال قوله تعالیٰ یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقاته قال ان یجاهدوا فی الله حق جهاده ولا یاخذکم فی الله لومة لائم وتقوموا بالقسط ولو علی انفسکم وآبائکم وابنائکم. قال ابو جعفر فکل ما ذکر فی الآیة واجب علی المسلمین ان یستعملوه ولا یقع فیه نسخ۔ (کتاب الناسخ [illegible] وانظر الروح صفحہ)

مولانا [illegible] حسن [illegible] قنوجی کے بقول محققین کا قابل اعتماد اور صحیح مسلک یہی ہے کہ فاتقوا اللہ ما استطعتم، اتقوا اللہ حق تقاتہ کے لئے شرح و تفسیر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے بندوں کو استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتے ہیں لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا اور وما جعل علیکم فی الدین من حرج (الحج) (افادۃ الشیوخ صفحہ)

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں: ڈرنے کے حق کا یہ مطلب نہیں کہ جیسی حق تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے کیونکہ یہ تو کسی سے نہیں ہو سکتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جتنا امکان میں ہو

تمہارے ذمہ حق مقرر اور واجب ہے۔ (یعنی شرک کفر کے ساتھ معاصی سے بھی بچو) اس کے مقابل ایک تقویٰ ادنیٰ درجہ کا ہے۔ یعنی کفر و شرک سے بچنا گو معصیت میں مبتلا رہے۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ادنیٰ تقویٰ پر اکتفا مت کرو۔ بلکہ اعلیٰ اور کامل درجہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جس میں معاصی سے بچنا بھی داخل ہے۔ پھر حاشیہ میں لکھتے ہیں فلا یلزم النسخ فی الآیۃ۔

اعتراض مقدر کا جواب

دراصل مسئلہ کہ بعض اکابر سے نسخ منقول ہے تو بقول حضرت تھانویؒ ان کے قول میں نسخ سے مراد شرح و تفسیر ہے۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم کی آیت کریمہ نے اتقوا اللہ حق تقاتہ کی شرح کردی کہ حق تقاتہ سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا حق مراد نہیں ہے بلکہ بندوں کی استطاعت کا حق مراد ہے۔ (کذا فی خلاصۃ بیان القرآن) علامہ آلوسیؒ نے وان تبدوا ما فی انفسکم الآیۃ کی تفسیر میں بعض اکابر سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات نے اس آیت کے لئے لا یکلف اللہ کو ناسخ کہا ہے انہوں نے نسخ سے تفسیر و توضیح مراد لی ہے۔

قولہ ولیس فیھا آیۃ الخ یہ ابن العربی نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ سورۂ آل عمران میں اس آیت کے علاوہ کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا جا سکے وبہ قال مقاتلؒ۔

تیسرا مذہب:۔ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی بھی رائے یہی ہے کہ یہ آیت محکم ہے۔ منسوخ نہیں ہے لیکن آیت کی تفسیر میں شاہ صاحبؒ کی رائے مذکورہ آراء سے بالکل الگ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حق تقاتہ والی آیت کا تعلق عقائد (کفر و شرک وغیرہ) سے ہے۔ جس میں رخصت یا نرمی کا خانہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بندوں پر اللہ کا حق کیا ہے۔؟ انہوں نے اللہ و رسولہ اعلم کہہ کر لاعلمی کا اظہار فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئاً معلوم ہوا کہ حق تقویٰ بندوں کے ذمہ یہ ہے کہ شرک کفر سے مکمل اجتناب کرے

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

ا؎ اخرج الحاکم و صححہ عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا اللہ حق تقاتہ ان یطاع فلا یعصی و یذکر فلا ینسی [illegible]

٢؎ یہ تینوں حضرات تابعی ہیں جنہیں صحابہ کرامؓ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ان کے اکثر اقوال صحابہؓ سے منقول ہوتے ہیں۔ ربیع سے ربیع بن انس اور ابن زید سے عبد الرحمن بن زید بن اسلم مراد ہیں۔ (دیکھئے الاتقان [illegible])

جہاں تک کی عبادت کریں۔ اور آیت کریمہ۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم۔ کا تعلق اعمال سے ہے۔ جس میں قدر قدرت ہو اتنا ہی عمل کر سکتے ہیں، وضو پر قدرت نہیں تیمم کر لو۔ نماز کھڑے ہو کر نہیں ادا کر سکتے بیٹھ کر پڑھ لو۔ حالت سفر میں ہو تو جدھر منہ ہو ادھر ہی پڑھ لو۔ رمضان میں افطار کی بھی اجازت ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز۔ شاہ صاحب نے قریب کی آیت کریمہ کی یہ توجیہ و تفسیر آیت کے آخری جزء سے مؤید ہے کیونکہ فرمایا ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر اسلام سے ایمان و توحید ہی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ موت کی یا قرب موت کا وقت بے بسی کا وقت ہوتا ہے۔ ایسے میں اعمال کی تکلیف نہیں دی جا سکتی ہے۔

علامہ سیوطی کے بقول شیخ عارف باللہ ابوالحسن شاذلی بھی اسی نظریے کے حامل اور مذہب کے قائل تھے پہلی آیت کو توحید پر اور دوسری کو اعمال پر محمول فرمایا کرتے تھے۔ (الاتقان [illegible])

---

(۸) ومن النساء قوله تعالى والذين عقدت ايمانكم فآتوهم نصيبهم الآية منسوخة بقوله واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض. قلت ظاهر الآية ان الميراث للموالي والبر والصلة لمولى الموالاة فلا نسخ۔

ترجمہ:۔ اور سورۂ نساء میں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد والذین عقدت ایمانکم منسوخ ہے اللہ کے قول واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض سے۔ میں کہتا ہوں آیت کا ظاہر یہ ہے کہ میراث موالی کے لئے ہے۔ اور حسن سلوک صلہ رحمی مولی الموالاۃ کے لئے ہے۔ لہٰذا نسخ نہیں ہے۔

ترجمۂ آیت ۱: جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دیدو۔ ترجمۂ آیت ۲: اور رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

فائدہ:۔ آیت منسوخہ میں عقد موالاۃ کا تذکرہ ہے۔ عقد موالاۃ دو شخصوں کے درمیان یہ معاہدہ کہ ہم ایک دوسرے کے ہر طرح سے معاون و مددگار رہیں گے کہ اگر ایک شخص کے ذمہ کوئی دیت لازم آئے گی تو دوسرا بھی اس کا کفیل و ذمہ دار ہوگا اور ایک کے مرجانے پر دوسرا اس کا وارث ہوگا۔ دور جاہلیت میں عقد موالاۃ کا حکم یہ تھا کہ حلیف مرنے والے کی کل میراث کا وارث ہوتا تھا۔ اسلام کے ابتدائی

دور میں بھی یہی حکم باقی رہا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انصارؓ و مہاجرینؓ کے درمیان عقدِ مواخاۃ جب قائم فرمایا تو عقدِ موالاۃ کی طرح اس میں بھی توارث کا سلسلہ قائم رہا۔ انصاری مہاجر کے کل ترکہ کا وارث ہوتا اور مہاجر انصاری کے کل ترکہ کا وارث قرار پاتا تھا۔

ترمیم: پھر جب مسلمانوں کے اعزہ و اقارب بکثرت مسلمان ہو گئے تو عقدِ موالاۃ و عقدِ مواخاۃ کے اس حکم میں تبدیلی ہو گئی کہ کل کے بجائے صرف سدس (چھٹا حصہ) دیا جائیگا، باقی مال اعزہ اور رشتہ داروں میں دستورِ میراث کے مطابق تقسیم ہوگا۔ فآتوھم نصیبھم میں نصیب سے یہی چھٹا حصہ مراد ہے۔ کما ھو مروی عن ابن عباسؓ و قتادۃ وغیرہما (روح المعانی ج ۵ ص ۲۲)

نسخ: پھر کچھ دنوں کے بعد سورۃ احزاب کی آیت۔ واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ کے ذریعہ مولی الموالاۃ کا حکم کلیۃً منسوخ کر دیا گیا۔ اور اسی کے ساتھ عقدِ مواخاۃ کا حکمِ میراث بھی منسوخ ہو گیا۔ حضرت تھانویؒ کے بقول یہ تفسیر حضرت قتادہؓ و ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

(دیکھئے بیان القرآن ج ۲ ص ۱۰۰)

(نوٹ) آیتِ کریمہ واولوا الارحام الخ سورۃ احزاب میں بھی ہے اور سورۃ انفال میں بھی، تو محققین حضرات کے لئے ناسخ سورۃ احزاب کی آیت ہے نہ کہ سورۃ انفال کی۔ وھو منقول عن قتادۃؓ (تفصیل کے لئے بیان القرآن ج ۴ ص ۱۱ دیکھئے)

شاہ صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ فآتوھم نصیبھم میں نصیب سے تبرع اور حسن سلوک مراد ہے یعنی آیت میں مولی الموالاۃ کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے میراث سے اس کا تعلق نہیں اور میراث کا حق موالی (اعزہ) کو پہونچتا ہے جیسے۔ ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون۔ اور اولوا الارحام الخ میں بیان کیا گیا ہے۔ لہذا آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں۔ وھو قول مجاھد و سعید بن جبیر رحمہما اللہ (دیکھئے کتاب الناسخ قلمی) وھو روایۃ عن ابن عباسؓ کما اخرجہ البخاری و ابوداؤد والنسائی وجماعۃ انہ قال فی الآیۃ کان المہاجرون لما قدموا المدینۃ یرث المہاجر الانصاری دون ذوی رحمہ للاخوۃ التی آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینہم فلما نزلت ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون نسخت ثم قال والذین عقدت ایمانکم فآتوھم نصیبھم من النصر والرفادۃ والنصیحۃ

وقد ذهب المیراث و یوصی لہ و روی عن مجاہد مثلہ (روح ج ۵ ص ۲۲)

یعنی صحابہ کرام ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفا و تعظیما) پہونچے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات قائم فرمادی۔ جس کے نتیجہ میں انصاری کی میراث ذوی الارحام کے بجائے مہاجر بھائی کو ملنے لگی۔ پھر جب آیت کریمہ ولکل جعلنا موالی کا نزول ہوا تو توارث کا یہ سلسلہ منسوخ ہو گیا۔ اور والذین عقدت ایمانکم الایۃ کے ذریعہ تعاقد، خیرخواہی و ہمدردی کی تاکید کردی گئی۔ اس طرح میراث ختم ہو گئی۔ اور وصیت کا حق باقی رہا۔

(نوٹ) :- مولی الموالاۃ کا لفظ اس شخص پر بھی بولا جاتا ہے جو کسی کے ہاتھ پر مشرف با سلام ہوا ہو۔

---

(۵) قولہ تعالیٰ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ الآیۃ قیل منسوخۃ وقیل لا ولکن تہاون الناس فی العمل بہا قلت قال ابن عباس ہی محکمۃ والامر للاستحباب وھذا اظہر۔

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کا ارشاد واذا حضر الخ کو کہا گیا ہے کہ منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ نہیں، بلکہ لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ میں کہتا ہوں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت محکم ہے اور امر استحباب کے لئے ہے۔ اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

فائدہ :- آیت منسوخہ: واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ والیتمیٰ والمسکین فارزقوھم منہ وقولوا لھم قولا معروفا۔ (ترجمہ) اور جب (ترکہ) تقسیم ہونے کے وقت آموجود ہوں (وہ) رشتہ دار (جن کا میراث میں حق نہیں) اور یتیم اور غریب تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دیدو اور ان کے ساتھ خوبی (و نرمی) سے بات کرو۔

یہاں دو مسئلے ہیں (۱) آیت منسوخ ہے یا محکم؟ حضرت عکرمہؓ و ضحاکؒ اور ابو مالکؒ وغیرہ نسخ کے قائل ہیں۔ وہو مروی عن ابن عباسؓ و سعید بن المسیبؒ جبکہ حسن بصریؒ، امام زہریؒ اور حضرت مجاہدؒ وغیرہ احکام؛ عدم نسخ کے قائل ہیں۔ وھو مروی عن ابن عباسؓ وعائشہؓ۔

(۲) صیغۂ امر فارزقوھم منہ، استحباب کے لئے ہے یا وجوب کے لئے؟ مجیزہ، اور وہ سعید بن جبیرؒ

مجاہدؒ، عطاؒ، حسن بصریؒ، زہریؒ، امام شعبیؒ اور یحییٰ بن یعمرؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباسؓ بھی استحباب کے قائل ہیں۔ بعض علماءؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(دیکھئے روح ج ۴ ص ۲۳ و کتاب الناسخ ص ۱۰۹ و ۱۱۰)

دلیل:- قائلین استحباب کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُولی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین کے حصص کی تعیین نہیں فرمائی ہے جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ یہاں حق واجبی کا بیان نہیں ہے۔ ورنہ دوسرے حقوق واجبہ کی طرح یہاں بھی حصے ضرور بیان کئے گئے ہوتے۔ (انظر العنوان ص ۱۸۱)

حضرت مجاہدؒ دوسری روایت کے مطابق امر کو وجوب کے لئے مانتے ہیں۔

سوال:- حضرت ابن عباسؓ سے دونوں طرح کی روایتیں ثابت ہیں نسخ کی بھی اور احکام کی بھی۔ کیا ان دونوں میں تطبیق کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟

جواب:- حضرت تھانویؒ کے بقول نسخ کی روایت کو وجوب پر اور احکام کی روایت کو ندب و استحباب پر محمول کر لیا جائے تو تعارض ختم ہو سکتا ہے۔ (انظر بیان القرآن ص ۵۱۵)

---

(۱۰) قوله تعالى واللّتي يأتين الفاحشة الآية منسوخة بآية النّور قلتُ لا نسخ في ذلك بل هو ممتدّ إلى الغاية فلمّا جاءت الغاية بيّن النّبيّ صلى الله عليه وسلم أن السّبيل الموعود كذا وكذا فلا نسخ.

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ الخ منسوخ ہے سورۂ نور کی آیت اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا سے۔ میں کہتا ہوں اس میں نسخ نہیں ہے بلکہ وہ عمل کی آخری مدت تک پہنچا ہوا ہے جتنی مدت تک اس پر عمل کرنے کا حکم تھا وہ پوری ہو چکی تب دوسرا حکم آیا، پھر جب غایت پوری ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کر دی کہ وہ راستہ جس کا وعدہ کیا گیا تھا (ارشاد باری حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا میں) اس اس طرح ہے۔ لہٰذا نسخ نہیں ہے۔

فائدہ:- آیت منسوخہ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَةً

مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا۔

ترجمہ: اور جو عورتیں بے حیائی کا کام (یعنی زنا) کریں تمہاری (منکوحہ) بیبیوں میں سے سو تم لوگ ان عورتوں کے جرم زنا پر چار آدمی اپنوں میں سے (آزاد، عاقل، بالغ، مرد) گواہ کر لو، سو اگر وہ گواہی دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ تجویز فرما دیں۔ آیۃ النور: اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

ترجمہ: زنا کار عورت اور زنا کار مرد تو ان میں سے ہر ایک کے سو سو درّے مارو، اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

فائدہ: آیت کریمہ (وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ الخ) میں زانی و بدکار عورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ کہ اگر چار معتبر گواہوں کی گواہی سے کسی عورت کی زنا کاری ثابت ہو جائے تو اسے تادیباً گھر میں مقید کر دیا جائے یہاں تک کہ اسے موت آ جائے۔ یا پھر جناب اللہ اس کے لئے کسی اور راہ کی تجویز ہو جائے یعنی حق تعالیٰ ایسی عورتوں کے لئے کوئی اور حکم بیان فرما دے، اسی طرح اس کے بعد والی آیت (وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا الخ) میں ایسے مردوں کا حکم بیان فرمایا کہ انہیں تکالیف اور مشقتوں میں ڈالا جائے۔ جس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے شرم دلانا، مارنا اور جوتے لگانا اور سدی، قتادہ و مجاہدؒ سے عار و غیرت دلانے کے ساتھ صرف زجر و توبیخ اور ڈانٹ پلانا منقول ہے۔

بہرحال ابتداءِ اسلام میں زنا کاری کی یہی سزا تھی، پھر کچھ دنوں کے بعد حد مقرر کر دی گئی، محصن کے لئے رجم اور غیر محصن کے لئے سو کوڑوں کی سزا متعین کر دی گئی، تو وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ کا حکم منسوخ ہو گیا۔ نسخ کے قائلین میں ابن عباس، ابو جعفر اور ابو عبید رضی اللہ عنہم کے علاوہ مجاہد، قتادہ، سدی، ابن جبیر، حسن بصری، ضحاک کے اسماء سرِ فہرست ہیں۔ اور یہی خیال ہے نحاس، جصاص اور طبری کا۔ واختارہ المفتی التھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

شاہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کو مقید کرنے اور مردوں کو ایذا و تکلیف دینے کا حکم موقت تھا یعنی یہ حکم اسی وقت تک کے لئے تھا جب تک کہ کوئی دوسرا حکم نہ آ جائے، جب دوسرا حکم آ گیا کہ محصن کے لئے رجم اور غیر محصن کے لئے سو کوڑے ہیں تو پہلے حکم کی میعاد پوری ہو گئی، لہٰذا اسے نسخ

کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مصنف رحمہ نے نسخ کی جو تعریف کی ہے وہ اس پر صادق نہیں آرہی ہے تو اب رہا یہ مسئلہ کہ جب آیت منسوخ نہیں ہے تو معمول بہا ہونی چاہئے۔ حالانکہ حدود کی مشروعیت کے بعد اس آیت پر نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا نہ صحابہ و تابعین نے، معلوم ہوا کہ اس پر عمل کی گنجائش نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو عمل کی کیا صورت ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ یہ آیت ایسے وقت کے لئے ہے جب خدا نخواستہ امت مسلمہ قوت اقتدار سے محروم ہو اور حدود جاری کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو۔ چنانچہ ایسے ہی حالات میں اس آیت کا نزول بھی ہوا تھا۔ اور حدود کی مشروعیت کے وقت سے تابعین کے دور تک چونکہ امت برسر اقتدار رہی، اجرائے حدود اس کے لئے آسان رہا۔ اس لئے اس پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ (العون الکبیر)

---

(۱۱) ومن المائدة قوله تعالى: ولا الشهر الحرام، الآية منسوخة بإباحة القتال فيه قلت لا أجد في القرآن ناسخا له ولا في السنة الصحيحة ولكن المعنى أن القتال المحرم يكون في شهر الحرام أشد تغليظا كما قال النبي صلى الله عليه وسلم في الخطبة: ألا إن دماءكم وأموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا.

ترجمہ: اور سورۂ مائدہ میں سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ولا الشهر الحرام الآیۃ منسوخ ہے۔ یعنی (شہر حرام میں قتال کی اباحت کے ذریعہ۔ میں کہتا ہوں کہ میں اس آیت کا ناسخ نہ قرآن میں پاتا ہوں اور نہ حدیث صحیح میں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ قتال حرام شہر حرام میں اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع کے) خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ الا ان دماءکم الخ (سنو! تمہاری جان تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں حرام ہے۔

فائدہ آیت منسوخہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا۔

(ترجمہ آیت: اے ایمان والو! بے حرمتی مت کرو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی، اور نہ حرمت والے مہینہ کی (بایں کہ اس میں کافروں سے لڑنے لگو) اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی (بے ادبی کرو کہ اس سے تعرض کرنے لگو) اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں (اس نشانی کے لئے) پٹے پڑے ہوں (کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں حرم میں ذبح ہوں گی) اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں (اور) اپنے رب کے فضل و رضامندی کے طالب ہوں۔ انتہیٰ۔

آیت کریمہ میں پانچ چیزوں کی بے حرمتی و بے ادبی سے روکا گیا ہے جن میں ایک شہر حرام بھی ہے۔ شہر حرام کی بے حرمتی کا مطلب شہر حرام میں مشرکین سے قتال کرنا ہے۔ کما روی عن ابن عباس و قتادہ

(صفحہ ۳ دیکھئے الدر المنثور والسراج المنیر وغیرہ) (روح ج ۶ ص ۵۳ تفسیر الناسخ ص ۵۵)

اس تفسیر کے مطابق آیت منسوخ ہے۔ عبد بن حمید، ابو داؤد، ابن جریر و ابن منذر نے شعبیؒ امام قتادہؒ کی رائے نقل کی ہے کہ سورۂ مائدہ کی صرف ایک ہی آیت منسوخ ہے۔ (الناسخ ص ۲۳)

ناسخ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم ہے یا بالعموم القتال کی آیت کی طرف اشارہ ہو۔

الحاصل حضرت ابن عباس، قتادہ اور ضحاکؒ وغیرہ اس کو منسوخ مانتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور علامہ ابن کثیرؒ نے نسخ کو جمہور مفسرین کا مذہب بتایا ہے۔ (دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۴ ج ۲) اس کے بالمقابل حضرت حسن بصریؒ، ابو میسرہؒ اور عمرو بن شرحبیل وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ سورۂ مائدہ کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ اس صورت میں شہر حرام کی بے حرمتی کا مطلب معاصی و محرمات کا ارتکاب ہے۔ علامہ عثمانی لکھتے ہیں ان کی تعظیم و احترام یہ ہے کہ دوسرے مہینوں سے بڑھ کر ان میں نیکی اور تقویٰ کو لازم پکڑے اور شر و فساد سے بچنے کا اہتمام کیا جائے۔ الخ

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ولا الشهر الحرام کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قتال حرام جیسے مسلمانوں کی باہمی خونریزی یا مسلمانوں اور ذمی کے ساتھ ناحق قتال، کہ ان شہر حرام میں اور مہینوں سے زیادہ قبیح ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں اسی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے اس حصہ میں باہمی خونریزی و غارت گری کی شناعت و حرمت بیان کی گئی ہے۔ جسے شاید آپ نے ملاحظہ کر لیا۔

لہ آپ کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔

اسی دوسرے گروہ کی تائید اس حدیث سے کی جاتی ہے جسے ابو عبید نے ضمرہ بن حبیب اور عطیہ بن قیس کے حوالے سے نقل فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ المائدة من آخر القرآن تنزيلا فاحلوا حلالها وحرموا حرامها۔ علامہ آلوسی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں واستدل بهذا الخبر على انه لم ينسخ من هذه السورة شئ۔ کہ اس حدیث سے ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ اس سورۃ کا کوئی جزء منسوخ نہیں ہے۔ (دیکھئے روح المعانی) واللہ اعلم

---

(۲۱) قوله تعالى فان جاءوك فاحكم بينهم او اعرض عنهم. الآية منسوخة بقوله. وان احكم بينهم بما انزل الله. قلت معناه ان اخترت الحكم فاحكم بما انزل الله ولا تتبع اهواءهم والحاصل انه لنا ان نترك اهل الذمة ان يرفعوا القضية الى زعمائهم فيحكموا بما عندهم ولنا ان نحكم بينهم بما انزل الله علينا.

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کا ارشاد فان جاءوك الآیۃ منسوخ ہے اس کے فرمان وان احکم الآیۃ سے میں کہتا ہوں اس دوسرے قول (وان احکم) (۲) کا مطلب یہ ہے کہ اگر فیصلہ کو اختیار کرو تو اس کتاب کے موافق فیصلہ کرو جسے اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد کیجئے۔ تو حاصل یہ ہے کہ ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم ذمیوں کو چھوڑ دیں کہ وہ (مقدمات کا) فیصلہ اپنے قائدین کے پاس لیجائیں اور وہ (قائدین) اپنے دستور کے مطابق فیصلہ کریں جو ان کے یہاں ہو۔ اور ہمارے لئے (یہ بھی) جائز ہے کہ ہم ان لوگوں کے درمیان اس کتاب کے موافق فیصلہ کریں جسے اللہ نے ہم پر نازل فرمایا۔

ترجمۂ آیات:- (۱) تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آویں تو خواہ آپ ان میں فیصلہ کر دیجئے یا ان کو ٹال دیجئے۔ (۲) اور ہم حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے۔

حاشیہ: حسن بصری مشاہیر تابعین میں سے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو سعید اور ولدیت ابو الحسن یسار ہے۔ آپ کے والد زید بن ثابت انصاری کے آزاد کردہ غلام اور آپ کی والدہ حضرت ام سلمہ کی آزاد کردہ باندی تھیں۔ سنہ ۲۱ھ میں ولادت اور ۱۱۰ھ میں وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ۔

ظاہر ہے کہ پہلی آیت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا ہے کہ اہل کتاب کے باہمی معاملات میں آپ چاہیں تو فیصلہ کریں اور نہ چاہیں تو نہ کریں۔ اور دوسری آیت میں آپ کو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے کا مکلف کیا گیا ہے۔ لہٰذا دونوں آیتیں باہم معارض ہیں۔ اس لیے حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ، بلکہ جصاصؒ، رازیؒ و قرطبیؒ کے بقول اکثر سلف رحمہم اللہ تخییر والی آیت کو دوسری آیت کے ذریعہ منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف مفسرین کی ایک جماعت تخییر والی آیت کو محکم مانتی ہے۔ وایں مختار حسن بصری و شعبی و نخعی است۔ شاہ صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ یہ حضرات آیت ناسخہ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اگر آپ اپنے اختیار سے ان کے معاملات کا فیصلہ کرنا چاہیں تو کتاب اللہ کے مطابق کریں ورنہ ٹال دینے کا اختیار تو آپ کو ہے ہی۔ اس پر یہ خالص علمی اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت کا جو مفہوم بیان کیا جا رہا ہے اس مفہوم کو صراحت کے ساتھ پہلی ہی آیت میں بیان کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ فرمایا وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط۔ اس لئے اگر آیت ثانیہ وان احکم بینہم الخ کا بھی یہی مطلب لیا جائے تو تکرار لازم آئے گا۔

جواب:۔ یہاں تکرار میں بالقسط کی تفسیر کا فائدہ مضمر ہے فتدبر۔ (مستفاد از علم القرآن)

---

(۱۰) قولہ تعالیٰ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ منسوخ بقوله وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ قلتُ قال احمد بظاهر الآية ومعناها عند غيره أو آخران من غير اقاربكم فيكونون من سائر المسلمين۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ منسوخ ہے اس کے ارشاد وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ سے۔ میں کہتا ہوں امام احمد بن حنبلؒ ظاہر آیت کے قائل ہیں۔ اور اس کا معنی دوسرے حضرات کے نزدیک من غیر اقاربکم ہے یعنی ایسے دو دوسرے اشخاص جو تمہارے رشتہ دار نہ ہوں۔ لہٰذا یہ آخران بھی مسلمانوں میں سے ہو جائیں گے۔ (اس تاویل کے مطابق پہلی آیت میں غیر مسلم کی گواہی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے)۔

فائدہ:۔ آیت منسوخہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ

ـــــہ [illegible] ترجمہ حضرت عبدالعزیز۔

الوصیّۃ اثنٰن ذوا عدل منکم او اٰخرٰن من غیرکم الخ

یعنی وفات کے قریب جب وصیت کرنے لگو تو دو دیندار مسلمانوں کو گواہ بنا لینا سب سے بہتر ہے۔ یا اگر مسلمان نہ مل سکیں تو غیر قوم کے دو شخصوں کو گواہ بنا لو۔ غیر قوم سے غیر مسلم مراد ہیں۔ دوسری آیت فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للّٰہ۔ (الطلاق آیت ۲) پھر جب وہ مطلقہ عورتیں (جن کا اوپر تذکرہ ہوا) اپنی عدت گذرنے کے قریب پہونچ جائیں تو ان کو قاعدہ کے مطابق نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو رہائی دو۔ اور آپس میں دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو۔ اور تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے گواہی دو۔ (تفسیر تھانوی)

او اٰخران کی تفسیر۔ او اٰخران من غیرکم کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے آخران من غیرکم سے غیر مسلم یعنی ایسے دو آدمی جو تمہارے مذہب کے نہ ہوں۔ سعید بن مسیب، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، شعبی اور سلیمان تیمی وغیرہ سے یہی منقول ہے۔ حضرت تھانویؒ و علامہ عثمانیؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آیت کتابی و غیر کتابی ہر قسم کے غیر مسلم کو عام ہے جیسا کہ عموم لفظ کا تقاضا ہے۔ اور امام احمد نے خصوص مورد و شان نزول کی رعایت سے اسے اہل کتاب غیر مسلموں کے ساتھ خاص رکھا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک اہل کتاب ذمی کی شہادت وصیت کے معاملہ میں مقبول ہے بشرطیکہ بروقت مسلمان گواہ موجود نہ ہوں۔ ہم علامہ [illegible] نے [illegible] سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ (متوفی سنہ ۶۲۰ھ) نے ابن المنذر کے حوالہ سے قاضی شریحؒ، ابراہیم نخعیؒ، امام اوزاعیؒ اور یحییٰ بن حمزہ کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے۔ اور فرمایا کہ ابن مسعودؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ نے اسی کے مطابق فیصلے کئے ہیں۔[2]

جبکہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اور حضرت زید بن اسلمؒ آیت کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔ ناسخ وہ آیات ہیں جن میں گواہوں کے لئے عادل و مرضی (پسندیدہ) ہونے کی قید مذکور ہے۔ مثلاً ایک وہ آیت جو ابھی گذری، دوسرے واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء ان آیات سے صاف ظاہر ہے غیر عادل کی شہادت نہیں لی جاسکتی ہے۔

---

[1] دیکھئے کتاب الناسخ ۔ [2] دیکھئے المغنی ج ۹، ص [illegible]

تفسیر دوم۔ آخران من غیرکم کا یہ مطلب ہے کہ دو مسلمان جو نسب سے دور ہوں، اجنبی اور رشتہ دار نہ ہوں۔ یہ تفسیر حضرت زہریؒ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے۔ بعض علماء نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ علامہ جصاص حنفیؒ اس تفسیر کی تردید میں رقم طراز ہیں: ان التفسیر الثانی لا وجه له لان الخطاب توجه الی اهل الایمان فالمغایرة تعتبر بوجهه ولم یجر للقرابة ذکر ویدل علی ذلک ایضا سبب النزول یعنی اس دوسری تفسیر کی کوئی تک نہیں ہے۔ کیونکہ آیت کے اول میں مخاطب اہل ایمان ہیں، لہٰذا مغایرت (جو منکم میں مذکور ہے) ایمان کے اعتبار سے ہونی چاہیے نہ کہ قرابت اور رشتے کے اعتبار سے، جس کا آیت میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ پہلی تفسیر کی تائید شان نزول سے بھی ہوتی ہے۔

---

(۱۳) ومن الانفال قوله تعالى ان يكن منكم عشرون صابرون الآية منسوخة بالآية بعدها قلت هي كما قال منسوخة۔

ترجمہ:۔ اور سورۂ انفال سے ارشاد باری ان یکن منکم الخ منسوخ ہے اپنے بعد کی آیت سے۔ میں کہتا ہوں جیسا کہ انہوں نے فرمایا منسوخ ہے۔

فائدہ:۔ آیۃ منسوخہ: یٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّہُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ۔ (ترجمہ) اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے (اور ان کے متعلق یہ قانون سنا دیجئے کہ) اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو (بمقابلہ کفار) دو سو پر غالب آجاویں گے اور (اسی طرح) اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ہزار کفار پر غالب آجاویں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو دین کو کچھ نہیں سمجھتے (اور اسی وجہ سے کفر پر مصر ہیں۔ [illegible] ان کو غیبی امداد نہیں ہوتی۔ بس تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گونہ کے مقابلہ سے بھی پسپا نہ ہو)

اول یہ حکم نازل ہوا تھا جب صحابہؓ پریشان ہوئے تو دربار رسالت میں شکایت کی۔ ایک مدت کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی جس سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

[illegible]

ناسخ آیت :- اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔

ترجمہ: اب اللہ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے، سو اب یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو اپنے سے دو گنے یعنی دو سو پر غالب آجائیں گے اور اسی طرح اگر تم میں کے ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے (از بیان القرآن)

نسخ کا قول نحاس کی تصریح کے مطابق حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے جس کے راوی حضرت عطاء ہیں جبکہ زبیر بن حریث کی روایت میں اس ترمیم کو تخفیف سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے ذمہ فرض تھا کہ ایک مسلمان دس مشرک سے مقابلہ کرے۔ یہ حکم ان لوگوں کو گراں گذرا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تخفیف نازل فرمائی اور دو کے مقابلہ میں ایک کا حکم نافذ کردیا لیکن ساتھ ہی ساتھ اسی تناسب سے قوتِ مقابلہ و ثابت قدمی میں بھی کمی کردی گئی۔

شیخ ابوجعفر نحاس مصری کا خیال ہے کہ جیسے حالتِ سفر میں افطار کی رخصت کو نسخ نہیں کہا جاتا ہے بلکہ اس کا نام تخفیف رخصت ہے۔ اور روزہ رکھنا افضل ہے۔ اسی طرح دس گنے کے بجائے دو گنے سے مقابلہ کا حکم بھی تخفیف ہے اور دس گنے سے مقابلہ کرنا باعثِ اجر و ثواب ہے۔ اس لئے اس ترمیم کو نسخ کے بجائے تخفیف ہی کہنا چاہئے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۱۶۱)

خیالِ بندہ :- حالتِ سفر میں افطار کی رخصت وقتی و عارضی ہے۔ وجوبِ صوم عارضی طور پر مؤخر ہوگیا ہے، ساقط نہیں ہوا ہے۔ اس کے برخلاف دو گنے سے مقابلہ کا حکم مستقل و دائمی ہے اور دس سے مقابلہ کا وجوب کلیۃً منسوخ ہوچکا ہے۔ اس لئے اسے رخصتِ مسافر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

واللہ اعلم

خورشید انور غفرلہ

---

(۵۱) ومن براءة قوله تعالى اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا منسوخة بآيات العذر وهي قوله لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ الآية وقوله لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ الآيتين قلت خفافا اى مع اقل ما يتأتى به الجهاد من مركوب و عيال للخدمة ونفقة يقنع بها وثقالا مع الخدم الكثيرة والمراكب

الكثيرة فلا نسخ او نقول ليس النسخ متعينًا۔

اللغات۔ اِنْفِرُوْا بروزن اِضْرِبُوْا۔ نفر القوم للقتال نفارًا ونفورًا ونفيرًا جنگ کیلئے چل پڑنا۔ خِفَافٌ جمع خفیف، ہلکا۔ ثِقَالٌ جمع ثقیل، بوجھل۔ مَرْكُوْبٌ سواری کا مرکب۔ یقنع فتح سے مضارع مجہول۔

ترجمہ:۔ اور سورۂ براءۃ سے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا منسوخ ہے مذکورہ آیات سے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ الآیۃ اور اس کا فرمان لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ۔ الآیتین ہیں۔ میں کہتا ہوں خفافا (ہلکے پھلکے) یعنی اپنے قلیل ترین سامان کے ساتھ (نکلو) جس سے جہاد ہوتا ہے یعنی ایک سواری اور خدمت کے لئے ایک غلام اور اتنا سفر خرچ جس پر قناعت کی جاسکتی ہو۔ اور ثقالا (بوجھل) بہت سے خدام اور بہت ساری سواریوں کے ساتھ۔ لہٰذا نسخ نہیں ہے، یا ہم کہیں گے کہ نسخ متعین نہیں ہے۔

فائدہ:۔ خفاف وثقال دو متقابل کے الفاظ ہیں جن کے معنی ہیں ہلکے اور بوجھل، ان کی متعدد و مختلف تفسیریں منقول ہیں۔ مثلاً تنگدست وخوشحال ای اغنیاء و مساکین (ابن جریر۔ قتادہ) جوان اور بوڑھے ای شبانا وشیوخا (ابن جریر۔ الحسن) یا مشغول و بے کار، اور باسامان و بے سامان وغیرہ ای مشاغیل وغیر مشاغیل (ابن جریر)۔ حکم ان مختلف تفسیروں کی روشنی میں دیکھا جائے تو آیت کے حکم عام ہے پیرو جوان، تندرست و بیمار، مشغول و فارغ البال، تنگدست وخوشحال اور مسلح و بے ہتھیار، غرضیکہ معذور و غیر معذور سبھی داخل ہیں، جیسا کہ علامہ ابن کثیر و ابن جریر نے لکھا ہے۔ لہٰذا یہ حکم ان آیات کے ذریعہ منسوخ ہے جن میں معذوروں سے وجوب جہاد کی نفی کی گئی ہے جیسے سورۂ فتح کی آیت لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ یعنی جہاد ان معذور لوگوں پر فرض نہیں، اسی طرح سورۂ توبہ کی دو آیتیں لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الخ (آیت ۹۱) وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ۔ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ (آیت ۹۲) یعنی کمزور، بیمار اور نادار، اسی طرح وہ لوگ

جو آپ سے جہاد میں جانے کے لئے سواریوں کا سوال کرتے ہیں، اور آپ کی طرف سے معذرت کا جواب سن کر کبیدہ خاطر اور اشکبار اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں۔ یہ سب لوگ معذور ہیں جن پر جہاد فرض نہیں ہے۔

بہرحال بعض حضرات کے نزدیک خفافا سے معذور افراد مراد ہیں وہ نسخ کے قائل ہیں، ان کے برخلاف حضرت شاہ صاحبؒ کا نظریہ یہ ہے کہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ عدم نسخ کے لئے حضرت نے دو توجیہیں پیش کی ہیں۔

توجیہ ۱: خفافا سے معمولی درجہ کی قدرت اور تھوڑے موڑے ساز و سامان والے، اور ثقالاً سے ایسے لوگ مراد ہیں جن کے پاس ساز و سامان بتمام اور سواریاں وافر مقدار میں موجود ہوں۔ یہی تحقیق ہے حضرت تھانویؒ کی، چنانچہ ترجمہ فرماتے ہیں نکل پڑو تھوڑے سامان سے اور زیادہ سامان سے، پھر حاشیہ میں لکھتے ہیں هو احد الاقوال فی الآية كما فی الروح. خفافا من السلاح وثقالا منه. فلا نسخ على هذا التفسير لاشتراط القدرة بدليل آخر، بیان القرآن صــ ۱۱۳/۴۴۔ لہٰذا آیت کے مخاطب صرف وہی لوگ ہیں جن کے پاس ساز و سامان موجود ہیں خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ، رہے وہ لوگ جو معذور بعذر ہیں وہ اس حکم میں داخل نہیں۔ لہٰذا نسخ یا استثناء کی نوبت نہیں آئی۔

توجیہ ۲: جسے حضرت نے اوضح قول کہہ کر بیان فرمایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ آیت کریمہ انفروا خفافا الخ منسوخ ہے لیکن علی الاطلاق اور ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ وقتی طور پر صرف عام حالات میں، اور جب زبردست دشمنوں سے سخت مقابلہ کی نوبت آجائے اور امیر کی طرف سے نفیر عام ہو جائے تو پھر یہی آیت واجب العمل ہو جائے گی۔ (واللہ اعلم)

وفيه نظر فإن من الضعفاء والمرضى من لا يمكن له النفار إلى القتال وقال تعالى لا يكلف الله نفسا إلا وسعها فهم كيف يكلفون؟ والله اعلم بالصواب۔ خورشید انور غفرلہ

(۱۲) ومن النور قوله تعالى اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً الآية منسوخة بقوله تعالى وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ قلتُ قال احمد بظاهر الآية ومعناها عند غيره أن مُرتكِب الكبيرة ليس بكفء إلا للزانية

ويستحب اختيار الزانية وقوله وحرم ذلك اشارة الى الزنا والشرك فلا نسخ واما قوله وانكحوا الايامى فعام لا ينسخ الخاص۔

اللغات: الایامی جمع الایم، وہ عورت بیوہ بن بیاہی، کفو: مثل ونظیر، کفاءۃ سے جس کے معنی لغوی ہیں مساوات، فقہاء حنفیہ کی اصطلاح میں کفاءۃ کے معنی ہیں: مرد کا چھ چیزوں میں عورت کے مماثل وبرابر ہونا، نسب میں، اسلام میں، پیشہ میں، حریت میں، دینداری اور مالداری میں۔

ترجمہ: اور سورۂ نور میں سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد الزانی، منسوخ ہے اس کے قول وانکحوا الایامی منکم سے، یہ کہنا ہو کہ امام احمد آیت کے ظاہر مفہوم کے قائل ہیں۔ اور اس کا مطلب دوسروں کے نزدیک یہ ہے کہ گناہ کبیرہ: زنا کرنے والا کفو نہیں ہے مگر زناکار کا، یا زانی پسند کرتا ہے اپنے لئے زانیہ کے انتخاب کو۔ اور قول باری تعالیٰ وحرم ذلک اشارہ ہے زنا اور شرک کی طرف، لہٰذا نسخ نہیں ہے، اور رہا اس کا قول وانکحوا الایامی تو عام ہے جو خاص کو منسوخ نہیں کر سکتا ہے۔

فائدہ: الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لا ینکحہا الا زان او مشرک وحرم ذلک علی المؤمنین۔ ترجمہ: زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے، اور زانیہ کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے، اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔

وانکحوا الایامی منکم اور تم میں جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔

فقط: قال محشی امام احمدؒ اس آیت (زنا کار و پاکدامن کے باہمی نکاح کی حرمت) کے قائل ہیں، لہٰذا آیت ان کے نزدیک منسوخ نہیں ہے۔ ومنہا امام احمدؒ کے علاوہ دیگر مفسرین وعلماء اسلام کے نزدیک آیت کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ بدکار مرد وعورت اپنی اس بدترین حرکت کی وجہ سے پاکباز اور دیندار مسلمانوں سے اتنے گر گئے ہیں کہ ان کے درجہ کو دیکھتے ہوئے ازدواجی رشتہ قائم کرنے کا منہ ان کے پاس نہیں رہا۔ ولعل ما قال احمد فی الله تعالیٰ الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات (نور پ) ولقد احسن من قال۔۔ شعر

تجتنب الاسود ورود ماء ، اذا كان الكلاب ولغن فيه

اور تشریح: آیت کریمہ الزانی الخ کی دوسری توجیہ ہے کہ زانی اپنے لئے زانیہ کا ہی انتخاب کرتا ہے

دوسری جگہ ہے: شعر ۔ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ٭ کبوتر با کبوتر باز با باز
ہر کسی مناسب گوہر خود گرفت یار ٭ بلبل بباغ رفت و زغن سوئے خارزار

فرق:- شاہ صاحب کی وضاحت دونوں توجیہات کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلی تفسیر کے مطابق آیت کریمہ میں زانی و زانیہ کی عرفی و شرعی حیثیت کا بیان ہے کہ یہ لوگ صلحاء کے ساتھ نکاح کی اہلیت و لیاقت نہیں رکھتے ہیں۔ بقول علامہ عثمانی نفی یا قبح فعل کو نفی محل کی حیثیت دی گئی ہے۔ اور دوسری توجیہ کے مطابق زانی و زانیہ کے ذوق اور جبلی میلانات کا بیان ہے۔ واللہ اعلم

حل آیت:- قاری رحمانی کے اکثر نسخوں میں وحرّم بصیغہ فعل مثبت ہی ہے۔ لیکن مولوی رشید احمد مرحوم کے اُردو ترجمہ اور [illegible] انگلیزی میں لا یستحب فعل منفی ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زانیہ و مشرکہ سے رشتہ قائم کرنا غیر پسندیدہ ہے۔ اس تفسیر کے مطابق آیت میں ان مہاجرین کو تنبیہ کی گئی ہے جنہوں نے [illegible] خواتین سے نکاح کا ارادہ کیا تھا کہ تمہارا ارادہ ہمیں پسند نہیں ہے۔ واللہ اعلم

قولہ: وحرّم۔ علامہ کے بقول ذٰلک کا اشارہ الیٰ زنا اور شرک ہے۔ لہٰذا یہ نہی کی تاکید ہے۔ گویا وحرّم ذٰلک علی المؤمنین۔ لا تقربوا الزنیٰ کا ہم معنیٰ ہے۔ یا بقول علامہ عثمانی مطلب یہ ہو کہ زانیہ سے نکاح کرنا ان پاکباز مردوں پر حرام کر دیا گیا ہے جو صحیح اور حقیقی معنوں میں مؤمنین کہلانے کے مستحق ہیں یعنی تکوینی طور پر ان کے پاک نفوس کو ایسی گندی جگہ کی طرف مائل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ اس وقت تحریم کے معنی وہ ہوں گے جو وحرّمنا علیہ المراضع میں یا وحرام علیٰ قریۃ اہلکناہا انہم لا یرجعون میں لئے گئے ہیں۔ (فوائد عثمانیہ)

توضیح بندہ:- الزانی لا ینکح میں تین احتمال ہیں (۱) لفظاً و معنیً دونوں حیثیت سے خبر ہو۔ وکیف اخال القرآن وھو احسن من [illegible] والاختیار والعقوبۃ (۲) لفظاً خبر اور معنیً انشاء ہو (۳) لفظاً و معنیً دونوں اعتبار سے انشاء ہو وھذا اصل درجۃ لا یتکلم من ھذا لکونہ نہیا۔

پہلی صورت میں آیت مذکورہ کسی حکم شرعی کا بیان نہیں ہے۔ بلکہ عام انسانوں کے غالب ذوق و میلان کی خبر ہے۔ جیسے کہتے ہیں: لا یفعل الخیر الا التقی المتقی۔ حالانکہ غیر متقی بھی کبھی کبھی اچھے کام کر گزرتے ہیں۔ لہٰذا آیت میں نفی کا استعمال ہی صحیح یا [illegible] ولا یخلو [illegible] الاستعمال [illegible] ثم قال [illegible] بل المطابقۃ الثابتۃ بکل ما [illegible]

من اجل ما جرى خلافها بين اقوالي وانظر المباحث [illegible] وقال ابو جعفر النحاس: ولو جاز النسخ فيها ما عرف حق من باطل ولبطلت المعاني۔

دوسری و تیسری صورت میں احتمال نسخ تو ہے لیکن ثبوت نہیں جس کی دو دلیلیں ہیں۔

دلیل ۱: حضرات صحابہ ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، علیؓ، عائشہؓ اور جابر و براء رضی اللہ عنہم اور ائمہ میں امام احمد بن حنبلؒ کا جزئیت یعنی نکاح مذکورہ کے منعقد نہ ہونے اور حرام ہونے کے قائل ہیں۔ معلوم ہوا آیت منسوخ نہیں ہے۔

دلیل ۲: قائلین نسخ کی پیش کی ہوئی دلیلوں میں قوت نسخ نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں نے ناسخ کی حیثیت سے اجماع اور دو آیتوں کو پیش کیا ہے۔ ایک سورۂ نساء کی آیت فانکحوا ما طاب لکم من النساء۔

دوسرے سورۂ نور کی آیت وانکحوا الایامی منکم۔

ان میں سے کسی ایک میں بھی نسخ کی قوت و صلاحیت نہیں۔ اجماع میں تو اس لئے نہیں کہ مذکورہ صحابہ کرام و تابعین عظام کے اختلاف کی وجہ سے اجماع متحقق نہیں ہو سکا ہے۔ دوسرے یہ بھی جمہور کے نزدیک اجماع میں آیات و احادیث قطعیہ کے نسخ کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ کما تقرر فی الاصول۔

کیونکہ اجماع دلائل ظنیہ میں سے ہے۔ رہا مسئلہ آیتوں کا تو دونوں عام ہیں۔ جبکہ الزانی لا ینکح خاص ہے۔ ضابطہ کے مطابق عام میں خاص کے لئے ناسخ ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔

(ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ص ۲۵۹ ج ۲) کیونکہ عام تخصیص کا احتمال رکھتا ہے۔

مذاہب الفقہاء:

الحنفية والشافعية قالوا: يجوز تزوج الرجل بامرأة زانية وهو مذهب الشافعي وهو مروي عن ابي بكر وعمر بن الخطاب وابنه وابن عباس وابن مسعود رضي الله عنهم وعن مجاهد وسليمان ابن يسار وسعيد بن جبير. قال الجصاص: وفقهاء الامصار متفقون على جواز النكاح۔

وقال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي ويكره التزوج بامرأة زانية عند مالك وبه يقول بعض مشايخ الحنفية. وقال القاضي ثناء الله رحمه الله وعند الائمة الثلاثة نكاح الزاني والزانية صحيح۔

الحنابلة قالوا: اذا زنت المرأة لم يحل لمن يعلم ذلك نكاحها الا بشرطين احدهما انقضاء عدتها

والثانی ان تتوب من الزنا وبه قال قتادة واسحٰق وابو عبید خلافا للائمة الثلاثة (انتهی)
هذا اذا لم تکن حاملا ولو کانت حاملا من غیره فلا یحل نکاحها قبل الوضع به عند
الامام احمد وبه قال مالک وابو یوسف وهو احدی الروایتین عن ابی حنیفة وفی الاخری
قال یحل نکاحها وهو مذهب الشافعی۔

ابن مسعودؓ قال اذا زنی الرجل بالمرأة ثم نکحها بعد ذلک فهما زانیان أبدا وبه قال مالکؒ
وروی عن ابن عباسؓ وعمرؓ وجابرؓ انه یجوز کذا فی فتح البیان۔

وقال الجصاص: هذه احدی الروایتین عن ابن مسعودؓ وایضا هذا مروی عن علی وعائشة
والبراء بن عازب رضی الله عنهم ورضانا عن جمیع المؤمنین۔

(وانظر احکام القرآن للجصاص ج ٣ ص ٢٦٦) والمغنی ج ٦ ص ٦٠٠-٦٠٢) وفتح البیان ج ٦ ص ٣٤٢)

(والتفسیر المظهری ج ٦ ص ٤٤٣)

---

(١٤) قوله تعالیٰ لیستأذنکم الذین ملکت أیمانکم الآیة قیل منسوخة وقیل لا ولکن تهاون الناس فی العمل بها قلت مذهب ابن عباسؓ انها لیست بمنسوخة وهذا اوجه واوفق بالاعتماد۔

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کا فرمان لیستاذنکم الآیۃ کہا گیا ہے کہ منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ نہیں، بلکہ لوگ بے توجہی و لاپرواہی برتتے ہیں اس پر عمل کرنے میں۔ میں کہتا ہوں ابن عباسؓ کا مذہب یہ ہے کہ وہ منسوخ نہیں ہے، اور یہی زیادہ وجیہ اور زیادہ قابل اعتماد ہے۔

فائدہ:- آیت مذکورہ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اھ اے ایمان والو! تمہارے پاس آنے کے لئے تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے (ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب (سونے لیٹنے کے لئے) دوپہر کو اپنے (بعضے) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور

(تیسرے) نماز عشاء کے بعد۔

نسخ کے قائل ہیں سعید بن مسیب۔ (۲) راجح کلام: عدم نسخ کے قائل ہیں قاسم بن محمد، جابر بن زید، شعبی، اور یہی مذہب ہے حضرت ابن عباسؓ کا۔ حضرت عطاء بن ابی رباح حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد نقل کرتے ہیں ثلاث آیات من القرآن قد ترک الناس العمل بهن قال عطاء حفظت اثنتین و نسیت واحدة۔ یعنی قرآن کی تین آیتیں ایسی ہیں جن پر عمل متروک ہے۔ حضرت عطاءؒ کہتے ہیں کہ دو تو مجھے یاد ہیں اور ایک بھول گیا۔ جن میں سے ایک تو مذکورہ آیت ہے، دوسرے ارشاد ربانی یا ایها الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی الی قوله ان اکرمکم عند الله اتقکم، کہ اس میں عزت و شرافت کا مدار و معیار تقویٰ کو ہی بنایا گیا ہے، لیکن لوگ دوسرے اوصاف کی بنیاد پر عزت و احترام کرتے ہیں۔

(دیکھئے کتاب الناسخ [illegible])

خیال ہے کہ تیسری آیت واذا حضر القسمة اولوا القربی الخ ہوگی جیسا کہ [illegible] بخاری [illegible] کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے ان ناسا یزعمون ان هذه الآیة نسخت لا والله ما نسخت ولکنها مما تهاون الناس اور اسی کے راوی ہیں حضرت سعید بن جبیرؓ واللہ اعلم بالصواب

خورشید انور فیض آبادی غفرلہ الہادی

---

(۱۸) ومن الاحزاب قوله تعالى لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ الآية منسوخة بقوله تعالى اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ الآية قلت يحتمل ان يكون الناسخ مقدما في التلاوة وهو الاظهر عندي۔

ترجمہ:- اور سورۂ احزاب میں سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد لا یحل لک النساء الخ منسوخ ہے اللہ کے ارشاد انا احللنا لک الخ سے۔ میں کہتا ہوں اس کی گنجائش ہے کہ ناسخ تلاوت میں (ذکر کرنے میں منسوخ سے) مقدم ہو۔ اور یہی میرے نزدیک زیادہ ظاہر ہے۔

فائدہ:- آیت منسوخہ لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبک حسنهن الا ما ملکت یمینک۔ یعنی اس کے بعد آپ کے لئے دوسری عورتوں سے نکاح حلال نہیں

اور نہ یہ حلال ہے کہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کے بدلے دوسری کرلیں، اگرچہ آپ کو ان دوسری عورتوں کا حسن وجمال اچھا معلوم ہو۔ ہاں جو آپ کی ملک کردہ باندی ہو جائے وہ حلال ہے۔

تفسیر ۲۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ میں من بعد کی ایک تفسیر من بعد التسع اللاتی معک الیوم ہے یعنی موجودہ نو ازواج مطہرات کے بعد آپ کو کسی بھی عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس و حضرت انس رضی اللہ عنہما اور مجاہد، ضحاک، قتادہ، حسن بصری، محمد بن سیرین، عکرمہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام اور ابن زید رحمہم اللہ سے بھی منقول ہے جبکہ آیت کریمہ۔ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ الآیۃ میں آپ کے لئے ازواج مطہرات کے علاوہ دوسری بہت سی عورتوں کے حلال ہونے کا صاف لفظوں میں اعلان کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آیت پہلی آیت کے معارض ہے۔ لہٰذا بعض مفسرین نے لا یحل لک الآیۃ کو إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ الخ سے منسوخ قرار دیا ہے، جس کا تذکرہ علامہ ابوالسعود، امام رازی، علامہ ابن جریر طبری وغیرہ نے کیا ہے۔ لیکن ابن جریر نے اس کا رد بھی کیا ہے۔[1]

شاہ صاحب نے اسی رائے کی تصویب و ہمنوائی فرمائی ہے لیکن اس پر چند اشکالات وارد ہوتے ہیں

اشکال ۱: حضرت ابن عباسؓ و حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایات کے مطابق واقعہ تخییر کے بعد جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے دنیوی عیش و راحت سے نظریں پھیر لیں، اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ زوجیت میں رہنے کو دنیا وما فیہا پر ترجیح دیدی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید نکاح کرنے سے روک دیا کہ وہ جب آپ ہی کی ہوکر رہ گئیں تو آپ بھی ان کی حوصلہ افزائی کی خاطر ان ہی کے ہوکر رہ جائیے۔ گویا رب العالمین کا یہ فرمان (لا یحل لک النساء الآیۃ) امہات المؤمنین کے حق میں انعام ہے، اور انعام چھینا نہیں جاتا۔ غالباً یہی وجہ ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حرمت نکاح کی حالت میں ہوئی

(دیکھئے درمنثور و تفسیر ابی السعود)

* * *

---

[1] دیکھئے روح المعانی ج ۲۲ ص ۲۵ ، ابن کثیر ج ۳ ص ۵۰۱ ۔

سوال یہ ہے کہ اس حکم کی منسوخی کیا اس اعزاز کو ختم کرنے کے مرادف نہیں؟ اگر [illegible] اس کی کیا وجہ ہوئی؟

اشکال ۲: کتب تفسیر کے مطالعہ سے ایک اور اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن شدادؓ کا ارشاد ہے نزلت (ای الآیۃ لا یحل لک النساء) وعندہ تسع نسوۃ ثم تزوج بعد ام حبیبۃ بنت ابی سفیان وجویریۃ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔[1]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نو ازواج کے بعد بھی نکاحات کی حلت باقی تھی، ورنہ آپ ام حبیبہؓ و جویریہؓ سے نکاح نہ فرماتے۔ لیکن حضرت کے اس ارشاد پر بھی اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ کا نکاح سنہ ۷ھ میں اور حضرت جویریہ کا عقد سنہ ۵ھ میں ہوا ہے جب آپ کے عقد میں صرف آٹھ یا سات ہی بیویاں تھیں۔ اس لئے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سنہ ۱۰ نبوی میں اور زینب بنت خزیمہؓ سنہ ۳ھ میں اللہ کو پیاری ہو چکی تھیں، تو اس وقت آپ کے عقد نکاح میں نو بیویوں کا ہونا کیونکر ممکن ہے۔ [illegible]

اشکال ۳: آیات کی موجودہ ترتیب میں آپ کی تفسیر کے مطابق ناسخ مقدم اور منسوخ مؤخر ہے، یہ بات اگرچہ صحیح ہے کہ قرآن کی جمع و ترتیب میں ترتیب نزولی کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے موجودہ ترتیب میں ناسخ کا منسوخ سے مقدم ہونا بالکل جائز۔ بلکہ سورۂ بقرہ کے اندر عدت متوفیٰ عنہا زوجہا سے متعلق آیات میں وقوع ثابت بھی ہے لیکن کیا بلا ضرورت و بلا دلیل تقدم و تاخر کا فیصلہ قابل اعتنا ہو سکتا ہے؟ جبکہ حضرت ابن عباسؓ و قتادہؒ کی ایک روایت کے مطابق ان آیات میں تقدم تاخر نہیں ہے، بلکہ بعد والی آیت لا یحل لک النساء محکمہ ناسخ ہے۔ [illegible] ما ابیح لہ قبل من التوسعۃ فی جمیع النساء۔ اور حضرت مجاہد و ابن جبیرؒ سے من بعد کی تفسیر میں من بعد ما ابحنا لک من النساء بمثل العموم مروی ہے۔[2] واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] [illegible] والناس علی القول [illegible] علی [illegible] ومنکم [illegible] عدم النسخ واللہ تعالیٰ اعلم (روح ج ۲۲ ص ۷۷) [illegible] قبلہ۔ [illegible] کہ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰۸ و درمنثور ج ۵ ص ۲۱۲ [illegible]

[2] دیکھئے روح ج ۲۲ ص ۷۵۔

(صفحہ ۳۰۲ کے بعد صفحہ ۳۰۴ ملاحظہ فرمائیں)

صفحہ ۳۰۳ خالی ہے

* * *

جہاں تک بندہ کے ناقص مبلغ علم کی رہنمائی ہے تابعین فن نسخ میں سے کسی صحابیؓ یا تابعیؒ نے اس آیت کو ناسخ نہیں بتایا ہے صرف امام شافعیؒ نے اس کے ناسخ ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے بس۔ چنانچہ علامہ بیہقیؒ نے سنن کبریٰ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد «ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی احل اللہ لہ النساء» کے تحت امام موصوف کا قول «واحسب قول عائشۃ احل لہ النساء بقول اللہ عز وجل انا احللنا لک الی قولہ تعالی خالصۃ لک» نقل کیا ہے۔ (دیکھئے سنن کبریٰ ج ۷ ص ۵۴)

اس کے برخلاف ابن سعد وابن ابی حاتم نے ام سلمہؓ سے اور نسائی وابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ اور بیہقیؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ لم یمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی احل اللہ لہ ان یتزوج من النساء ما شاء الا ذات محرم لقولہ تعالی ترجی من تشاء منهن وتؤوی الیک من تشاء۔ ترمذیؒ وحاکمؒ نے روایت کی تصحیح کی ہے۔ (در منثور ج ۵ ص ۲۱۲)

ابن کثیر علیہ الرحمۃ حضرت ام سلمہؓ کے حوالے سے روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں فجعلت ھذہ ناسخۃ للتی بعدھا فی التلاوۃ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۰۰) یعنی ام المؤمنین ام سلمہؓ نے اس آیت «ترجی من تشاء الخ» کو اس کے بعد والی «لا یحل لک الخ» کے لئے ناسخ قرار دیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ اس روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں وھذا ظاہر فی ان الناسخ قولہ تعالی ترجی الخ (روح ج ۲۲) اگرچہ علامہ کو اس پر شرح صدر نہیں تھا اس لئے آگے چل کر وفی القلب منہ شیء لکھ دیا۔ اس لئے اگر آیت کریمہ «لا یحل لک الخ» کو منسوخ ماننا ہی ہے تو اس کے لئے ناسخ آیت کریمہ ترجی من تشاء منهن وتؤوی الیک من تشاء کو مانا جائے یا پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناسخ مانا جائے جیسا کہ بعض اسلاف کا خیال ہے۔ «ان الناسخ السنۃ» ویغلب علی الظن انها کانت فعلا علیہ الصلوٰۃ والسلام

دوسری تفسیر

مذکورہ تمام اشکالات سے نجات حاصل کرنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ آیت کریمہ کی دوسری تفسیر اختیار کی جائے جو حضرت ابی بن کعبؓ، عکرمہؓ، ابو رزینؓ سے منقول ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ ومجاہدؒ کی بھی ایک روایت ہے۔ اسی طرح ضحاکؒ، قتادہؒ، حسن بصریؒ وغیرہ کی بھی ایک روایت ہے۔ (دیکھئے روح المعانی وابن کثیرؒ) یعنی «انا احللنا لک الخ» میں آپ کیلئے

جن سات قسم کی عورتیں حلال کی گئی ہیں اُن کے علاوہ عورتوں سے نکاح آپ کے لئے جائز و حلال نہیں ہے۔ قبیلۂ انصار کے کسی صاحب نے حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا کہ اگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن (آپ کی زندگی میں) وفات پا جائیں تو اما یحل لہ ان یتزوج؟ کیا آپ کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا؟ حضرت نے جواب میں فرمایا کیوں؟ کیا چیز آپ کے لئے رکاوٹ بن جاتی؟ عرض کیا ارشاد ربانی لا یحل لک النساء۔ ارشاد ہوا اللہ تبارک تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص قسم کی عورتوں کو یہ فرما کر: انا احللنا لک ازواجک الآیہ حلال و جائز کیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا لا یحل لک النساء من بعد، فذلک القصة (روح ج ۲۲ ص [illegible]، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۰۰) اس صورت میں ولا ان تبدل بہن من ازواج کا مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ آپ کو موجودہ ازواج کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح بشرائط مذکورہ جائز ہے مگر یہ جائز نہیں کہ ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری کو بدلیں یعنی محض تبدیلی کی نیت کوئی نکاح جائز نہیں۔ تبدیلی کی نیت کے بغیر جتنے چاہیں نکاح کر سکتے ہیں (معارف القرآن)

حضرت تھانوی نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور علامہ عثمانی نے بھی۔ اور علامہ قرطبی کے بقول علامہ ابن جریر طبری نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ اس تفسیر پر بقول مفسر تھانوی حضرت عائشہؓ کے قول لم یمت رسول اللہ ﷺ کو اس امر پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ لا یحل لک منسوخ ہو چکی تھی

---

(۱۱) ومن الجملۃ قولہ تعالیٰ اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا الآیۃ منسوخۃ بالآیۃ بعدہا قلت ھو کما قال

ترجمہ:- اور منجملہ مذکورہ آیات میں سے باری تعالیٰ کا ارشاد اذا ناجیتم الآیہ منسوخ ہے اپنے بعد والی آیت سے۔ میں کہتا ہوں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ابن العربی نے فرمایا (یعنی منسوخ ہے)۔

ف یعنی وہ ازواج جن کا مہر ادا کر دیا ہو، وہ لونڈیاں جو مال غنیمت میں ہاتھ آئی ہوں، بنات عم، بنات عمہ (چچا، پھوپھی کی لڑکیاں) بنات خال، بنات خالہ (ماموں، خالہ کی لڑکیاں) جنہوں نے ہجرت کی ہو اور وہ مومن عورتیں جو بلا مہر آپ کی زوجیت میں اپنے آپ کو پیش کریں بشرطیکہ آپ ان کو اپنی زوجیت میں لینا پسند فرمائیں۔ ان کے علاوہ کسی اور قسم کی عورت آپ کے لئے حلال نہیں۔

فائدہ:- آیت منسوخہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنی اے ایمان والو! جب تم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات (مساکین کو) دے دیا کرو، یہ تمہارے لئے (ثواب حاصل کرنے کے واسطے) بہتر ہے، اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے (کیونکہ طاعت سے تکفیر سیئات ہوتی ہے۔ یہ مصلحت باعتبار اخلاص مومنین کے ہے، اور فقراء کے لئے مالی منفعت کی مصلحت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کا اظہار ہے، منافقین کی اذیت ناک سرگوشی سے نجات واستراحت ہے) پھر اگر تم کو (صدقہ دینے کی) قدرت نہ ہو (اور ضرورت پڑے سرگوشی کی) تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (اس صورت میں اس نے تم کو معاف کر دیا)۔

آیت ناسخہ:- مذکورہ آیت کے بعد متصلاً ارشاد ربانی ہے ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یعنی کیا تم اپنی سرگوشی کے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو اچھا جب تم اس کو نہ کر سکے اور اللہ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (کہ اس کو بالکل منسوخ کر کے معاف فرما دیا) تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو، اور اللہ و رسول کا کہنا مانا کرو (مطلب یہ ہے کہ اس کے نسخ کے بعد تمہارے قرب و قبول و نجات کے لئے باقی احکام پر استقامت واستدامت بھی کافی ہے)۔

مستدرک حاکم کی صحیح روایت ہے جسے ابن منذر اور عبد بن حمید رحمہم اللہ نے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کتاب اللہ میں ایک آیت ایسی ہے جس پر نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد۔ اور وہ آیت نجویٰ ہے۔ میرے پاس ایک دینار تھا۔ میں نے اس کو دس درہم میں بیچ ڈالا اور ایک ایک درہم صدقہ کر کے آپ سے سرگوشی کرتا رہا، پھر آیت کریمہ ءاشفقتم الخ کا نزول ہو گیا۔ بعد "نجویٰ سے پہلے صدقہ" کا حکم منسوخ ہو گیا۔ کوئی اور اس پر عمل نہیں کر سکا۔

واختلف فی مدۃ بقائہ فعن مقاتل انہا عشرۃ لیال وقال قتادۃ ساعۃ من نہار و قیل انہ نسخ قبل العمل بہ ولا یصح (روح ج ۲۸ ص ۳۰)

(۲۰) ومن الممتحنة قوله تعالى فأتوا الذين ذهبت ازواجهم مثل ما انفقوا قيل منسوخة باية السيف وقيل باية الغنيمة و قيل محكمة قلت الاظهر انها محكمة ولكن الحكم في المهادنة و عند قوة الكفار.

ترجمہ:۔ اور سورۂ ممتحنہ میں سے اللہ تعالیٰ کا فرمان فاتوا الخ ہے کہا گیا ہے کہ منسوخ ہے آیت سیف سے۔ اور کہا گیا کہ آیت غنیمت سے۔ اور کہا گیا کہ محکم (غیر منسوخ) ہے۔ میں کہتا ہوں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے لیکن یہ حکم مصالحت اور غلبۂ کفار کے وقت ہے۔

فائدہ:۔ آیت منسوخہ یوں ہے وان فاتکم شئی من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم فاتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ما انفقوا۔ (ترجمہ) اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی کافروں کے ہاتھ میں رہ جانے کی وجہ سے تمہارے ہاتھ نہ آئے پھر تمہاری نوبت آوے یعنی تمہارے ذمہ کسی کافر کا حق مہر واجب الادا رہو) تو تم ان کو جن کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئیں اس کے برابر دو جو انہوں نے خرچ کیا تھا۔

توضیح: صلح حدیبیہ کے موقع پر چند شرائط پر صلح ہوئی تھی ان میں سے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جو مسلمان کفار کے پاس چلا جائیگا وہ واپس نہیں کیا جائیگا اور جو کافر مسلمان ہو کر اہل اسلام کے پاس آجائیگا مسلمانوں پر اس کی واپسی لازم ہوگی۔ چنانچہ بعض مرد مسلمان ہو کر مدینہ آئے اور واپس کئے گئے پھر بعض عورتیں مسلمان ہو کر آئیں ان کے کفار اقرباء نے واپسی کا مطالبہ کیا۔ آیت کریمہ نازل ہوئی یا ایھا الذین امنوا اذا جاءکم المؤمنات مھاجرات فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار الخ کہ اگر مومن عورتیں آجائیں تو ان کا امتحان لیکر بصورت کامیابی ان کو اپنے پاس روک لو واپس نہ کرو۔ ہاں کفار نے عورتوں پر مہر کے طور پر جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دیا جائے۔ اسی طرح کفار کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ جو مسلمان عورت ان کے یہاں چلی جائے جس کا مہر (جو مسلم شوہر نے اسے دیا تھا) مسلمانوں کو ادا کرے۔ قرآن کے لفظوں میں واسئلوا ما انفقتم ولیسئلوا ما انفقوا۔ مسلمانوں نے اس حکم کی تعمیل کی کفار کے حقوق انہیں ادا کر دیئے لیکن کفار نے صاف انکار کر دیا تو آیت کریمہ

وان فاتکم الخ کا نزول ہوا جس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ اور اختلاف تفاسیر کا دارومدار فعاقبتم کی تفسیر پر ہے۔

تفسیر ۱ عاقبتم معاقبۃ سے ہے جو عقاب سے ماخوذ ہے۔ معنی ہیں انتقام اور بدلہ لینا۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تمہاری کوئی عورت تمہارے ہاتھ سے نکل کر کفار کے یہاں پہنچ جائے اور کفار مسلمان شوہروں کو ان کا دیا ہوا مہر نہ واپس کریں تو اگر تم ان کے اس عمل کا انتقام اور بدلہ لو جس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مہاجر عورتوں کے مہر کی جو رقم تمہارے ذمہ واجب ہو جو تم اُسے کفار کو نہ ادا کرو۔ تو اس میں سے اس مسلمان شوہر کو اتنی رقم دیدو جتنی کفار نے دبالی ہے[1]۔ حضرت تھانویؒ نے بھی یہی تفسیر اختیار فرمائی ہے۔ لیکن عاقبتم کو عقاب کے بجائے عُقْبَۃ سے مانا ہے جس کے معنی ہیں باری۔ اصل میں عُقبہ کا لفظ، باری باری سوار ہونے کے لئے موضوع ہوا تھا لیکن پھر مطلق باری کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے۔ بہرحال عاقبتم کے معنی ہیں جَاءَتْ عُقْبَتُکُمْ (تمہاری نوبت آجائے)۔

تفسیر ۲ عاقبتم کے دوسرے معنی ہیں: اصبتم العقبیٰ وهی الغنیمة۔ تم نے عُقبیٰ یعنی مال غنیمت حاصل کر لیا ہو۔ مفسرین نے یہاں اقتضاء النص کے طور پر غنمتم مقدر مانا ہے۔ معناه غزوتم فغنمتم الخ (خازن ص۲۶۳) مطلب یہ ہوگا کہ جو مسلمان شوہروں کی عورتیں کفار کے قبضہ میں چلی گئیں، اور کفار نے ان کے مہر مسلمان شوہروں کو ادا نہیں کئے، پھر مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہوا تو ان شوہروں کا حق مال غنیمت سے ادا کر دیا جائے۔ عوفی نے ابن عباسؓ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ ابراہیمؒ، مسروقؒ، قتادہؒ، مقاتلؒ، ضحاکؒ، سفیان بن حسینؒ اور امام زہریؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور حضرت قتادہؒ و مجاہدؒ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔

(دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج۴ ص۳۵۲)

---

[1] یہ تفسیر بعض حضرات قتادہؒ و مجاہدؒ سے منقول ہے لیکن قتادہؒ کے نزدیک کفار سے معاہد مراد ہیں۔ جبکہ مجاہدؒ کے یہاں معاہد و غیر معاہد دونوں مراد ہیں۔ (دیکھئے کتاب الناسخ والمنسوخ ص۲۴۱)

[2] وقال الزجاج ای اصبتموهم فی القتال بعقوبة حتی غنمتم منهم (روح ج۲۸ ص۱۵۵ و مظہری)

بلکہ علامہ آلوسیؒ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا ہے کہ جس مسلمان کی بیوی کفار کے پاس چلی گئی اسے خمس نکالنے سے پہلے مال غنیمت میں سے حق مہر عنایت فرمایا کرتے تھے۔ نیز غزوہ میں شریک ہونے کی حیثیت سے اس کا جو حق بنتا تھا وہ بھی پورا کا پورا عنایت فرماتے تھے۔ وقد كان صلى الله عليه وسلم كما روى عن ابن عباس يعطى الذى ذهبت زوجته من الغنيمة قبل ان تخمس المهر ولا ينقص من حقه شيئًا (روح ج ۲۸ ص ۷۱)

ناسخ ؟ اکثر علماء کے نزدیک آیت بالا منسوخ ہے۔ قال الزهرى انقطع هذا يوم الفتح وقال سفيان الثورى لا يعمل به اليوم اور حضرت قتادہؒ سے بھی نسخ کی روایت منقول ہے[1]۔ پہلی تفسیر کے اعتبار سے آیت سیف وقاتلوا المشركين كافة ناسخ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے تو مہاجر عورتوں کی مہر میں سے مسلمان شوہر کو، اس کا حق ادا کرنے کا حکم تھا اور آیت سیف کے بعد حکم یہ ہے کہ بے بس ہو کر انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تو زور بازو اور قوت شمشیر کے ذریعہ اپنے حقوق وصول کرو۔ اور دوسری تفسیر کے اعتبار سے آیت غنیمت، واعلموا انما غنمتم من شىء فان لله خمسه وللرسول ولذى القربى واليتمى والمساكين وابن السبيل الآية ناسخ ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ پہلی آیت کے مطابق مال غنیمت میں ان مسلم شوہروں کا بھی حق تھا جن کی بیویاں کفار کے پاس چلی گئی ہوں اور کفار ان شوہروں کو ان کا حق مہر ادا کر رہے ہوں جبکہ آیت غنیمت میں مال غنیمت کے مستحقین کی جو فہرست پیش کی گئی ہے اس سے مسلم شوہروں کا نام غائب ہے۔ معلوم ہوا کہ مال غنیمت میں سے ان کا حق منسوخ ہو چکا ہے۔ شاہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ آیت محکم ہے لیکن ہر زمانہ کے لئے عام نہیں، بلکہ جب مسلم مغلوب اور کفار غالب ہوں اور مصالحت کی نوبت آجائے ایسے زمانوں اور احوال کے ساتھ یہ حکم خاص ہے۔ اکثر مفسرین اس موقع پر نسخ کا تذکرہ کئے بغیر ہی آگے بڑھ گئے ہیں جس سے شاہ صاحب کی تائید کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

(۲۱) ومن المزمل قوله تعالى قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا منسوخ بآخر السورة ثم نسخ الآخر بالصلوات الخمس قلت دعوى النسخ بالصلوات

---

[1] دیکھئے کتاب [illegible]

الخمس غير متجهة بل الحق ان اول السورة في تاكيد الندب الى قيام الليل واخرها نسخ التاكيد الى مجرد الندب۔

ترجمہ: اور سورۂ مزمل میں سے ارشاد باری تعالیٰ قم اللیل الخ سورۃ کے آخری حصے سے منسوخ ہے۔ پھر آخری حصہ بھی منسوخ ہو گیا پنج وقتہ نمازوں سے۔ میں کہتا ہوں پنج وقتہ نمازوں کے ذریعہ نسخ کا دعویٰ مدلل نہیں ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ سورۃ کا ابتدائی حصہ قیام لیل (شب بیداری) کے استحباب کی تاکید میں ہے۔ اور اس کا آخر تاکید کا نسخ ہے محض غیر مؤکد استحباب کی جانب (یعنی تاکید استحباب منسوخ ہو گئی اور استحباب بلا تاکید اب بھی باقی ہے)

فائدہ: آیت منسوخہ: یا ایہا المزمل قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ ورتل القرآن ترتیلا۔ ترجمہ: اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو۔ مطلب یہ ہے کہ (تہجد کی نماز کے لئے) قیام لیل فرض ہے اور وقت قیام کی مقدار میں آپ کو اختیار ہے۔ ایک تہائی، دو تہائی اور نصف شب میں سے جس مقدار کو چاہیں اختیار کریں۔

آیت ناسخہ: ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ وطائفۃ من الذین معک واللہ یقدر اللیل والنہار علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرءوا ما تیسر من القرآن۔ ترجمہ: آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعض آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں۔ اور رات و دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ تم اس (مقدار وقت) کو ضبط نہیں کر سکتے تو اس نے تمہارے حال پر عنایت کی (اور اس سے پہلے حکم کو منسوخ فرما دیا) سو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو (مراد اس قرآن پڑھنے سے تہجد پڑھنا ہے کہ اس میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔ اور یہ امر استحباب کے لئے ہے۔

نیز یہیں سوال کا جواب ملتا ہے کہ یہ بات کہ پہلی آیت کے حکم کا ثبوت ہوتا ہے جبکہ آیت صریح میں [illegible] کو منسوخ بتایا گیا ہے۔ اس [illegible]

جواب: پہلی آیت سے نماز تہجد اور اس کا طویل قیام کی فرضیت ثابت ہوئی تھی۔

دوسری آیت کے ذریعہ طول قیام کا وجوب منسوخ ہوگیا تھا تہجد کی فرضیت باقی رہی پھر جب نماز پنجگانہ کی فرضیت ہوئی تو تہجد کی فرضیت بھی منسوخ ہوگئی۔ حضرت مقاتل و ابن کیسان کا جواب ہے۔ دیکھئے روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۱۱

لیکن ناقص کو اس جواب سے اختلاف ہے چنانچہ آپ نے اسے دعویٰ بلا دلیل کہہ کر رد فرمادیا ہے

جواب ۲: حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بلکہ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ابتدائی آیت سے فرضیت کا ثبوت اور آخری آیت اس کے لئے ناسخ ہے۔ اسی کو مفسر تھانوی و علامہ عثمانی نے بھی اختیار کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصریح ہے کہ ابتداء اسلام میں نماز تہجد صحابہ کرام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی جس پر بارہ مہینے تک صحابہ کرام پوری جانفشانی کے ساتھ عمل پیرا رہے حتی کہ ان کے قدم متورم ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم میں تخفیف فرمائی اور آیت کریمہ ان ربک یعلم الخ کا نزول فرمایا۔ فصار قیام اللیل تطوعاً بعد ان کان فریضۃ۔ دیکھئے کتاب الناسخ ص ۲۵۲، روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۱۰ معلوم ہوا کہ ناسخ سورۂ مزمل ہی کی آخری آیت ہے نہ کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت۔

جواب ۳:-

سورۃ کی ابتدائی آیت میں بھی قیام لیل (نماز تہجد) کے استحباب کا بیان ہے۔ اور آخری آیت میں بھی استحباب ہی کا بیان ہے۔ فرق صرف تاکید و تخفیف کا ہے۔ پہلی آیت میں تاکید ہے اور آخری میں محض استحباب۔ لہٰذا کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ۔ یہ ناقص کا جواب ہے۔

قال السیوطی موافقاً لابن العربی: فهذه احدى وعشرون آية منسوخة على خلاف في بعضها ولا يصح دعوى النسخ في غيرها والاصح في آيتي الاستئذان والقسمة الاحكام وعدم النسخ فصارت تسع عشرة وعلى ما حررنا لا يتعين النسخ الا في خمس۔

[illegible]

ترجمہ: سیوطی نے ابن العربی کی موافقت کرتے ہوئے فرمایا تو یہ اکیس آیتیں منسوخ ہیں۔ ان میں سے بعض میں اختلاف کے ساتھ اور ان کے علاوہ میں نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اور استیذان و قسمت کی دو آیتوں کے بارے میں زیادہ صحیح ان کا محکم و غیر منسوخ ہونا ہے لہٰذا منسوخ آیتیں انیس ہوئیں۔ اور اس تحقیق پر جسے ہم نے لکھا ہے نسخ صرف پانچ آیتوں میں متعین ہو پاتا ہے۔

فائدہ: استیذان و قسمت کی آیات سے سورۂ نور کی آیت کریمہ یا ایھا الذین آمنوا لیستأذنکم الذین ملکت ایمانکم الخ اور سورۂ نساء کی آیت کریمہ و اذا حضر القسمۃ اولو القربیٰ الخ مراد ہے۔ ابن العربی نے جن اکیس آیتوں میں نسخ تسلیم کیا ہے ان میں سے مذکورہ بالا دو آیتوں کو سیوطیؒ نے مستثنیٰ کر لیا لہٰذا انیس بچیں۔ جبکہ مشہور اور یہ ہے کہ سیوطی کے نزدیک بیس آیتیں منسوخ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے آیات منسوخہ میں جہاں دو آیتیں کم کی ہیں وہیں ایک آیت کا اضافہ بھی کیا ہے چنانچہ عبارت تسعۃ عشر کے بعد لکھتے ہیں ویضم الیہا قولہ تعالیٰ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ علی رای ابن عباس انہا منسوخۃ بقولہ فول وجہک شطر المسجد الحرام الآیۃ فتمت عشرون (الاتقان ج ۲ ص ۵ ط م ۲) یعنی ان انیس منسوخ آیتوں میں ارشاد باری فاینما تولوا الخ کو شامل کر لیا جائے تو آیات منسوخہ کی تعداد بیس ہو جائے گی۔ جو حضرت ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق فول وجہک الخ کے ذریعہ منسوخ ہے

مصنف علامؒ نے جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا صرف پانچ آیتوں میں نسخ کو تسلیم کیا ہے اور بقیہ آیات کی ایسی تفسیر و توجیہ فرمائی ہے کہ نسخ ماننے کی ضرورت ہی ختم ہو گئی

وہ پانچ آیتیں جو ماتنؒ کی نظر میں منسوخ ہیں

(۱) کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت الآیۃ جو صــ پر گذری (بقرہ پ ۲)
(۲) والذین یتوفون منکم الآیۃ جو صــ پر گذری۔ (بقرہ پ ۲)
(۳) ان یکن منکم عشرون صابرون الآیۃ جو صــ پر گذری (الانفال پ ۱۰)
(۴) لا یحل لک النساء من بعد الآیۃ جو صــ پر گذری (احزاب پ ۲۲)
(۵) اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ جو صــ پر گذری (مجادلہ پ ۲۸)
تم بعون اللہ الکریم مبحث الناسخ والمنسوخ فللہ الحمد کما ھو اھلہ۔

فصل وايضاً من المواضع الصعبة معرفة اسباب النزول ووجه الصعوبة فيها ايضا اختلاف المتقدمين والمتاخرين۔

ترجمہ: اور تفسیر کے مشکل مقامات میں شان نزول کا جاننا بھی ہے۔ اور اس میں بھی دشواری کا سبب متقدمین و متاخرین کا اختلاف ہے۔

فائدہ: یہ باب دوم کی تیسری فصل ہے جس میں "شان نزول" کے عنوان پر گفتگو کی گئی ہے۔

شان نزول یا آیتوں کا پس منظر اس واقعہ کو کہتے ہیں جس کے زمانۂ وقوع میں آیت کا نزول ہوا ہو۔ شان نزول کا علم فن تفسیر کا ایک اہم اور دشوارترین مسئلہ ہے۔ علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ کے بقول سب سے پہلے علی بن مدینیؒ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ (جو امام بخاریؒ کے شیخ علم حدیث کے ماہر و جرح و تعدیل کے امام ہیں جن کی کنیت ابو جعفر اور والد کا نام عبداللہ بن جعفر ہے وھو سعدی بالولاء متوفی ۲۳۴ ہجری)

پھر تصنیفات و تالیفات کا ایک سلسلہ چل پڑا جس میں مفسر واحدی کی اسباب النزول اور سیوطی کی لباب النقول فی اسباب النزول کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ علامہ سیوطیؒ کے مطابق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی کوئی کتاب لکھنی شروع کی تھی۔ لیکن سوئے قسمت تکمیل سے پہلے مصنف علام کی زندگی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ رحمۃ اللہ علیہ وعلی جمیع المفسرین۔

شان نزول کے فوائد: شان نزول سے واقفیت میں بہت سے فوائد مضمر ہوتے ہیں۔ مثلاً آیات کے معانی مقصودہ تک رسائی، احکام ربانی کی مشروعیت کی مصالح و حکم اور ان تخصیصات کے اسرار کا علم جن کے بارے میں آیت کا نزول ہوا، اشکالات اور غلط فہمیوں کا ازالہ وغیرہ۔

امام شافعیؒ آیت کریمہ "قل لا اجد فيما اوحي الي محرما على طاعم يطعمه الا ان يكون ميتة او دما مسفوحا او لحم خنزير فانه رجس او فسقا اهل لغير الله به" الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کفار نے جب اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں (میتہ و خنزیر وغیرہ) کو حلال اور اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرایا۔ جس کا تذکرہ سورۂ انعام کی آیات "وقالوا هذه انعام وحرث حجر لا يطعمها" الخ میں تفصیل سے موجود ہے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے مقابلہ میں خصوصیت سے ان چیزوں کی تحریم کا تذکرہ فرمایا جو ان کے یہاں حلال سمجھی جاتی تھیں۔ یہ طرز کلام کی مثال ایسی ہے

جیسے تم سے کوئی شخص کہے۔ آج میٹھا مت کھانا۔ مگر تم اس کی مخالفت اور ضد پر اتر آئے ہو تو بڑے طمطراق کے ساتھ مبالغہ کے طور پر کہہ بیٹھتے ہو: میں تو میٹھا ہی کھاتا ہوں۔ ایسے موقعوں پر حصر حقیقی مراد نہیں ہوتا ہے یہ حصر تقابلی ہے جس میں اصلاً مخالفت مقصود ہوتی ہے۔ فکانہ قال تعالیٰ لا حرام الا ما احللتموه من الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله ولم يقصد حل ما وراءه اذ القصد اثبات التحريم لا اثبات الحل قال امام الحرمين وهذا في غاية الحسن۔ (دیکھئے الاتقان نوع ۹ ص ۳۰)

علم شان نزول مشکل کیوں؟ نسخ کی طرح یہاں بھی متقدمین و متاخرین کی اصطلاحات میں اختلاف ہے اسی وجہ سے کسی واقعہ کے بارے میں یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ شان نزول ہے یا نہیں؟ تفصیل اگلی عبارت میں ملاحظہ ہو۔

وَالَّذِي يظهر من استقراء كلام الصحابة والتابعين انهم لا يستعملون "نزلت في كذا" لمحض قصة كانت في زمنه صلى الله عليه وسلم وهي سبب نزول الآية بل ربما يذكرون بعض ما صدقت عليه الآية مما كان في زمنه صلى الله عليه وسلم او بعده صلى الله عليه وسلم ويقولون "نزلت في كذا" ولا يلزم هناك انطباق جميع القيود بل يكفي انطباق اصل الحكم فقط وقد يقررون سؤالا سُئل عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم او حادثة تحققت في تلك الايام المباركة واستنبط صلى الله عليه وسلم حكمها من آية وتلاها في ذلك الباب ويقولون "نزلت في كذا" وربما يقولون في هذه الصورة "فانزل الله تعالى قوله كذا" او "فنزلت" فكانه اشارة الى ان استنباطه صلى الله عليه وسلم من هذه الآية والقاءها في تلك الساعة بخاطره المبارك ايضا نوع من الوحي والنفث في الروع فلذلك يمكن ان يقال "فانزلت" ويمكن ايضا ان يعبر في هذه الصورة بتكرار النزول۔

ترجمہ :- اور کلام صحابہؓ و تابعینؒ کے استقراء سے جو چیز سامنے آتی ہے یہ ہے کہ وہ لوگ "نزلت فی کذا" کے الفاظ کو صرف ایسے قصے کے لیے نہیں استعمال کرتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا ہو اور آیت کے نزول کا سبب بنا ہو۔ بلکہ بسا اوقات ایسے بعض واقعات کو ذکر کرتے ہیں جن پر آیت صادق آتی ہو۔ (خواہ وہ واقعہ) ان واقعات میں سے (ہو) جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئے یا آپ کے بعد ہوئے ہوں اور کہہ دیتے ہیں "نزلت فی کذا" اور ایسے موقع پر (آیت کی) تمام قیود کا (واقعہ پر) منطبق ہونا ضروری نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف اصل حکم کا منطبق ہونا کافی ہوتا ہے۔ اور کبھی پیش کرتے ہیں ایسے سوال کو جس کے بارے میں آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا ہو۔ اور ایسے واقعہ کو بھی پیش کرتے ہیں جو آپ کے ان مبارک ایام میں رونما ہوا ہو۔ اور آپ نے اس کا حکم کسی آیت سے مستنبط کیا ہو۔ اور اس سلسلہ میں اس آیت کی تلاوت فرمائی ہو۔ اور کہہ دیتے ہیں "نزلت فی کذا" اور بسا اوقات ان صورتوں میں "فانزل اللہ" یا "فنزلت" کہہ دیتے ہیں تو گویا یہ اشارہ ہے کہ آپ کا اس آیت سے استنباط کرنا اور اس آیت کا آپ کے قلب مبارک میں اس وقت القاء کرنا بھی "وحی" اور قلب میں الہام کی ایک قسم ہے لہٰذا اس کی وجہ سے ممکن ہے کہ "فنزلت" کہا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس صورت میں "تکرار نزول" سے تعبیر کیا جائے۔

فائدہ :- یہاں "سبب نزول" کے سلسلہ میں متقدمینؒ و متاخرینؒ کے اصطلاحی اختلافات کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔ شان نزول کے بیان میں عموماً "نزلت فی کذا" یا "فانزل قولہ کذا" جیسے الفاظ مستعمل ہیں جن کا ظاہری مفہوم یہ ہوتا ہے کہ متکلم نے ان الفاظ سے پہلے جو قصے یا واقعات ذکر کئے ہیں وہی آیت کریمہ کا سبب نزول ہیں لیکن متقدمینؒ کے یہاں ان الفاظ کا دائرہ استعمال بہت وسیع تھا۔ ماتنؒ کے مطابق متقدمین چار مواقع پر اس طرح کے الفاظ بولتے تھے۔

(۱) ہر اس واقعہ کو بیان کرنے کے لیے جس کے زمانۂ ظہور میں آیت کا نزول ہوا ہو۔ اور جس کا حکم یا تذکرہ صراحۃً یا کنایۃً، رمزاً یا اشارتاً آیت کریمہ میں موجود ہو۔ متاخرین اسی جیسے واقعہ کو شان نزول کہتے ہیں۔ مثال: صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص سے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لینے کی خطا ہو گئی (احساس ہوا، ندامت ہوئی) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ [illegible] المحصنات [illegible] الخ کا نزول فرمایا۔ (۲) ہر ایسا حکم یا واقعہ کے سلسلہ میں جس پر آیت کریمہ صادق آتی ہو خواہ وہ واقعہ زمانہ نبوت میں رونما ہوا ہو یا اس کے بعد۔ اس صورت میں "نزلت فی کذا" کا مطلب ہوتا ہے "یعنی بھذا کذا"۔ ماتن نے نبذ ربما یذکرون [illegible] سے اسی موقع کو بیان فرمایا ہے۔ مثال: بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد ہے "انزلت: نساؤکم حرث لکم فی اتیان النساء فی ادبارھن"

یعنی آیت کریمہ "نساؤکم۔ الآیۃ" عورتوں کے ساتھ دبر فی الدبر کی حرمت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ عورت کو حرث سے تشبیہ دی گئی ہے اور وہ مقام حرث و کھیتی ہے) یہاں انزلت سے یہ مراد لیا گیا ہے کہ آیت کے مفہوم میں یہ حکم بھی داخل ہے ورنہ اصل شان نزول یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ جو شخص عورت کے ساتھ پیچھے کی جانب سے مجامعت فی القبل کرتا ہے اس کے یہاں بھینگا لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کی روایت میں مصرح ہے۔

(۳) ہر اس واقعہ کے جواب کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور جواب کے بیان فرمایا ہو یا استدلال و استشہاد کے طور پر آیت کی تلاوت فرمائی ہو۔ ایسے موقع پر خود آپ ہی فھذا نزلت کے الفاظ منقول ہیں)۔

مثال: ابن جریر وابن ابی حاتم علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وعنہم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفا وتعظیما کی ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کے استقبال کا حکم فرمایا جس سے یہود کو خوشی ہوئی۔ دس مہینے سے زائد مدت تک آپ اس پر عامل رہے لیکن آپ کی دلی خواہش یہ تھی کہ بیت اللہ آپ کا قبلہ ہو۔ آپ اس کے لئے دعائیں کرتے تھے اور وحی کے انتظار میں آپ کی نگاہ آسمان کی طرف اٹھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فولوا وجوھکم شطرہ کا حکم نازل فرمایا۔ یہود شبہ میں پڑ گئے

لہ یہاں روایت مشکوٰۃ [illegible] تفسیر [illegible]

لہ واقدی ج [illegible] ص ۲۹ [illegible]

اور اعتراض کرنے لگے۔ ما ولّٰهم عن قبلتهم التی کانوا علیها کہ جس قبلہ پر اب تک یہ لوگ قائم تھے اس سے ان کو کس نے پھیر دیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے "قل للّٰہ المشرق والمغرب" کا نزول فرمایا اور ارشاد فرمایا فاینما تولوا فثم وجه اللّٰه۔ [illegible] والمعنی ایضاً [illegible]

(اسباب النزول ج ۲ ص ۲۱ عن اللباب)

لیکن حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ تشریف لاتے وقت اپنی سواری پر جدھر اس کا منہ تھا نفل نماز ادا فرمائی پھر آیت "وللّٰہ المشرق والمغرب" پڑھ کر کہا یہ اسی کی بابت نازل ہوئی ہے۔ (ترمذی)

اور اصل روایت ابن جریر و ابن ابی حاتم کی روشنی میں عطا کا فیصلہ یہ ہے کہ ابن عمرؓ کی روایت میں نزول آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ احکام آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ بیان القرآن سے ظاہر ہے فلیطالعہ ان شئت۔

(۴) ہر اس موقع پر جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سوال کے جواب میں یا کسی غلط نظریہ کی تردید میں آیت کریمہ تلاوت فرمائی ہو۔

مثال۔ حضرت عامر بن ربیعہ کی روایت ہے کہ ہم اندھیری رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے قبلہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس طرف ہے۔ اس لئے ہر ایک شخص نے اپنے قیاس و اندازہ کے مطابق نماز پڑھ لی۔ جب صبح ہوئی ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آیت "فاینما تولوا فثم وجه اللّٰه" نازل ہوئی (ترمذی)۔ یہ کل چار مواقع ہیں جہاں "نزلت فی کذا" یا "فنزلت" جیسے الفاظ کا استعمال متقدمین کا شیوہ و طریقہ رہا ہے جبکہ متاخرین کے یہاں صرف پہلے موقع پر ایسے الفاظ کا استعمال ہے۔ اس لئے بقیہ تین مواقع پر متاخرین کے دل و دماغ پر اشکالات و شبہات کی دستک ہوتی ہے اور وہ ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔

وَيذكر المحدثون في ذيل آيات القرآن كثيرًا من الأشياء ليست من قسم سبب النزول في الحقيقة مثل استشهاد الصحابة في مناظراتهم بآية وتمثيلهم بآية أو تلاوته صلى الله عليه وسلم آية للاستشهاد

فی کلامہ الشریف أو روایۃ حدیث وافق الآیۃ فی أصل الغرض أو تعیین موضع النزول أو تعیین أسماء المذکورین بطریق الإبہام أو بیان طریق التلفظ بکلمۃ قرآنیۃ أو فضل سور وآیات من القرآن أو صورۃ امتثالہ صلی اللہ علیہ وسلم بأمر من أوامر القرآن ونحو ذلک ولیس شیء من ہذا فی الحقیقۃ من أسباب النزول ولا یشترط إحاطۃ المفسر بہذہ الأشیاء۔

اللغۃ:- تمثیل بالحدیث بیان کرنا امتثال پیروی کرنا۔

(نوٹ) ونحو ذلک ہمارے فارسی نسخہ میں ہے۔

ترجمہ:- اور مفسرین آیاتِ قرآنیہ کے تحت بہت سی ایسی چیزیں ذکر کر دیتے ہیں جو درحقیقت شانِ نزول کے قبیل کی نہیں ہوتی ہیں، مثلاً صحابہؓ کا اپنے مباحثوں میں کسی آیت سے استدلال یا اُن کا کسی آیت کو بیان کرنا، یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے کلامِ مبارک میں کسی آیت کو استدلال کے طور پر پڑھنا، یا ایسی حدیث کو نقل فرمانا جو اصل مقصد میں آیت کے موافق (وہم معنی) ہو یا مقامِ نزول کی تعیین یا اُن کے ناموں کی تعیین جو بطورِ ابہام ذکر کئے گئے ہوں، یا کسی قرآنی لفظ کے تلفظ (پڑھنے) کے طریقہ کا بیان یا قرآن کی آیات اور سورتوں کی فضیلت، یا احکامِ قرآنی میں سے کسی حکم پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پیرا ہونے کی صورت کا بیان وغیرہ ذلک، حالانکہ ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی درحقیقت شانِ نزول نہیں ہے اور نہ ہی مفسر کے لئے ان چیزوں کے احاطہ کی شرط لگائی جاتی ہے۔

فائدہ:- استشہادِ صحابہؓ مثلاً ابن ملیکہ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کے حوالے سے یہ مرفوعاً روایت "إن المیت لیعذب ببکاء أہلہ علیہ"[1] حضرت عائشہؓ کو سنائی، ام المؤمنینؓ نے قسم کھا کر اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا بلکہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کفار کے عذاب میں ان کے متعلقین کے رونے (پیٹنے) کی

---

[1] میت کو عذاب دیا جاتا ہے اس پر اس کے متعلقین کے رونے کی وجہ سے۔

وجہ سے اضافہ کر دیتا ہے۔ مزید فرماتی ہیں۔ حسبکم القرآن ولا تبرجن ولا زینۃ وزن! اخرجن لہ

امتثال ملتا ہے۔ نیز ایک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ

تو ایک عورت نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے؟ حضرتؓ نے فرمایا: کن پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی اور جو کتاب اللہ میں ملعون ہیں، ان پر میں کیوں نہ لعنت بھیجوں؟ عورت: کتاب اللہ میں نے پڑھی ہے۔ مجھے تو اس میں وہ چیز نہیں ملی جو آپ فرما رہے ہیں۔ حضرتؓ: اگر تو نے اسے (غور سے) پڑھا ہوتا تو ضرور پاتی۔ تم نے آیت کریمہ: ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔ نہیں پڑھی؟ عورت: ضرور پڑھی ہے۔ حضرتؓ: تو یقین مانو کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے۔

(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۸۱)

استشہاد بر رسول: (۱) خریم بن فاتک نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی اور جب آپ نے رخ پھیرا سیدھے کھڑے ہو گئے اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا: عدلت شہادۃ الزور بالاشراک باللہ پھر آیت کریمہ: فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء للہ غیر مشرکین بہ کی تلاوت فرمائی۔ کہ جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر ہے۔ لہٰذا تم بتوں کی گندگی سے بچو، اللہ کے لئے یکسو ہو کر اعمال میں کہ اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہو جاؤ۔ (دیکھو مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۲۱)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا: من آتاہ اللہ مالا فلم یؤد زکوتہ مثل لہ مالہ یوم القیامۃ شجاعا اقرع لہ زبیبتان یطوقہ یوم القیامۃ ثم یاخذ بلھزمتیہ یعنی شدقیہ ثم یقول انا مالک انا کنزک۔

ترجمہ: جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر اس نے زکوٰۃ نہ ادا کی ہو تو قیامت کے روز اس کے مال کو

لہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۸۱۔ ۲ اللہ کی لعنت ہو گودنے والی اور گدوانے والی اور بال نچوانے والی اور حسن کے لئے دانت رگڑنے والی عورتوں پر، اس لئے کہ یہ عورتیں اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والی ہیں۔

خورشید نور اللہ عفی عنہ و بالا و آمین۔

ایک ایسے گنجے سانپ کی شکل دیدی جائے گی جس کے دو سیاہ نقطے ہوں گے (آنکھوں کے اوپر) وہ سانپ قیامت کے روز اس (مالدار) کے گلے کا طوق بنا دیا جائیگا پھر اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ کر کہیگا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ کی تلاوت فرمائی (الاتقان ج ۲ ص [illegible] و مشکوۃ ص ۱۵۵) مزید مثالوں کے لئے مشکوۃ ص [illegible] و ص [illegible] و ص [illegible] و ص [illegible] و ص [illegible] و ص [illegible] و ص [illegible] و ص [illegible] و ص [illegible] وغیرہ دیکھئے۔

موافق آیت حدیث (۱) انس بن مالک حدیث مرفوع روایت کرتے ہیں ملائکہ نے عرض کیا ہمارے رب! آپ نے ہم کو پیدا کیا اور بنی آدم کو پیدا کیا (بنی آدم کو آپ نے ایسا بنایا ہے کہ) وہ کھاتے ہیں پیتے ہیں، بال بچے ہیں، کپڑے پہنتے ہیں، شادیاں رچاتے ہیں، جانوروں کی سواری کرتے ہیں، سوتے ہیں اور آرام کرتے ہیں اور آپ نے ہمارے لئے ان میں سے کوئی چیز نہیں بنائی تو ان کے لئے دنیا اور ہمارے لئے آخرت مخصوص فرما دیجئے، اس کے جواب میں اللہ رب العالمین نے فرمایا: لا اجعل من خلقت بیدی ونفخت فیہ من روحی کمن قلت لہ کن فکان۔ جسے میں نے (بڑے اہتمام سے) اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اس میں میں نے اپنی روح پھونکی اسے اس درجہ کا نہیں بناؤں گا جس سے میں نے کن کہا اور وہ ہو گیا۔ (دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۵۰ ج ۳) یہ حدیث آیت کریمہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا کے ذیل میں ذکر کی گئی ہے۔ اور غرض آیت وحدیث دونوں کی ایک ہے یعنی بنی آدم کی فضیلت و برتری۔

(۲) وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا کے تحت ابن کثیر نے صحیحین کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان تجعل للہ ندا وھو خلقک۔ یہ کہ تم اللہ کا شریک ٹھہراؤ جبکہ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے میں نے عرض کیا پھر کونسا؟ ارشاد ہوا۔ ان تقتل ولدک خشیۃ ان یطعم معک۔ یہ کہ تم اپنے اولاد کو اس اندیشہ میں قتل کردو کہ کھانے میں تمہارا شریک ہوگا (ابن کثیر ج ۳ تحت الآیۃ ص [illegible]) لیکن بخاری نے اس حدیث کو آیت کریمہ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ الآیۃ

کا شانِ نزول بتایا ہے۔

تمثیل صحابہ بالآیۃ ۔ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا کے ذیل میں ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیتِ کریمہ کے عموم سے حضرت معاویہؓ کی ولایت سلطنت۔ یعنی امارت و حکومت کا ثبوت مستنبط فرمایا تھا کیونکہ حضرت معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے ولی تھے اور حضرت عثمانؓ ظلماً مقتول ہوئے تھے۔ پھر طبرانی کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے قتل و قصاص کا مسئلہ شروع ہوا تو میں نے حضرت علیؓ سے عرض کیا آپ علیحدگی اختیار کرلیں۔ اگر آپ کسی بل میں بھی رہیں گے تو وہ تم کو تلاش کرلیں گے لیکن وہ میری بات نہ مانے پھر خدا کی قسم کھا کر یہی فرمایا کہ تم لوگوں پر حضرت معاویہؓ کی امارت قائم ہو کر رہے گی۔ وذلک ان اللّٰہ یقول: ومن قتل مظلوما الآیۃ (تفسیر ابن کثیرؒ ج ۳)

تعیینِ موضعِ نزول ۔ اول الانفال نزلت ببدر عقب الوقعۃ کما اخرجہ احمد عن سعد بن ابی وقاص، اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ الآیۃ نزلت ببدر ایضاً کما اخرجہ الترمذی عن عمرؓ اول سورۃ فی [illegible] کما فی الصحیحین۔ (الاتقان ج ۱ ص ۲۳)

تعیینِ اسماء ۔ ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ الآیۃ اخرج الشیخان عن ابی ذرؓ قال: نزلت ھذہ الآیۃ فی حمزۃ وعبیدۃ بن الحارث وعلی بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہم وعتبۃ وشیبۃ والولید بن عتبۃ (الاتقان ج ۱ ص ۱۱ ومسلم ج ۲ ص ۴۲۴) اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ الآیۃ کے ذیل میں درمنثور میں ابن مردویہ کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کا قول منقول ہے: واحدھم ای عبد اللّٰہ رئیس المنافقین، حسان ومسطح وحمنۃ ۔ اور یہی چاروں ان الذین جاءوا الخ کا مصداق ہیں۔ (بیان القرآن)

ـہ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں شفاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان فرمایا آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اذھبوا فمن وجدتم فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان فاخرجوہ فیخرجون خلقاً کثیرا۔ پھر حضرت نے فرمایا فان لم تصدقونی فاقرءوا ان اللّٰہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضاعفھا (ج ۲ ص ۱۱۰۷ کتاب التوحید)

إنما شرط المفسر أمران: الأول ما تعرّض به الآيات من القصص فلا يتيسّر فهم الإيماء بتلك الآيات إلا بمعرفة تلك القصص، الثاني ما يخصّص العام بالقصة أو مثل ذلك من وجوه صرف الكلام عن الظاهر فلا يتيسّر فهم المقصود من الآيات بدونها۔

اللغة:- تعرّض تعریض سے مضارع، تعریض و اشارہ کرنا، کلام سے کسی معنی و مفہوم کا ارادہ کرنا لیکن اس کی تصریح نہ کرنا۔

ترجمہ:- مفسر کی شرط تو صرف دو چیزیں ہیں۔ اوّل وہ واقعات معلوم ہوں جن کی طرف آیتیں اشارہ کرتی ہوں کیونکہ آسان نہیں ہوتا ہے ان آیات کے اشاروں کا سمجھنا مگر ان واقعات کے علم سے۔ اور دوسرے وہ چیز جو عام کو قصہ کے ساتھ خاص کر دے یا اس جیسی چیز یعنی کلام کو ظاہر سے پھیرنے کی وجوہ۔ لہٰذا ان کے بغیر آیات کے اصل مقصود کا سمجھنا آسان نہیں ہوتا ہے۔

فائدہ:- اس عبارت کی دو خامیاں قابل توجہ ہیں۔ (۱) اَمْرَانِ سے پہلے لفظ معرفت کا ترک — فارسی عبارت «شرط مفسر معرفت دو چیز است» کا سیدھا ترجمہ «الشرط على المفسر معرفة شيئين» ہونا چاہیے (یعنی مفسر کے لئے دو چیزوں کی معرفت شرط ہے)
(۲) القصة پر بار کا دخول۔ یہ بھی بجا نہیں ہے۔ فارسی عبارت «دوم آنکہ قصہ کہ تخصیص عام یا مثل آن از وجوہ صرف از ظاہر نماید» کی واضح ترجمانی یوں ہونی چاہیے «والثاني معرفة القصة التي تفيد التخصيص للعام او مثل ذلك» الخ۔ اب مطلب واضح ہے کہ مفسر کے لئے صرف دو چیزوں کی معرفت ضروری ہے۔ ایک ان واقعات کی جن کی طرف آیتوں میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ دوسرے ان واقعات و اسباب کی جن سے کلام کا ظاہری مفہوم سے ہٹا ہوا ہونا معلوم ہوتا ہو۔ جیسے عام کا مخصوص ہونا، قید کا اتفاقی ہونا وغیرہ مثلاً آیت کریمہ «إن خفتم أن يفتنكم الذين كفروا» الآية کی شرط خوف کے بارے میں حضرت عمرؓ کے سوال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا علم جو آگے مفصلاً مذکور ہے۔ اسی طرح ان احادیث کا علم بھی ضروری

[illegible]

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم میں المشرکین عام مخصوص منہ البعض ہے کیونکہ بچے بوڑھے وغیرہ یعنی وہ معذور مشرکین داخل نہیں جو قتال سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ کیونکہ ایسی احادیث سے عام کا ظاہر سے ہٹا ہوا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ومما ینبغی ان یعلم ھھنا ان قصص الانبیاء السابقین لا تذکر فی الحدیث الا علی سبیل القلۃ فالقصص الطویلۃ التی تکلف المفسرون روایتہا کلہا منقولۃ عن علماء اھل الکتاب الا ما شاء اللہ تعالیٰ وقد جاء فی صحیح البخاری مرفوعاً لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم۔

ترجمہ:۔ اور ان میں سے جن کا جان لینا یہاں مناسب ہے یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء کے واقعات احادیث میں مذکور نہیں ہوتے ہیں مگر قلت کے طور پر، لہٰذا وہ لمبے چوڑے قصے مفسرین نے جن کو نقل کرنے کا تکلف کیا ہے وہ سب علماء اہل کتاب سے منقول ہیں۔ الا ما شاء اللہ؎ اور صحیح بخاری میں مرفوعاً وارد ہوا ہے لا تصدقوا الخ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ انکی تکذیب کرو۔

تشریح:۔ قولہ فی صحیح البخاری الخ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قول اللہ تعالیٰ قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے قال:

کان اھل الکتب یقرءون التوراۃ بالعبرانیۃ	اہل کتاب عبرانی میں توریت پڑھتے اور مسلمانوں کے
ویفسرونہا بالعربیۃ لاھل الاسلام فقال	لئے عربی میں اس کی تفسیر کرتے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصدقوا	نے ارشاد فرمایا تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب۔
اھل الکتاب ولا تکذبوھم وقولوا آمنا باللہ	اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پر الخ
وما انزل الینا (الایۃ ص ۶۴۳)	

۱؎ یعنی بعض مفصل قصے ایسے بھی ہیں جو حدیث میں بیان کئے گئے ہیں مثلاً بنی اسرائیل کا ان میں ذکر نہیں جیسے [illegible]

کیونکہ دونوں صورتوں میں غلطی کا اندیشہ ہے۔ اگر جھوٹ نہیں ہو اور وہ سچ ہو یا سچ نہیں اور وہ جھوٹ ہو۔ [illegible] بخاری کی حدیث عبداللہ بن عمرو

بلغوا عني ولو آية وحدثوا عن بني اسرائيل ولا حرج ومن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار (بخاری ص [illegible])

میری طرف سے دوسروں کو پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اور بنی اسرائیل سے روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں، اور جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنا لے۔

حدیث بالا کے معارض نہیں ہے۔ جس کے بارے میں حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ آغاز اسلام میں بنی اسرائیل سے روایت کرنا اور ان کی باتیں سننا منع تھا لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شائع ہونے کی وجہ سے ان کے اور آپ کے کلام میں التباس کا خوف جاتا رہا اور احبار اہل کتاب کی تحریف کردہ کتب معلوم ہو گئیں، تب مسلمانوں کے دلوں میں اپنے دین کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہونے کا اندیشہ نہ رہا تو اہل کتاب سے روایت کرنے کی اجازت ہو گئی۔ حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں: قول:

اقول وانما نهى عن اهل الكتاب يخبرون فيما [illegible] تسمعون [illegible] الاعتبار وحسب يكون الامن عن الاختلاط في شرائع [illegible] ولا تجوز [illegible]

میں کہتا ہوں کہ اہل کتاب کی حدیث اسرائیلیات [illegible] اور کلام دینی میں خلط ہونے سے امن ہو جائے بنی اسرائیل سے روایت کرنا جائز ہے اور ایسا کہیں جائز نہیں۔

علامہ انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ جو بات ان سے منقول ہو اگر وہ صحیح ہو اور ہماری شریعت کے موافق ہو تو ہم اس کی تصدیق بھی کریں گے اور اس پر عمل بھی کریں گے، اور اگر وہ صحیح تو ہو لیکن ہماری شریعت کے موافق نہ ہو تو اس کی تصدیق تو کریں گے لیکن اس پر عمل نہ کریں گے۔ اور وہ منسوخ یا تحریف پر محمول ہو گی۔ اور اگر وہ صحیح ہی نہ ہو تو اس کی نہ تصدیق کریں گے نہ تکذیب بلکہ صرف اجمالی طور پر کہیں گے کہ جو بات اللہ کی طرف سے ہے وہ حق ہے۔

([illegible] فیض الباری ص [illegible])

وليعلم ان الصحابة والتابعين ربما كانوا يذكرون قصصا جزئية لمذاهب المشركين واليهود وعاداتهم من الجهالات لتتضح تلك العقائد والعادات ويقولون نزلت الآية في كذا ويريدون بذلك انها نزلت في هذا القبيل سواء كان هذا او ما اشبهه او ما يقاربه ويقصدون اظهار تلك الصورة لا بخصوصها بل لاجل ان التصوير صالح لتلك الامور الكلية ولهذا تختلف اقوالهم في كثير من المواضع وكل يجر الكلام الى جانب وفي الحقيقة المطالب متحدة والى هذه النكتة اشار ابو الدرداء حيث قال لا يكون احد فقيها حتى يحمل الآية الواحدة على محامل متعددة۔

ترجمہ:- اور جاننا چاہیے کہ حضرات صحابہ و تابعین بعض اوقات مشرکین و یہود کے مذاہب اور ان کی جاہلانہ عادات کے خصوص میں قصے جزئیے ذکر کرتے ہیں تاکہ وہ عقائد و عادات اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ اور کہہ دیتے ہیں نزلت الآیۃ فی کذا، اور اس سے وہ حضرات یہ مراد لیتے ہیں کہ آیت اس قبیل میں نازل ہوئی ہے چاہے یہی ہو یا جو اس کے مشابہ ہو یا جو اس کے قریب ہو۔ اور اس صورت کے اظہار کا قصد اس کی خصوصیت کے ساتھ نہیں کرتے ہیں بلکہ اس بنا پر کہ یہ تصویر ان کلی امور کے لائق ہے۔ اور اسی وجہ سے بہت سے مقامات پر ان کے اقوال مختلف ہوتے ہیں اور ہر ایک کلام کو ایک طرف کھینچتا ہے حالانکہ حقیقت میں مقاصد ایک ہوتے ہیں۔ اور اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے حضرت ابو الدرداءؓ نے یہ کہہ کر فرمایا۔ لا یکون الخ کوئی شخص فقیہ نہیں ہو سکتا ہے یہاں تک کہ ایک آیت کو کئی معانی پر محمول کرے۔

فائدہ:- مقصد میں اتحاد کے باوجود شان نزول کے واقعات میں اختلاف کی مثال ملاحظہ ہو۔ ابن جریر و ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے آیت کریمہ

یا ایہا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرہا ولا تعضلوہن لتذہبوا ببعض ما آتیتموہن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ کا شان نزول بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص زوجہ اور لڑکی چھوڑ کر مرتا تھا تو میت کا قریبی عزیز اس لڑکی پر اپنا

کہ اس کو دوسروں کے پاس جانے سے روکے رکھتا تھا۔ پھر اگر پسند کرتا تو اس سے شادی رچالیتا، ورنہ تاحیات اس کو محبوس و مقید رکھتا۔ اور مرنے کے بعد اس کا وارث بن بیٹھتا۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ ہی کی دوسری روایت کے مطابق دورِ جاہلیت میں مشرکین کا جب کوئی آدمی مرجاتا تو اس کی بیوی کے اولین حقدار میت کے ورثا ہوتے۔ ان میں سے کوئی شخص اگر اس بیوہ سے شادی کرنا چاہتا فبہا ورنہ ورثا کی رائے پر وہ معلق رہتی۔ چاہتے تو کہیں اس کی شادی کردیتے نہ چاہتے تو یوں ہی زندگی گزارنے پر وہ مجبور ہوتی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی۔

(۳) حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت قبیلہ اوس کی عورت کبیشہ بنت معن بن عاصم کے بارے میں نازل ہوئی جو ابو قیس بن اسلت کی بیوی تھیں، ان کی وفات ہوتے ہی بیٹے نے جاہلیت کے مطابق، مال پر قبضہ کرلیا۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔ «لا انا ورثت زوجی ولا انا ترکت فانکح» کہ میں نہ اپنے شوہر کی وارث بنی اور نہ مجھے چھوڑا جارہا ہے کہ میں دوسری شادی کرلوں، اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یہ تین مختلف اسباب نزول ہیں جن کا مقصد ایک ہے یعنی عورتوں پر ورثاء میت کے جبری استحقاق کا بیان۔

شان نزول کا ہر واقعہ یہ بتا رہا ہے کہ مشرکین میت کی ماتحت عورتوں پر حق وراثت رکھتے تھے اور جبراً ورثہ اس کے وارث بن بیٹھتے تھے۔ جس کی تردید میں آیت کریمہ نازل ہوئی۔ واللہ اعلم

اسی طرح آیت کریمہ۔ وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِھَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَھُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَیْرٌ۔ کے بارے میں شان نزول کی روایتیں مختلف ہیں لیکن مقصد سب کا ایک ہی ہے۔

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور امام المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے مطابق جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ ختم کرنے کا ارادہ فرمایا اور انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے کر آپ سے رشتۂ ازدواج کو باقی رکھنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (کتاب [illegible] والترمذی عن ابن عباس)

ملاحظہ ہو جامع البیان [illegible] ج ۴ ص ۳۰۶

(۲) سعید بن المسیب کے بقول محمد بن مسلمہ کی ایک صاحبزادی حضرت رافع بن خدیج کے عقد میں تھیں، انہوں نے بڑھاپے پا کر اور دیکھ کر انہیں طلاق دینے کا ارادہ کیا، صاحبزادی بولیں مجھے طلاق نہ دیجئے اور میری باری کے سلسلے میں آپ کو اختیار ہے تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی (کما اخرجہ سعید بن منصور)، (۳) حاکم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ والصلح خیر کا نزول ایسے شخص کے حق میں ہوا جس نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا جس سے کئی بچے تھے اور عورت نے بغیر باری اس شخص کے عقد میں رہنے پر رضامندی ظاہر کی تھی[1]

حدیث ابی الدرداءؓ اس حدیث کو علامہ سیوطی کے بقول ابن سعد وغیرہ نے حضرت ابو الدرداء سے موقوفاً روایت کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: لا یفقہ الرجل کل الفقہ

اور بعض حضرات نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ آدمی لفظ واحد میں متعدد معانی کا احتمال دیکھ کر لفظ کو ان سب پر محمول کرے، کسی ایک معنی پر اکتفا نہ کرے بشرطیکہ وہ متعدد معانی ایک دوسرے سے معارض نہ ہوں۔ (العنوان ص ۱۳۰ والاتقان ج ۱ ص ۱۴۲)

مقاتلؒ نے اس حدیث کو مرفوعاً نقل کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: لا یکون الرجل فقیہاً کل الفقہ حتی یری للقرآن وجوهاً کثیرة (البرہان ص ۱۳۰، والعنوان)

بہرحال کلام اللہ کی آیات میں معانی کثیرہ کا احتمال اس کی جامعیت کا بین ثبوت اور کھلا ہوا معجزہ ہے۔ علامہ زرکشی کے مطابق، ایک ایک آیت میں کم و بیش [illegible] معانی تک مضمر ہوتے ہیں؛ ظاہر ہے کہ انسان و مخلوقات کے کلام میں ایسی وسعت کہاں پائی جا سکتی ہے؟ اور ان معانی کثیرہ تک رسائی یقیناً کمال علم کی دلیل ہے بشرطیکہ متضاد نہ ہوں۔

---

[1] [illegible] مقاتل بن سلیمان [illegible] التفسیر [illegible] قولہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

معانی متعددہ کی محتمل آیات:۔ اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بہت ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ مثال ۱: لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔[1] یہاں "کتاب" سے اللہ کی کونسی تحریر اور اس کا کونسا ازلی فیصلہ مراد ہے؟ علماء نے اس سوال کے جواب میں مختلف باتیں کہی ہیں۔ روح المعانی میں اس نے یہ بات لکھی تھی کہ (۱) جو مؤمن مجتہد اجتہاد میں غلطی کرے اس پر عذاب نہ ہوگا۔ (۲) جب تک قوم کو کسی کام کے کرنے کی صریحاً ممانعت نہ ہو اور اس کو کر لے تو مؤاخذہ نہ ہوگی۔ (۳) اہل بدر جو فعل بھی کریں معاف ہے ان پر عذاب نہ ہوگا۔ (۴) اس وقت پر مال غنیمت حلال ہوگا۔ واللہ اعلم (بیان القرآن ملخصاً [illegible] بلفظہ:)

مثال ۲: يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ (بنی اسرائیل پ ۱۵ ع ۸) اس آیت میں امام سے کیا مراد ہے، اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) امام ام کی جمع ہے، قیامت کے روز ہر شخص کو اس کی ماں کے نام کے ساتھ پکارا جائیگا۔ یہ قول محمد بن کعب قرظی[2] کی طرف منسوب ہے۔ ابن عادل نے اس کی تردید کی ہے اور زمخشری نے تردید کی تائید کی ہے۔ (۲) امام سے مراد مقتدیٰ ہے۔ اس قول کو ابو عبیدہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ قرطبی کا یہی مسلک ہے۔ (۳) امام سے مراد وہ ہدایت و گمراہی کا پیشوا ہے جیسے حضرت موسیٰ اور فرعون، حضرت ابراہیم اور آزر و نمرود وغیرہ (یہ قول ابن عباسؓ) (۴) امام سے مراد معبود ہے۔ (۵) امام سے مراد انبیاء کرام ہیں۔ یعنی قیامت کے روز ہر شخص کو اس کے نبی و رسول کی طرف منسوب کرکے پکارا جائے گا۔ مطیعین کو اے امت محمد، اے امت عیسیٰ، اے امت ابراہیم وغیرہ کہہ کر اور منکرین کو اے منکر محمد، اے منکر عیسیٰ وغیرہ کہہ کر پکارا جائے گا۔ یا یوں کہئے کہ ہر امت دعوت کو اس کے نبی کی طرف منسوب کرکے بلایا جائیگا، خواہ اس نے دعوت پر لبیک کہا ہو یا نہ کہا ہو۔

---

[1] سورۂ انفال پ ۱۰ ع ۵

[2] آپ کا نام محمد بن کعب بن سلیم بن اسد ابو حمزہ قرظی ہے۔ آپ کے والد بنو قریظہ میں سے تھے۔ قول مشہور کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ، ابن عباسؓ وغیرہ سے روایات نقل کرتے ہیں۔ [illegible] کے درمیان وفات پائی۔ (ملاحظہ ہو [illegible])

وهو قول ابي هريرة ومجاهد وقتادة.

(۲) امام سے مراد - آسمانی کتابیں ہیں - (ابن زید وضحاک وربیع ، ابن جریر)

(۳) امام سے مراد اعمال نامے ہیں یہ ابو العالیہ اور حسن بصری کی رائے ہے - نیز ایک روایت کے مطابق ابن عباسؓ وضحاکؒ بھی اس کے قائل ہیں۔ (ابن کثیر)

(یہ ساتوں اقوال اختصار کے ساتھ بیان القرآن سے ماخوذ ہیں)

ان دو آیتوں کے علاوہ سورۃ نحل پ ۱۴ ع ۱۳ کی آیت «فلنحيينه حيوة طيبة» اور سورۃ نحل ع ۲ کی آیت «وما يشعرون ايان يبعثون» اور سورۃ توبہ ع ۱۳ کی آیت «والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه» اور سورۃ حج ع ۲ کی آیت «من كان يظن ان لن ينصره الله في الدنيا والآخرة فليمدد بسبب الى السماء ثم ليقطع فلينظر هل يذهبن كيده ما يغيظ» میں متعدد معانی کا احتمال اہل تفسیر نے ذکر فرمایا ہے۔ مزید مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔ تلاش و جستجو شرط ہے۔

[۱] علامہ سیوطی نے بعض علماء کے حوالے سے حدیث ابی الدرداء کی جو تشریح کی تھی اس کے پیش نظر ہم نے چند آیتیں بطور مثال ذکر کر دیں لیکن حضرت اقدس علیہ الرحمہ نے جس سیاق میں حدیث کو ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "وجوہ" متعددہ سے مراد آیت کے مختلف مصداق ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کامل فقیہ وہ ہے جو آیت کے متعلق مختلف واقعات کو سننے کے بعد سب پر بلکہ ان جیسے محل و مصداق پر بھی آیت کو منطبق کر سکے۔ مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

واللہ اعلم

۱۔ آپ کا پورا نام ابو الحجاج مجاہد بن جبر المخزومی ہے۔ ولادت ۲۱ھ وفات ۱۰۴ھ۔ حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ میں ہیں۔ ان سے تیس مرتبہ قرآن کریم کا دور کیا ہے۔ اور تین مرتبہ تفسیر پڑھی ہے۔ اعلمهم بالتفسير مجاهد (قتادہ) حضرت مجاہد اگرچہ تابعین میں سے ہیں لیکن صحابہ کرام بھی ان کی قدر کرتے تھے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں۔ میں حضرت ابن عمرؓ کی صحبت میں رہا۔ میں چاہتا تھا کہ ان کی خدمت کروں لیکن وہ میری خدمت کرتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم) مجاہد کی وفات سجدہ کی حالت میں ہوئی۔ (تہذیب الاسماء واللغات للنووی) حضرت مجاہد کے حالات مناہل العرفان علوم القرآن سے ماخوذ ہیں۔

خورشید انور غفرلہ

ومن هذا الأسلوب كثيرًا ما يذكر في القرآن العظيم صورتان صورة سعيد يذكر فيها بعض أوصاف السعادة، وصورة شقي يذكر فيها بعض أوصاف الشقاوة، ويكون الغرض من ذلك بيان أحكام تلك الأوصاف والأعمال لا التعريض بشخص معين كما قال سبحانه: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ ثم ذكر صورتين صورة سعيد وصورة شقي۔

ترجمہ:- اور اسی طریقہ پر بسا اوقات قرآن کریم کے اندر دو صورتیں ذکر کی جاتی ہیں سعادت مند کی صورت جس میں نیک بخت کے کچھ اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں، اور بدبخت کی صورت جس میں بدبختی کے کچھ اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں، اور اس کا مقصد سعادت و شقاوت کے اوصاف و اعمال کے احکام کا بیان ہوتا ہے، نہ کہ کسی متعین شخص کی طرف تعریض۔ جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا، جس کے بعد حق تعالیٰ نے دو صورتیں، سعید کی صورت اور بدبخت کی صورت، ذکر فرمائی ہیں۔

فائدہ:- گذشتہ عبارت میں بتایا گیا تھا کہ فرق باطلہ کے مختلف جزئی و شخصی واقعات کا تذکرہ کر کے صحابہ کرام یا تابعین عظام کا "نزلت الآیۃ فی کذا" کہنا بسا اوقات آیت کا مصداق بیان کرنے کی غرض سے ہوتا ہے، اسی وجہ سے ایک ہی آیت کے ذیل میں مختلف واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ گذشتہ عبارت کا تعلق آیات مخاصمت سے تھا، زیر نظر عبارت میں یہی نظریہ آیات تذکیر کے سلسلہ میں پیش کیا جا رہا ہے جو مصلحتیں پہلے گذر چکی ہیں یعنی جن آیات میں ابنائے انسانی کے افکار و خیالات، نیک و بد کے اعمال و اقوال اور ان کے نتیجہ میں انجام کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے ان آیات سے متعلق واقعات کو بھی آیت کی تمثیل ہی اور مصداق آیت کا بیان سمجھنا چاہئے، اور ایسے متعین اشخاص کی تلاش و جستجو میں وقت صرف کرنے کی چنداں ضرورت نہیں جن میں آیت کے مطابق تمام اوصاف و خصوصیات موجود ہوں جیسا کہ بعض مفسرین اس سلسلہ میں جد و جہد کرتے رہتے ہیں۔ حضرت مصنف نے ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً آیت الذی قال لوالدیہ

مہاجراً الی اللہ ورسولہ ثم ادرکہ الموت ، اربع عشرۃ سنۃ۔

اس کوشش کی ضرورت اس وجہ سے نہیں ہے کہ قرآن اس مقابل میں اصلاً فطرتِ انسانی کی سعادت و شقاوت کی منظر کشی کرنا چاہتا ہے تاکہ اخروی فلاح و کامیابی کے متوالے سعادت مندی کے اعمال اختیار کریں اور شقاوت کے اعمال سے اجتناب کریں، کسی خاص شخص کی طرف تعریض کرنا قرآن کا مقصود نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین آیت کی قیود کو عموم پر محمول کرتے ہیں اور ماتن نے بھی اگلی عبارت میں مثالوں کے بعد صراحت فرمائی ہے۔ ولا یتعذر فیہ هذا التخصیص ولن توجد تلک الخصوصیات بعینہا فی شخص واحد۔

مثال مع تفصیل :- ماتن نے اس قسم کی متعدد آیتیں ذکر کی ہیں۔ پہلی آیت جو پیش فرمائی ہے وہ ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا (الآیۃ) ہے۔ اور بقیہ مثالیں اگلی عبارت میں آرہی ہیں۔ یہ آیت سورۂ احقاف پ ۲۶ ع ۲ کی ہے جس کا بقیہ حصہ وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا ہے۔ بعد ازاں سعید و شقی کے احوال کا تذکرہ مندرجہ ذیل آیتوں میں کیا گیا ہے۔

حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ۔ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ۔

یہاں تک کہ جب اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے نفع کے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے۔ میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے نیک کاموں کو قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگذر کریں گے اس طور پر کہ یہ اہل جنت میں سے ہوں گے اس وعدۂ صادقہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

لہ [illegible] ص ۱۴۹ ۔ کہ لطیفہ :- [illegible]

[illegible]

یہ سعادتمند آدمی کے احوال، اس کی شکر گذاری اور حسنِ انجام کا تذکرہ ہوا۔ آگے بدنصیب و نافرمان کی احسان فراموشی و گستاخی اور برے انجام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي	اور جس نے ماں باپ سے کہا اف ہے تم پر کیا تم مجھ کو یہ
أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِن قَبْلِي	وعدہ دیتے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے
وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ ۔۔۔	بہت سی امتیں گزر گئیں؟ اور وہ دونوں اللہ سے فریاد
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	کر رہے تھے کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لا
إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَيَقُولُ مَا هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ	بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ کہتا ہے یہ بے سند
الْأَوَّلِينَ۔	باتیں اگلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں۔
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ	یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ
قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ	اللہ کا قول پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن و انس ہو گزرے
إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ۝	ہیں بے شک یہ خسارے میں رہے۔

ان آیات کی تفسیر میں حضرت تھانوی نے تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ان دونوں آیتوں سے کسی شخص کی تعیین مقصود نہیں۔ اور اگر آیت کا مورد کوئی خاص شخص ہے جیسا کہ درمنثور میں ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت صدیق کی شان میں وارد ہے اور انہوں نے چالیس برس کی عمر پا کر یہ بات کہی تھی۔ تو تخصیص اربعین کی وجہ ظاہر ہے مگر محققین عموم پر محمول کرتے ہیں۔ اور روایت خصوص مورد کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر بھی اس کے اول مصداق ہیں۔ اور دوسری آیت والذی قال، کو جو مروان نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی شان میں بتایا ہے صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے اس کی تکذیب منقول ہے۔ مروان نے محض عداوت سے کہہ دیا تھا۔ ونیز بعد قولہ تعالیٰ حق علیہم القول لان ابن ابی بکر [illegible] اولٰئک الذین حق علیہم القول فانہم۔ اور جتنی قیود دونوں آیتوں میں ہیں وہ سب تمثیل ہے تخصیص نہیں چنانچہ جزا دوسرا مجموعہ قیود پر موقوف نہیں۔ (بیان القرآن ج ۱۱ ص ۸۰)

لہ دیکھئے مزید احادیث حسن سلوک [illegible] دیکھیے۔

ومثل ذلك قوله تعالىٰ وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ وقيل للذين اتقوا ماذا انزل ربكم قالوا خيرا، وعلى مثل هذا قوله تعالىٰ وضرب الله مثلا قرية كانت آمنة مطمئنة، وقوله تعالىٰ، هو الذي خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها ليسكن اليها فلما تغشاها. الآية وقوله تعالىٰ، قد افلح المؤمنون الذين هم في صلاتهم خاشعون، وقوله تعالىٰ، ولا تطع كل حلاف مهين، ولا يلزم في هذه الصورة ان توجد تلك الخصوصيات بعينها في شخص كما لا يلزم في قوله تعالىٰ، كمثل حبة انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة. ان توجد حبة بهذه الصفة انما المقصود تصوير زيادة الاجر لا غير فان وجدت صورة توافق المذكور في اكثر الخصوصيات او كلها كان من قبيل لزوم ما لا يلزم۔

ترجمہ:- اور اسی جیسا ہے ارشاد باری تعالیٰ واذا قیل لہم (ترجمہ) اور جب ان (مشرکین) سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں وہ تو محض بے سند باتیں ہیں۔ جو پہلوں سے چلی آرہی ہیں) اور اسی جیسا ہے ارشاد باری وقیل للذین الخ (ترجمہ) اور جو لوگ شرک سے بچتے ہیں ان سے کہا جاتا ہے تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے وہ کہتے ہیں بڑی خیر (اور برکت کی چیز) نازل فرمائی ہے۔ اور اسی کے قبیل پر محمول کیا جائیگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد وضرب اللہ الخ (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن و اطمینان میں تھے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وھو الذی خلقکم الخ (ترجمہ) وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اپنے اس جوڑے سے انس حاصل کرے۔ پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی) اور ارشاد باری تعالیٰ قد افلح المؤمنون الخ (ترجمہ) بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں) اور ارشاد حق تعالیٰ ولا تطع الخ (ترجمہ) اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو بے وقعت ہو) اور اس صورت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ خصوصیات (جو آیتوں میں مذکور ہوں)

بلکہ کسی شخص میں پائی جائیں جیسا کہ شیطان کے [illegible] میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اس صفت (خوبی) کا کوئی واقعہ پایا جاتا ہو کیونکہ مقصد تو ثواب کی زیادتی کا منظر پیش کرنا ہے نہ کہ کچھ اور۔ لہٰذا اگر کوئی ایسی صورت (یا ایسا شخص) مل جائے جو کہ بالکل خصوصیات میں مذکورہ آیت کے موافق ہو تو (یہ توفیق) ملزوم بالا بلزوم کے قبیل سے ہوگا۔

فائدہ:- اس عبارت میں ایسی پانچ مثالیں پیش کی گئی ہیں جن میں قرآن نے سعادت و شقاوت کا نقشہ پیش کیا ہے۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ کی رائے میں ان کا مصداق متعین نہیں ہے۔ بلکہ ہر زمانے اور ہر جگہ میں جس میں یہ اوصاف و خصوصیات پائی جائیں وہ آیت کا مصداق ہے۔ اگرچہ مفسرین نے ان کے محل اور مصداق کو متعین کر دیا ہے۔ جی چاہے تو آئیے مفسرین کی ذرا [illegible] قول پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ پہلی مثال: وَاِذَا قِیْلَ لَہُمْ مَا … الْاَوَّلِیْنَ سورۂ نحل ع ۴ کی آیت ہے اس کے بعد لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَہُمْ کَامِلَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ سے فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ تک ان بدنصیبوں کے انجام کا تذکرہ ہے پھر وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ قَالُوْا خَیْرًا لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ہٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ سے اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تک سعادتمندوں کا ذکر ہے شان نزول کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ بیرون مکہ سے آنے والے حاجیوں کے وفود کا سوال تھا اور اس کے جواب میں اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کہنے والوں سے مراد نضر بن حارث، ولید بن مغیرہ، و ان کے چیلے ہیں جبکہ قَالُوْا خَیْرًا کا مصداق اس دور کے مخلص مؤمنین ہیں۔

دوسری مثال: وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرْیَۃً کَانَتْ اٰمِنَۃً مُّطْمَئِنَّۃً یَّاْتِیْہَا رِزْقُہَا رَغَدًا مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَہَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ وَلَقَدْ جَآءَہُمْ

---

[1] [illegible] جیسے ایک دوسرے کی [illegible] ایسی [illegible] کے اندر [illegible]

[2] [illegible]

[3] [illegible] دیکھئے [illegible]

رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔

مفسرین کرام کی ایک جماعت "قریہ" سے متعین بستی مراد لیتی ہے۔ بعض لوگ مکہ مراد لیتے ہیں جیسا روی عن ابن عباس، بعض لوگ ایلہ مراد لیتے ہیں۔ بلکہ بعض حضرات نے تو مدینہ مراد لیا ہے ونقلہ دوسرا قول یہ ہے کہ "قریہ" سے غیر معین بستی مراد ہے[2]۔ یعنی نہ جانے کتنی بستیاں ہوں گی جن کو انواع و صنوف نعمتوں سے نوازا گیا۔ پھر ناقدری و ناشکری کی سزا میں عذاب کی نذر کر دیا گیا۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا۔ یہ دوسرا نظریہ شاہ صاحب کا بھی ہے۔

تیسری مثال۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ (الخ) ہے جس کا بقیہ حصہ۔ حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ ہے (ترجمہ) پھر جب میاں نے بی بی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا۔ سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بی بی اللہ سے جو کہ ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کا شریک قرار دینے لگے۔ سو اللہ تعالیٰ پاک ہے ان کے شرک سے۔)

ان آیات میں مفسرین کرام رحمہم اللہ کو یہ دشواری پیش آئی ہے کہ اگر نفس واحدہ اور زوجہا۔

---

[1] قولہ تعالیٰ: (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن و اطمینان میں تھے ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں۔ سو انہوں نے خدا کی نعمتوں کی بے قدری کی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا اور ان کے پاس ان ہی میں کا ایک رسول بھی آیا سو اس کو انہوں نے جھوٹا بتایا تب ان کو عذاب نے پکڑا جبکہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمر باندھے تھے۔ (تھانوی)

[2] قاضی بیضاوی، علامہ قرطبی اور زمخشری وغیرہ کی رائے یہی ہے۔

دیکھیے بیضاوی، کشاف، [illegible]، بیان القرآن، روح المعانی، [illegible]

سے ابو البشر حضرت آدم اور ام البشر حضرت حوا (علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) مراد لیے جائیں تو ان دونوں آیتوں کی رو سے تمام مشتبہ ضمیروں کا مرجع یہی حضرات ہوں گے لہٰذا «جعلا لہ شرکاء» میں آدم و حوا کی طرف شرک کی نسبت لازم آئے گی جبکہ عصمت انبیاء کے متفق علیہ اجماعی اصول کا تقاضا ہے کہ کم از کم حضرت آدم کی طرف تو شرک کی نسبت ہرگز نہ کی جائے۔

اس اشکال سے نجات کی مختلف راہیں تجویز کی گئی ہیں۔ مثلاً (۱) «خلقکم» کے مخاطب قریش ہیں اور «نفس واحدۃ» سے قصی مراد ہیں جو قریش کے جد امجد تھے۔ «جعل منہا زوجہا» کا مطلب یہ ہے کہ قصی سے یعنی قصی کی نوع (عربیا قرشی) سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ پھر یہ میاں بیوی شرک میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن یہ قول بے بنیاد ہے جس پر علامہ آلوسی کا تبصرہ «ربما مثل من قصۃ بہذہ الآیۃ الکریمۃ عن قصی فہدم مصرا» حرف بحرف صادق ہے۔ ؎

(۲) «نفس واحدۃ» سے جنس رجل اور «زوجہا» سے جنس مرأۃ مراد ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو ایک جنس کا بنایا اور جنس رجل سے جنس مرأۃ کو پیدا کیا۔ پھر جب جنس رجل نے جنس مرأۃ سے اپنی خواہش پوری کی تو حمل ٹھہر گیا الخ کذا قال ابن المنیر۔ ؎ لیکن ظاہر ہے کہ اس صورت میں آیت کریمہ کے الفاظ کو غیر متبادر معانی پر محمول کیا جا رہا ہے۔ «وتعقب بان فیہ اجراء جمیع الفاظ الآیۃ علی الوجہ البعید» ۔ (روح)

(۳) «نفس واحدۃ» اور «زوجہا» سے مراد تو آدم و حوا ہی ہیں لیکن «زوجہا» پر ان کا تذکرہ ختم ہو گیا ہے آگے «ذکر انعامہ بعد انعام» کے طور پر اولاد آدم میں سے مشرکین کا ذکر چھیڑا گیا ہے۔ «ویجوز ان یذکر العموم ثم یخص البعض بالذکر وھو کما تری» یہ ابو مسلم کی رائے تھی۔ اور اس کے قریب صاحب جلالین کی بھی رائے ہے۔

(۴) «نفس واحدۃ» اور «زوجہا» سے مراد آدم و حوا ہی ہیں۔ لیکن آیت میں

؎ تفصیل دیکھئے روح المعانی ج ۹ ص ۱۳۹ کا مطالعہ کریں۔ ؎ تفسیر ابن المنیر۔ وکان المعنی واللہ تعالیٰ اعلم ھو الذی خلقکم جنسا واحدا وجعل ازواجکم منکم ایضا لتسکنوا الیھن فلما تغشی الجنس الذی ھو الذکر الجنس الذی ھو الانثی جری من ھذین الجنسین کیت وکیت۔ ؎ (م)

صنعتِ استخدام[1] کی وجہ سے ضمیریں مطلق نوعِ انسانی کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ لہٰذا آدمؑ و حواؑ کی طرف شرک کا انتساب لازم نہیں آئیگا۔ کیونکہ فلما تغشّٰھا سے آدم و حوا کا نہیں، مطلق میاں بیوی کا قصہ ذکر کیا گیا ہے جیسے حضرت تھانویؒ کی رائے ہے[2]۔ جس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ارشاد «ما اشرک آدم انما کان شکرًا ولکنہا مثل ضربہ اللہ لمن بعدہ» سے ہوتی ہے۔ (دیکھئے بیان القرآن) مطلب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ نے شرک نہیں کیا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو آیت کریمہ سے دھوکا ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آیت کریمہ کے ابتدائی حصہ «ھو الذی تا لیسکن الیھا» میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی اس نعمت کے شکریہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ حضرت آدمؑ و حواؑ جیسی باعظمت اور مقدس شخصیات کی نسل میں پیدا کیا۔ اور آیت کے بقیہ حصہ میں حضرت آدمؑ کے مابعد والوں کی مثال پیش کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ فلما تغشّٰھا میں حضرت آدمؑ کا نہیں ان کی اولاد کا ذکر ہے۔ مقصد فطرتِ انسانی کا تذکرہ ہے۔

چوتھی مثال: «قد افلح المؤمنون» الخ ہے۔ سورۂ مؤمنون کی دو آیتیں ہیں۔ علامہ فراہیؒ نے ان دس بارہ آیات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے پیش فرمایا ہے جن میں مؤمنین کے اعمالِ حسنہ اور ان کے نیک انجام کا تذکرہ ہے[3]۔

---

[1] صنعتِ استخدام کے معنی ہیں [illegible] ضمیر [illegible] استخدام [illegible] ایک مثال حضرت تھانویؒ نے [illegible] ولقد خلقنا الانسان [illegible] سلٰلۃ من طین ثم جعلنٰہ (ای الانسان الذی ھو نسلہ) نطفۃ الآیۃ۔
(دیکھئے بیان القرآن [illegible])

[2] حضرت [illegible] النفس وزوجھا [illegible] آدم و حوا علیھما السلام [illegible]

[3] والذین ھم فی صلاتھم خاشعون ۝ والذین ھم عن اللغو معرضون ۝ والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون ۝ والذین ھم لفروجھم حافظون ۝ الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ۝ فمن ابتغیٰ وراء ذٰلک فاولٰئک ھم العادون ۝ والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون ۝ والذین ھم علیٰ صلواتھم یحافظون ۝ اولٰئک ھم الوارثون ۝ الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خالدون ۝ (مؤمنون)

مقصد صرف دوسروں کے اعمال و انجام کے ذریعہ تذکیر و ترغیب ہے بس۔

پانچویں مثال: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ، سورۂ ن و القلم وما یسطرون کی حسب ذیل آیتوں کی طرف اشارہ ہے۔ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ (ترجمہ: طعنے دینے والا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، حد سے گزرنے والا ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو، سخت مزاج ہو اس کے علاوہ حرام زادہ ہو، اس سبب سے کہ وہ مال و اولاد والا ہو۔ جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول چلی آرہی ہیں۔ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے۔

شان نزول کی روایتوں میں اگرچہ چند ایسے متعین و مخصوص اشخاص کے نام آتے ہیں جو ان صفات کے حامل تھے۔ جن میں مشہور ترین نام ولید بن مغیرہ کا ہے (وانہ الولید بن مغیرة عند الجمہور) اس کے علاوہ اخنس بن شریق، اسود بن عبد یغوث اور ابوجہل وغیرہ کے نام بھی علامہ آلوسی نے ذکر کئے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ آیت اپنے عموم مفہوم کے لحاظ سے ہر خبیث و رذیل خصائل والوں کے حق میں عام ہے بعض علماء بھی اس کے قائل ہیں۔ مفسر تھانوی اس کے قائل ہیں وانما قال الالوسی ومن العلماء ان لیس المراد بالموصوف بهذه الصفات شخصا بعینه بل کل من اتصف بها:

مشعار الاب ... فی قولہ تعالیٰ ۔ اب تک متن میں دو دعوے کئے گئے ہیں۔

(۱) فطرت انسانی کے احوال سے متعلق آیات میں معبود کا عموم مقصود ہوتا ہے اشخاص و افراد کی تعیین و تخصیص مقصود نہیں ہوتی ہے خواہ آیت کسی پس منظر ہی میں نازل ہو۔

(۲) ان آیات میں جن صفات کا ذکر ہوتا ہے ان تمام صفات کے حامل کسی فرد یا جماعت کا واقعی میں وجود ضروری نہیں۔ پہلے دعوے سے متعلق کچھ آیتیں مثال میں پیش کی گئی ہیں۔

نیز [illegible] ہوتے الفاظ سابقہ مثالوں کی نظیر اور دوسرے دعوے کی دلیل پیش کی گئی ہے کہ جیسے [illegible] کیا واضح ہے کہ تمام باتیں آگئیں اور ہر بات میں [illegible] نہ ہوں، نزول آیت سے پہلے موجود نہیں تھا قرآن نے محض دعوت کی زیادتی و دل نشین کرنے کے لئے ذکر کیا ہے۔

اسی طرح سابقہ آیتوں کو بھی سمجھنا چاہئے، اور یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آیات قرآنیہ جن صفات کا ذکر کیا جاتا ہے ان صفات کے حامل اشخاص کا وجود ضروری نہیں ہے۔

وَرُبَّمَا تُدْفَعُ شُبْهَةٌ ظَاهِرَةُ الْوُرُوْدِ، وَيُجَابُ عَنْ سُوَالٍ قَرِيْبِ الْفَهْمِ بِقَصْدِ اِيْضَاحِ الْكَلَامِ السَّابِقِ لَا لِاَجْلِ سُوَالِ سَائِلٍ وَقَعَ فِىْ ذٰلِكَ الْعَصْرِ اَوْ شُبْهَةٍ حَدَثَتْ بِالْفِعْلِ. وَكَثِيْرًا مَا يَفْرِضُ الصَّحَابَةُ فِىْ تَقْرِيْرِ ذٰلِكَ الْمَقَامِ نَحْوًا اِلَّا فَيُقَرِّرُوْنَ الْمَطْلَبَ فِىْ صُوْرَةِ الْجَوَابِ وَالسُّوَالِ وَاِنْ نَظَرْنَا بِالتَّحْقِيْقِ وَالتَّفَحُّصِ فَالْكُلُّ كَلَامٌ وَاحِدٌ مُتَّسِقٌ لَا يَسَعُ نُزُوْلُ بَعْضٍ عَقِيْبَ بَعْضٍ جُمْلَةً وَاحِدَةً مُنْتَظِمَةً وَلَا يَتَاَتّٰى فِىْ تِلْكَ الْقُيُوْدِ عَلٰى قَاعِدَةٍ۔

اللغات:۔ یعرض بمعنی پیش کرنا، التفحص تلاش کرنا، متسق مربوط و متصل، لا یتاتی۔ تاتی بروزن تفعّل و تفعّل، آسان ہونا۔

ترجمہ:۔ اور کبھی کبھی کوئی ظاہر الورود شبہ دور کیا جاتا ہے یا کسی قریب الفہم سوال کا جواب دیا جاتا ہے۔ (اور یہ دونوں کام) سابقہ کلام کی توضیح کے ارادہ سے (ہوتے ہیں) نہ کہ کسی سائل

حاشیہ صفحہ سابقہ:۔ ۱؎ چنانچہ ابن ماجہ و ابن ابی حاتم نے حضرت علیؓ، ابو درداء، ابو ہریرہ، عمران بن حصین، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عمر، ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہم [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً حدیث نقل کی ہے جس میں [illegible] کا اضافہ مذکور ہے۔

من ارسل بنفقة في سبيل الله واقام في بيته فله بكل درهم سبعمائة درهم ومن غزا بنفسه في سبيل الله وانفق في وجهه ذلك فله بكل درهم يوم القيامة سبعمائة الف درهم ثم تلا هذه الآية والله يضاعف لمن يشاء (ابن کثیر)

جس شخص نے بھیجا اللہ کے راستہ میں خرچ اور خود بیٹھا رہا اپنے گھر میں تو اس کیلئے ہر درہم کے بدلے سات سو درہم ہوں گے اور جو خود جہاد کرے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس کے لئے ہر درہم کے عوض سات لاکھ درہم ہوں گے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی واللہ یضاعف لمن یشاء۔

ترمذی، ابن حبان اور ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی مثل الذین ینفقون اموالہم في سبيل الله [illegible] تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: رب زدنی [illegible] تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا [illegible] آپ نے پھر عرض کیا رب زدنی [illegible] (التفسیر [illegible])

تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: انما یوفی الصابرون اجرہم بغیر حساب۔

۲؎ لا یتاتی اور منتظمۃ کا عطف ہے [illegible] منتظمۃ لا [illegible] قیود علی [illegible] اصلی۔

[illegible] ۱۲

کے اپنے سوال کی وجہ سے جو ان کے ذہن میں پیدا ہوا ہو یا ایسے شبہ کی وجہ سے جو واقعۃً رونما ہوا ہو۔ اور بسا اوقات صحابہؓ اس مقام کی توضیح میں سوال فرض کر لیتے ہیں۔ پھر سوال و جواب کی صورت میں مقصد کی وضاحت کرتے ہیں۔ اور اگر ہم تحقیق اور چھان بین کی نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ پوری آیت ایک مربوط و مسلسل کلام ہے۔ جس کا کوئی حصہ دوسرے حصے کے بعد نازل ہونے کی گنجائش نہیں رکھتا ہے۔ ایک مربوط جملہ جس کی قیود وغیرہ کو کسی بھی قاعدہ کے مطابق جدا کرنا آسان نہیں ہے۔

فائدہ: کلام اللہ میں بعض آیتیں ایسی بھی ہیں جن کو پڑھنے یا سننے کے بعد انسان کے دل و دماغ میں کوئی شبہ یا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ اس شبہ کا ازالہ یا سوال کا جواب کبھی تو قرآن ایک دو لفظوں سے ہی دے دیتا ہے[1]۔ اور کبھی پورا جملہ اس مقصد کے لئے نازل ہوتا ہے بہر حال اس طرح کی عبارتیں دو قسم کی ہوتی ہیں (۱) وہ جو ترکیب و اعراب میں ماقبل سے الگ اور بے تعلق ہوتی ہیں[2]۔ (۲) وہ عبارتیں جو ماقبل کی محتاج اور تابع ہوتی ہیں جن کا نحوی ربط اپنے ماقبل کے ساتھ بہت مضبوط ہوتا ہے۔

ماتن علیہ الرحمۃ نے یہاں یہ بیان کیا ہے کہ ایسے مربوط جملوں کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا ارشاد: فلاں صحابی نے فلاں سوال کیا، تو فلاں آیت نازل ہوئی۔ یہ بتانے کے لئے نہیں ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کسی واقعی سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے بلکہ فرضی سوال و جواب کے ذریعہ آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (بیٹھا) ایک شانہ پر لکھ رہا تھا۔ لا یستوی القاعدون من المؤمنین والمجاہدون، اور اسی وقت حضرت ابن ام مکتومؓ جو آپ کی خدمت میں تشریف فرما تھے، عرض کیا

---

[1] تنبیہ: یعنی حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود کے ظاہری معنی سے بعض صحابہ کرام کو سفید و سیاہ دھاگوں کا جو شبہ ہوا تو قرآن نے من الفجر کہہ کر زائل کر دیا اور لا یستوی القاعدون من المؤمنین والمجاہدون (الآیۃ) کے ظاہری عموم سے معذوروں کے بارے میں یا بالخصوص ابن ام مکتومؓ کی طرف سے جو سوال ہوا قرآن نے غیر اولی الضرر کا اضافہ کر کے اس کا جواب دے دیا۔ (ع)

[2] جیسے: لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وآمنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا واحسنوا (ع)۔

یا رسول اللہ، قد انزل اللہ تعالیٰ فی فضل الجہاد ما انزل وانا رجل ضریر فھل لی من رخصۃ؟ اللہ تعالیٰ نے فضیلت جہاد کے سلسلہ میں جو آیت نازل فرمائی ہے اس کا کیا کہنا! لیکن میں نابینا ہوں تو کیا میرے لئے کچھ چھوٹ ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں جانتا ہوں — حضرت زید کہتے ہیں: ابھی میرا قلم خشک بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ پر وحی کی آمد شروع ہو گئی۔ اس دوران آپ کی ران مبارک میری ران پر پڑ گئی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وحی کے بوجھ سے میری ران ٹوٹ جائے گی۔ پھر آپ کو افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا: اکتب یا زید: غیر اولی الضرر[1]

دوسری مثال:- سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ آیت کریمہ والذین لایدعون مع اللہ الٰھا اٰخر، مھانا تک نازل ہوئی تو مشرکین کہنے لگے: وما یغنی عنا الاسلام وقد عدلنا باللہ وقد قتلنا النفس التی حرم اللہ الا بالحق واتینا الفواحش کہ ہم نے اللہ کے ساتھ شرک بھی کیا ہے، ہم قتل ناحق کے بھی مجرم ہو چکے ہیں، اور بدکاریاں بھی ہم کرتے رہے ہیں، تو اسلام ہمارے کس کام آ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے: الا من تاب وآمن وعمل عملا صالحا الی آخر الآیۃ کا نزول فرمایا[2]۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب: والذین لایدعون الآیۃ کا نزول ہوا تو بعض صحابہ اکبیدہ خاطر اور رنجیدہ ہو کر کہنے لگے کہ دور جاہلیت میں تو ہم شرک و قتل کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے (ان کی تسلی کے لئے) الا من تاب الخ کا نزول فرمایا[3]۔

تیسری مثال: ارشاد ربانی: والشعراء یتبعھم الغاوون حتی قولہ یقولون ما لا یفعلون، کا نزول ہوا تو شعراء صحابہ (عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک، حسان بن ثابت) رو پڑے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بے چینی و بے کلی کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ نے الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وذکروا اللہ کثیرا وانتصروا من بعد ما ظلموا (الآیۃ) نازل فرما دی[4]۔

---

[1] رواہ مالک عن الزہری عن خارجۃ بن زید (درج اللمعات ج ۵ ص ۲۱۲) وروی البخاری ومسلم نحوہ باسناد آخر ص ۲۱۰ ج ۲ [2] رواہ مسلم ج ۲ ص ۴۲۴ [3] در منثور، عن عبد بن حمید عن ابی مالک ج ۵ ص ۷۹ [4] اخرجہ ابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید وابو داؤد فی ناسخہ وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ عن ابی حسن سالم البراد (در منثور ج ۵ ص ۹۹)

وقد يذكر الصحابة تقدمًا وتأخرًا والمراد بذلك التقدم والتأخر الرتبي كما قال ابن عمرؓ في آية. "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ" هذا قبل ان تنزل الزكوة فلما نزلت جعلها الله طهرة للاموال. ومن المعلوم ان سورة براءة متأخرة في النزول وهذه الآية في تضاعيف القصص المتأخرة وكانت فرضية الزكوة متقدمة بسنين ولكن مراد ابن عمر تقدم الاجمال رتبة على التفصيل۔

ترجمہ: اور کبھی صحابہ تقدم و تأخر کا تذکرہ کرتے ہیں، اور اس سے مراد رتبہ (اور حیثیت) کا تقدم و تأخر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن عمرؓ نے آیت کریمہ "والذین" الخ کے بارے میں فرمایا: یہ زکوٰۃ (کا حکم) نازل ہونے سے پہلے (کی وعید) ہے۔ پھر جب اس کا نزول ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس (زکوٰۃ) کو مالوں کی پاکی (کا ذریعہ) بنا دیا۔[لہ] اور یہ معلوم ہے کہ سورۂ براءت سورتوں میں (سب سے) مؤخر ہے۔ اور یہ آیت آخری قصوں کے ذیل میں ہے۔ اور کئی سال پہلے زکوٰۃ کی فرضیت ہو چکی تھی۔ لیکن ابن عمرؓ کی مراد اجمال کا رتبہ میں مقدم ہونا ہے تفصیل پر۔

فائدہ: حضرت ابن عمرؓ سورۂ براءت کی ایک آیت "والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم" کے بارے میں فرماتے ہیں "کان ھذا قبل ان تنزل الزکوٰۃ" جبکہ زکوٰۃ سورۂ براءت کے نزول سے پہلے فرض ہو چکی تھی[کہ] تو لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زکوٰۃ اس آیت سے پہلے فرض ہو چکی تھی تو اس

لہ کتاب الزکوٰۃ البخاری [illegible] (ص ۲۰۰)

کہ [illegible] ابن ماجہ [illegible] عن ابن عمرؓ [illegible] الزکوٰۃ [illegible] (ص ۳۰۳)

کہ یہ کہ زکوٰۃ [illegible] سے پہلے ہی فرض ہو چکی ہے۔ اور سورۂ براءت [illegible] حضرت ابن عمرؓ [illegible] عنہ قال لما نزلت ہذہ الآیۃ والذین یکنزون الذھب والفضۃ کبر ذلک علی المسلمین [illegible] فقال عمر [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] (ص ۲۳۳)

آیت کریمہ یا زکوٰۃ پر مقدم کیسے کہا جا سکتا ہے ۔ ؟ مصنف علامؒ نے اس طعن کا حل یہ بتایا ہے کہ جہاں کہیں اس قسم کا تعارض نظر آئے وہاں تقدم وتاخر سے حقیقی اور زمانی تقدم وتاخر نہ مراد لیا جائے بلکہ رتبی تقدم وتاخر مراد لیا جائے تو اشکال ختم ہو جائے گا ۔ گویا حضرت ابن عمرؓ کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ آیت کریمہ الذین یکنزون مجمل ہے اور زکوٰۃ سے متعلق آیات واحادیث اس کی تفصیل وتفسیر ہیں لہٰذا الاجمال یتقدم علی التفصیل ۔ کے مطابق آیت کنز رتبۃً مقدم ہے ۔

وبالجملۃ فشرط المفسر لا یزید علی نوعین من ہٰذہ الانواع الاول قصص الغزوات وغیرہا مما وقع فی الآیات الایماء الی خصوصیاتہا فما لم تعلم تلک القصص لا یتأتی فہم حقیقتہا والثانی فوائد بعض القیود وسبب التشدد فی بعض المواضع مما یتوقف علی معرفۃ حال النزول وہٰذا المبحث الاخیر فی الحقیقۃ فن من فنون التوجیہ ۔

ترجمہ:- الحاصل مفسر کی شرط ان انواع میں سے دو نوعوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی ہے ۔ پہلے غزوات وغیرہ کے وہ قصے جن کی خصوصیات کی طرف آیات میں اشارے موجود ہیں کیونکہ جب تک وہ قصے معلوم نہ ہوں گے ان کی حقیقت کا سمجھنا آسان نہ ہوگا ۔ اور دوسرے بعض قیود کے فوائد اور بعض مقامات پر تشدد کا سبب جو نزول کی حالت (یا سبب) سے واقف ہونے پر موقوف ہوتا ہے ۔ اور یہ آخری بحث درحقیقت توجیہ کے فنوں میں سے ایک فن ہے ۔

فائدہ:- قصص الغزوات اور فوائد اور سبب التشدد سے پہلے لفظ ”علم“ مضاف محذوف ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اسباب نزول ۔ کا بیان بہت وسیع ہے ۔ اس کی ایک ایک جزئی کا ذہن نشین کرنا آسان نہیں ۔ پھر آیات کریمہ کے تحت صحابہ وتابعین کے اقوال کثیرہ کو یاد رکھنا بھی مشکل کام ہے ۔ اس لئے قرآن فہمی یا تفسیر قرآن کے لئے ان جزئی واقعات یا اقوال کا علم ضروری نہیں

---

[1] [illegible]
[illegible]
[illegible]

بلکہ صرف تین چیزوں کا علم ضروری ہے۔ نمبر۱ آیات قرآنی میں آئی غزوات اور جنگوں کی طرف تعریضات موجود ہیں ان کا علم ہو۔ نمبر۲ قرآنی آیات کی شرائط وقیود کی حیثیت اور ان کے اسباب وفوائد کا علم ہو۔ نمبر۳ بعض مقامات پر قرآن کے اسلوب میں ایسی شدت وسختی پائی جاتی ہے جو لطف ایزد رب کریم کی وسعت رحمت کے شایان شان نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اس طرز گفتگو کا سبب اور اس کا مصداق بھی معلوم ہونا چاہئے۔ نمبر۱ کی تفصیل تذکرہ سے پہلے گزر چکا۔ نمبر۳ کی تفصیلات اگلی عبارت میں حضرت ماتن نے خود بیان کی ہیں۔ نمبر۲ کی مثال ارشاد ربانی۔ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ۔ ہے۔ آیت توبہ، جو جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوا تھا جس نے غزوۂ تبوک میں شرکت سے جان بچانے کے لئے یہ بہانہ بازی کی تھی کہ میں عورتوں کا دلدادہ ہوں، اور رومیوں کی عورتیں حسین ہوتی ہیں اس لئے جنگ میں شرکت میرے لئے دینی ضرر کا سبب ہو سکتی ہے۔ لہٰذا میں خود تو نہیں شریک ہو سکتا ہوں البتہ مال وزر سے تعاون کروں گا۔ چونکہ یہ منافق تھا اس لئے رب العالمین نے کمال استغناء کے ساتھ فرما دیا: خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تمہاری طرف سے اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز قبول نہیں کریگا کیونکہ تم فاسق وکافر ہو۔ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِيْنَ۔ وقس على هذا۔

هذا ما تلقيت فارجوا ان يكون صوابا والله اعلم بالصحيح۔

ماتن علیہ الرحمۃ نے نمبر دوم کو توجیہ کی قسم قرار دی ہے۔ آگے توجیہ کی وضاحت پیش فرما رہے ہیں۔

ومعنى التوجيه بيان وجه الكلام وحاصل هذه الكلمة انه قد تكون في آية من الآيات شبهة ظاهرة من استبعاد صورة هي مدلول الآية او تناقض بين الآيتين او اشكال تصور مصداق الآية على ذهن المبتدي او خفاء فائدة قيد من القيود عليه فاذا حل المفسر هذا الاشكال سمي ذلك الحل توجيها۔

ترجمہ: اور توجیہ کے معنی ہیں مقصد کلام کی وضاحت کرنا۔ اور اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ کبھی کبھی کسی آیت میں کوئی ظاہری شبہ ہو جاتا ہے جس کا سبب اس شکل (یا منظر)

ــہ یہ میری عبارت کا ترجمہ ہے۔ خورشید انور

کا مستبعد ہونا ہے جو آیت کا مدلول ہے۔ یا دو آیتوں میں تعارض ہے یا آیت کے مصداق اور محل کے تعین کا مبتدی کے ذہن پر مشتبہ اور دشوار ہو جاتا ہے۔ یا کسی قید کے فائدہ کا اس کے حق میں مخفی اور پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ تو جب مفسر اس اشکال کا حل تلاش کرے تو اس حل کو توجیہ کہا جاتا ہے۔

فائدہ۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں کچھ آیتیں ایسی ہیں جہاں پہونچکر مبتدی کا ذہن تشویش کا شکار ہو جاتا ہے۔ آیت کا مصداق متعین کر کے اس تشویش کو ختم کر دینا مفسرین کی اصطلاح میں توجیہ کہلاتا ہے۔ ماتن نے اس تشویش کے چار اسباب یہاں ذکر کئے ہیں۔

وضاحت: استبعاد صورۃ یعنی قرآن کے بیان سے جو منظر یا شکل و ہیئت سامنے آتی ہے وہ چونکہ معہود و مروج نہیں ہے اس لئے انسان آیت کے مضمون و مفہوم کو استبعاد کی نظر سے دیکھتا ہے اور حیران و پریشان ہوتا ہے۔ جیسے مثلاً قرآن کہتا ہے ونحشرهم يوم القيامة على وجوههم عميا وبكما وصما (بنی اسرائیل) ہم قیامت کے روز کافروں کو اندھا گونگا اور بہرا کر کے منہ کے بل چلائیں گے۔ منہ کے بل چلنے کا رواج و معمول نہیں ہے۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کی کیا شکل ہوگی؟ چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق حضرات صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کیف یحشر الناس علی وجوههم؟ آپ نے جواب دیا: جو ذات پیروں سے چلاتی ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔

(تعارض) دو آیتوں میں تعارض بھی تشویش اور شکوک و شبہات کا سبب بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک آیت میں بتایا گیا ہے کہ نفخ صور کے بعد میدان حشر میں سارے رشتے ناطے ختم ہو جائیں گے۔ لوگ باہم سوال و جواب اور گفتگو نہیں کریں گے فاذا نفخ في الصور فلا انساب بينهم يومئذ ولا يتساءلون. (مؤمنون) اور دوسری آیت میں فرمایا واقبل بعضهم على بعض يتساءلون اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب کریں گے۔ یہ تعارض بعض حضرات کے لئے باعث تشویش ہوا حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں سوال پیش کیا گیا۔ حضرت نے فرمایا سوال و جواب کی نفی کا تعلق روز حشر سے ہے۔ اور اس کے ثبوت کا تعلق جنت میں داخل ہو جانے کے بعد سے ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ ولا يكلمهم الله يوم القيامة اور فوربك لنسألنهم اجمعين میں بظاہر تعارض ہے لیکن چونکہ نفی کا تعلق بیہودہ و لغو گفتگو سے ہے۔ اور سوال کا تعلق زجر و توبیخ سے ہے۔

آسانی سے تعارض ختم ہوگیا۔ (نمبر ۴) مصداقِ آیت کے بارے میں کسی کو مکمل شرحِ صدر نہیں ہو پاتا کسی عارض کی وجہ سے اس کا دل و دماغ تردد و تذبذب کا شکار رہ جاتا ہے۔ مثلاً یَا اُخْتَ هٰرُوْنَ سے حضرت مریم کا مراد ہونا ایک صحابی پر اس وجہ سے مشتبہ ہوگیا کہ غیر مسلموں نے ان کے سامنے یہ اعتراض کردیا تھا کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے درمیان فاصلہ کی مدت بہت طویل ہے۔ لہٰذا حضرت ہارون جو حضرت موسیٰ کے ہم عصر ہیں والدۂ عیسیٰ حضرت مریم کے بھائی نہیں ہوسکتے ہیں۔ پھر قرآن نے انہیں اُختِ ہارون کیونکر کہا ہے۔ یہ اعتراض نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے فرمایا بنی اسرائیل میں سلفِ صالحین کے نام پر نام رکھنے کا رواج تھا (ہارون سے حضرت ہارونؑ نہیں بلکہ ان کے ہم نام جو حضرت مریم کے بھائی مراد ہیں۔)

(نمبر ۵) آیت کی شرائط و قیود میں سے کسی قید کے مقصد اور اس کی حیثیت تک ذہن کی رسائی نہ ہوسکے تو تشویش پیدا ہو جاتی ہے، اور اس کا حل پیش کرنا توجیہ ہے۔ مثلاً آیتِ قصر میں اِنْ خِفْتُمْ کی قید کے بارے میں حضرت عمر بن خطاب اور بہت سے صحابۂ کرام کو تشویش ہوئی۔ اور حضرت عمر بن خطاب کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ قید اتفاقی ہے۔ اس کا مقصد نزولِ آیت کے وقت کے پُرخطر احوال کا بیان کرنا تھا نہ کہ حکم کی تعلیق و تقیید۔

تنبیہ: [illegible] کے علاوہ یہ مثالیں جو خود کتاب کی اصل عبارت میں موجود ہیں مستقلاً ان کے ساتھ ساتھ بیان کی غرض سے [illegible] درج کردی گئی ہیں۔ اب آپ وہ عبارت اور ترجمہ ملاحظہ کریں۔

كَمَا فِي آيَةِ يَا أُخْتَ هٰرُوْنَ، فَإِنَّهُمْ سَئَلُوْا عَمَّا اسْتَشْكَلُوْهُ مِنْ أَنَّهُ كَانَ بَيْنَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ مُدَّةٌ كَثِيْرَةٌ فَكَيْفَ يَكُوْنُ هٰرُوْنُ أَخَا مَرْيَمَ؟ وَكَأَنَّ السَّائِلَ أَضْمَرَ فِيْ خَاطِرِهٖ أَنَّ هٰرُوْنَ هٰذَا هُوَ هَارُوْنُ أَخُوْ مُوْسٰى فَأَجَابَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ كَانُوْا يُسَمُّوْنَ بِأَسْمَاءِ الصَّالِحِيْنَ مِنَ السَّلَفِ وَكَمَا سَأَلُوْا كَيْفَ يَمْشِي الْإِنْسَانُ يَوْمَ الْحَشْرِ عَلٰى وَجْهِهٖ؟ فَقَالَ إِنَّ الَّذِيْ أَمْشَاهُ فِي الدُّنْيَا عَلٰى رِجْلَيْهِ لَقَادِرٌ أَنْ يُمْشِيَهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ۔

اللغات:۔ استشکلوا: استشکل الامر سے بمعنی مشتبہ ہونا۔ اولو تو اس لفظ کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اصل عبارت۔ مبنا کر دو آیت یا اخت ہارون سوال کو بمعنی سیاں حضرت موسیٰ وغیرہ ہے مناسب یہ عبارت صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح۔ استشکل علیہم ہے جو ترجمہ اس کا کیا جائے گا۔ اضمر: اضمار سے چھپانا۔ خاطر: دل۔

ترجمہ:۔ جیسا کہ آیت کریمہ یا اخت ھرون میں ہوا کہ جس پر لوگوں کو شبہ کے بارے میں آپ سے سوال کیا جو ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بہت فاصلہ ہے تو ہارون مریم کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں۔ گویا سائل نے اپنے دل میں یہ بات پوشیدہ رکھی کہ یہ ہارون وہی ہارون ہیں جو حضرت موسیٰ کے بھائی تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ بنی اسرائیل سلف صالحین کے ناموں پر نام رکھا کرتے تھے۔ اور جیسا کہ سوال کیا۔ انسان محشر کے روز منہ کے بل کیسے چلے گا۔ تو آپ نے فرمایا جس اللہ نے اسے دنیا میں اس کے پیروں سے چلا رکھا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی یقیناً قادر ہے۔

وكما سألوا ابن عباسؓ عن وجه التطبيق بين قوله تعالى. فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ. وبين آية أُخرى. وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ. فقال رضي الله عنه عدم التساؤل يوم الحشر والتساؤل بعد دخول الجنة. وسألوا عائشة رضي الله عنها فقالوا ان كان السعي بين الصفا والمروة واجبا فما وجه لا جناح. فاجابت رضي الله عنها بان قوما كانوا يتجنبونه بهذا السبب قال عز وجل. لا جناح. وعمر رضي الله عنه سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن قيد. إِنْ خِفْتُمْ. ما معناه؟ فقال صلى الله عليه وسلم. صدقة تصدق الله بها، يعني لا يكون عند الكريم وفي الصدقة مضايقة فلو يذكر الله سبحانه وتعالى هذا القيد للمضايقة بل القيد اتفاقي و امثلة التوجيه كثيرة والمقصود التنبيه على معناه.

ترجمہ :- اور جیسا کہ لوگوں نے ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فإذا نفخ في الصور" الخ اور دوسری آیت "وأقبل بعضهم" الخ کے درمیان تطبیق کی صورت پوچھی[1] تو آپ نے فرمایا: عدم تساؤل (سوال وجواب) نفخۃ الحشر کے روز ہوگا اور سوال وجواب جنت میں داخلہ کے بعد ہوگا۔ اور سوال کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بعض لوگوں نے کہا کہ اگر سعی بین الصفا والمروۃ واجب ہے تو "لا جناح" (کچھ حرج نہیں) کیا وجہ ہے؟ تو ام المؤمنین نے جواب دیا کہ کچھ لوگ اس سے بچتے تھے اور سعی کو معیوب گناہ سمجھتے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے "لا جناح" فرمایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے "إن خفتم" کی قید کے بارے میں سوال کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا "صدقة تصدق الله بها" یعنی شرعًا اور اخلاق کے حساب صدقہ (اور نوازش) میں تنگی نہیں ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تنگی پیدا کرنے کے لئے یہ قید نہیں ذکر فرمائی ہے بلکہ فقط اتفاقی ہے۔ اور توجیہ کی مثالیں بہت ہیں لیکن یہاں (ان کا احاطہ نہیں بلکہ) اس کے معنی پر متنبہ کرنا مقصود ہے۔

ومما يناسب عندي أن أذكر في الباب الخامس ما نقل البخاري والترمذي والحاكم في تفاسيرهم من أسباب النزول وتوجيه المشكل بسند جيد إلى الصحابة أو إلى حضرته صلى الله عليه وسلم بطريق التنقيح والاختصار لفائدتين الأولى أن يحفظ هذا القدر من الآثار ولا بد منه للمفسر كما لا بد مما ذكرنا من شرح غريب القرآن والأخرى أن يعلم أن أكثر أسباب النزول لا مدخل لها في فهم معاني الآيات اللهم إلا شيئا قليلا من القصص يذكر في هذه التفاسير الثلاثة التي هي أصح التفاسير عند المحدثين۔

---

[1] أخرجه ابن جرير والحاكم وصححه [illegible] عن ابن عباس أنه سئل عن قوله [illegible] فقال: أما قوله: ولا يتساءلون فهذا في النفخة الأولى حين لا يبقى على الأرض شيء، وأما قوله: وأقبل بعضهم على بعض يتساءلون فإنهم لما دخلوا الجنة أقبل بعضهم على بعض يتساءلون [illegible] [illegible] [illegible] فتح الملهم [illegible]

[illegible] یہ اللہ کا فضل اور احسان ہے جو اس نے تم پر کیا ہے۔

ترجمہ:- اور ان چیزوں میں سے جو میری نظر میں مناسب ہیں یہ ہے کہ بخاری و ترمذی اور حاکم نے اپنی اپنی تفسیروں میں جو شانِ نزول یا حلِ مشکل کی توجیہ صحابہ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم تک پہنچنے والی عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے اسے دو فائدوں کے پیشِ نظر توضیح و اختصار کے طریقہ پر پانچویں باب میں ذکر کروں۔ پہلا فائدہ یہ کہ اتنی مقدار میں آثار کا یاد کرنا مفسر کے لئے ضروری ہے جیسا کہ غرائب القرآن کی وہ شرح ضروری ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ معلوم ہو جائے گا کہ اکثر شانِ نزول کا کوئی دخل نہیں ہے آیتوں کا مطلب سمجھنے میں، البتہ گمر وہ چند قصے جن کو ان تینوں تفسیروں میں ذکر کیا جاتا ہے، جو محدثین کی نظر میں تمام تفسیروں میں سب سے زیادہ صحیح ہیں۔

وأمّا إفراط محمد بن إسحٰق والواقدي والكلبي وما ذكروا تحت كلّ آية من قصة فأكثره غير صحيح عند المحدّثين وفي إسناده نظر ومن الخطأ المبين أن يعدّ ذلك من شروط التفسير والّذي يرى أن تدبّر كتاب الله موقوف على حفظه فقد فات حظّه من كتاب الله وما توفيقي إلّا بالله عليه توكّلت وهو ربّ العرش العظيم

ترجمہ:- بہرحال محمد[1] بن اسحٰق اور واقدی اور کلبی کا افراط (اور ان کی بے احتیاطی) اور جو کچھ

---

[1] محمد بن اسحٰق بن یسار مدینہ کے باشندہ تھے عرب کے قدیم ترین مؤلفین میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ مغازی و سیر میں نمایاں مقام کے حامل تھے منصور عباسی کے لئے «السیرۃ النبویہ» لکھی جسے ابن ہشام نے روایت کیا ہے۔ [illegible] تفسیر و حدیث میں [illegible] چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان میں لکھا ہے [illegible] فی السیرۃ من الاشیاء المنکرۃ المنقطعۃ والاشعار المکذوبۃ [illegible] میں وفات پائی۔ [illegible] الواقدی [illegible] الکلبی [illegible]

(تفصیل کے لئے دیکھئے [illegible])

انہوں نے ایک ایک آیت کے تحت شانِ نزول کے طور پر ذکر کئے ہیں۔ اور ان روایات میں زیادہ تر تو محدثین کی نظر میں غیر صحیح اور غلط ہیں۔ اور ان کی سند میں کلام ہے۔ اور یہ صریح غلطی ہوگی کہ ان کو تفسیر کی شرائط میں شمار کیا جائے اور جس شخص کی رائے یہ ہو کہ کتاب اللہ کا سمجھنا اس کے یاد کرنے پر موقوف ہے تو کتاب اللہ میں اس کا حصہ نہیں رہا۔ اور میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی عرشِ اعظم کا مالک ہے۔

فصلٌ فی بقیۃ مباحث الباب

حذف بعض الاجزاء أو ادوات الكلام مما يوجب الخفاء، وكذلك ابدال شيء بشيء، وتقديم ما حقه التاخير، وتاخير ما حقه التقديم واستعمال المتشابهات والتعريضات والكنايات، خصوصاً تصوير المعنى المراد بصورة محسوسة لازمة[1] لذلك المعنى في العادة والاستعارة المكنية والمجاز العقلي فلنذكر شيئاً من الامثلة[2] لهذه الاشياء بطريق الاختصار لتكون على بصيرة۔

ترجمہ: فصل (چہارم) اس باب کی بقیہ بحثوں کے بیان میں (جملے کے) بعض اجزاء یا کلام کے بعض حروف کا حذف کرنا ان (اسباب) میں سے ہے جو خفا (مرادِ متکلم تک رسائی میں تاخیر) کو مستلزم ہوتے ہیں[3]۔ اور اسی طرح کسی چیز (کلمہ) کے بدلے میں دوسری چیز کو لانا، اور مستحقِ تاخیر کو مقدم کرنا، اور مستحقِ تقدیم کو مؤخر کرنا، اور متشابہات اور تعریضات و کنایات کا استعمال، بالخصوص معنی مرادی کو ایسی محسوس صورت میں پیش کرنا جو عرفاً اس معنی مقصود کے لئے لازم ہو، اور استعارۂ مکنیہ اور مجاز عقلی کا استعمال (یعنی مرادِ متکلم کے مخفی ہونے کو مستلزم

---

[1] قولہ لازمۃ: بعض نسخوں میں یہی ہے۔ لیکن الفوز اور شرح کی تحریر میں ہے (ش) [2] [illegible] ہے جس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ صحیح عبارت یہی ہے جیسا کہ [illegible] ہے۔ (ش) [3] لیکن حذف کلام کے لئے عیب نہیں، بلکہ یہ تحسین کا باعث ہے۔ قال الشيخ عبد القاهر: ما من اسم حذف في الحالة التي ينبغي ان يحذف الا وحذفه احسن من ذكره۔ وسمى ابن جنى الحذف شجاعة العربية لانه يشجع على الكلام (اتقان ج ۲ ص ۵۸)

ہوتا ہے، لہٰذا ہم ان اشیاء کی کچھ مثالیں اختصار کے طریقہ پر ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ تمہیں بصیرت حاصل ہو۔

فائدہ: یہ اسبابِ خفاء کی فہرست ہے۔ جن میں سے تین اسباب (حذف، ابدال، اور تقدیم و تاخیر) کو اسی فصل میں اور چھ اسباب (متشابہ، تعریض، کنایہ، اور کنایہ کی ایک قسم تصویر المعنیٰ الخ، استعارہ مکنیہ اور مجاز عقلی) کو پانچویں فصل میں ذکر کیا جائیگا۔ لیجئے حذف کا بیان پڑھیے۔

اما الحذف فعلى اقسام حذف المضاف والموصوف والمتعلق وغيرها كقوله تعالى "ولكنّ البرّ من آمن" اى برّ من آمن۔ "وآتينا ثمود الناقة مُبصِرةً" اى آيةً مُبصِرةً لا انها مبصرة غير عمياء۔ "واشربوا فى قلوبهم العجل" اى حبّ العجل۔ "اقتلت نفساً زكيّةً بغير نفس" اى بغير قتل نفس۔ "او فساد" اى بغير فساد۔ "من فى السّمٰوٰت والارض" اى من فى السّمٰوٰت ومن فى الارض لان شيئاً واحداً هو فى السّمٰوٰت والارض۔ "ضعف الحيٰوة وضعف الممات" اى ضعف عذاب الحيٰوة وضعف عذاب الممات۔ "واسئل القرية" اى اهل القرية۔ "وبدّلوا نعمة الله كفراً" اى فعلوا مكان شكر نعمة الله كفراً۔ "يهدى للّتى هى اقوم" اى للخصلة التى هى اقوم۔ "بالّتى هى احسن" اى بالخصلة التى هى احسن۔ "سبقت لهم منّا الحسنٰى" "على ملك سليمٰن" اى على عهد ملك سليمٰن۔ "وعدتنا على رسلك" اى على السنة رسلك۔

ترجمہ: بہرحال حذف تو کئی قسموں پر ہے۔ حذفِ مضاف، حذفِ موصوف، حذفِ متعلق اور ان کے علاوہ کا حذف۔ مثلاً قولِ باری "ولکنّ البرّ من آمن" یعنی برّ من آمن۔ "وآتینا ثمود الناقۃ مبصرۃ" یعنی آیۃ مبصرۃ؛ ایسی نشانی کے طور پر جو بصیرت کا ذریعہ تھی، نہ یہ کہ

دو بیٹا تھی جو کر آدمی، وَاُشْرِبُوا فِی قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ، یعنی حب العجل (اور ان کے دلوں میں گوسالہ یعنی گوسالہ کی محبت پیوست کر دی گئی تھی) اَقَتَلْتَ الخ (کیا آپ نے ایک معصوم جان کو مار ڈالا) نفس یعنی قتل نفس کے بغیر) اَوْ فَسَادٍ یعنی بغیر فساد۔ مَن فِی الخ (جو آسمانوں اور زمین میں ہے یعنی جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے) یعنی ایک ایک چیز جو آسمانوں اور زمین (دونوں) میں ہے۔ ضِعْفَ الخ (زندگی کا دوگنا اور موت کا دوگنا یعنی زندگی کا دوہرا عذاب اور موت دوہرا عذاب۔ وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ ای اهل القرية۔ بَدَّلُوا الخ (بدل دیا اللہ کی نعمت کو کفر سے یعنی شکر نعمت کے بجائے ناشکری کی) یَهْدِی الخ (اس کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے یعنی اس راستہ کی جو بالکل سیدھا ہے)۔ بِالَّتِیْ الخ (اس سے جو بہتر ہو یعنی اس بات سے جو بہتر ہو) سَبَقَتْ لَهُمْ الخ (ان کے لیے ہماری طرف سے حسنیٰ یعنی اچھا بول، اچھا فیصلہ یا اچھا وعدہ مقدر ہو چکا ہے) عَلٰى مُلْكِ الخ (سلیمان کی بادشاہت میں یعنی سلیمان کی بادشاہت کے دور میں) وَعْدًا الخ (آپ بغیر [illegible]

فائدہ: کا یہ یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں (۱) حذف کے معنی لغوی ساقط کرنا، معنی اصطلاحی: جملہ کے جز یا کل کو نظر انداز کر دینا۔ حذف کی بعد از چھ قسمیں ہیں اقتطاع، اکتفاء، احتباک، اضمار، تضمین، تمثیل، اختزال۔ اختزال کے لغوی معنی: کاٹنا، اصطلاحی معنی: ایک یا اس سے زیادہ کلموں کو حذف کر دینا۔ ماتن نے حذف کی جو قسمیں اور مثالیں ذکر کی ہیں وہ حذف مطلق کی نہیں، حذف اختزال کی ہیں۔ جبکہ اقتطاع کے علاوہ حذف کی سات قسمیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ کما رأى المحققون من ابن الاثیر وغیرہ بلکہ بعض حضرات کے نزدیک اقتطاع بھی قرآن میں پایا جاتا ہے۔ (ان شئت التفصیل فانظر الاتقان ج ۲ ص ۱۲۱ نوع ۵۰)

سے کلمہ کے کسی جزو کو ذکر کرنا اور باقی کو حذف کر دینا اقتطاع ہے۔ کما فی حدیث کفیٰ بالسیف شا ای شاهداً۔ کسی خاص نکتہ کے پیش نظر، تقاضے کے مقام کے خلاف دو متلازم چیزوں میں سے کسی ایک ہی کا تذکرہ کرنا اکتفاء ہے جیسے بیدك الخير، مقام کا تقاضا تھا کہ والشر کا بھی ذکر ہو کیونکہ یہاں کمال قدرت کا بیان ہو رہا ہے۔ لیکن دو چیزوں کے پیش نظر ایک ہی پر اکتفاء کیا گیا۔ (۱) مقصود کی تعیین (۲) رعایت ادب ولهذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والشر لیس الیک اہ۔ دو کلاموں میں دو چیزوں کا تقابل کرنا ہو ان میں سے صرف ایک ایک مقصود کا تذکرہ کرنا احتباک ہے۔ کقوله تعالیٰ حکایة عن فرعون فمن ربکما یا موسیٰ ۲ دیکھا، کا تقاضا تھا کہ موسیٰ و ہارون دونوں کا تذکرہ ہوتا لیکن مقصود صرف موسیٰ تھے۔ اضمار یہ ہے کہ ایک کلمہ کے تحت ایک ہی [illegible]

(تشریح) مذکورہ عبارات میں حذف کی کل چودہ قسمیں ذکر کی گئی ہیں جن میں نو حذف مضاف کی، دو [illegible] حذف موصوف کی [illegible] اور ایک حذف موصول کی ہے۔ [illegible]

(إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ) أي أنزلنا القرآن وإن لم يسبق له ذكر (حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ) أي توارت الشمس (وَمَا يُلَقّٰهَا) أي خصلة الصبر (وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ) (فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا) أي جعل له نسبا وصهرا (وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهُ) أي من قومه (أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ) أي كفروا نعمة ربهم بنزع الخافض (تَفْتَؤُا) أي لا تفتؤ ومعناه لا تزال (مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى) أي يقولون ما نعبدهم (إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ) أي الذين اتخذوا العجل إلٰهًا (تَأْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ) أي وعن الشمال (فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ إِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ) أي تقولون إنا لمغرمون (لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً) أي بدلا منكم (كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ) أي أمض۔

(بقیہ حاشیہ) دونوں کے لئے معمول ذکر کئے جاتے ہیں لیکن فعل مذکور درحقیقت ایک ہی معمول کا عامل ہوتا ہے، دوسرے معمول کا عامل مقدر ہوتا ہے جیسے کلام عرب میں علفتها تبنا وماء باردا [illegible] والذین تبوؤ الدار و الایمان کہ الایمان کا عامل اعتقدوا یا اخلصوا مقدر ہے۔ ضابطہ کی تفصیل یہ ہے کہ [illegible] حذف کر دیا جاتا ہے [illegible] ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک [illegible] فظا غلیظ القلب، دونوں مقدر ہیں۔ [illegible] علامہ سیوطی نے حذف کی ایک اور قسم ذکر کی ہے جسے احتباک کہتے ہیں [illegible] کے مقابل [illegible] ایک کو حذف کر دیا جاتا ہے [illegible] جیسے فئة تقاتل فی سبیل الله واخری کافرة [illegible] فئة مؤمنة تقاتل فی سبیل الله واخری کافرة تقاتل فی سبیل الطاغوت [illegible] مؤمنة [illegible] کافرة [illegible] تقاتل فی سبیل الله [illegible] تقاتل فی سبیل الطاغوت [illegible] پہلے جملے سے [illegible] دوسرے سے [illegible] حذف کر دیا گیا۔ 2

ترجمہ:- اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ الخ یعنی قرآن کو ہم نے نازل کیا شبِ قدر میں (یہاں ضمیر غائب قرآن کیلئے استعمال ہوئی ہے) اگرچہ اس کا ذکر پہلے نہیں ہوا ہے۔ حَتّٰی تَوَارَتْ الخ یعنی سورج چھپ گیا۔ وَمَا الخ اور وہ یعنی خصلت صبر نہیں نصیب ہوتی ہے۔ وَعَبَدَ الخ اور بندگی کی شیطان کی اس شخص (کی قراءت کے مطابق) جو نصب کے ساتھ پڑھتا ہے یعنی ان (یہودیوں) میں سے، ایسے بھی بنائے جنہوں نے شیطان کی بندگی کی۔ فَجَعَلَہٗ الخ پھر اس کو یعنی اس کے لئے خاندان و سسرالی بنائی۔ وَاخْتَارَ الخ اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے منتخب فرمایا۔ اَلَا اِنَّ عَادًا الخ خوب سن لو، قوم عاد نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی یعنی اپنے پروردگار کی نعمت کی ناشکری کی (رَبَّہُمْ منصوب بنزع الخافض ہے۔ یعنی اصلاً مجرور و مضاف الیہ ہے۔ لیکن عامل جار کو حذف کر کے منصوب کر دیا گیا ہے) تَفْتَؤُا یعنی لَا تَفْتَؤُا اور اس کا معنی ہے لَا تَزَالُ (ہمیشہ تم رہوگے) مَا نَعْبُدُہُمْ الخ ہم ان کی پوجا نہیں کرتے ہیں مگر اس لئے تاکہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں۔ یعنی کہتے ہیں مَا نَعْبُدُہُمْ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ الخ جن لوگوں نے گوسالہ کو بنایا یعنی جن لوگوں نے گوسالہ کو معبود بنا لیا۔ تَاْتُوْنَنَا الخ تم لوگ ہمارے پاس آتے تھے داہنی طرف سے یعنی اور بائیں طرف سے۔ فَظَلْتُمْ الخ پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے۔ ہم تو قرضدار رہ گئے یعنی تم کہوگے اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ۔ وَلَوْ نَشَاءُ الخ اگر ہم چاہتے تو تم سے یعنی تمہارے بدلے فرشتے پیدا کر دیتے۔ کَمَا الخ جیسا کہ آپ کو آپ کے رب نے روانہ کیا یعنی (کَمَا الخ فعل محذوف) اِمْضِ کے متعلق ہے جس کے معنی ہیں، گزر جائیے، کر ڈالئے۔

فائدہ :- اس عبارت میں بھی حذف کی چودہ ہی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اول الذکر تین مثالیں مرجع ضمیر کے حذف (یا اضمار بلا ذکر مرجع) کی ہیں۔

یادداشت : دوسری مثال میں دوسرا قول یہ ہے کہ "توارت" کی ضمیر کا مرجع "الصافنات" ہے ابن مالک اور ابن عربی کی یہی رائے ہے۔ اور چونکہ اس صورت میں "مؤنث ضمیروں" کے مرجع میں توافق ہو جاتا ہے۔ اور ضمائر کا توافق ان کے تخالف سے بہتر ہوتا ہے۔ اس لئے زرکشی نے برہان میں اسی

---

[1] مؤنث ضمیریں دو ہیں۔ جن کے لئے پڑھئے۔ فَقَالَ اِنِّیْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ رُدُّوْہَا عَلَیَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ۔ "ھا" کا مرجع الصافنات ہے۔ لہٰذا اگر توارت کا بھی یہی مرجع ہو تو توافق ہو جائے گا ورنہ تخالف۔

قول کو ترجیح دی ہے۔

تاللہ۔ تفتؤ تذکر کا منفی جواب قسم ہے۔ یعنی اصل میں لا تفتؤ تھا۔ لا کو حذف کر دیا گیا کیونکہ اگر مثبت جواب قسم ہوتا تو پھر لام تاکید اور نون تاکید لانا ضروری ہوتا۔ حذف کی دلیل یہی ہے۔ (الاتقان ج ۲ ص ۷۹) چوتھی مثال حذف موصول کی ہے۔ اس صورت میں جبکہ مشہور قراءت کے مطابق۔ الطاغوت۔ کو۔ عبد۔ فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے۔ ورنہ حمزہ کی قراءت میں۔ الطاغوت۔ عبد۔ جر کا مضاف الیہ ہو کر مجرور ہے۔ بعد کی دو مثالیں، حذف حرف جر کی ہیں۔

ساتویں مثال حذف مضاف کی، آٹھویں۔ لا نفی۔ کے حذف کی۔ نویں اور بارہویں حذف قول[1] کی، دسویں اور تیرہویں حذف مفعول کی ہیں۔ گیارہویں میں معطوف[2] مع حرف عطف کا حذف ہے۔ اور چودہویں میں اصل (یا حرف جر کے متعلق) کا حذف ہے۔

وليعلم ان حذف، خبر ان، او جزاء الشرط، او مفعول الفعل، او مبتدأ الجملة، او، ما اشبه ذلك، مُطَّرِدٌ في القرآن اذا كان فيما بعد دلالة على حذفه: فلو شاء لهداكم اجمعين) اي لو شاء هدايتكم لهداكم (الحق من ربك) اي هٰذا الحق من ربك (لا يستوي منكم من انفق من قبل الفتح وقٰتل اولٰٓئك اعظم درجةً من الذين انفقوا من بعد وقٰتلوا) اي، لا يستوي من انفق من قبل الفتح ومن انفق من بعد الفتح۔ فحذف الثاني لدلالة قوله: اولٰئك اعظم درجةً من الذين انفقوا من بعد) واذا قيل لهم اتقوا ما بين ايديكم وما خلفكم لعلكم ترحمون۔ وما تأتيهم من اٰية من اٰيٰت ربهم الا كانوا عنها معرضين) اي اذا قيل لهم اتقوا ما بين ايديكم وما خلفكم اَعْرَضُوْا۔

---

[1] دیکھئے الفوز ص ۔ جبکہ جمہور مفسرین کی رائے میں [illegible] ہے۔

[2] الزرکشی: فیه حذف الفاعل! العوذ، السیوطی: حذف الفاعل لا یجوز الا فی فاعل المصدر ویجوز مطلقا للدلیل وخرج علیه [illegible] (البرہان [illegible] الاتقان [illegible])
[illegible]

ترجمہ: اور یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ کبھی ان اجزائے شرط یا مفعول یا فعل یا مبتدا و خبر یا اس جیسی چیز کا حذف قرآن میں شائع و ذائع ہے جبکہ ان کے یا ان میں شئ مذکور کے حذف پر کوئی دلالت (قرینہ) موجود ہو۔ جیسے فلو شاء لهداكم اجمعين (اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت دیتا) یعنی اگر تمہاری ہدایت چاہتا تو تم کو ہدایت دیتا۔ الحق من ربکم (حق تمہارے رب کی طرف سے ہے) یعنی یہ حق ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے۔ لا یستوی منکم الخ (تم میں سے جس نے فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا وہ برابر نہیں ہو سکتا ہے۔ ان کے درجے ان سے بہت بڑھے ہوئے ہیں جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا) یعنی وہ جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جس نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ لیکن دوسرا حذف کر دیا گیا اللہ کے ارشاد اولئک اعظم الخ کی دلالت کی وجہ سے۔

(بقیہ حاشیہ)

لہ الا جیسے موقع پر [illegible] کا مضمون [illegible] قرآن [illegible] ہیں لیکن علامہ انور شاہ کشمیری کی نظر [illegible] ہے، جیسا کہ بعض [illegible] لہ [illegible] من الشیخ العلیم۔ [illegible] حذف و تقدیر [illegible] ہو جاتی ہے کیونکہ ایسے موقعوں پر قرآن [illegible] مستقبل کے لفظوں کو حکایت حال [illegible] مطلوب [illegible] کیا جاتا ہے [illegible] واقعات [illegible] کی طرح خوب ذہن نشین کر سکے [illegible] قول کی تقدیر کے بعد کلام [illegible] مطلب [illegible] حکایت ماضی [illegible] حکایت مستقبل کے اسلوب [illegible] ہے [illegible] اور اسلوب قرآن کے مطابق ہے۔

مومنین کے [illegible] مستقبل کا مضمون حکایت حال کے اسلوب میں پیش کیا گیا ہے [illegible] کے بعد [illegible] کوئی سوال [illegible] اگر یہی مضمون مستقبل کے صیغوں سے بیان کیا جاتا تو کلام کا [illegible] لطف ختم ہو جاتا [illegible] قرآن [illegible] ہوتا ہے

[illegible] الاستقبال [illegible] العرب [illegible] [illegible] بقوله [illegible] [illegible] جملة مستقلة [illegible] [illegible] فيه [illegible] بقوله [illegible] [illegible] [illegible] ذلك [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] فيه حذف بعض اجزاء الجملة [illegible] الحذف [illegible] [illegible] [illegible] جیسا کہ حضرت شیخ [illegible] کا ترجمہ ہے لیکن [illegible] [illegible] [illegible] کی وجہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] والقهر [illegible] [illegible] [illegible]

واذا قیل لہم اتقوا اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے (یعنی دنیا میں آسکتا ہے) اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحمت کی جاوے، اور ان کے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس ایسی نہیں آتی ہے جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں یعنی جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تو وہ ذرا پرواہ نہیں کرتے۔

فائدہ: یہاں سے حذف سے متعلق چند اہم تنبیہات کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے۔ ایک تنبیہ اس عبارت میں مذکور ہے کہ۔ انّ حرف مشبہ بالفعل کی خبر، اور شرط کی جزا، اسی طرح خبر کا مبتدا، جملوں میں ان تینوں کو اگرچہ عمودی حیثیت حاصل ہوتی ہے پھر بھی قرآن میں ان تینوں کا حذف کثرت سے ہوتا ہے۔ اسی طرح فعل کا مفعول بھی بکثرت محذوف ہوتا ہے۔ ہاں البتہ ما سوا ذلک سے جملہ کے وہ اجزاء مراد لیے جا سکتے ہیں جو بکثرت حذف کیے جاتے ہیں جیسے معطوف مع حرف عطف جس کی ایک مثال و ما یستوی منکم ہے قرآن میں ان اجزاء کا حذف جہاں کہیں بھی ہے وہاں محذوف پر دلالت کرنے والا کوئی نہ کوئی قرینہ موجود ہے لہذا اشکال کی گنجائش نہیں ہے۔ اپنے محل اور کے ساتھ مثالوں کی مطابقت بہت واضح ہے۔ لہذا ہم اس سے صرف نظر کرتے ہیں، لیکن حذف خبر ان کی مثالیں ضرور پیش کروں گا کیونکہ اس کی مثال نہ متن میں ہے اور نہ شرحوں میں نظر آتی۔ (۱) ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات انا لا نضیع اجر من احسن عملا۔ (۲) ولو ان قرانا سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتی بل لله الامر جمیعا۔

ولیعلم ایضا ان الاصل فی مثل۔ واذ قال ربک للملٰئکۃ۔۔ واذ قال موسٰی ان یکون اذ ظرفا لفعل من الافعال والنکتۃ نقل ههنا المعنی التهويل والتخويف۔ فمثل ذلك مثل من يذكر انواع الهائلة او الوقائع الهائلة على سبيل التعداد من غير تركيب جملة ومن غير وقوعها في حيز الاعراب بل المقصود من ذكرها ان ترتسم صورتها في ذهن المخاطب وليستولي من تلك الحوادث خوف على ضميره

فالتحقیق انہ لا یلزم فی مثل ہذہ المواضع تفتیش العامل۔ واللہ اعلم

اللغات:- اتھوس: خوف زدہ و مرعوب کرنا، گھبراہٹ میں ڈالنا۔ ہائلۃ: خوفناک۔ ترتسم (افتعال) سے نقش ہونا، جاگزیں ہونا۔ رسم علی الورق لکھنا۔ رسمت الناقۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اونٹنی کا تیز دوڑنا اور زمین پر کھر سے نقوش چھوڑ جانا۔ یستولی: استیلاء سے غالب آنا۔

ترجمہ:- اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ واذ قال ربک للملٰئکۃ، اور واذ قال موسیٰ جیسی آیتوں میں اصل یہ ہے کہ اذ کسی فعل کا ظرف ہو لیکن یہاں تہویل و تخویف کے معنی کے لئے نقل کر دیا گیا ہے۔ تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ڈراؤنی جگہوں اور خوفناک امور یا واقعات کا تذکرہ مشہور کے طریقہ پر کرے جملہ کی ترکیب اور اس کے محل اعراب کیا ہونے کی رعایت کے بغیر بلکہ ان کے تذکرہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان (مذکورہ واقعات و مقامات) کا نقشہ مخاطب کے ذہن میں اچھے طور پر نقش ہو جائے اور اس حادثہ کا خوف اس کے دل اور دماغ پر حاوی ہو جائے لہٰذا تحقیق یہ ہے کہ اس جیسے مواقع پر عامل کی جستجو غیر ضروری ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ:- یہ دوسری تنبیہ ہے تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ سیوطیؒ نے اذ کے چار معانی ذکر کئے ہیں۔ ظرفیت، تعلیل، تاکید اور تحقیق۔ لیکن ابن ہشام کے حوالہ سے آخری دو معانی کی تردید بھی کر دی ہے اور جمہور معنی تعلیل کے بھی منکر ہیں۔ ظرفیت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ اذ گزشتہ زمانہ کا معنی دے۔ اسی معنی میں کثیر الاستعمال ہے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ اذ یا تو ظرف و مفعول فیہ بنتا ہے۔ یا اسم ظرف کا مضاف الیہ ہوتا ہے جیسے فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا الآیۃ اور بعد اذ ہدیتنا، یومئذ تحدث اخبارہا، وانتم حینئذ تنظرون وغیرہ۔ اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ اذ مفعول بہ ہوتا ہے جیسے واذکروا اذ کنتم قلیلا۔ عموماً قصص و واقعات کے اوائل میں جو اذ آتا ہے وہ اذکر فعل مقدر کا مفعول بہ ہوتا ہے۔ یا اذکر ملفوظ کے مفعول بہ سے بدل ہوتا ہے جیسے واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت میں اذ مریم سے

بدل الاشتمال ہے۔ اور اس کی نظیر یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ ہے۔ اسی طرح اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء میں اذ، نعمۃ اللہ سے بدل الکل ہے۔ لیکن جمہور کا مسلک یہ ہے کہ واذکروا اذ کنتم قلیلا جیسی مثالوں میں اذ، مفعول بہ محذوف کا ظرف ہوتا ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم۔ اذ لہذا انعم۔ ظرف ہے۔ نعمۃ اللہ کا۔ اور واذکر فی الکتاب مریم اذ جیسی مثالوں میں مفعول کے مضاف محذوف کا ظرف ہوتا ہے۔ اصل عبارت واذکر فی الکتاب قصۃ مریم ہے۔ لہذا اذ انتبذت۔ قصۃ کا ظرف ہے۔ ویؤیّد ذلک التصریح بہ فی واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء الآیۃ زادہ علی البیضاوی۔ **الحاصل** جمہور اسے ظرف ہی بتاتے ہیں۔

ہماری رائے۔ جہاں تک اصول و ضوابط کی بات ہے اس میں شک نہیں کہ اذ قصص میں اذ ظرفیہ ہی آتا ہے جس کے لئے فعل عامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن قرآن میں چونکہ تہویل وتخویف کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور ظرفیت معتبر نہیں ہے۔ لہذا عامل کی بھی ضرورت نہیں رہ گئی کیونکہ ان واقعات کے تذکرہ سے قرآن کا مقصد اللہ کی گرفت کے خوفناک مناظر اور لرزہ براندام کر دینے والے احوال کے ذریعہ مخاطب کے دل و دماغ کو جھنجھوڑنا، اور قلب و نظر کے لئے طرب انگیز و مسحور کن عنایات و نوازشات کے ذریعہ انسان کو رب کائنات کی طرف مائل و متوجہ کرنا ہے۔ گویا ان واقعات کا تذکرہ تعداد و شمار کے طور پر ہے جس میں ترکیب نحوی اور محل اعراب کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ چند مختلف ساز و سامان کے شمار میں کہا جاتا ہے۔ فرس، راکب، سیف، قلم، کتب، اوراق۔ واللہ اعلم بالصواب

ولیعلم ایضاً ان حذف الجار من ان، المصدریۃ مطّردٌ فی کلام العرب والمعنی، لان، او، بان، او، وقت ان۔ ولیعلم ایضاً ان الاصل فی مثل، ولو تری اذ الظّٰلمون فی غمرات الموت، ولو یری الذین ظلموا اذ یرون العذاب، ان یحذف جواب الشرط لکن صار

هذا التركيب منقول لمعنى التعجب فلا حاجة الى تفتيش المحذوف واللّٰه اعلم۔

ترجمہ: اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ ان مصدریہ کے جار کو حذف کرنا کلام عرب میں عام ہے۔ اور اس کی مراد (حسب موقع) ۔ لان ۔ یا ۔ بان ۔ یا ۔ وقت ان ۔ ہوتی ہے۔

اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ ۔ ولو ترى الخ ۔ اور ۔ ولو يرى الذين ظلموا الخ ۔ جیسی آیتوں میں اصل یہ ہے۔ جواب شرط کو مقدر مانا جائے۔ لیکن یہ ترکیب معنی تعجب کے لئے منقول ہو چکی ہے۔ اس لئے محذوف کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

فائدہ: اس عبارت میں دو تنبیہات یا دو اصول ذکر کئے گئے ہیں۔ جو واضح ہیں دونوں اصول سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

پہلے اصول سے متعلق دو باتیں عرض کرنی ہیں۔ (نمبر ۱) جار ۔ سے مراد جر دینے والا کوئی بھی کلمہ ہے۔ خواہ حرف جر ہو یا مضاف۔ (نمبر ۲) متن کی ترتیب پر مثالیں (۱) ذلك ان لم يكن ربك مهلك القرى بظلم واهلها غافلون ۔ ای لان لم يكن الخ بحذف اللام على ان ان مصدرية (بیضاوی) (۲) قل اني امرت ان اكون اول من اسلم ۔ ای ۔ بان اكون الخ (۳) ان تقولوا انما انزل الكتاب على طائفتين من قبلنا ۔ ای كراهة ان تقولوا الخ او لأن لا تقولوا[1] الخ

دوسرے اصول سے متعلق تین باتیں ہیں۔ (۱) مثل ۔ ولو ترى ۔ سے مراد وہ آیات ہیں جن میں عالم سکرات، عالم برزخ یا عالم آخرت کے مناظر کی ہولناکیوں کا تذکرہ رویت کی شرط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور شرط کی جزا کو محذوف رکھا گیا ہے۔ (۲) اس حذف کی حکمت اور اس کا سبب

---

[1] ان تقولوا علة لفعل دل عليه (انزلناه) المذكور وهو العامل فيه لا المذكور خلافا للكسائي لئلا يلزم الفصل بين العامل ومعموله باجنبي وهو بتقدير لام عند الكوفيين اى لان لا تقولوا۔ وعلى حذف المضاف عند البصريين اى كراهة ان تقولوا انما [illegible] ونص عليه۔ وحملها على نظائرها الكثيرة اى يفهمه الآتية۔ وقوله تعالى ۔ يبين الله لكم ان تضلوا ۔ اى كراهة ان تضلوا وهو رأي البصريين وبه صرح المبرد كما في الروح (ج)

یہ ہے کہ عموماً اس طرح کے جملے خود طویل ہوتے ہیں۔ اور جزاء کے ساتھ مل کر اور زیادہ طویل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اختصار و تخفیف کے پیش نظر جزاء حذف کر دی جاتی ہے۔[1]

(٣) مفسرین عموماً ایسی آیتوں میں۔ لرأیت عجباً۔ یا ولرأیت امراً عظیماً۔ یا ولرأیت سوء منقلبہم۔ یا ولرأیت سوء حالہم جیسی جزاء محذوف مانتے ہیں۔ ماتن علیہ الرحمۃ کی رائے میں یہ اسلوب اظہار حسرت و استعجاب کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا معنیٔ شرط معتبر نہیں تو پھر جزاء کی کیا ضرورت ہے۔؟

امّا الابدال فانہ نوع کثیر الفنون۔ قد یُذکر فعلٌ مکانَ فعلٍ لاغراضٍ شتّٰی ولیس استقصاء تلک الاغراض من وظیفۃ ہٰذا الکتاب اَہٰذا الّذی یذکر اٰلہتکم ای یسُبُّ اٰلہتکم کان اصل الکلام اہٰذا الّذی یسُبّ۔ ولکن کرہ ذکرہ للسبّ۔ فابدل بالذکر ومن ہٰذا القبیل ما یقال فی العرف۔ عرض الشیٔ لاعداء فلان۔ والمراد لفلان۔ ویقولون شرّفنا بالمجیٔ عُبیدُ الحضرۃ۔ او عُبید الجناب العالی مطّلعون علٰی ہٰذہ المقدمۃ۔ والمراد تشریف الجناب العالی واطلاع الجناب العالی۔

ترجمہ:۔ بہرحال ابدال تو وہ ایک کثیر الانواع تصرف ہے کبھی کبھی ایک فعل کی جگہ پر دوسرا فعل ذکر کر دیا جاتا ہے مختلف اغراض کے لئے۔ اور ان مقاصد کا استیعاب (و احاطہ) اس کتاب کے فرائض میں سے نہیں ہے۔ (جیسے ارشاد باری اہٰذا الّذی) کیا یہی ہے جو تمہارے معبودوں کا تذکرہ کرتا رہتا ہے؟ یعنی تمہارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ اصل کلام۔ اہٰذا الّذی یسب۔ تھا لیکن لفظ سب کا ذکر ناگوار گذرا۔ لہٰذا اُسے ذکر سے بدل دیا گیا۔ اور اسی قبیل سے وہ قول ہے جو عرف میں بولا جاتا ہے (یعنی عرض

---

[1] الفنون ملخصاً من البرہان ج ٣ ص ١٨٣)

التی لا بعد لعلاہا اور ولا عد لعلاہا سے مراد انتہائی ہے اور کہتے ہیں [illegible] حضرت کے غلاموں نے تمہیں تشریف آوری کی دعوت دیا، کہتے ہیں عبید الجناب العالی مطاعون او وجناب عالی کی قدر اس معاملہ سے واقف ہیں اور وہ خود جناب عالی کا تشریف لانا اور جناب عالی کا واقف ہونا ہوتا ہے۔

فائدہ :- فصل کے شروع میں بتایا گیا تھا کہ اس فصل میں اختصار کے تین اسباب ذکر کئے جائیں گے۔ پہلا سبب حذف تھا جسے پڑھ چکے۔ دوسرا سبب ابدال ہے جسے یہاں سے شروع کرتے ہیں۔ ابدال: کسی حرف یا کلمہ کی جگہ دوسرے کو لانا۔ حرف کی مثال [illegible] ہے جس کا دال، راء کی جگہ پر آیا ہے اصل میں [illegible] تھا اسی وجہ سے ابدال ہے۔ [illegible] آیا ہے۔ اسی طرح [illegible] تحت الخیر میں [illegible] کی جگہ پر ہے، اصل میں [illegible] تھا اور جس سے مراد ہے کہ [illegible] کلمہ کی اصطلاح کتاب میں موجود ہیں [illegible]

مصنف علامؒ نے دس قسم کے ابدال کا تذکرہ کیا ہے۔ (۱) ایک فعل کی جگہ دوسرے فعل کا استعمال (۲) ایک اسم کے بدلے میں دوسرے اسم کا استعمال (۳) ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف ذکر کرنا (۴) ایک جملہ کی جگہ دوسرا جملہ ذکر کرنا (۵) کلمہ کی جگہ پر [illegible] (۶) ضمیر تانیث و تذکیر اور مفرد و جمع کا باہمی تبادلہ (۷) مشتق کی جگہ مصدر کا استعمال (۸) [illegible] جواب قسم کی جگہ پر مستقل جملہ ذکر کرنا (۹) التفات (۱۰) ضمیر و اشارہ کا باہمی تبادلہ۔

پیش نظر عبارت میں پہلی قسم کا تذکرہ ہے جس کی ایک مثال نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں مشرکین کا قول: اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ ہے، یہاں سب کی جگہ پر یذکر آیا ہے۔ سب و شتم سے بے عزتی اور کسر شان ہوتی ہے مگر انہوں نے اپنے معبودوں کے حق میں اس کا تذکرہ معیوب و ناگوار گزرا، لہٰذا فعل بدل دیا گیا۔ [illegible] ذکر [illegible] فعل [illegible] جو تعریف [illegible] جن میں [illegible] کی جگہ پر [illegible] تمام [illegible] کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فتدبر

له سورۃ انبیاء پ ۱۷

وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ، اي منّا لا يُنْصَرُوْن. لمّا كانت النصرة لا تتصوّر بدون الاجتماع والصحبة ذكر يصحبون بدله. ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اي خفيت لانّ الشيء اذا خفي علمه ثقل على اهل السمٰوٰت والارض. فان طبن لكم عن شيءٍ منه نفسًا فكلوه، اي عفون لكم عن شيءٍ عن طيبةٍ من نفوسهنّ۔

ترجمہ:۔ ولا ھم الخ اور نہ ہمارے مقابلہ میں ان کا ساتھ دیا جا سکتا ہے یعنی ہمارے مقابلہ میں ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ چونکہ صحبت و اجتماع کے بغیر نصرت کا تصور نہیں کیا جاتا ہے اس لئے یُنْصَرُوْن کی جگہ یُصْحَبُوْن ذکر کیا۔ ثقلت الخ وہ بھاری ہے آسمانوں اور زمین میں یعنی وہ مخفی ہے۔ اس لئے کہ کسی چیز کا علم جب مخفی رہ جاتا ہے تو آسمان و زمین والوں پر وہ چیز گراں ہوتی ہے۔ فان طبن الخ پھر اگر اس میں سے کچھ خوشی سے تم کو دے دیں تو اس کو کھاؤ یعنی کچھ تمہارے حق میں بطیبِ خاطر چھوڑ دیں۔

فائدہ:۔ یہ ابدال فعل کی مزید تین مثالیں ہیں۔ پہلی میں ینصرون کی جگہ یصحبون دوسری میں خفیت کی جگہ ثقلت اور تیسری میں عفون کی جگہ طبن کا استعمال ہوا ہے۔ اول الذکر دونوں ابدال کی حکمتیں متن میں مذکور ہیں۔ آخر الذکر کی حکمت یعنی دین یا حقوق کی معافی جیسے معاملات میں طیبِ نفس یعنی خوشدلی و رضامندی کی اہمیت کا بیان ہے۔ (ازمرتب)

وَقَدْ يُذْكَرُ اسْمٌ مكانَ اسمٍ. فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ، اي خاضعة. وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ، اي من القانتات. وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ، اي من ناصرٍ. فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ، اي عنه حاجزٌ. وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، اي افراد بني آدم، افرد اللفظ لانه اسم جنس. يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا، المعنى يا بني آدم انكم، افرد اللفظ لانه اسم جنس. وحملها

الانسان ۔ یعنی افراد الانسان۔ کذّبت قوم نوح المرسلین۔ ای نوحا وحدہ۔

ترجمہ:۔ اور کبھی ایک اسم کے بعد دوسرا اسم ذکر کر دیا جاتا ہے (جیسے) فظلت (ان کی گردنیں اس کے آگے بالکل جھک جائیں) یعنی خاضعۃ (کی جگہ خاضعین ہے) وکانت (اور وہ مریم) طاعت کرنے والوں میں سے تھی (یعنی اطاعت کرنے والیوں میں سے) لہم (اور ان کے مددگار نہ ہوں گے یعنی کوئی بھی مددگار نہ ہوگا) فما منکم (پھر تم میں سے کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا نہیں) یعنی عنہ حاجز (کی جگہ عنہ حاجزین ہے) والعصر (زمانہ کی قسم انسان خسارہ میں ہے) یعنی افراد بنی آدم (کی جگہ الانسان ہے) (افراد کی جگہ) مفرد لفظ (انسان) لائے اس لئے کہ وہ اسم جنس ہے۔ (جو جمع کے لئے بھی بولا جاتا ہے) یاایھا الانسان انک (اے آدمی تجھے سب سے تکلیف اٹھانی ہے اپنے رب کے پاس پہنچنے تک پھر اس سے جا ملے گا) یاایھا الانسان انک سے مراد یا بنی آدم انکم ہے۔ مفرد لفظ لائے اس لئے کہ وہ اسم جنس ہے۔ وحملہا الانسان (اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا) یعنی افراد انسان نے۔ کذبت (قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا) یعنی صرف نوح کو۔

انا فتحنا لک۔ ای انی فتحت لک۔ انا لقادرون۔ ای انی لقادر۔ ولکن اللہ یسلط رسلہ۔ ای یسلط محمدا صلی اللہ علیہ وسلم

لہ اخاضعین ہے مضاف الیہ یعنی [illegible] ذوی العقول کی وجہ سے۔ مقصد ذکر [illegible] جمع کر دیا گیا۔ [illegible] اعناق کی خبر خاضعین لائی گئی جو ذوی العقول کی جمع ہے، دوسری بات [illegible] کے بقول: اصل کلام فظلوا لہا خاضعین، تھا [illegible] ۱۲ [illegible] اعناق کا اضافہ کیا گیا [illegible] اس لئے خاضعۃ کے بجائے خاضعین ہی رہ گیا۔ [illegible] کلام پر دلالت کرنے کے لئے [illegible] الفوائد [illegible] سے جب [illegible] حضرت [illegible] ایک ہی خدا کے رسول ہوتے ہیں اس لئے ایک کی تکذیب سب کی تکذیب کے برابر ہے۔ [illegible] رسولوں کی تکذیب کہا گیا۔ واللہ اعلم (جلالین و بیان القرآن سے)

۔ الذین قال لہم الناس۔ ای عروۃ الثقفی وحدہ۔ فاذاقہا اللہ لباس الجوع۔ ای طعم الجوع۔ ابدل الطعم باللباس ایذانا بان الجوع لہ اثر من النحول والذبول یعم البدن ویشملہ کاللباس ۔ صبغۃ اللہ۔ ای دین اللہ۔ ابدل بالصبغۃ ایذانا بانہ کالصبغ تتلون بہ النفس او مشاکلۃ بقول النصاری فی المعمودیۃ۔ وطور سینین۔ ای طور سیناء۔ سلام علی ال یاسین۔ ای علی الیاس۔ قلب الاسمان للازدواج۔

ترجمہ: دسویں مثال: اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ (بیشک ہم نے آپ کو فتح دی) یعنی میں نے آپ کو فتح دی (دسویں) اِنَّا لَقَادِرُوْنَ (بیشک ہم قادر ہیں) یعنی میں قادر ہوں۔ (۱۱) ولکن اللہ (لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو غلبہ دے گا) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ دے گا۔ (۱۲) الذین الخ (وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا) یعنی تنہا عروہ ثقفی نے۔ (۱۳) فاذاقہا اللہ (اللہ نے بستی والوں کو بھوک اور خوف کا لباس چکھا دیا) یعنی بھوک کا مزہ۔ طعم کے بدلے لباس لایا گیا ہے یہ بتانے کے لئے کہ لاغری و پژمردگی بھوک کا ایسا اثر ہے جو لباس کی طرح بدن کو عام اور محیط ہوتا ہے۔ (۱۴) صِبْغَۃَ اللہِ (اللہ کا رنگ) یعنی اللہ کا دین۔ دین کے بدلے صبغہ لایا گیا یہ بتانے کے لئے کہ دین رنگ کے مشابہ ہے کہ دل پر اس کا رنگ چڑھتا ہے یا یہ تعبیر معمودیہ کے بارے میں نصاریٰ کے قول سے مشاکلت کے طور پر ہے۔ (۱۵) وطور سینین (طور سینین) یعنی طور سیناء۔ (۱۶) سلام علی ال یاسین (سلامتی ہو الیاسین پر) یعنی الیاس پر۔ یہ دو نام (سیناء اور الیاس) جوڑ ملانے اور رعایت تواصل کی غرض سے بدل دیئے گئے۔

فائدہ:۔ معمودیہ سریانی لفظ ہے یا یہ مولد ہے جو عمد سے ماخوذ ہے عمد کے معنی تر کرنا اور گیلا معمودیہ یا بپتسمہ نصرانیت کی ایک رسم ہے کہ پادری انجیل کے کچھ فقرے

لہ [illegible] بعض مفسرین کا خیال ہے کہ نصاریٰ
[illegible] زرد پانی سے [illegible] معمودیہ ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]

پھر جھٹکے پانی میں ڈالتا ہے پھر فوراً نیچے بچے کو اس میں خود دھکیل کر نکال لیتا ہے، گویا یہ بچے کے نصرانی ہونے کی علامت ہے۔ (المنجد الوسیط) اس تعمید کو عربی زبان میں صبغ و اصطباغ کہا جاتا ہے جس کے مقابلہ میں مشاکلت (لفظی مماثلت) کے طور پر قرآن میں دین اسلام کے لیے صبغۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یا پھر دوسری حکمت وہ ہے جسے امام راغب نے فصیح انداز سے بیان فرمایا ہے کہ دین اسلام کو رنگ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ رنگ جس طرح اثر انداز ہوتا اور گہرے نقوش چھوڑتا ہے۔

طور سینا: جزیرہ نمائے سینا کا وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ کو قانون شریعت ملا تھا اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا تھا۔لہ

وقد يذكر حرفٌ مكانَ حرفٍ. فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ، اي تجلى الجبل كما تجلى في المرة الاولى على الشجرة. وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ، اي اليها سابقون. لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ، اي لكن من ظلم استيناف. لَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ، اي على جذوع النخل. أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ، اي يستمعون عليه. السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ، اي منفطر فيه. مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ، اي عنه. أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ، اي حملته العزة على الاثم. فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا، اي فاسئل عنه. لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ، اي مع اموالكم. إلى المرافق، اي مع المرافق. يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ، اي يشرب منها. وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِنْ شَيْءٍ، اي ان قالوا.

لہ قال الخازن: معنى سينين وسيناء الحسن لكونه مباركًا، وكل جبل فيه أشجار مثمرة يسمى سينين وسيناء. (الصفوة ج ٣ ص ٥٠٥) وإن لم يختلف في أنه جبل بالشام، وتسميته أشهر بأنه خلاف المشهور فإن المعروف اليوم بطور سيناء ما هو بقرب التيه بين مصر والعقبة. (روح المعاني ج ٣٠ ص ١٧٤)

ترجمہ:- اور کبھی کوئی حرف دوسرے حرف کی جگہ ذکر کر دیا جاتا ہے جیسے فلما الخ (پس ان کے رب نے جو پہاڑ پر تجلی فرمائی) ای علی الجبل۔ جیسا کہ پہلی مرتبہ درخت پر تجلی فرمائی تھی۔ وہم لہا الخ (اور وہی لوگ ان خیرات کے لئے دوڑ رہے ہیں) یعنی ان خیرات کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ لایخاف لدی الخ (ہمارے حضور میں پیغمبر خوف نہیں کرتے مگر جس سے قصور ہو جائے) لیکن جس سے قصور ہو جائے (یہ مستثنیٰ نہیں) جملہ مستانفہ ہے[1]۔ ولاصلبنکم فی جذوع النخل (میں تمہیں کھجور کے درختوں پر سولی چڑھاتا ہوں) یعنی کھجور کے درختوں پر۔ ام لہم سلم الخ (کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس میں وہ سنتے ہیں) یعنی جس پر سنتے ہیں۔ السماء الخ (جس سے آسمان پھٹ جائے گا) یعنی جس (دن) میں پھٹ جائے گا۔ مستکبرین بہ ای عنہ (اترا کر اس (قرآن) سے اعراض کرتے ہوئے) اخذتہ الخ (نخوت اس کو اس گناہ پر آمادہ کر دیتی) یعنی حملتہ العزۃ علی الاثم۔ فسئل الخ (تو اس کے بارے میں جانکار سے پوچھ لو) ای فاسئل عنہ۔ لاتاکلوا الخ (اپنے مال ان کے مال کے ساتھ مت کھاؤ) الی اموالکم ای مع اموالکم۔ الی المرافق (الی بمعنی مع ہے) کہنیوں سمیت۔ یشرب الخ (اللہ کے بندے اس سے پئیں گے) (بہا منہا کے معنی میں ہے) وما قدروا الخ (اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی۔ جبکہ یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز بھی نازل نہیں کی) (اذ قالوا) یعنی ان قالوا (اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا الخ)

وَقَدْ يُوْرِدُوْنَ جُمْلَةً مَكَانَ جُمْلَةٍ مَثَلًا إِذَا دَلَّتْ جُمْلَةٌ عَلٰى حَاصِلِ مَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ ثَانِيَةٍ وَسَبَبِ وُجُوْدِهَا أُبْدِلَتْ مِنْهَا۔ وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ای وان تخالطوہم لاباس بذلک لِأَنَّهُمْ

---

[1] الا من ظلم یعنی الا کے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ جسے جملہ مستانفہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کو نہیں ڈرنا چاہئے۔ ہاں مگر انسانوں میں سے جو لوگ معاصی کا ذریعہ بنتے ہیں ظلم کرتے ہیں انہیں میرے عذاب کا خوف کھانا چاہئے۔ استثناء متصل اس لئے نہیں ہو سکتا کہ من ظلم مرسلین میں داخل نہیں ہے کیونکہ انبیاء کرام تو معصوم ہوتے ہیں۔ کوئی رسول ظالم نہیں ہو سکتا ہے۔ واللہ سمیع علیم۔

اخوانکم وشان الاخ ان یخالط اخاہ، لمثوبۃ من عند اللہ خیر، ای لوجدوا ثوابا ومثوبۃ من عند اللہ خیر، ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل۔ من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ ای من کان عدوا لجبریل فان اللہ عدو لہ فانہ نزلہ علی قلبک باذنہ فعدوہ یستحق ان یعادیہ اللہ تعالی فحذف فان اللہ عدو لہ بدلیل الآیۃ التالیۃ وابدل منہ فانہ نزلہ علی قلبک:

ترجمہ:- اور کبھی کبھی ایک جملہ کی جگہ پر دوسرا جملہ ذکر کرتے ہیں (یا لاتے ہیں) مثلاً جب ایک جملہ دوسرے جملہ کے ماتحت کی اور اس کے وجود کے سبب پر دلالت کرتا ہو تو اس (دلالت کرنے والے) کو اس (مدلول) کے بدلے میں لایا جاتا ہے۔ جیسے (وان تخالطوھم فاخوانکم) اور اگر ان کو ساتھ ملا لو تو تمہارے بھائی ہیں) یعنی اور اگر ان کو ساتھ ملا لو تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور بھائی کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کو ملا کر رکھے۔ دوسری مثال۔ (لمثوبۃ من عند اللہ خیر) تو اللہ تعالی کے یہاں کا معاوضہ بہتر تھا) یعنی ثواب ضرور پاتے۔ اور اللہ کے یہاں کا معاوضہ بہتر تھا۔ مثال سوم (ان یسرق) (اگر اس نے چوری کی تو اس سے قبل اس کے بھائی نے چوری کی ہے) یعنی اگر اس نے چوری کی تو کوئی تعجب نہیں۔ اس لئے کہ قبل ازیں اس کے بھائی نے چوری کی ہے۔ مثال چہارم (من کان الخ) (جو شخص جبریل سے عداوت رکھے سو انہوں نے بحکم خداوندی یہ قرآن آپ تک پہنچایا ہے) یعنی جو شخص جبریل کا دشمن ہو تو اللہ اس کا دشمن ہے کیونکہ انہوں نے قرآن کو آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے نازل کیا ہے لہذا ان کا دشمن اس کا مستحق ہے کہ اللہ تعالی اس سے دشمنی رکھے تو (فان اللہ عدو لہ) کو مقدر مانا گیا بعد والی آیت (فان اللہ عدو للکفرین) کے قرینہ سے اور اس (جزاء) کے بدلے میں (فانہ نزلہ علی قلبک) کو لایا گیا ہے۔

فائدہ:- ان امثلہ میں اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر جگہ شرط موجود ہے لیکن جزاء غائب ہے، اور شرط کے بعد جو جملے مذکور ہیں وہ جزاء کی قائم مقامی کر رہے ہیں۔ جزاء محذوف وہ عبارتیں ہیں جن کے تراجم پر خط کھینچ دیے گئے ہیں یعنی (لاباس) اور (لوجدوا ثوابا) وغیرہ

ورُبَّما يقتضي اصلُ الكلام التنكيرَ فيُتصرَّفُ فيه بإدخال اللام والاضافة والمعنى على التنكير الاول. وَقِيْلِهِ يَارَبِّ، اى قيل له يارب فابْدل بقيله لانه اخصرُ في اللفظ وحقَّ اليقين، اى حق يقين أُضيف ليكون أيسرَ في اللفظ

ترجمہ:- اور بعض اوقات اصل کلام تنکیر کو چاہتا ہے۔ لیکن اس میں۔ الف لام داخل کرکے اور مضاف کرکے تعریف کر دیا جاتا ہے (تو وہ معرفہ بن جاتا ہے) اور معنی نکرہ کے کے مطابق باقی رہتا ہے (جیسے)۔ وَقِيْلِهِ يَارَبِّ۔ یعنی۔ قيل له يارب۔ تو اسے۔ قیلہ سے بدل دیا گیا۔ اس لئے کہ یہ لفظاً زیادہ مختصر ہے۔ (اور جیسے)۔ حق اليقين۔ یعنی حق یقین، اسے مضاف کر دیا گیا تاکہ لفظ زیادہ آسان ہو جائے۔

وقد يكون سياق الكلام الطبيعي تذكير الضمير او تأنيثه أو إفراده فيخرجون الكلام من ذلك الشئ الطبيعي ويذكرون المؤنث و بالعكس ويجمعون المفرد لميل المعنى. فلمّا رأى الشمسَ بازغةً قال هذا ربّي هذا أكبر، من القوم الظّلمين، مثلُهم كمثل الّذي استوقد نارا فلمّا أضاءت ما حوله ذهب الله بنورهم وقد يذكر المفرد مكان التثنية. وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ. إِنْ كُنْتُ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِنْ عِنْدِهِ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ. والاصل فعميتا فافرد لانهما كشئ واحد ومثله الله ورسوله اعلم۔

ـہ یہی قرآن کی طرح مقصد ہے۔ ما آپ کی توجیہ اس پر موقوف ہے کہ ضمیر مفرد کا مرجع۔ اللہ ہو۔ ورنہ کچھ مفسرین کی رائے ہے ضمیر مفرد کا مرجع۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہیں جن کا ذکر۔ ولکن ما نقموا الخ۔ میں ہو چکا ہے۔ اور یہی اولیٰ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں حذف و تاویل کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ واللہ اعلم (ن)۔ ـہ ای لرعایۃ المعنی ومناسبتہ (المعرب)

ترجمہ۔ اور کبھی کلام کا ظاہری (اور معروف ورائج) اسلوب ضمیر کی تذکیر یا تانیث یا افراد کا (متقاضی) ہوتا ہے لیکن کلام کو اس ظاہری اسلوب سے نکال لیتے ہیں (ہٹا لیتے ہیں) اور مؤنث کا مذکر اور اس کا برعکس استعمال کرتے ہیں۔ اور مفرد کی جگہ جمع لاتے ہیں معنیٰ کی طرف میلان کی وجہ سے۔ جیسے (۱) فلما رای الخ (پھر جب آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے یہ سب میں بڑا ہے) (۲) من القوم الخ (۳) مثلہم الخ (ان کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب اس آگ نے اس شخص کے گردا گرد کی سب چیزوں کو روشن کر دیا ہو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو سلب کر لیا ہو) اور کبھی تثنیہ کی جگہ مفرد ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے (۱) وما نقموا الخ (اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزق خداوندی سے مالدار کر دیا) (۲) ارایتم ان کنت (اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی ہو پھر وہ تم کو نہ سوجھتی ہو) اور اصل «فعمیتا» (وہ دونوں «بینہ» اور «رحمت» نہ سوجھی ہوں) ہے لیکن مفرد لائے کیونکہ وہ دونوں معنیٰ واحد کے درجہ میں ہیں۔ (۳) اور اسی کے مثل (صحابہ کرام کا مشہور مقولہ) اللہ ورسولہ اعلم ہے (جبکہ اصل «اعلمان» ہے)

فائدہ: اس عبارت میں ابدال کی چھٹی اور ساتویں نوع کا تذکرہ ہے۔ نوع اول کی پہلی مثال میں «الشمس» (مؤنث) کے لئے «ھذا» (مذکر) کا استعمال دکھایا گیا ہے دوسری مثال میں قوم مفرد کے لئے «الذین» جمع کا استعمال ہوا ہے۔ اور تیسری مثال میں «بنورھم» کی ضمیر مجرور جو جمع ہے «الذی استوقد» کے لئے استعمال ہوا ہے جو لفظاً مفرد ہے۔ نوع ثانی کی پہلی مثال میں یہ دکھایا گیا ہے کہ «من فضلہ» کی ضمیر مفرد بجائے تثنیہ «اللہ ورسولہ» کے لئے استعمال ہوئی ہے اور دوسری مثال میں «فعمیت» کی ضمیر مفرد بجائے تثنیہ «بینہ» اور «رحمت» کے لئے مستعمل ہے۔ جیسے «اللہ ورسولہ اعلم» میں واحد کا صیغہ تثنیہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

ف: علامہ دسوقی نے عجیب بات کہی ہے کہ «ھذا» اسم اشارہ کا استعمال [illegible] کے باب میں [illegible] کی حیثیت سے ہوا ہے۔ [illegible] «شمس» [illegible] کے نام سے موسوم ہونے کی حیثیت سے [illegible]

وقد تقتضي طبيعة الكلام ان يذكر الجزاء في صورة الجزاء والشرط في صورة الشرط وجواب القسم في صورة جواب القسم فيتصرفون في الكلام ويجعلون ذلك الجزء من الجملة جملة مستقلة مستأنفة لتنتظم بالمعنى ويقيمون شيئا يدل عليه بوجه من الوجوه، - والنّٰزعٰت غرقًا وّ النّٰشطٰت نشطًا وّ السّٰبحٰت سبحًا فالسّٰبقٰت سبقًا فالمدبّرٰت امرًا يوم ترجف الرّاجفة - المعنى البعث والحشر حق يدل عليه يوم ترجف. والسّمآء ذات البروج واليوم الموعود وشاهدٍ وّمشهودٍ قتل اصحٰب الاخدود، المعنى المجازاة عن الاعمال حق. اذا السّمآء انشقّت وأذنت لربّها وحقّت واذا الارض مدّت والقت ما فيها وتخلّت واذنت لربّها وحقّت يآيّها الانسان انّك كادحٌ، المعنى الحساب والجزاء كائنٌ-

اللغات:- النّٰزعٰت جمع نازعۃ، نزع (ض) سے کھینچنا، سختی سے نکالنا۔ غرقا سے ڈوب جانا، یہاں غرق اغراق کے معنی میں ہے، اغرق في الشيء: جاوز الحد وبالغ فيہ، حد سے نکل جانا، سختی کا پیچ کرنا، پوری کوشش کرنا۔ ناشطات جمع ناشطۃ۔ نشط (ن) انشوطۃ گرہ کھولنا۔ سابحات جمع سابحۃ، سبح (ف) سبحا تیرنا۔ سابقات جمع سابقۃ۔ سبق (ض) سبقا آگے بڑھنا۔ ترجف (ن) رجفا کانپنا۔ بروج جمع برج۔ الاخدود: خندق۔ انشقت انشقاقا پھٹنا۔ مدت (ن) مدا پھیلانا۔ تخلت تخلیا خالی ہونا۔ کادح: دوڑ کرنے والا، مشقت اٹھانا۔

ترجمہ:- اور کبھی کلام کی طبیعت (اصل اسلوب) تو اس کی مقتضی ہوتی ہے کہ جزاء کو جزاء کی صورت میں اور شرط کو شرط کی صورت میں اور جواب قسم کو جواب قسم کی صورت میں ذکر کیا جائے لیکن کلام میں تصرف کرتے ہیں اور جملے کے اس جزء کو (جزاء یا جواب قسم کو) معنی کی رعایت کرتے ہوئے مستقل ابتدائی جملہ قرار دے کر اسے حذف کر دیتے ہیں اور کوئی چیز

لہ ای منزعا بالغا اقصى الغاية في الشدة والعسر (صفوۃ ج ۳ ص ۵۰۵)

(بطور قرینہ) قائم کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ (محذوف) پر دلالت کے (طریقوں میں سے کسی طریقہ پر دلالت کرے (جیسے ارشاد باری ، وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (الخ) قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو بند کھولتے ہیں (مسلمانوں کی روح آسانی سے نکالتے ہیں) اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں ، پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں ، پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں ، قیامت ضرور آئے گی جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (اللہ کی) مراد البعث و الحشر حق ، ہے جس پر یوم ترجف ، دلالت کرتا ہے (دوسری مثال ارشاد باری وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ (الخ) ہے ، قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدہ کئے ہوئے دن کی ، اور حاضر ہونے والے کی ، اور اس کی جس میں حاضری ہوتی ہے ، خندق والے ملعون ہوئے ۔ (اللہ کی) مراد ۔ لیجازاة علی الاعمال حق ، (یعنی اعمال کی جزا و سزا برحق ہے) (تیسری مثال ارشاد ربانی اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (الخ ہے) جب آسمان پھٹ جاوے گا اور اپنے رب کا حکم سن لیگا ۔ اور وہ اسی لائق ہے ۔ اور جب زمین کھینچ کر بڑھا دی جاوے گی ، اور اپنے اندر کی چیزوں کو باہر اگل دیگی اور خالی ہو جائے گی ، اور اپنے رب کا حکم سن لیگی ۔ اور وہ اسی لائق ہے ۔ اے انسان ! الخ مراد باری تعالیٰ ، الحساب والجزاء کائن ۔ ہے (حساب و کتاب ہو کر رہے گا)

فائدہ :- کلام کا مقتضائے ظاہر شرط کے ساتھ جزا اور قسم کے ساتھ جواب قسم کو چاہتا ہے ۔ لیکن اس لفظی تقاضہ کے خلاف بعض معنوی مصالح و نکات کے پیش نظر جزا یا جواب قسم کا حذف بھی رائج اور جائز ہے ۔ مصنف علامؒ نے پہلی دو مثالیں جواب قسم کے حذف کی اور آخری مثال حذف جزا کی پیش کر کے جواب قسم محذوف ۔ اور جزا محذوف ، کی نشاندہی کر دی ہے؎

؎ نکتہ :- جزا یا جواب قسم کے حذف میں دیکھا جائے تو تعمیم اور اختصار یا اصل وغیرہ مشہور نکات کے علاوہ ایک نکتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ انشاء اور شرط لا محل انشاء رہتے ہیں جس میں تکذیب و تصدیق کی گنجائش نہیں ہوتی ہے ، اس کے برخلاف جواب قسم اور جزا میں تکذیب و تصدیق دونوں کا احتمال ہوتا ہے ۔ لہٰذا متکلم اپنے کلام کو مخاطب کی تکذیب سے بچانے کے لئے جواب اور جزا کو حذف کر دیتا ہے ۔ اور شرط یا قسم کے مناسب کوئی ایسا کلام ذکر کر دیا جاتا ہے جس سے ان محذوف جزا کی طرف ذہن منتقل ہو جائے ۔ واللہ اعلم

(مستفاد از فوائد مفتی)

وقد يقع في أسلوب الكلام قلبٌ فيقتضي أسلوبُ الكلام خطابا ويُورَد في صورة الغائب. حتى إذا كنتم في الفلك وجرين بهم بريح طيبة.

ترجمہ۔ اور کبھی اسلوب کلام (انداز بیان) میں قلب ہو جاتا ہے، چنانچہ اسلوب کلام تو مثلاً خطاب (کا انداز) چاہتا ہے لیکن کلام "غائب" کی صورت میں لایا جاتا ہے (جیسے ارشاد باری) حتی اذا کنتم (الخ) یہاں تک کہ جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ لے کر چلتی ہیں۔

فائدہ:۔ قولہ وقد یقع الخ اسی کو اہل معانی کے یہاں التفات کہتے ہیں جس کی مشہور تعریف یہ ہے کہ کسی معنی کو طرق ثلثہ تکلم، خطاب، غیبت میں سے کسی ایک طریق سے تعبیر کرنے کے بعد اسی معنی کو دوسرے طریقہ سے تعبیر کیا جائے۔ یہ "التفات الانسان" سے ماخوذ ہے کہ جس طرح انسان دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں طرف ملتفت ہوتا ہے، اسی طرح متکلم ایک طریق سے دوسرے طریق کی طرف ملتفت ہو جاتا ہے۔ ابن الاثیر نے کنز البلاغۃ میں ذکر کیا ہے کہ اس کو "شجاعۃ العرب" سے یاد کرتے ہیں۔ اس کی تولید کی عام وجہ یہ ہے کہ جب کلام ایک طریق سے دوسرے طریق کی طرف نقل کیا جاتا ہے تو یہ سامع کی نشاط نو اور حضور قلب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے۔ اگر ایک ہی طریقہ سے گفتگو کی جائے تو اس سے طبیعت اکتانے لگتی ہے۔

قولہ وجرین بہم الخ اس کی اصل وجرین بکم ہے۔ اور اس تبدیلی اسلوب میں نکتہ یہ ہے کہ جن لوگوں سے خطاب ہے وہ جہاز پر سوار ہونے کے وقت حاضر ذہن تھے اور ہلاکت اور مخالف ہوا کے غلبہ سے ڈرتے تھے، لہٰذا ان سے حاضرین جیسا خطاب کیا گیا، پھر جب خوشگوار ہوا چلی اور وہ ہلاکت کے خوف سے مطمئن ہو گئے اس وقت ان کا وہ حضور قلب باقی نہ رہا جو ابتدا میں تھا۔ اور یہ انسان کی عادت ہے کہ وہ اطمینان قلب کی حالت میں خدا کو بھول جاتا ہے پس جب وہ خدا کی طرف سے غائب ہو گئے تو حق تعالیٰ نے بھی ان کا ذکر غائب کے صیغہ سے کیا۔

(التلخیص والاتقان [illegible])

(حاشیہ [illegible])

وقد يذكر الانشاء مكان الإخبار والإخبار مكان الانشاء. فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا، اي لتمشوا. إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ، اي ايمانكم يقتضي هذا. مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ. المعنى على قياس حال ابن آدم فابدل منه. من اجل ذلك. لان القياس لا يكون الا بملاحظة العلة فكأن القياس نوع من التعليل. ارأيت. في الاصل بمعنى الاستفهام من الرؤية ثم نقل ههنا ليكون تنبيها على استماع كلام يأتي بعده كما يقال في العرف هل ترى شيئا هل تسمع شيئا۔

ف التفات کی چھ صورتیں ہیں جن کی تفصیل مع امثلہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

نمبر شمار	طریق التفات	مثال	اصل
۱	متکلم سے خطاب کی طرف	وما لی لا اعبد الذی فطرنی والیه ترجعون۔	والیه ارجع
۲	〃 غیبت 〃	انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ۔	لنغفر لک
۳	خطاب سے تکلم کی طرف	یہ قسم قرآن میں نہیں ہے۔	x
۴	〃 غیبت 〃	حتی اذا کنتم فی الفلک وجرین بہم	وجرین بکم
۵	غیبت سے تکلم کی طرف	اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فسقناہ	فساقہ اللہ
۶	〃 خطاب 〃	وسقاهم ربهم شرابا طهورا ان هذا كان لكم جزاء	كان لهم

علامہ تفتازانی اور دیگر اہل علم نے بیان کیا ہے کہ [illegible] خطاب سے دوسرے نحو کے خطاب کی طرف کلام کو منتقل کر دینا بھی التفات کے قریب قریب ہے اور اس کی بھی چھ قسمیں ہیں جو مع امثلہ ذیل میں درج ہیں۔

۱	واحد سے تثنیہ کی طرف	قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیه آباءنا وتکون لکما الکبریاء	وتکون لک
۲	〃 جمع 〃	یا ایها النبی اذا طلقتم النساء	اذا طلقت
۳	تثنیہ سے واحد کی طرف	فلا یخرجنکما من الجنة فتشقیٰ	فتشقیا
۴	〃 جمع 〃	ان تبوءا لقومکما بمصر بیوتا واجعلوا بیوتکم قبلة	بیوتکما
۵	جمع سے واحد کی طرف	واقیموا الصلوٰة وبشر المؤمنین	وبشروا
۶	〃 تثنیہ 〃	یا معشر ... استطعتم ... فبای آلاء ربکما تکذبان	ربکم تکذبون

[illegible] ص ۱۹۴ | [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ :- اور کبھی جملہ انشائیہ کو خبریہ کی جگہ اور خبریہ کو انشائیہ کی جگہ ذکر کر دیا جاتا ہے جیسے فاسلکوا: سو تم اس کے رستوں میں چلو یعنی تاکہ تم چلو (۲) ان کنتم مؤمنین اگر تم ایمان والے ہو؛ یعنی تمہارا ایمان اس کا تقاضا کرتا ہے۔ (۳) من اجل ذلک اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا: من اجل ذلک کتبنا سے، مراد علی قیاس حال ابن آدم کتبنا۔ یا علی مثال قتل ابن آدم مراد ہے۔ پھر اس کے بدلے میں من اجل ذلک لایا گیا کیونکہ قیاس نہیں ہوتا ہے مگر علت کے لحاظ کے ساتھ تو گویا قیاس تعلیل کی ایک قسم ہے۔ (۴) ارأیت۔ اصل میں استفہام کے معنی میں ہے اور مشتق ہے رویۃ سے۔ پھر یہاں نقل کر دیا گیا ہے تاکہ ایسے کلام کے سننے پر تنبیہ ہو جائے جو اس کے بعد آرہا ہے۔ جیسا کہ عرف میں بولا جاتا ہے۔ دیکھو دیکھ رہے ہو، کچھ سن رہے ہو۔

فائدہ :- یہاں بیان کی دوسری قسم کا تذکرہ ہے جس کی دو شکلیں ہیں۔

شکل اول: مقام خبر میں انشاء کا استعمال۔ سو علماء نے اس کی چار مثالیں ذکر کی ہیں

مثال (۱): سورۂ ملک کی آیت۔ فامشوا فی مناکبہا ہے جس میں صیغہ امر کو بیان نعمت کے مقام پر استعمال کیا گیا ہے۔ گویا آیت کریمہ۔ ھو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبہا۔ میں اصلاً زمین کی تسخیر اور اس کی نعمت کا بیان ہے۔ لہذا۔ فامشوا اصلاً لتمشوا کی تعبیر ہے۔

مثال (۲): ان کنتم مؤمنین۔ یہ صیغہ شرط قرآن میں مختلف مقامات پر آیا ہے مثلاً وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (آل عمران)، فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مؤمنین (آل عمران)، وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین (المائدہ)، [illegible] ان کنتم مؤمنین (الانفال)

ظاہر ہے کہ مذکورہ احکام و اخبار نفس الامری اور مستقل حقیقتیں ہیں کسی کے ایمان پر موقوف نہیں ہیں اس لئے ان مواقع پر معنی شرط مقصود نہیں بلکہ ترغیب و تحریض مقصود ہے۔ اور ان کنتم مؤمنین [illegible] کے مثل ہی ہے۔

مثال (۳): سورۂ مائدہ کی آیت کریمہ من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل [illegible]

تعلیلیہ ہے۔ چونکہ یا انشائیہ کے اقسام میں سے ہوتا ہے۔ مراد اخبار اور بیان قیاس ہے۔ تقدیر کلام وہ ہے جسے ماتن نے ذکر فرمایا ہے۔ "وفی القیاس" الخ سے ماتن نے قیاس اور جملہ تعلیلیہ کے درمیان مماثلت بیان فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جملہ تعلیلیہ میں علت کا بیان ہوتا ہے اور قیاس بھی علت پر موقوف ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے دونوں میں مماثلت ایک واضح حقیقت ہے۔ لہٰذا "مثال انا ما علاقہ من اتوکل مجرم من اجل ذلک" الخ کا ذکر یہیں مناسب ہے۔ استعمال "ارأیت" ہے۔ صیغہ استفہام عام مفسرین کی نظر میں "اخبرونی" کا معنی دیتا ہے۔ لیکن حضرت ماتن اسے "تنبیہ" کے لیے منقول بتارہے ہیں اور "ذلولا نشر مکان الاعتبار" کی مثال میں پیش فرمایا ہے۔ خیال ہے کہ حضرت والا کی تقریر میں "ارأیت" "انتبہنا" کی جگہ پر ہے۔[1]

مشکل دوم: مقام انشاء میں خبر کا استعمال: ماتن اور شارحین نے اس کی مثال پیش نہیں کی ہے۔ مقام امر میں خبر کے استعمال کی مثال: "والوالدات یرضعن اولادھن" اور "والمطلقات یتربصن بانفسھن" الآیۃ۔ وغیرہ ہے۔ اور مقام دعا میں خبر کے استعمال کی مثال "ایاک نستعین" اور "تبت یدا ابی لھب" وغیرہ ہے۔ مقام نہی میں خبر کے استعمال کی مثال "فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج" ہے۔ ونازع ابن العربی فی تعلیم ان الخبر یجئ بمعنی الامر والنھی۔ کما فی الاتقان ومن شاء التفصیل فلیراجعہ۔

وقد یوجب التقدیم والتاخیر ایضا صعوبۃ فی فہم المراد کما فی الشعر المشہورۃ

بثینۃ شانھا سلبت فؤادی ٭ بلا جرم اتیت بہ سلاما

ترجمہ: اور کبھی تقدیم وتاخیر بھی مراد کے سمجھنے میں دشواری کا سبب بن جاتی ہے۔ جیسا کہ مشہور شعر "بثینۃ شانھا" الخ میں ہے۔ "بثینہ" یعنی اس کی ادا نے میرے دل کی سلامتی چھین لی۔ بلا کسی ایسی خطا کے جس کا میں نے کیا ہو۔

---

[1] ھذا ما القی فی روعی ربی ان کان صوابا فمن اللہ وان کان خطا فمنی ومن الشیطان والعیاذ باللہ۔ خورشید انور

فائدہ :۔ یہ خفاء کے تیسرے سبب کا تذکرہ ہے۔ تقدیم و تاخیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کلمہ کو حق تقدم حاصل ہو اسے مؤخر اور جسے حق تاخیر حاصل ہو اس کو مقدم کر دیا جائے خواہ اس سے مفہوم کلام کے سمجھنے میں دشواری ہو یا نہ ہو۔

یہاں وہ تقدیم و تاخیر مراد ہے جس کی وجہ سے مراد متکلم کے سمجھنے میں دقت و پریشانی پیش آتی ہو جیسا کہ جاہلیت کے مشہور شاعر جمیل ابن عبد اللہ بن معمر کے مذکورہ شعر میں اسی نوع کی تقدیم و تاخیر ہے جس کو سمجھنے کے لئے شعر کی ترکیب نحوی ملاحظہ فرمائیں۔

شعر کی ترکیب :۔ بثینۃ (مبدل منہ) شانھا (بدل) مجموعہ مبتدا[۱]، سلبت (فعل با فاعل) فؤادی (ممیز) سلاما (تمیز) مجموعہ مفعول بہ۔ با (جارہ) لا جرم (موصوف) اتیت بہ (فعل با فاعل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت) مجموعہ صفت و موصوف مجرور، جار مجرور متعلق ہوا سلبت فعل کے۔ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوا مبتدا کی۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔

دعوتِ فکر :۔ ان الفاظ سے سلاما کو اپنے ممیز (فؤادی) سے متصل اور جار مجرور سے مقدم ہونا تھا لیکن بلا جرم کو سلاما سے مؤخر ہونا چاہیے تھا۔ یہی وہ تقدیم و تاخیر ہے جو شاعر کی مراد تک پہونچنے میں اور شعر کی صحیح ترکیب سمجھنے میں رکاوٹ بن رہی ہے۔

هذا المعنى يوافق العرف والمعنى لا يخلو عن تتابع والتتابع ايضا دليل على ان التقديم والتاخير فلا يوجب المعصوبية۔ والله اعلم۔

تقدیم و تاخیر[۲] کی مثال ۱ : ولولا كلمة سبقت من ربك لكان لزاما واجل مسمّى[۳] (پ)

مثال ۲ : الحمد لله الذي انزل عليه الكتاب ولم يجعل له عوجا قيّما[۴] (پ)

مثال ۳ : اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ[۵]۔

---

[۱] یعنی بدل و مبدل منہ کا مجموعہ (م)، [۲] تقدیم کی تفصیل اور اسباب (الاتقان ج ۲ ص ۱۵ تا ۱۷) میں ملاحظہ کریں۔

[۳] تقدیر الکلام۔ ولولا کلمۃ واجل مسمّی لکان لزاما وانما اخر المعتدل رؤس الآی کذا قال الفرید وقتادۃ (الاتقان ج ۲ ص ۱۶، صفوۃ ج ۲ ص ۲۵۱) [۴] تقدیر الکلام انزل الکتاب قیما ولم یجعل لہ عوجا۔ کذا قال مجاھد (الاتقان) [۵] تقدیر الکلام انی رافعک الی ومتوفیک۔ بعد کذا قال قتادۃ وغیرہ (الاتقان ۔۔ ج ۲ ص ۱۶۔ صفوۃ ج ۱ ص ۲۰۵)

والتعلق ببعيد بفاصلة يوجب صعوبة ومما يكون من هذا القبيل «الا آل لوط انا لمنجوهم اجمعين الا امرأته» ادخل الاستثناء على الاستثناء فصعب. «فما يكذبك بعد بالدين» متصل بقوله «لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم». «يدعوا لمن ضره اقرب من نفعه» اى يدعوا من ضره. «لتنوء بالعصبة اولي القوة» اى لتنوء العصبة بها. «وامسحوا برءوسكم وارجلكم» اى اغسلوا ارجلكم «ولولا كلمة سبقت من ربك لكان لزاما واجل مسمى» اى ولولا كلمة سبقت من ربك واجل مسمى لكان لزاما. «الا تفعلوه تكن فتنة» متصل بقوله تعالى «فعليكم النصر». «الا قول ابراهيم» متصل بقوله تعالى «قد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم». «يسئلونك كانك حفي عنها» اى يسئلونك عنها كانك حفي۔

اللغات:- تنوء: تحریک و تثقیف یعنی سیدھا کرنا، معتدل بنانا۔ لتنوء: ذی حالیہ کا ہے۔ مادہ: نوء، نوءا، ناء به الحمل اذا اثقله حتی اماله یعنی بوجھل کرکے جھکا دینا۔ حفی: تحقیق کامل کرنے والا۔

ترجمہ:- اور الفاظ بعیدہ سے تعلق رکھنا بھی ان اسباب میں سے ہے جو دشواری پیدا کرتے ہیں، اور ہر وہ چیز جو اس قبیل سے ہو دشواری کا سبب بن جاتی ہے جیسے ارشاد ربانی «الا آل لوط الخ» مگر لوط کا گھرانہ ہم ان سب کو نجات دیں گے سوائے ان کی بیوی کے۔ استثناء پر استثناء داخل کر دیا گیا لہٰذا دشواری ہو گئی۔ فما یکذبک[1] متصل ہے ان کے ارشاد لقد خلقنا الخ[2] سے۔ «یدعوا الخ» اس کو پکارتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ

---

[1] الموضح [illegible] ص [illegible]۔ مصابیح السنات [illegible] فیقال: حفی [illegible] واحفی [illegible] الکلام فیها وقد [illegible] واستقصی فیها [illegible]۔ [2] مراد یہ ہے کہ [illegible] قیامت کا [illegible] ہے۔ کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے۔ یعنی خوبصورت ساخت ترکیب عنایت کی ہے جس میں صحت [illegible] دونوں حال میں [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] کی [illegible] کہ انسان قدرت کا ایک [illegible] ہے۔ [illegible]

قریب ہے یعنی یسطون الخ (لتنوء الخ) گراں بار کر دیتی ہیں (جن کی کنجیاں) طاقتور جماعت کو یعنی وہ جماعت ان (کنجیوں) سے گراں بار ہو جاتی ہے۔ (وامسحوا الخ) اور مسح کرو اپنے سروں کا اور اپنے پیر یعنی دھلو اپنے پیروں کو (ولولا کلمۃ الخ) اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے نہ ہوتی تو عذاب لازمی طور پر ہوتا اور ایک میعاد معین۔ یعنی اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے نہ ہوتی اور ایک میعاد معین نہ ہوتی تو عذاب لازمی طور پر ہوتا۔

• الا تفعلوہ الخ کا قول فعلیکم النصر سے متصل ہے۔ الا قول ابراھیم باری تعالیٰ کے ارشاد «قد کانت لکم الخ» سے متصل ہے۔ (یسئلونک الخ) وہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں گویا آپ تحقیقات کر چکے ہیں یعنی آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں گویا آپ تحقیقات کر چکے ہیں۔

فائدہ:- اس موقع پر دو باتیں ذہن نشین کر لیں۔ (نمبر۱) تعلق بالبعید اور ما یحکی من ہذا القبیل کی تشریح۔

تعلق بالبعید کا مطلب یہ ہے کہ قریبی تعلق رکھنے والے الفاظ کے درمیان فصل کثیر کی وجہ سے بُعد ہو جائے۔ مثلاً مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ کے درمیان بُعد ہو جائے جیسا کہ «الا قول ابراھیم» اور «قد کانت لکم الخ» کے درمیان ہے[1]۔ یا حکم اور عدم تعمیل کی صورت میں وعید کے درمیان فصل ہو جیسا کہ «فعلیکم النصر» اور «الا تفعلوہ» کے درمیان ہے[2]۔ یا کسی خبر اور اس پر متفرع ہونے والے حکم کے درمیان فصل و بُعد ہو جیسا کہ «لقد خلقنا الخ» اور «فما یکذبک بعد الخ» کے درمیان ہے[3]۔

---

[1] پوری آیت یہ ہے۔ قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برءٰؤا منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی تؤمنوا باللہ وحدہ الا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک الآیۃ۔

[2] وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیر۔ والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔

[3] تا آخر..... ثم رددناہ اسفل سافلین۔ الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون۔

یا عامل و معمول کے درمیان فصل اجنبی ہو جائے، جیسا کہ فاغسلوا اور وارجلکم کے درمیان ہے۔[۱] ما یکون من ھٰذا القبیل سے مراد (واللہ اعلم) وہ چیزیں ہیں جو کلام کے اندر صورت پیدا کرنے میں تعلق بالبعید کے مشابہ ہیں۔ جیسے معمول پر لام زائدہ کا دخول جس کی مثال، یدعوا لمن ضرّہ الخ ہے۔ یا استثناء پر استثناء جس کی مثال۔ الّا آل لوط ہے۔ یا صلے کے استعمال میں قلب جس کی مثال۔ لتنوء بالعصبۃ الخ ہے کہ اصل میں۔ لتنوء العصبۃ بہا تھا۔ نوء سے۔ ناء ینوء نوءً، دو طریقوں پر مستعمل ہے۔ (۱) ناء بالحمل بمعنی مشقت سے اٹھانا جاہلی شاعر امرؤ القیس کہتا ہے ؎

فقلت له لمّا تمطّی بصلبه ۔ واردف اعجازا وناء بکلکل[۲] (سبع معلقات)

(۲) ناء به الحمل۔ یعنی بوجھل کرنا، جھکا دینا۔ آیت کریمہ میں لتنوء۔ ابو زید و ابو عبیدہ اور ان کے ہمنواؤں کی نظر میں ناء بالحمل کے طریقہ پر ہے۔ لہٰذا آیت میں قلب ہے کیونکہ اس صورت میں ب کا دخول المفاتح یا اس کی ضمیر پر ہونا چاہئے۔ مصنف علام اسی نظریہ کے ہمنوا ہیں لیکن خلیل، سیبویہ اور فراء کے مطابق آیت کریمہ ناء به الحمل کے طرز پر ہے لہٰذا قلب نہیں ہے[۳]۔ واختارہ النحاس وروی معناہ عن ابن عباس و ابی صالح والسُّدّی وعلی الاوّل پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا۔ جماعت ان کنجیوں کو مشقت سے اٹھاتی تھی، دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا: وہ کنجیاں جماعت کو بوجھل کر دیتی تھیں۔

(تنبیہ) ہمارے پیش نظر عبارت میں ماتن نے مثال کے طور پر جو آیتیں پیش کی ہیں ان کا تعلق صرف تعلق بالبعید سے نہیں بلکہ تقدیم و تاخیر سے بھی ہے چنانچہ چار مثالیں تعلق بالبعید کی اور تین مثالیں ما یکون من ھٰذا القبیل کی ہیں (کما مر) اور دو مثالیں ولولا کلمۃ الخ اور یسئلونک الخ تقدیم و تاخیر کی ہیں۔ واللہ اعلم

---

[۱] یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برءوسکم وارجلکم الی الکعبین (المائدہ آیت ۶)

[۲] تو میں نے اس رات سے کہا جب اس نے اپنی پیٹھ دراز کی اور سرین پیچھے کو نکالے اور سینے کو مشقت کے ساتھ اٹھانے لگی (سبع معلقات)

[۳] دیکھو روح المعانی ۲۰/۱۱۱

والزیادة علی السنن الطبیعیة ایضاً علی اقسام قد یکون ذلک بالصفة۔ ولا طائر یطیر بجناحیه۔ ان الانسان خلق هلوعا اذا مسه الشر جزوعا واذا مسه الخیر منوعا۔ وقد یکون بالابدال الی للذین استضعفوا لمن آمن منهم۔ وقد یکون بالعطف التفسیری۔ حتی اذا بلغ اشده وبلغ اربعین سنة،

ترجمہ:- اور طبعی طریقہ پر زیادتی بھی چند قسموں پر ہے۔ (۱) کبھی یہ زیادتی صفت کے ذریعہ ہوتی ہے (کہ کلام میں صفت زائدہ مذکور ہوتی ہے) جیسے ارشاد ربانی ولا طائر الآیۃ اور کوئی چڑیا جو اپنے پروں سے اڑتی ہو۔ (اور دوسری مثال ارشاد ربانی ان الانسان الآیۃ) بیشک انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے۔ جب اس کو تکلیف پہونچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ (۲) اور کبھی ابدال (نحوی بدل لانے) کے ذریعہ ہوتی ہے (جیسے ارشاد ربانی للذین الخ) ان لوگوں سے جنہیں کمزور کیا گیا یعنی ان لوگوں سے جو ایمان لائے۔ (۳) اور کبھی عطف تفسیری کے ذریعہ (زیادتی) ہوتی ہے۔

ملہ اس میں اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں زائد کلمات کا وجود ہے یا نہیں۔ مبرد، ابن السراج اس کے منکر ہیں جبکہ جمہور فقہاء، مفسرین و دیگر علماء اسلام وجود کے قائل ہیں۔ لیکن صرف زائد قرار دینے کو تاکید، یا صلہ یا نحو کے اعتبار سے موسوم کیا جاتا ہے، زائد نہیں کہا جاتا ہے۔ ہے کہ یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے۔ واضح رہے کہ زائد ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا ہے کہ لفظ بالکل ہی بے فائدہ ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اصل مراد متکلم کے معانی و فوائد۔ مثلاً تعظیم و تاکید وغیرہ کے لئے یہ لفظ لایا گیا ہے۔
ملخص از علوم تفسیر

علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ زائد زیادہ تر حروف ہیں، پھر افعال پھر اسماء۔ بعض نحویوں کے نزدیک زائد اسماء قرآن میں بالکل نہیں ہیں لیکن بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ نے بعض مقامات پر اسماء زائدہ کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً فان آمنوا بمثل ما آمنتم به میں لفظ مثل زائد ہے۔ (الاتقان)

بعض علماء نحو کی اقتداء میں تحقیق کے ذریعہ لفظ مثل کے غیر زائد ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن قرآن لفظ مثل کو ظاہر پر محمول کیا ہے۔ تفصیل تفسیر کے سلسلہ میں دیکھئے۔ (روح المعانی ج ۱)

اپنے حتی اذا (الخ) یہاں تک کہ جب اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس برس کو پہنچتا ہے۔

فائدہ:۔ اللف الطبعیۃ (گفتگو کا فطری طریقہ) سے مراد غالباً وہ طرز کلام ہے جس میں الفاظ متکلم کی اصل مراد کے مساوی ہوتے ہیں۔ جیسے فن بلاغت میں مساوات کہا جاتا ہے۔ لہٰذا الزیادۃ علی اللف الطبعیۃ، سے مراد غالباً وہ طرز کلام ہے جس میں کسی فائدہ کے پیش نظر متکلم کی اصل مراد سے زائد کلمات، ذکر کئے جاتے ہیں، اس کا نام زیادۃ ہے۔ درحقیقت یہ اطناب کی ایک قسم ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں اطناب کی دو قسمیں ذکر کی ہیں۔ بسط و زیادۃ۔ بسط سے مراد وہ اطناب ہے جس میں جملوں کی کثرت ہو۔ جیسے سورۂ بقرہ کی آیت، ان فی خلق السموات والارض، الآیۃ اور جیسے سورۂ مومن کی آیت، الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربہم ویؤمنون بہ الآیۃ اور سورۂ حم سجدہ کی آیت، وویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوٰۃ، الآیۃ۔ اور زیادۃ سے مراد وہ اطناب ہے جس میں جملوں کی کثرت نہ ہو۔

زیادۃ، کی بائیس قسمیں علامہ سیوطیؒ نے تفصیل کے ساتھ ذکر کی ہیں۔ اجمالاً ان کے نام ذکر کئے جاتے ہیں۔ (۱) حرف تاکید کی زیادتی (۲) حروف زائدہ کی زیادتی (۳) تاکید صناعی (جس کی چار قسمیں ہیں۔ تاکید لفظی، تاکید معنوی، مفعول مطلق، حال مؤکدہ) (۴) تکریر (۵) ذکر الصفۃ (۶) ذکر البدل (۷) عطف بیان (۸) عطف احد المترادفین (۹) عطف الخاص علی العام (۱۰) عطف العام علی الخاص (۱۱) الایضاح بعد الابہام (۱۲) التفسیر (۱۳) وضع الظاہر موضع المضمر (۱۴) الایغال (۱۵) التذییل (۱۶) الطرد والعکس (۱۷) التکمیل (۱۸) التتمیم (۱۹) الاستقصاء (۲۰) الاعتراض (۲۱) التعلیل۔ (الاتقان ج ۲ نوع ۵۶ دیکھئے)

قولہ: ولا طائر یطیر بجناحیہ طائر کی صفت یطیر اس بات کی تاکید کے لئے لائی گئی ہے کہ یہاں طائر سے مراد حقیقۃً پرندہ ہی ہے، ورنہ کبھی اس کا اطلاق، بطریق مجاز پرندے کے سوا اور جانور پر بھی کر دیا جاتا ہے، اور بجناحیہ، حقیقت طیران کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات طیران کا اطلاق مجازاً تیز رفتاری پر بھی کر دیا جاتا ہے اس کی نظیر یقولون بالسنتہم ہے۔ کیونکہ مجازاً قول کا اطلاق غیر لسانی قول پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے قولہ تعالیٰ ویقولون فی انفسہم۔
(الاتقان نوع ۵۶)

قولہ هلوعًا او هلوع، ناقۃ هلوع۔ یعنی سریعۃ السیر ہے۔ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کسی طرف تنگی ہو دکھلائے گھبرائے۔ اور خوشی آئے تو بے صبر ہو کر گھبرا اٹھے۔ اور صبر اور فراخی ملے تو ہاتھ روک لے کنجوس بن جائے۔ وسئل ابن عباس عن الهلوع فقال هو کما قال اللہ تعالیٰ اذا مسہ الشر جزوعًا، الآیۃ (الروض)

صفت کے اسباب اغراض :- (۱) تخصیص نکرہ جیسے فتحریر رقبۃ مؤمنۃ۔ (۲) توضیح معرفہ جیسے، الرسول النبی ([illegible]) (۳) مدح و ثنا جیسے، بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین۔ (۴) مذمت جیسے فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم (۵) تاکید و رفع ابہام جیسے۔ لا تتخذوا الٰہین اثنین۔ اثنین الٰہین کی صفت مؤکدہ ہے۔ لفظ الٰہین میں تعدد اجناس کا جو وہم ہو سکتا تھا اسے دفع کرنے کے لئے "اثنین" کا لفظ لایا گیا ہے (الاتقان و حاشیہ بیان القرآن)

قولہ بالبدل یعنی ایضاح بالبدل کے ساتھ زیادتی ہے جس سے ابہام کے بعد وضاحت مقصود ہوتی ہے۔ اور اس کا فائدہ بیان اور تاکید ہے۔ فائدہ بیان تو ظاہر ہے۔ اور فائدہ تاکید اس طرح ہے کہ بدل عامل کی تکرار کی وجہ سے آتا ہے اس لئے گویا بدل اور مبدل منہ دو جملوں کے ہو گئے جیسا صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ۔ لمن آمن منہم، موصول سے بدل ہے عامل کے اعادہ کے ساتھ۔ یعنی بدل کل من الکل جیسے مررت بزید باخیک۔ اور ضمیر مجرور قوم کی طرف راجع ہے۔ (روح)

البدل۔ والقصد بہ الایضاح بعد الابہام وفائدتہ البیان والتاکید اما الاول فواضح انک اذا قلت رأیت زیدا اخاک بینت انک ترید بزید الاخ لا غیرہ واما التاکید فلانہ علی نیۃ تکرار العامل فکانہ من جملتین ولانہ دل علی ما دل علیہ الاول اما بالمطابقۃ واما بالتضمن وبالالتزام (الاتقان ملخصا)

وقد یکون بالتکرار۔ وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء ان یتبعون الا الظن۔ اصل الکلام وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء الا الظن۔ ولما جاءهم کتاب من عند اللہ

مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا
فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به. وليخش الذين لو تركوا
من خلفهم ذُرِّيَّةً ضعافا خافوا عليهم فليتقوا الله... يسئلونك
عن الاهلة قل هي مواقيت للناس والحج. اي هي مواقيت
للناس باعتبار ان الله شرع لهم التوقيت بها وللحج باعتبار
ان التوقيت بها حاصل للحج ولو قيل هي مواقيت للناس في
حجهم كان اخصر ولكن اطنب. لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَ
تُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ. اي تنذر أُمَّ القُرٰى يوم الجمع. وترى الجبال
تَحْسَبُهَا جَامِدَةً. ادخل الحسبان لان الرُّؤْيَة تجئ لمعانٍ والمرادُ
ههنا معنى الحسبان۔

ترجمہ :- اور وہ (ثانیاً) کبھی تکرار کے ذریعہ ہوتی ہے (جیسے وما یتبع الخ) اور نہیں اتباع کرتے
ہیں وہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کرتے ہیں۔ نہیں اتباع کرتے ہیں مگر بے سند
خیال کا۔ اصل کلام (وما یتبع الخ ہے (جس میں ان یتبعون ساقط ہے) اور جیسے ولما جاءھم الخ)
اور جب ان کو ایسی کتاب پہنچی جو منجانب اللہ ہے۔ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے
حالانکہ اس سے قبل بیان کیا کرتے تھے کفار سے، پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ پہچانتے ہیں تو اس
کا انکار کر بیٹھے۔ اور جیسے ولیخش الذین الخ) اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر اپنے بعد چھوٹے
چھوٹے بچے چھوڑ جائیں تو ان کی ان کو فکر ہو، سو ان لوگوں کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ سے ڈریں۔
(اور جیسے یسئلونک الخ) آپ سے چاندوں کے حالات کی تحقیقات کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ
وہ چاند آلۂ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔ یعنی وہ لوگوں کے لئے اوقات کی
شناخت کا آلہ ہیں اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چاندوں کے ذریعہ لوگوں کے لئے اوقات کی
تعیین کو مشروع فرمایا ہے اور حج کے لئے (اوقات کی شناخت کا آلہ ہیں) اس اعتبار سے کہ ان
کے ذریعہ حج کے وقت کی تعیین حاصل ہے۔ اور اگر ھی مواقیت للناس فی حجھم ارشاد ہوتا تو
زیادہ مختصر ہوتا لیکن اطناب کیا گیا۔ (اور جیسے لتنذر الخ) تاکہ آپ مکہ کے رہنے والوں کو

اور جو لوگ اس کے آس پاس ہیں ان کو ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں یعنی "تُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى يَوْمَ الْجَمْعِ"۔ (اور جیسے "وتری الجبال" الخ) اور تو پہاڑوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہے جس میں تجھ کو خیال ہوتا ہے کہ یہ جنبش نہ کریں گے یعنی (اصل کلام) "تری الجبال جامدۃ" (ہے) (جیسا کہ) دو مسند کے درمیان حسبان (تحسبہا) داخل کر دیا گیا اس لئے کہ رؤیت کئی معنی کے لئے آتا ہے اور مراد یہاں حسبان کا معنی ہے۔

فائدہ: تکرار کی ایک مثال سابقہ عبارت میں گذری، اس عبارت میں مزید پانچ مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

پہلی مثال میں "فلما جاءہم ما عرفوا" کا تکرار ہے کیونکہ "ما عرفوا" سے "کتاب" ہی مراد ہے۔ تکرار کا مقصد یہود کے "انتہائی ضدی و ہٹ دھرم" ہونے کا بیان ہے جیسا کہ لفظ "عرفوا" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ علم و معرفت کے باوجود اعتراف و انقیاد سے گریز کرتے ہیں گویا ان الفاظ میں "وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم ظلما وعلوا" کا مضمون مضمر ہے۔

نحوی اعتبار سے اس تکرار کی وجہ یہ ہے کہ شرط (لما جاءہم کتاب الخ) اور جزا (کفروا بہ) میں جملہ معترضہ کی وجہ سے فاصلہ زیادہ ہو گیا تھا اس لئے اس فاصلہ کو کم کرنے کی ضرورت تھی۔ لہذا شرط مکرر لائی گئی۔

دوسری مثال: میں "فلیتقوا" کا تکرار ہے۔ جو "ولیخش" کا ہم معنی ہے۔ نحوی وجہ یہاں بھی وہی ہے اور مقصد تاکید و اہتمام ہے۔ واللہ اعلم

تیسری مثال: میں لفظ "الحج" مکرر ہے کیونکہ "مواقیت للناس" کا مطلب ہے "اوقات لعباداتکم ومعالم یعرفون بہا مواعید الصوم والحج والزکوٰۃ" (صفحہ ...) یعنی "اہلہ" تمہاری عبادات، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے اوقات پہچاننے کی شناخت و علامت ہیں۔ لہذا "الحج" کا صراحۃً تذکرہ "ذکر الخاص بعد العام" کے قبیل سے ہے۔

---

۱ قال الآلوسی: وقولہ تعالیٰ: والحج عطف علی الناس فہذا تخصیص بعد التعمیم [illegible] تکرار لدخول المناسک تحت [illegible] [illegible] معالم للناس یوقتون بہا [illegible] [illegible] [illegible] اوقاتہا [illegible]

جو تکرار لفظی اور اطناب کی ایک قسم ہے۔ یہ علامہ آلوسی وغیرہ مفسرین کی رائے ہے۔

حضرت ماتن کا ارشاد گرامی:- ماتن علام فرماتے ہیں کہ اہلّہ کے موقت ہونے کی دو حیثیتیں ہیں۔ لوگوں کے لئے موقت ہونے کی حیثیت الگ ہے اور حج کے لئے موقت ہونے کی حیثیت الگ۔ کیونکہ اختلاف اہلّہ، لوگوں کے لئے اوقات کی شناخت کا ذریعہ ہے اور حج کے لئے وقت کی تعیین کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا حیثیت کا متنوع و تعدد، لفظ مواقیت کے تکرار کے قائم مقام ہے۔ گویا اصل کلام یوں ہے، مواقیت للناس ومواقیت للحج۔ یہی مضمون بغیر تکرار کے بھی ادا ہو سکتا تھا اگر یوں ارشاد ہوتا ھی مواقیت للناس والحج۔ لیکن اختصار (عدم تکرار) کی راہ چھوڑ کر تکرار و اطناب کی راہ اختیار کی گئی جس کا مقصد حج کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور وقت حج کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرانا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

چوتھی مثال:- اس میں "تُنذِرَ" کا تکرار ہے کیونکہ تقدیر کلام "لِتُنذِرَ اُمَّ القُرٰی وَمَن حَولَهَا وَتُنذِرَ یَومَ الجَمعِ" ہے۔ ام القریٰ مفعول اول ہے اور یوم الجمع مفعول ثانی۔ دونوں مفعولوں کے درمیان میں "تنذر" کا تکرار، انذار کی اہمیت کو جتانے کے لئے ہو سکتا ہے۔ یہ تقدیر کلام علامہ آلوسی اور حضرت تھانوی و دیگر مفسرین کے مطابق ہے۔ شیخ سیوطی نے اس سے کچھ مختلف رائے قائم کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آیت میں صنعت احتباک ہے۔ کیونکہ انذار متعدی بدو مفعول ہے۔ اصل کلام "لِتُنذِرَ اُمَّ القُرٰی وَمَن حَولَهَا العَذَابَ وَتُنذِرَ النَّاسَ یَومَ الجَمعِ" ہے۔ پہلے جزء میں مفعول ثانی محذوف اور مفعول اول مذکور ہے تو دوسرے میں مفعول ثانی مذکور اور مفعول اول محذوف ہے[1]۔

پانچویں مثال میں تکرار بالمعنی ہے۔ کیونکہ علامہ کے مطابق "قوم" میں [illegible] معانی کا احتمال تھا [illegible] یہ بتانے کے لئے ہے کہ یہاں [illegible] جیسا کہ [illegible] ہے [illegible] دونوں [illegible] گویا [illegible] بیان واقع ہوا ہے۔ یہ تو ماتن کی رائے ہے لیکن [illegible] علامہ

---

[1] [illegible] اطناب۔ دیکھئے [illegible]

آلوسی وغیرہ کی نظر میں یہ حسب تھا۔ حالانکہ یہ وجہ نہیں۔ اس صورت میں آیت تکرار سے خالی ہوگی۔ مولانا

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۗ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ ادخل۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ۔ فی تضاعیف الکلام المنتظم بعضہ ببعض بیانا لتضمیر اختلفوا، وایذانا بان المراد من الاختلاف ھٰھنا ھو الاختلاف الواقع فی امۃ الدعوۃ بعد نزول الکتاب بان آمن بعض وکفر بعض۔

ترجمہ:۔ اور جیسے كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً الخ۔ سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی سناتے تھے اور ڈراتے تھے۔ اور ان کے ساتھ کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ میں فیصلہ فرما دیں۔ اور اس کتاب میں اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو وہ کتاب ملی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضح پہنچ چکے تھے باہمی ضدا ضدی کی وجہ سے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے اپنے فضل سے بتلا دیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہ راست بتلا دیتے ہیں۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ کو باری تعالیٰ نے ایسے کلام کے درمیان داخل فرمایا جس کا ایک جزء دوسرے جزء سے مربوط تھا۔ اختلفوا کی ضمیر کا مرجع واضح کرنے کے لئے اور یہ جتانے کے لئے کہ یہاں اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو امت دعوت میں نزول کتاب کے بعد رونما ہوا۔ اس طرح پر کہ کوئی ایمان لایا اور کوئی کفر پر بیٹھا۔

فائدہ:۔ یہ تکرار کی بعض مثال ہے جس میں وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ الخ گویا مکرر ہے کیونکہ

۔ وہ مختلف فیہ ہوا کس طرح۔ مختلفوا کا مصداق بھی وہی لوگ ہیں جنہیں اصحاب کتاب کہا گیا ہے۔ مقصد یہ کہ ان مختلفوا کی ضمیر ہم کی توضیح اور اختلاف کی تعیین و تفسیر ہے جیسا کہ مصنف نے فرمایا کہ اختلاف سے وہ اختلاف مراد ہے جو کتب و شریعت میں نزول کتاب کے بعد رونما ہوا۔

وقد يزاد حرف الجر على الفاعل والمفعول لتوكيد الوصلة فيكون معمولاً للفعل بواسطة حرف الجر، يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا، اى تُحْمٰى هى، وَقَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِعِيسَى بْنِ مَرْيَمَ اى وقفينا هم بعيسى بن مريم

ترجمہ:- اور کبھی کبھی فاعل اور مفعول پر ربط کو مستحکم (پختہ) کرنے کے لئے حرف جر کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ (مثال) : یوم یحمی علیہا یعنی تحمی ہی۔ (دوسری مثال) وقفینا (الآیۃ) اور ہم نے ان انبیاء کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا یعنی وقفینا ہم بعیسی بن مریم

فائدہ:- احماء کے معنی ہیں تپانا، گرم کرنا۔ آیت کی اصل گویا کہ تحمی ہی تھا ہی ضمیر تانیث کا مرجع محذوف ہے جو والذین یکنزون الذہب والفضۃ سے سمجھا جا رہا ہے۔ اس ضمیر تانیث پر جو نائب فاعل بن رہا ہے علیٰ حرف جر داخل کر دیا گیا۔ اور حاشیہ مذکورہ کے مطابق تحمی کو یحمی کر دیا گیا۔ لہٰذا تحمی ہی، یحمی علیہا ہو گیا۔

دوسری مثال کی اصل وقفیناهم بعیسی بن مریم ہے۔

حاشیہ صفحہ

[illegible]

[illegible]

ومما ينبغي ان يُعلم في هذا المقام نكتة. وهي ان الواو تستعمل في كثير من المواضع لتوكيد الوصلة لا للعطف. اذا وقعت الواو في قوله تعالى. وكنتم ازواجا ثلثة. - وفتحت ابوابها. وليمحص الله. وكذلك تزاد الفاء ايضا. قال القسطلاني في شرح كتاب الحج في باب المعتمر اذا طاف طواف العمرة ثم خرج هل يجزئه عن طواف الوداع. قال: ويجوز توسط العطف بين الصفة والموصوف لتاكيد لصوقها بالموصوف. نحو اذ يقول المنافقون والذين في قلوبهم مرض. قال سيبويه هو مثل مررت بزيد وصاحبك. اذا اردت بصاحبك زيدا.

وقال الزمخشري في قوله تعالى. وما اهلكنا من قرية الا ولها كتاب معلوم: جملة واقعة صفة لقرية. والقياس ان لا تتوسط الواو بينهما كما في قوله تعالى. وما اهلكنا من قرية الا

[illegible]

[illegible]

[illegible] باب جب وہ طواف عمرہ کرکے نکل جائے کیا [illegible] کافی ہو گا

لها منذرون. وانما توسطت لتاكيد لصوق الصفة بالموصوف كما يقال في الحال: جاءني زيد عليه ثوب، وجاءني وعليه ثوب

ترجمہ: ۔ اور ان چیزوں میں سے جن کو اس موقع پر بیان کیا جاتا ہے، ایک نکتہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ واو بہت سی جگہوں پر ربط کو مستحکم اور پائیدار کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے نہ کہ عطف کے لئے، جیسے ارشاد باری "اذا وقعت الواقعۃ" [illegible] کے ارشاد "وکنتم [illegible]" اذا جاءوھا وفتحت [illegible] اور جیسے "وثامنہم [illegible]" (الآیۃ) اور جیسے [illegible] (الآیۃ) اور اس میں واو بھی زائدہ ہوتی ہے۔ قسطلانی نے کتاب الحج کی شرح میں باب المعتمر [illegible] میں فرمایا، اور صفت و موصوف کے درمیان حرف عطف واو موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کی تاکید کے لئے جائز ہے، جیسے [illegible] جیسا کہ سیبویہ نے فرمایا ہے جیسے مررت بزید وصاحبک، جیسی بات جب تم نے صاحبک سے زید مراد لیا ہو۔

اور علامہ زمخشری نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وما اھلکنا" الآیۃ کے بارے میں ارشاد فرمایا: یہ جملہ ہے جو قریۃ کی صفت بن رہا ہے۔ اور قیاس یہ ہے کہ ان کے درمیان واو نہ آئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وما اھلکنا" الآیۃ میں ہوا، اور درمیان میں واو موصوف کے ساتھ صفت کے تعلق کو مستحکم کرنے کے لئے آیا ہے جیسا کہ حال کی ترکیب میں کہا جاتا ہے جاءنی زید [illegible]

ف: ۔ ماتن علیہ الرحمۃ نے ان عبارات میں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ حروف عاطفہ میں سے حرف واو بعض اوقات بہت سے مقامات پر عطف کے بجائے اپنے ماقبل و مابعد میں ربط و اتصال کو مستحکم بیان کرنے کے لئے آتے ہیں جیسا کہ متن میں اس سے متعلق مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

(۱) اذا وقعت الواقعۃ ۝ لیس لوقعتہا کاذبۃ ۝ خافضۃ رافعۃ ۝ اذا رجت الارض رجا ۝ وبست الجبال بسا ۝ فکانت ھباء منبثا ۝ وکنتم ازواجا ثلثۃ ۝ ان مثالوں میں "وکنتم" میں واو ماقبل و مابعد میں مضبوط ربط بیان کرنے کے لئے ہے۔

لہ [illegible] ارشاد الساری [illegible] (ج ۳ [illegible])

عہ [illegible] (العربیۃ)

[illegible]

(۱) وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ[۱] ۔ اس مثال میں وَفُتِحَتْ کا واؤ ربط کی تاکید کے لئے ہے۔

(۲) يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ[۲] ۔ اس مثال میں وَلِيُمَحِّصَ کا واؤ ربط کی تاکید کے لئے ہے۔

ان مثالوں کے بعد علامہؒ نے اپنی بات کو قسطلانی، سیبویہ اور زمخشری کے اقوال سے مدلل کیا ہے۔

قسطلانی کا ارشاد حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث میں "فنادی بالرحیل فی اصحابہ فارتحل الناس وطاف بالبیت قبل صلاۃ الصبح"[۳] کے الفاظ آئے ہیں۔ علامہ قسطلانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے متن "طاف بالبیت" کی ایک ترکیب یہ بھی لکھی ہے کہ وطاف الناس کی صفت ہے جبکہ دونوں کے درمیان واؤ موجود ہے۔ لہٰذا یہ ضابطہ بھی لکھنا پڑا کہ جب صفت موصوف کے باہمی ربط کی تاکید و توثیق مقصود ہو تو ان دونوں کے درمیان "حرف عطف" کو لانا جائز ہے۔ جیسے کہ ارشاد ربانی "اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرض" میں "المنافقون" اور اس کی صفت "الذین فی قلوبہم مرض" کے درمیان حرف عطف آیا ہے۔ پھر اس ضابطہ کو مدلل کرنے کے لئے سیبویہ اور زمخشری کے وہ اقوال پیش کئے گئے ہیں جو قسطلانی کے حوالے سے متن میں مذکور ہیں۔

زمخشری کی دلیل علامہ زمخشری نے ارشاد ربانی "وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ" کی روشنی میں جو ضابطہ مستنبط کیا ہے کہ صفت و موصوف کے درمیان واؤ عاطفہ کا

---

[۱] سورۂ زمر، آیت ۷۳، ترجمہ: اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوں گے اور وہاں کے محافظ ان سے کہیں گے کہ السلام علیکم تم مزے میں رہے سو اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ۔

[۲] سورۂ آل عمران آیت ۱۵۴، ترجمہ: وہ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کچھ اختیار چلتا تو ہم یہاں مقتول نہ ہوتے۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کے لئے قتل مقدر ہو چکا تھا وہ لوگ ان مقامات کی طرف نکل پڑتے جہاں وہ گرے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات کی آزمائش کرے اور تاکہ تمہارے دلوں کی بات کو صاف کر دے۔

[۳] [illegible] ارشاد الساری ج ۳، ص ۲۱۲، مطبع نول کشور لکھنؤ۔

الاعلام

(ضمیمہ ص ۲۹۱)

القسطلانی: یہ مصر کے نامور محدث احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک القسطلانی [illegible] ہیں۔ ۸۵۱ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے اور ۹۲۳ھ میں وہیں وفات پائی۔ آپ کی تصانیف میں سے "ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری" اور "المواہب اللدنیہ فی المنح المحمدیہ" کو شہرت حاصل ہے۔

(العنوان)

سیبویہ: نحو کے مشہور امام علم نحو کے پیشوا عمرو بن عثمان بن قنبر ولاءً حارثی ہیں۔ ابو بشر آپ کی کنیت ہے۔ ۱۴۸ھ میں شیراز کی کسی بستی میں پیدا ہوئے۔ جب باشعور ہو چکے تو علم نحو و علم ادب کے حصول کے لیے وہاں خلیل بن احمد کی خدمت میں بصرہ حاضر ہو کر علم نحو میں ایسا کمال حاصل کیا کہ ہمعصروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ فن نحو کی تفصیلات کو منظر عام پر لانے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ فن نحو میں کتاب سیبویہ کے نام سے وہ عظیم الشان کارنامہ پیش کیا کہ اہل علم "لم یصنع قبلہ ولا بعدہ مثلہ" کہنے پر مجبور ہو گئے۔ سیبویہ نے بغداد کا بھی سفر کیا، وہاں امام النحو کسائی سے مناظرہ کی نوبت آگئی تو خلیفہ ہارون رشید سے دس ہزار درہم کا انعام ملا۔ بغداد سے اہواز پہنچے، جہاں ۱۸۰ھ میں گویا ۳۲ یا ۳۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (العنوان والروض سے مستفاد)

الزمخشری: خوارزم کے قصبہ زمخشر کی طرف نسبت ہے۔ اس سے مراد ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر زمخشری ہیں۔ جو نحو و ادب کے یگانۂ روزگار امام اور تفسیر و حدیث کے زبردست عالم تھے۔ معانی و بیان بالخصوص اعجاز قرآنی کے ایسے امام کہ امام العصر علامہ انظر شاہ کشمیری[1] کے بقول "لم یدر اعجاز القرآن الا اعرجان اعرج من زمخشر واعمی من جرجان" یعنی اعجاز القرآن میں عبد القاہر جرجانی کے سوا کوئی بھی ان کا ہمسر نہیں۔ آپ کے ساتھ علامہ کشمیری فرمایا کرتے تھے۔ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ میں اپنے وطن مالوف زمخشر میں پیدا ہوئے اور شب عرفہ ۵۳۸ھ میں اپنے وطن جرجانیہ میں وفات پائی۔ آپ نے ۷۱ سالہ زندگی میں مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ درس و تدریس کا کام کیا۔ تصنیف و تالیف میں گراں قدر کارنامے پیش کیے جن میں سے مفصل، الفائق و اساس البلاغہ کو خاص شہرت حاصل ہے۔ لیکن با ایں ہمہ کمالات عقیدۃً معتزلی تھے، اس لئے ان کی تفسیر کشاف کے مطالعہ میں بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ (مستفاد از ظفر المحصلین)

---

[1] هكذا سمعت أستاذي من الشيخ الأستاذ انظر شاه الكشميري المدرس سابقاً بدار العلوم بديوبند وحكى الشيخ محمد حنيف الجنجوهي نقل في كتابه ظفر المحصلين قيل فيه وفي السكاكي لولا الاعرجان لبطلت البلاغة۔

ذکر جائز ہے۔ بہت سے نحویوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے اس کا رد کرتے ہوئے زمخشری کے اجتہاد کی مدلل تصویب کی ہے فرماتے ہیں۔ لا شك ان معنى الجمع يناسب معنى اللصوق، وباب المجاز مفتوح فلتحمل هذه الواو عليه تأكيدا للصوق الصفة بالموصوف فتكون هذه ايضا اخت الواو العاطفة كالتي بمعنى مع والحالية والاعتراضية[۱]

حاصل یہ کہ واو جمع کے معنی میں آتا ہے، اور جمع و لصوق میں گہری مناسبت ہے۔ لہٰذا صفت و موصوف کے درمیان والے واو کو بجاز الصوق الصفۃ بالموصوف کے لئے استعمال کی پوری گنجائش ہے۔ اس طرح واو لصوق بھی واو حالیہ، واو معترضہ اور واو بمعنی مع کی طرح واو عاطفہ ہی کی فرع ہو سکتا ہے[۲]

وربما تكون الصعوبة في فهم المراد لانتشار الضمائر وارادة المعنيين من كلمة واحدة۔ وانهم ليصدونهم عن السبيل ويحسبون انهم مهتدون۔ يعني ان الشياطين ليصدون الناس عن السبيل ويحسب الناس انهم مهتدون۔ قال قرينة۔ في موضع واحد المراد به الشياطين وفي الموضع الآخر الناس۔ يسئلونك ماذا ينفقون قل ما انفقتم من خير فللوالدين۔۔ ويسئلونك ماذا ينفقون قل العفو۔ فالاول معناه اي انفاق ينفقون واي نوع من الانفاق ينفقون وهو صادق بالسؤال عن المصرف لان الانفاق يصير باعتبار المصارف انواعا والثاني معناه اي مال ينفقون؟

---

[۱] روح المعانی ج ۱۵ ص ۲۴۴

[۲] مولانا زمخشری اور امام ولی اللہ کے قول میں دو فرق ہیں۔ (۱) زمخشریؒ نے دلالت تاکید کے لئے صرف واو کا ذکر کیا ہے جبکہ شاہ صاحب نے واو کے ساتھ لام کو بھی ثبت فرمایا ہے۔ (۲) زمخشریؒ نے صرف ترکیب توصیفی کے سلسلے میں ضابطہ بیان کیا ہے جبکہ شاہ صاحب نے توصیفی و غیر توصیفی کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔ مگر مثالیں دونوں توصیفی کی پیش کی ہیں، اور استدلال زمخشریؒ کے قول سے کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے یہاں بھی ملحوظ ہے۔ بعض غیر توصیفی ترکیب کی مثالیں بھی اس کے تحت آتی ہے۔ اور تاکید ربط کی ضرورت غیر توصیفی ترکیب میں کم پڑتی ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم

ترجمہ: اور کبھی دقت مراد کے سمجھنے میں دشواری ضمیروں کے انتشار، مراجع کے اختلاف، اور ایک کلمے سے دو معنی مراد لینے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسے ارشاد و اخوانہم یمدونہم اور وہ جو ان کے دوست ہیں [illegible] اور بہکاتے ہیں [illegible] یعنی شیاطین لوگوں کو راہ راست سے دور کھینچ لیتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہدایت پر ہیں۔ اور جیسے ارشاد ربانی حتی اذا جاءنا ایک جگہ میں سے شیاطین مراد ہیں۔ اور دوسری جگہ فرشتہ (اور جیسے ارشاد ربانی یسئلونک ماذا ینفقون) وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے جو مال بھی خرچ کرو تو والدین کے لئے اور آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے جو بچے اپنے خرچ سے۔ تو پہلے سوال کا معنی: کونسا خرچ کریں؟ اور خرچ کی کونسی قسم اختیار کریں؟ اور یہ معنی مصرف کے بارے میں سوال پر صادق آتا ہے کیونکہ مصارف کے اعتبار سے انفاق کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ اور دوسرے کا معنی: کونسا مال خرچ کریں؟ ہے۔

ف: پہلی آیت وانہم لیصدونہم انتشار ضمائر کی مثال ہے جس میں پہلی اور دوسری ضمیروں کا مرجع شیاطین اور مابعد کی تینوں ضمیروں کا مرجع الناس ہے۔ بقیہ آیات کو ایک کلمہ سے دو معنی مراد لینے کی مثالیں ہیں۔

ومن هذا القبيل يجيء لفظ جعل، وشيء، ونحوها بمعان شتى. قد يجيء جعل بمعنى خلق. جعل الظلمت والنور. وقد يكون بمعنى اعتقد، وجعلوا لله اندادا. وشيء يجيء مكان الفاعل ومكان المفعول وقد يجيء مكان المفعول المطلق وغير ذلك. ام خلقوا من غير شيء. اي من غير خالق. فلا تسئلني عن شيء. اي عن شيء مما يتوقف فيه من امري

[illegible]

ترجمہ:۔ اور اسی قبیل سے ہے مثلاً جَعَلَ (اور لفظ) شَیْءٌ وغیرہ کا مختلف معانی کے لئے آنا۔ جَعَلَ کبھی خَلَقَ کے معنی میں آتا ہے (جیسے) جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ[1] (مطلب۔ تاریکیاں اور روشنی پیدا فرمائی) اور کبھی اِعْتَقَدَ کے معنی ہوتا ہے (جیسے) وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ[2] (اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے) اور شَیْءٌ فاعل کی جگہ پر آتا ہے اور مفعول بہ کی جگہ پر۔ اور کبھی مفعول مطلق کی جگہ پر آتا ہے (جیسے) اَمْ خُلِقُوْا الآیۃ[3] (کیا وہ لوگ کسی چیز کے بغیر پیدا کئے گئے ہیں۔ یعنی خالق کے بغیر) (اور جیسے) فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ[4] (مجھ سے کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھنا یعنی میرے کسی ایسے کام کے بارے میں جو تمہارے لئے ناقابل فہم ہو) سوال مت کرنا)

ف:۔ ہٰذا القبیل سے مراد۔ لفظ واحد سے مختلف معانی کا مراد لینا ہے۔ عموماً ان کے علاوہ بھی الفاظ ایسے ہیں کہ قرآن میں مختلف معانی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے ظلم، ظلم، ظلمت اور مثلاً لدو، امر وغیرہ۔ ظن کبھی اعتقاد راجح اور غالب گمان کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے۔ اِنْ ظَنَّا اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ[5]۔ اور کبھی یقین کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ[6]

---

[1] سورۂ انعام۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔

[2] سورۂ انعام۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا ھٰذَا لِلّٰہِ بِزَعْمِھِمْ وَھٰذَا لِشُرَکَآئِنَا۔ ترجمہ: اور ان لوگوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ مقرر کیا (یعنی اللہ کا حق کچھ کی حقیر سی سمجھتے ہیں) اور بزعم خود کہتے ہیں یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔

[3] سورۂ طور۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخٰلِقُوْنَ۔

[4] سورۂ کہف۔ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا۔ ترجمہ:۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو مجھ سے کسی بات کے بارے میں کچھ پوچھنا نہیں جب تک کہ میں اس کے متعلق میں خود ہی ابتداءً ذکر نہ کر دوں۔
یہ بزرگ حضرت خضر علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ سے یہ بات کہی تھی۔

[5] [illegible] ظن کے معنی [illegible] غالب گمان کے معنی میں [illegible] یقین کے معنی [illegible] ہے اور کبھی ظن [illegible] جیسے [illegible] ظن کے بعد [illegible] ہے اور [illegible] جیسے اِنِّیْ ظَنَنْتُ [illegible] یَظُنُّکَ الرَّسُوْلُ [illegible] جیسے اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَہْ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ای تیقن انہ الفراق۔ (مستفاد از تفاسیر)

ظلم - شرک کے معنی میں آیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ ۔ الآیۃ

اور نقص و کمی کے معنی میں بھی آیا ہے۔ وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْـًٔا۔

الظلمة : اندھیرا اور تاریکی کے معنی میں آیا ہے۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ ... ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ جہل، شرک اور کفر کے معنی میں بھی آیا ہے۔ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ آیات کے معنی میں بھی آیا ہے۔ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ۔ امام راغب فرماتے ہیں: فِی الظُّلُمٰتِ اس آیت میں، عمی کی جگہ پر ہے گویا یہ آیت صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ کی مرادف ہے۔[1]

ضلالة : مختلف مقامات پر اعتقادی گمراہی (کفر و شرک) کے معنی میں آیا ہے جیسے۔ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں، بے خبر اور سرگردان و حیران ہونے کے معنی میں آیا ہے۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔ نسیان کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى۔ باطل کے معنی میں بھی آیا ہے۔ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ۔

جَعَلَ : یہ افعال عامہ میں سے ہے۔ اس میں فَعَلَ، صَنَعَ وغیرہ سب کے عام معنی تمام افعال عامہ سے زیادہ عموم پایا جاتا ہے۔ اس کا استعمال پانچ طریقوں پر رائج ہے۔ (۱) صار اور طفق کا قائم مقام ہو کر مستعمل ہے۔ جیسے جَعَلَ زَیْدٌ یَقُوْلُ۔

وَقَدْ جَعَلَتْ قَلُوْصُ بَنِیْ سُهَیْلٍ، مِنَ الْاَكْوَارِ مَرْتَعُهَا قَرِیْبٌ[2]

اس صورت میں یہ متعدی نہیں ہوتا ہے۔ (۲) اَوْجَدَ اور خلق کے قائم مقام ہو کر۔ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ۔ اس صورت میں متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ (۳) ایک چیز سے دوسری چیز کو ایجاد کرنے اور بنانے کے معنی میں۔ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا[3]۔ (۴) کسی چیز کو کسی مخصوص حالت پر کرنے کے معنی میں۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا۔ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا۔ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا۔

---

[1] دیکھئے المفردات فی غریب القرآن ص ۳۱۵۔ [2] بنی سہیل کے اونٹ کے کجاوے اتارے گئے تو قریب ہو گئے کہ اونٹنیاں صرف چند ہاتھوں کے فاصلے پر چرتی ہیں۔ [3] المفردات ص ۹۴۔

زد: الحکم بالشیء علی الشیء حقا کان او باطلاً ۔ کسی چیز پر کوئی حکم لگانے کے معنی میں ، خواہ وہ حکم واقعہ میں حق ہو یا باطل۔ فاما الحق فنحو قوله تعالیٰ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ

واما الباطل فنحو قوله عز وجل وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ ۔ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ۔

اس باطل حکم کو ماننے کے لیے جعل بمعنی اعتقاد سے تعبیر کیا ہے۔

شیءٌ: ہر چیز جو علم و خبر کے لائق ہو اسے شئی کہا جاتا ہے۔ (ھو الذی یصح ان یعلم و یخبر عنہ) جمہور متکلمین کے نزدیک: شئی مشترک المعنی اسم ہے کیونکہ یہ اللہ اور غیر اللہ سب کیلئے مستعمل ہے۔ موجود و معدوم سب پر صادق ہے۔ علامہ [illegible] کا مقصد یہ ہے جب حق تعالیٰ شانہ کی صفت بنتا ہے تو شائی (اسم فاعل) کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور جب غیر اللہ کی صفت بنتا ہے تو مشیء (اسم مفعول) کے معنی میں ہوتا ہے۔ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ میں یہی دوسرے معنی لیا ہے۔ (مصدر بمعنی اسم مفعول) اور قل ای شیء اکبر شہادۃ میں اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ شئی کبھی فاعل کی جگہ آتا ہے جس کی مثال ام خلقوا الخ ہے۔ اور کبھی مفعول بہ کی جگہ آتا ہے جس کی مثال لکل شیء فیہ شئی ہے کیونکہ شئی المترتب فیہ کے معنی میں ہے۔ کبھی مفعول مطلق کی جگہ پر آتا ہے۔ فهم لن يضروا الله شيئا ، شيئا مفعول مطلق کے معنی میں ہے۔

وقد يريدون بالامر ، والنبأ ، والخطب ، الخبر عنه ۔ هو نبأ عظيم ، اي قصة عجيبة ، وكذلك الخير والشر وفي معناهما يختلفان.

ترجمہ: اور کبھی (امر) (نبأ) اور (خطب) سے مخبر عنہ یعنی خبر و قصہ مراد لیتے ہیں جیسے ھو نبأ عظیم یعنی عجیب قصہ۔ اور اسی طرح خیر و شر اور وہ الفاظ جو ان دونوں کے معنی میں ہوتے ہیں مواقع استعمال کے اعتبار سے مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

---

[1] مفردات ص ۲۴۳۔

[2] [illegible] کیونکہ [illegible] ہے۔ [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] کا صیغہ [illegible] ہے۔

فائدہ :- الامر: الشان، بیان، حال، وصف۔ لفظ امر میں بہت عموم ہے۔ کسی بھی قول و فعل کے لئے یہ لفظ بولا جا سکتا ہے۔ [illegible] عام فی قول و فعال (المفردات)

الخطب: بفتح الخاء وسکون الطاء، الامر العظیم الذی یکثر فیہ التخاطب (المفردات) ایسا اہم معاملہ جس میں عموماً گفتگو ہوا کرتی ہے۔

النبأ: [illegible] خبر ذو فائدۃ عظیمۃ یحصل بہ علم او غلبۃ ظن (المفردات) عظیم الشان خبر جو یقین یا کم از کم ظن غالب کا فائدہ دے۔

یہ ہیں ان تینوں الفاظ کے اصل معانی۔ مگر بعض علماء کا کہنا ہے کہ تینوں الفاظ قرآن میں ایک مطلب قدرے مشترک "خبر" کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے: قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ، عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ، قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ۔ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا۔

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ: اِنْتِشَارُ الْاٰيَاتِ، قَدْ يُبَادِرُوْنَ اِلٰى اٰيَةٍ مَقَامُهَا الْاَصْلِيُّ بَعْدَ اِيْرَادِ الْقِصَّةِ، فَيَذْكُرُوْنَهَا قَبْلَ تَمَامِ الْقِصَّةِ، ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ اِلَى الْقِصَّةِ فَيُتِمُّوْنَهَا۔ وَقَدْ تَكُوْنُ الْاٰيَةُ مُتَقَدِّمَةً فِي النُّزُوْلِ، مُتَاَخِّرَةً فِي التِّلَاوَةِ، قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ، مُتَقَدِّمَةٌ فِي النُّزُوْلِ، وَسَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ، مُتَاَخِّرَةٌ، وَفِي التِّلَاوَةِ بِالْعَكْسِ۔ وَقَدْ يُدْرَجُ الْجَوَابُ فِي اَثْنَاءِ قَوْلِ الْكُفَّارِ، وَلَا تُؤْمِنُوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ۔ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ، اَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ۔

ترجمہ :- اور اسی قسم میں سے ہے آیات کا انتشار، (چنانچہ) کبھی کبھی اس آیت کے بارے میں جلدی کر لیتے ہیں جس کا اصل مقام واقعہ ذکر کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کو قصہ مکمل ہونے سے پہلے ذکر کرتے ہیں۔ پھر قصہ کی طرف پلٹتے ہیں اور اسے مکمل کرتے ہیں۔ اور کبھی آیت نزول میں مقدم (اور) تلاوت میں مؤخر ہوتی ہے، جیسے: قد نری تقلب وجہک (ہم دیکھ رہے ہیں آپ کے بار بار منہ اٹھانے کو) نزول میں مقدم ہے۔ اور سیقول (الخ) مؤخر ہے جبکہ

تلاوت میں برعکس ہے۔ اور کبھی کبھی کفار کے قول کے درمیان ان کا جواب داخل کر دیا جاتا ہے جیسے وَلَا تُؤْمِنُوْٓا الخ اور نہ مانو مگر اس کی جو چلے تمہارے دین پر۔ کہہ دیجیے بیشک ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ یہ بات کہ کسی کو اس جیسی (کتاب و شریعت) دی جا سکتی ہے جیسی تم کو دی گئی ہے ؎

فائدہ :- بات یہ چل رہی تھی کہ انتشار ضمائر اور کلمۂ واحدہ سے کئی معانی مراد لینے سے بھی قرآنی آیات کے سمجھنے میں دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر کلمۂ واحدہ سے مختلف معانی مراد لینے کی انواع و اشکال کا تذکرہ کیا گیا ہے اس عبارت میں انتشار ضمائر کی نظیر انتشار آیات کا تذکرہ ہے۔ انتشار آیات کا مطلب یہ ہے کہ آیات کریمہ کی ترتیب نفس مضمون کی ترتیب سے مختلف ہو جائے۔ انتشار آیات کی تین قسموں کا تذکرہ متن میں کیا گیا ہے

قسم اول: بظاہر جس مضمون کو کسی واقعہ کے بعد آنا چاہیے اسے واقعہ کے درمیان ذکر کرنا۔ جیسے بیسویں پارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ جو قارون کے بخل اور کثرت مال پر اترانے کے واقعہ کے درمیان اور ایک قول کے مطابق بارہویں پارہ میں حضرت نوحؑ کے واقعہ کے درمیان آیت کریمہ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ اسی قبیل سے ہے۔

قسم دوم: آیت کی موجودہ ترتیب کا نزولی ترتیب سے مختلف ہونا۔ جیسے سَيَقُوْلُ السُّفَهَاۗءُ مِنَ النَّاسِ الآیۃ جو موجودہ ترتیب اور تلاوت میں مقدم ہے نزولاً آیت کریمہ قَدْ نَرٰى تَـقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ سے مؤخر ہے۔

قسم سوم: قول کفار کے درمیان میں جواب ذکر کرنا۔ جیسے وَلَا تُؤْمِنُوْٓا الآیۃ جس میں عامل (وَلَا تُؤْمِنُوْٓا) اور معمول (اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ) کے درمیان۔ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ

؎ اس ترجمہ میں شاہ صاحبؒ کی نشاندہی ترکیب کا لحاظ کیا گیا ہے جس میں ان یؤتی احد کو ولا تؤمنوا کا معمول مانا گیا ہے۔ اور قل ان الہدیٰ عامل و معمول کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

وبالجملة فهذه المباحث تحتاج الى تفصيل كثير ولكن يكفي هذا القدر منها ذكرنا، ومن طالعه من اهل السعادة و استحضر هذه الامور ولحظها بالبال في اثناء المطالعة ادرك الغرض من الكلام بادنى تأمل، ويقيس غير المذكور على المذكور وينتقل من مثال الى امثلة اخر۔

ترجمہ:۔ بہرحال یہ بحثیں زیادہ تفصیل کی محتاج ہیں لیکن ہم (اصول و ہدایات) کا جو حصہ ہم نے ذکر کیا ہے اتنی مقدار کافی ہے۔ اور سعادت مندوں میں جو اس کا مطالعہ کرکے ان امور کو مستحضر کرلے اور دوران مطالعہ اس کا خیال رکھے وہ معمولی توجہ سے کلام کا مقصد پالیگا اور مذکور کو غیر مذکور پر قیاس کرلیگا۔ اور ایک مثال سے دوسری مثالوں کی طرف منتقل ہو سکیگا۔ (جیسا کہ زیر مطالعہ شرح میں اس کا نمونہ پیش کیا گیا ہے)۔ والحمد للہ اولاً و آخراً

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فصل في بيان المحكم والمتشابه والكناية والتعريض والمجاز العقلي

ليُعلم ان المحكم: ما لم يفهم منه العارف باللغة الا معنى واحدا. والمعتبر فهم العرب الاول لا فهم مدققي زماننا. فان التدقيق الفارغ داء عضال يجعل المحكم متشابها والمعلوم مجهولا۔

ترجمہ:- فصل محکم، متشابہ، کنایہ، تعریض اور مجاز عقلی کے بیان میں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ محکم وہ کلام ہے جس سے لغت کا جاننے والا صرف ایک معنی سمجھے۔ اور اس سلسلہ میں متقدمین عرب کا سمجھنا معتبر ہے نہ کہ ہمارے زمانہ کے بال کی کھال نکالنے والوں کی۔ کیونکہ تدقیق محض (بے فائدہ کی باریکیوں میں پڑنا) ایک لاعلاج بیماری ہے جو محکم کو متشابہ اور معلوم کو مجہول بنا دیتی ہے۔

ف:- کتاب اللہ محکم ہے یا متشابہ؟
اس سلسلہ میں مفسرین کے تین اقوال ہیں۔

قول ۱: پورا قرآن محکم ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ کتاب احکمت آیاتہ۔ وغیرہ

قول ۵: پورا قرآن متشابہ ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے: كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ

قول ۶: اور یہی صحیح ہے کہ بعض آیات محکم ہیں اور بعض متشابہ۔ ارشاد ربانی ہے: هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۔

جواب: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ (ھود) میں احکام سے مراد اتقان ہے۔ یعنی قرآنی مضامین میں وہ قوت و پختگی رکھی گئی ہے کہ ہمیشہ کے لئے نقص و اختلاف سے محفوظ ہیں۔ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۔ اور كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا میں تشابہ سے مراد یہ ہے کہ قرآنی مضامین کو صداقت و حقانیت اور اعجاز میں ایک دوسرے سے مماثلت و یکسانیت حاصل ہے۔ غرض یہ کہ ان آیات میں احکام و تشابہ کے اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں۔

تعریف محکم: محکم و متشابہ کی تعریف میں علامہ سیوطیؒ نے کم و بیش ایک درجن اقوال نقل کئے ہیں جن کا تذکرہ تطویل لاطائل سے خالی نہیں۔ ان میں ایک قول وہ بھی ہے جسے ماتنؒ نے ذکر کیا ہے۔

سیوطیؒ کے الفاظ: المحكم لا يحتمل من التاويل الا وجها واحدا، والمتشابه ما احتمل اوجها۔ حضرت ماتنؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسی تعریف کو اختیار فرمایا ہے چنانچہ رقم طراز ہیں:

قوله تعالى: اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۔ اقول: الظاهر ان المحكم ما لا يحتمل الا وجها واحدا، مثل حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ، والمتشابه ما احتمل وجوها وانما المراد بعضها كقوله تعالى: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ۔ حملها الناس على اباحة الخمر ما لم يكن بغي او افساد في الارض والصحيح حملها على شاربيها قبل التحريم۔

ف: مطلب یہ ہے کہ پہلی آیت کے ایک ہی معنی ہیں [illegible] جیسے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ، اور دوسری آیت میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال ہے مگر مراد ایک ہی ہے وہ متشابہ ہے۔ جیسے لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ۔ الآیۃ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حرمت سے پہلے شراب پی تھی۔ لیکن [illegible] [illegible] آمنوا وعملوا الصالحات [illegible] متشابہ زیادہ نہیں۔ — اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا الآیۃ (الزمر)

والمتشابه: ما احتمل معنيين لاحتمال رجوع الضمير إلى المرجعين كما إذا قال شخص: أمرني الأمير أن ألعن فلانا لعنه الله، أو لاشتراك كلمة في المعنيين نحو "لمستم" في الجماع واللمس باليد، أو لاحتمال العطف على القريب والبعيد نحو "وامسحوا برءوسكم وأرجلكم" في قراءة الكسر، أو لاحتمال العطف والاستئناف نحو "وما يعلم تأويله إلا الله والراسخون في العلم"۔

ترجمہ مع تشریح:- اور متشابہ وہ کلام ہے جو دو (یا زیادہ) معانی کا احتمال رکھتا ہو۔ (یا تو) دو مرجعوں کی طرف ضمیر لوٹنے کا احتمال ہونے کی وجہ سے جیسا کہ جب کوئی شخص کہے امرنی الامیر الخ (یعنی امیر نے مجھے فلاں شخص پر لعنت بھیجنے کا حکم دیا ہے اللہ اس پر لعنت نازل کرے) (لعنہ اللہ کی ضمیر کا مرجع "فلاں" بھی ہو سکتا ہے اور "امیر" بھی)۔ یا دو معانی میں کلمہ کے مشترک ہونے کی وجہ سے (دو معانی کا احتمال ہو) جیسے "لمستم" جو وطی اور لمس بالید (ہاتھ سے چھونے) کے معانی میں مشترک ہے۔ یا قریب اور بعید (دونوں) پر عطف کا احتمال ہونے کی وجہ سے (دو معانی کی گنجائش نکل آئے) جیسے "وامسحوا" الخ کسر والی قراءت میں نحوی اعتبار سے اس کا بھی احتمال ہے کہ "ارجلکم" کا عطف "رؤسکم" پر ہو (قریب) اور یہ بھی احتمال ہے کہ "وجوھکم" پر عطف ہو (بعید) یا عطف اور استیناف کی گنجائش ہونے کی وجہ سے جیسے "وما یعلم" الخ (اور کوئی نہیں جانتا ہے اس کی مراد کو مگر اللہ) اور وہ لوگ جو علم میں رسوخ (و کمال) رکھتے ہیں۔

ف:- اس عبارت میں ماتن نے متشابہ کی تعریف کے ساتھ اس کے چار اسباب بھی بیان کئے ہیں
(۱) ضمیر کے مرجع میں متعدد احتمالات کا ہونا جیسے مذکورہ کلام میں "لعنہ اللہ" کی ضمیر میں دو احتمال ہیں۔
(۲) کلام میں مشترک لفظ کا استعمال جیسے "لمستم" اور "قرء" وغیرہ۔

لے یہ تشریح مصنف کے [illegible] ورنہ جمہور کے یہاں متشابہ کی تعریف ہے ما لا طریق لدرکہ اصلاً۔ یا [illegible] [illegible] ہے۔

(۳) کسی لفظ کے معطوف علیہ میں احتمالات کا متعدد ہونا بھی تشابہ کے اسباب میں سے ہے، جیسے کسرہ کی قراءت میں وارجلکم کے اندر ایک احتمال یہ ہے کہ اس کا معطوف علیہ وجوھکم ہو کسرہ بر جوار کے قبیل سے ہو، دوسرا احتمال یہ ہے کہ معطوف علیہ برؤسکم ہو۔

(۴) ایسا اسلوب کلام جس کی وجہ سے عطف و استیناف دونوں کی گنجائش معلوم ہو، جیسے وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ الخ کہ اس میں الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ، اللّٰہ کا معطوف بھی ہو سکتا ہے اور یقولون آمنا بہ کا مبتدا بن کر جملہ مستانفہ بھی بن سکتا ہے۔

تشابہ کے مزید اسباب

امام راغب نے وجوہ تشابہ (ابہام) کے اعتبار سے اقسام[1] متشابہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے جس سے متشابہ ہونے کے مزید اسباب سامنے آتے ہیں۔

---

[1] امام راغب نے متشابہ کی تعریف کے بعد اولاً متشابہ کی تین قسمیں ذکر کی ہیں (۱) متشابہ من جہۃ اللفظ۔ (۲) متشابہ من جہۃ المعنی (۳) متشابہ من جہتہما۔ پھر متشابہ من جہۃ اللفظ کی دو قسمیں ذکر کی ہیں (۱) مفرد (۲) مرکب۔ پھر لفظ مفرد کی دو قسمیں ذکر کی ہیں (۱) متشابہ من جہۃ الغرابۃ (۲) متشابہ من جہۃ المشارکۃ فی اللفظ (جیسے الید والعین بالاشتراک) پھر متشابہ من جہۃ لفظ مرکب کی تین قسمیں ذکر کی ہیں۔ (۱) متشابہ للاختصار (۲) متشابہ للبسط (۳) متشابہ لنظم الکلام۔ دوسری قسم متشابہ من جہۃ المعنی کا مصداق بیان کیا ہے کہ اس سے مراد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور قیامت کے احوال مذکور ہیں۔ تیسری قسم متشابہ من جہۃ اللفظ والمعنی کی پانچ قسمیں ذکر کی ہیں۔ (۱) متشابہ من جہۃ المکان (وہ امور جن کا تعلق نزول وحی کی جگہ سے ہو) جیسے ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظہورہا، انما النسیء زیادۃ فی الکفر۔ (۲) متشابہ من جہۃ الکمیۃ (جس میں مقدار یعنی عموم وخصوص کے اعتبار سے ابہام ہو) جیسے اقتلوا المشرکین۔
(۳) متشابہ من جہۃ الکیفیۃ (وہ آیات جن میں مامور کی کیفیت یعنی وجوب واستحباب وغیرہ کا کوئی ایک پہلو متعین نہ ہو)۔
(۴) متشابہ من جہۃ الزمان (وہ آیات جن کا زمانہ نزول یعنی تقدم و تأخر معلوم نہ ہو جبکہ ناسخ ومنسوخ کی تعیین اسی پر موقوف ہو) جیسے فاتقوا اللہ ما استطعتم اور اتقوا اللہ حق تقاتہ۔
(۵) متشابہ من جہۃ الشروط: جن میں ان شرائط کے اعتبار سے ابہام ہو جن کی وجہ سے افعال پر صحت وفساد کا حکم لگتا ہو جیسے نماز و نکاح وغیرہ کی شرائط۔
(دیکھئے المفردات ص ۲۵۴، ۲۵۵)

(۱) غرابت جیسے، الأبّ، یزفّون، اور قضبًا۔

(۲) اختصار و ایجاز۔ جیسے وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ[1]

(۳) تفصیل جیسے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ ولو قیل لیس مثلہ شیء لکان اظہر للسامع۔

(۴) تنظیم کلام جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا قَیِّمًا[2]

(۵) ظاہری معانی کا اشارہ نہ کرنا۔ جیسے اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی۔

(۶) کمیت، عموم و خصوص، کیفیت (وجوب و استحباب وغیرہ)، شرائط، اور زمان و مکان و دیگر متعلقات نزول کا ابہام۔ (مثالیں حاشیہ میں گذرچکیں)

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ

حضرت ماتن علیہ الرحمۃ نے متشابہ کی مثالوں میں آیت کریمہ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ کو بھی پیش کیا ہے جس سے اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ متشابہات کی مراد سے واقفیت و ناواقفیت کے سلسلہ میں علمائے اسلام نے اصلاً جس آیت سے استدلال کیا ہے وہ خود متشابہ ہے کیونکہ اس میں دو احتمال ہیں۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ الرّاسخون مبتدا ہو اور یقولون اس کی خبر ہو۔ اور یہ مبتدا و خبر مل کر جملہ مستانفہ ہو، تو مطلب یہ ہوگا کہ متشابہات کے معانی کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ اور جن حضرات کو رسوخ فی العلم حاصل ہے وہ بھی متشابہات کے معنی مرادی کی صداقت و حقانیت پر بس اجمالی ایمان رکھتے ہیں، اور ان کی تاویل و تفسیر کو سرٌّ من اسرار اللّٰہ، اللہ

---

[1] آیت میں اختصار ہے کیونکہ اصل مضمون یوں بنتا ہے، اذا کانت تحت حجر احدکم یتیمۃ وخاف ان لا یعطیھا مھر مثلھا فلیتزوج ما سواھا فانکحوا ما طاب لکم مثنٰی وثلٰث ورُبٰع یعنی جس کی پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو لیکن یہ سمجھتا ہو کہ مہر مثل کی ادائیگی نہ ہو سکے گی تو اسے کسی اور کے لئے چھوڑ دے اور خود اپنی پسند کے مطابق جائز حد تک منتخب کر کے بیاہ کرے۔ [2] ابن عربی شارح مختصر اور زمخشری کی تصریح کے مطابق اصل ترتیب: الکتاب قیما ولم یجعل لہ عوجا ہے۔ فلما کان قیما یفید استقامۃ ذاتیۃ او ثابتۃ لکونہ صفۃ مشبھۃ وصیغۃ مبالغۃ وما بعدہ [illegible] فیہ اول عن ذکر قیما۔ ولم یجعل لہ عوجا للاحتراس ولکنہ مع الاختصار (دیکھئے [illegible])

تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اور اکثر صحابہ و تابعین اسی نظریے کے قائل ہیں۔ وھو اصح الروایات عن ابن عباسؓ۔ اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

دوسرا احتمال: یہ ہے کہ اگر یہ حرف ، اللہ کا معطوف ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ متشابہات کی تاویل کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ، والراسخون فی العلم کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ شافعیہ، حضرت مجاہدؒ، ربیع بن انس اور متکلمین کا یہی مذہب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔

نوعیت اختلاف: علامہ رازیؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے — کیونکہ متشابہات قرآن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک متشابہ وہ ہے جس کی مراد و تفسیر، اجمال، ابہام، غرابت یا اشتراک لفظی کی وجہ سے مشتبہ ہو گئی ہو۔ جیسے آیات مجمل اور وہ آیات جن میں مشترک الفاظ مذکور ہیں۔ جیسے۔ اَوْ لٰمَسْتُمْ، غیر باغ اور قُرُوْء والی آیتیں۔ دوسرا متشابہ وہ ہے جس کی مراد معلوم ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جیسے۔ حروف مقطعات۔۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ متشابہات کی مراد صرف اللہ کے علم میں ہے۔ وہ متشابہات سے یہی دوسری قسم مراد لیتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ متشابہات کی تفسیر و تاویل سے راسخین فی العلم بھی واقف ہوتے ہیں وہ متشابہات سے قسم اول مراد لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ اختلاف نہیں صورتِ اختلاف ہے۔

نوٹ:۔ یاد رہے کہ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں متعدد روایات کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ الراسخون الخ جملہ مستانفہ ہے۔ اللہ پر اس کا عطف نہیں ہے۔ لہٰذا قرآن میں متشابہات سے قسم دوم ہی مراد ہے۔ اس سلسلہ کی تین روایتیں پیش خدمت ہیں۔

پہلی روایت: جسے عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں اور امام حاکمؒ نے مستدرک میں درج کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی قراءت اس طرح ہے وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَيَقُوْلُ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ اٰمَنَّا بِهٖ ۔۔

دوسری روایت: جس کی ابن ابی داؤد نے مصاحف میں بطریق اعمشؒ تخریج کی ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت اس طرح ہے وان تاویلہ الا عند اللہ والراسخون الخ

تیسری روایت: جس کی تخریج ابن جریرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً کی ہے۔ انزل القرآن على اربعة احرف حلال وحرام لا يعذر احد بجهالته وتفسير تفسره العلماء ومتشابه لا يعلمه الا الله تعالى ومن ادعى علمه سوى الله تعالى فهو كاذب۔

مزید کے لئے تفسیر نفیس روح البیان کا مطالعہ کریں۔

والكناية ان يُثبتَ حكمٌ من الاحكام ولا يُقصدُ به ثبوتُ عينه۔ بل المقصودُ انتقالُ ذهنِ المخاطَب الى ما يلازمهُ لزوماً عادياً او عقلياً كما فى عظيم الرماد۔ فان المعنى كثرة الضيافة ويفهم من۔ بل يداه مبسوطتان۔ معنى الكرم والسخاوة۔

ترجمہ:- اور کنایہ یہ ہے کہ احکام میں سے کوئی حکم ثابت کیا جائے لیکن اس سے عین حکم کا ثبوت مقصود نہ ہو۔ بلکہ مقصود مخاطب کے ذہن کا اس چیز کی طرف انتقال ہو جو اس حکم کے لئے عقلاً یا عادۃً لازم ہو۔ جیسا کہ عظیم الرماد میں ہے کہ مقصود کثرت ضیافت ہے۔ اور بل یداہ مبسوطتان سے سخاوت و بخشش کا معنی سمجھا جاتا ہے۔

ف:- کنایہ کنی یکنی (ض) یا کنی یکنو (ن) کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں ترک التصریح بالشیء یعنی کھل کر بات نہ کرنا۔ اشاروں میں کچھ کہنا۔

کنایہ کی تعریف:- کسی حکم غیر مقصود کو اس لئے ثابت کرنا تاکہ اس کے معنی لازم کی طرف مخاطب کی توجہ مبذول کرائی جائے۔ جیسے محمودٌ کثیرُ الرماد میں محمود کے لئے کثیر الرماد ہونے کا حکم لگایا ہے لیکن وہ مقصود نہیں بلکہ متکلم کا مقصد یہ ہے کہ مخاطب کی توجہ کثرت رماد کے معنی لازم (کثرت ضیافت) کی طرف مبذول ہو جائے۔ یا یوں کہو کہ کسی کی طرف ایسے حکم کی نسبت کرنا جو خود مقصود نہ ہو بلکہ اس کا لازمی معنی مقصود ہو۔

کنایہ اور علمائے بیان:- علمائے بیان کے عرف میں لفظ کنایہ کے دو معنی ہیں۔ پہلا معنی ایسے الفاظ بولنا جن سے لازمی معنی مراد لئے جاتے ہوں۔ اس لحاظ سے کنایہ متکلم کی صفت ہے۔ اور حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اسی اعتبار سے تعریف فرمائی ہے۔ دوسرا معنی ہر وہ لفظ جس کے معنی حقیقی

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا لازم مراد لیا گیا ہو۔ اگرچہ معنی حقیقی کو مراد لینے کی گنجائش بھی ہو۔ اس لحاظ سے مصدر (کنایہ) بھی اسم مفعول کے معنی میں ہوگا۔ اور مشہور تعریف میں یہی پہلو ملحوظ ہے۔[1]

ومن هذا القبيل: تصوير المعنى المراد بصورة المحسوس، وذلك باب واسع في أشعار العرب وخطبهم. والقرآن وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم مشحونة به. وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ[2]. شبه بريس السارقين حيث ينادي أصحابه فيقول: تعالوا من هذه الجهة وادخلوا من هذه الجهة. وجعلنا من بين أيديهم سدا ومن خلفهم سدا. إنا جعلنا في أعناقهم أغلالا. شبه إعراضهم عن تدبر الآيات بمن غلت يداه أو بني حواليه سد من كل جهة، فلا يستطيع الرؤية أصلا. واضمم إليك جناحك من الرهب[3]، يعني اجمع خاطرك من الانتشار.

[illegible]

سے الفاظ کنایہ اپنے معنی اصلی میں مستعمل ہوتے ہیں یا غیر اصلی میں؟ اس سلسلہ میں محققین کے دو اقوال ہیں۔ قول اول یہ ہے الفاظ کنایہ بعبارت معنی غیر اصلی کے لئے مستعمل ہوتے ہیں۔ یعنی جو شخص کنایہ کی زبان بولتا ہے اس کی نظر میں صفحۂ ذہن کی اولین دلالت اس معنی لازمی پر ہوتی ہے جسے وہ مراد لیتا ہے۔ قول ثانی یہ ہے کہ الفاظ کنایہ اصلاً اپنے معنی اصلی میں مستعمل ہوتے ہیں لیکن یہ معنی حقیقی مقصود نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کا ذہن معنی حقیقی سے معنی مرادی کی طرف منتقل ہو جائے۔ (چنانچہ جملہ کی اثبات و نفی اور صدق و کذب کا فیصلہ معنی مرادی کے ثبوت و نفی اور صدق و کذب سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ معنی حقیقی سے) یہی وجہ ہے کہ اگر معنی حقیقی کے [illegible] محال ہونے ہی کے ثبوت و تحقق پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ اسی حیثیت سے الرحمن علی العرش استوی۔ اور بل یداہ مبسوطتان جیسی آیتوں کو کنایہ کی شان میں پیش کیا جاتا ہے جبکہ ان کے حقیقی و مستقل معانی کا ثبوت شرعاً محال ہے۔ ماتن علام غالباً اسی قول ثانی کے موافق ہیں جیسا کہ ان کی عبارت سے اشارہ ملتا ہے۔ واللہ اعلم

نوٹ:۔ الکنایۃ ابلغ من التصریح، علمائے بیان کا مسلّم اصول ہے، [illegible] میں کنایہ کا بہت بڑا دخل ہے۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں جا بجا کنایہ کی صورت نمایاں طور پر ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ [illegible] کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ دوسری حدیث میں قوارير کے لفظ سے صنف نازک کی [illegible] کی گئی۔ ایک اور حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے [illegible] اختیار کیا گیا ہے۔

[1] حضرت شاہ صاحب نے کنایہ کی جو تعریف فرمائی ہے [illegible] تعریف کلی ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[2] سورۃ الاسراء ۶۴

[3] سورۃ القصص ۳۲

ترجمہ:- اور معنی مقصود کو محسوس کی صورت میں پیش کرنا اسی کنایہ کے قبیل سے ہے۔ اور یہ ایسا باب ہے جو عرب کے اشعار و خطبات میں پھیلا ہوا ہے۔ اور قرآن و احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اس سے پُر ہیں (مثلاً ارشاد ربانی ہے وَاَجْلِبْ الآیۃ) اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا۔ چوروں کے مورچہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس وقت کہ وہ اپنے ساتھیوں کو بلاتا ہے اور کہتا ہے: اس طرف سے آجاؤ اور اس طرف سے گھس پڑو۔

دوسری مثال وَجَعَلْنَا الآیۃ ہے یعنی اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی ہے اور ایک آڑ ان کے پیچھے۔ (تیسری مثال اِنَّا جَعَلْنَا[لہ] الآیۃ) اور ہم نے یقیناً ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں۔ اور آیات میں غور و فکر سے ان کے اعراض کرنے کو اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے گئے ہوں یا جس کے اردگرد ہر طرف سے دیوار کھڑی کر دی گئی ہو جس کی وجہ سے وہ بالکل نہ دیکھ سکتا ہو۔ (چوتھی مثال وَاضْمُمْ یَدَکَ) اور خوف (دفع کرنے) کے واسطے اپنا ہاتھ اپنے (گریبان و بغل) سے (ایک دستور سابق) ملا لینا یعنی اپنے قلب کو تشویش سے محفوظ رکھنا۔

ف:- تصویر المعنی الخ کا مطلب: ایک مفہوم، ایک ذہنی و معنوی چیز کو محسوس و مشاہد چیز کی شکل میں اس انداز سے پیش کیا جائے کہ اس میں حرکت و زندگی کے آثار نظر آنے لگیں یا کم از کم ایک مجسم ہیئت کا تصور قائم ہو جائے۔

مثالیں: حضرت ماتنؒ نے اس کی تین چار مثالیں پیش کی ہیں، جو سب کی سب قرآن سے ماخوذ ہیں۔

پہلی مثال: شیطان نے راندۂ درگاہ ہونے کے بعد جب باری تعالیٰ سے مہلت مانگی تاکہ اولاد آدم کو صراط مستقیم سے دور رکھنے اور ہٹانے کی کوشش میں کامیابی حاصل کر سکے، اس موقع پر حکم الحاکمین نے پوری بے نیازی کے ساتھ جو چند جملے اس سے فرمائے تھے وہ یہ ہیں۔

اِذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ان آیات کو پڑھئے جب آپ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ پر پہونچیں گے تو آپ کی نگاہوں

[لہ] تسامح ہوا۔ ناسخین نے یہاں وَجَعَلْنَا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ لکھا ہوا ہے جو غلط ہے صحیح اِنَّا جَعَلْنَا الآیۃ ہے۔

کے سامنے کچھ اس قسم کا منظر آجائیگا کہ کسی جماعت کا ایک بااختیار لیڈر ہے یا کسی عظیم لشکر کا ایک جنرل ہے جو اپنے سوار و پیادہ ماتحتوں کو کسی پر حملہ کرنے کے لئے بڑے زور و شور کے ساتھ للکار رہا ہے[1] تو شیطان کے اختیارات اور اس کی وسعت اندازی کو - جو غیر محسوس چیز تھی ایک محسوس و مشاہد شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

دوسری و تیسری مثال میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مشرکین ایمان سے محروم ہیں، اور دلائل و معجزات کے باوجود عبرت نہیں حاصل کرتے ہیں۔

ان آیات کو قرآنی ترتیب کے مطابق سمجھ کر پڑھئے۔

پہلی آیت - اِنَّا جَعَلْنَا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ الآیۃ۔ کی تلاوت کے وقت آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کے سامنے کچھ لوگ ہیں جن کے ہاتھ اور گردن طوق و سلاسل سے جکڑ دیے گئے ہیں۔ لہٰذا سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں، وہ نہ اپنے اردگرد کی چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں، نہ ادھر ادھر گردن گھما سکتے ہیں بس قدرے فاصلہ پر سامنے جو کچھ ہے وہی نظر آسکتا ہے۔

اور دوسری آیت - وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ الآیۃ۔ کی تلاوت کے وقت آپ محسوس کریں گے، کچھ لوگ ہیں جنہیں کسی چہار دیواری میں ایسا محصور و بند کر دیا گیا ہے کہ باہر کی کوئی چیز بھی انہیں نظر نہیں آرہی ہے۔ گویا دوسری آیت میں پہلی تمثیل کی تکمیل ہے کہ چہار دیواری میں محصور شخص تو سامنے کے مناظر بھی نہیں دیکھ سکتا ہے[2] گویا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے ہزاروں دلائل و معجزات کے باوجود مشرکین کا توحید و رسالت کی تصدیق نہ کرنا ایسا ہے جیسے طوق و سلاسل میں مقید اور چہار دیواری میں محصور و بند شخص کا بہت سے واقعی مشاہدات کے دیدار سے محروم رہ جانا۔

---

[1] مثلت حال الشیطان فی تسلطه علی من یغویه بالفارس الذی یصیح بجنده للهجوم علی الاعداء لاستیصالهم (صفوۃ التفاسیر ج ۲ ص ۱۶۹) [2] شبه حال الکفار فی امتناعهم عن الهدی والایمان بمن غلت یداه الی عنقه بالسلاسل والاغلال فاصبح رأسه مرفوعاً لا یستطیع خفضه ولا التفاتاً، وبمن سدت الطریق فی وجهه فلم یبصر المقصود، وذلک بطریق الاستعارۃ التمثیلیۃ (ج ۳ ص ۲۰) وجعلنا من بین ایدیهم سدا۔ قال ابو السعود: هذا تتمة للتمثیل وتکمیل له الخ (ج ۳ ص ۲۰)

چوتھی مثال میں بازو کے لئے کنایہ کے طور پر جناح کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ اور آیت کا مقصد حضرت شاہ صاحب کے بقول۔ موسیٰ کو مطمئن رہنے کی تلقین کرنا ہے۔ گویا اُضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّھْبِ کے معنی ہیں۔ اطمینان رکھئے۔ قلبی اطمینان ایک معنوی چیز ہے۔ جس کے لئے دست و بازو بند رکھنے کی محسوس تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

سوال: تصویر المعنی المراد بصورۃ المحسوس کی مذکورہ چار مثالوں میں صرف آخری مثال میں کنایہ کی زبان اختیار کی گئی ہے۔ بقیہ تین مثالوں میں استعارہ کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ استعارہ کی مثالوں کو کنایہ کہنا یا کنایہ کے قبیل کی چیز بتانا کیونکر صحیح ہے۔ جبکہ کنایہ اور استعارہ الگ الگ دو اصطلاحیں ہیں۔ ؟

جواب: یہ سوال صرف اس لئے پیدا ہوا کہ آپ نے کنایہ اور استعارہ کی حقیقت پر غور نہیں فرمایا۔ دونوں کی تعریفات پر غور فرمائیں تو معلوم ہو جائیگا کہ کنایہ اور استعارہ کا اجتماع ممکن ہے دونوں میں تضاد نہیں ہے[1]

وَنَظِيرُ ذٰلِكَ فِي الْعُرْفِ أَنَّهُمْ إِذَا قَرَّرُوا شَجَاعَةَ رَجُلٍ يُشِيرُونَ بِالسَّيْفِ أَنَّهُ يَضْرِبُ هٰكَذَا وَيَضْرِبُ هٰكَذَا وَلَا يَقْصِدُ بِهِ الْأَغْلَبُ إِلَّا مِثْلَ الْإِذْعَانِ بِصِفَةِ الشَّجَاعَةِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَخَذَ السَّيْفَ بِيَدِهِ مَرَّةً مِنَ الدَّهْرِ وَكَذٰلِكَ يَقُولُونَ۔ يَقُولُ فُلَانٌ لَا أَرَى أَحَدًا فِي الْأَرْضِ يُبَارِزُنِي۔ أَوْ يَقُولُونَ۔ فُلَانٌ يَفْعَلُ هٰكَذَا، وَيُشِيرُونَ بِهَيْئَةِ أَهْلِ الْمُبَارَزَةِ فِي وَقْتِ مُقَاتَلَةِ الْخَصْمِ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ يَفْعَلُ هٰذَا الشَّخْصُ هٰذَا الْفِعْلَ، وَالصَّادِرُ عَنْهُ هٰذَا الْقَوْلُ۔ أَوْ يَقُولُونَ: خَنَقَنِي فُلَانٌ۔ وَجَرَّ اللُّقْمَةَ مِنْ دَاخِلِ فَمِي۔

---

[1] استعارہ اس تشبیہ کو کہتے ہیں جس کے طرفین یعنی مشبہ و مشبہ بہ میں سے کسی ایک کو حذف کر دیا گیا ہو۔ کنایہ: لفظ بول کر اس کا لازمی معنی مراد لینا۔ فتدبر۔

اللغات۔ یُبَارِزُنِی مُبَارِزَۃ سے۔ لڑائی کے لئے مقابلہ پر نکلنا۔ خَنَقَنِی (مصدر تفعیل) گلا گھونٹنا۔

ترجمہ:۔ اور محاورہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ لوگ جب کسی شخص کی بہادری کو بیان کرتے ہیں تو تلوار سے اشارہ کرتے ہیں کہ، وہ اس طرح اور اس طرح مارتا ہے۔ بلکہ صفتِ شجاعت میں پورے عالم کے لوگوں پر اس شخص کی فوقیت (وبرتری) کے سوا کچھ مقصود نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ اس شخص نے پوری عمر ایک بار بھی اپنے ہاتھ میں تلوار نہ لی ہو۔ اور اسی طرح کہتے ہیں، فلاں شخص کا کہنا ہے کہ روئے زمین پر مجھے ایسا کوئی نہیں نظر آتا ہے جو مجھ سے مقابلہ کر سکے۔ یا کہتے ہیں۔ فلاں اس طرح کرتا ہے، اور (یہ جملہ کہتے ہوئے) اشارہ کرتے ہیں، حریف کی مغلوبیت (شکست کے وقت لڑائی والوں کی (فاتحانہ) ہیئت سے۔ چاہے اس شخص نے یہ کام نہ کیا ہو اور یہ بات اس سے صادر نہ ہوئی ہو۔ یا کہتے ہیں۔ فلاں نے میرا گلا گھونٹ دیا، اور میرے منہ میں سے لقمہ نکال لیا۔

ف:۔ کسی عقلی و معنوی چیز کو محسوسات کی شکل میں پیش کرنے کی یہ چند عرفی اور محاوراتی مثالیں ہیں جو محتاج تشریح نہیں ہیں۔

جی چاہے تو ان قدیم محاوروں کے ساتھ۔ گھٹنے ٹیکنے، ناک ٹو سنبھلا، اور پیٹ پر لات مارنے، کے محاوروں پر بھی غور کر لیا جائے۔

والتعريضُ ان يَذكرَ حكمًا عامًّا او منكرًا ويُقصَد به تعريضٌ بحالِ شخصٍ خاصٍ او التنبيهُ على حالِ رجلٍ معيّنٍ وربما يجيءُ في اثناءِ الكلامِ بعضُ خصوصياتِ ذلك الشخصِ، ولا يَطّلِعُ المخاطبُ على ذلك الشخصِ۔ فيتحيّرُ قارئُ القرآنِ في مثلِ هذا الموضعِ وينتظرُ القصةَ، ويحتاجُ اليها وكان النبيُّ صلى الله عليه وسلم اذا انكر على شخصٍ يقولُ، ما بالُ اقوامٍ يفعلون كذا وكذا، كما في قوله تعالى، وما كان لمؤمنٍ ولا مؤمنةٍ اذا قضى اللهُ ورسولُه امرًا (الآية) تعريضٌ بقصةِ زينبَ واخيها۔ ولا يأتلِ اولوا الفضلِ منكم والسعةِ۔ تعريضٌ بابي بكر الصديق رضي الله عنه ففي هذه الصورةِ ما لم يطّلعوا على تلك القصةِ لا يُدرِكون مطلبَ الكلامِ۔

ترجمہ:- اور تعریض یہ ہے کہ تذکرہ تو کسی عام یا مبہم حکم کا کیا جائے لیکن اس کی مراد کسی خاص شخص کا حال بیان کرنا یا کسی متعین آدمی کے حال پر تنبیہ کرنا ہو، اور بسا اوقات دوران گفتگو اس شخص کی بعض خصوصیات آجاتی ہیں لیکن مخاطب اس شخص سے واقف نہیں ہوپاتا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم کا پڑھنے والا ایسے مواقع پر حیرت میں پڑ جاتا ہے اور قصہ کا انتظار کرنے لگتا ہے اور اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص پر نکیر فرمانا چاہتے تو ارشاد فرماتے تھے: مَا بَالُ اقوامٍ (ان لوگوں کو کیا ہوگیا جو ایسے ایسے کام کرتے ہیں) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وما کان لمؤمن میں حضرت زینب بنت جحشؓ اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہؓ کے بارے کی جانب تعریض ہے۔ اور ولا یأتل اولو [illegible] میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں تعریض ہے تو اس صورت میں لوگوں کو جب تک اس قصہ کا علم نہ ہوجائے کلام کا مقصد نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

ف: تعریض کی تعریف:- عام صفت یا نسبت کو ذکر کرنا اور موصوف خاص کو مراد لینا۔ جیسے متن کی پہلی آیت میں مؤمن و مؤمنۃ سے حضرت زینب بنت جحشؓ اور حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کو مراد لینا اور دوسری آیت میں اولو الفضل سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مراد لینا تعریض ہے۔ اور جیسے دھمکی دینے والے کے جواب میں کہنا: مگر پڑھنے والے ڈرتے نہیں۔ اور پڑھنے والے سے دھمکی دینے والا مراد لینا تعریض ہے۔

آیتوں کے شانِ نزول

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی حضرت زینب بنت جحشؓ کو حضرت زید بن حارثؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا، حضرت زینبؓ راضی نہیں ہوئیں اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہؓ نے بھی بہن کی تائید کی، اس موقع پر پہلی آیت وما کان لمؤمن کا نزول ہوا۔ بھائی بہن دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کے ساتھ حضرت زینب کا نکاح کردیا، اور حضرت زینبؓ کے پاس دس دینار اور ساٹھ درہم مہر کے علاوہ کھانے پینے کا سامان بھی ارسال فرمایا، جس میں ایک چادر اور ایک جوڑا کپڑا (دوپٹہ، قمیص، ازار) ساٹھ مد (ایک مد [illegible] گرام) غلہ اور تیس صاع (ایک صاع ۳ کلو ۱۹۵ گرام) کھجوریں تھیں۔

لـه العون الکبیر ص ۲۲۰، ۲۲۱ بحوالہ ج ۲۲ ص ۲۲ ۔

(۲)
حضرت مسطح ایک صحابی تھے پورے مومن اور مسکین بھی تھے، مہاجر بھی اور حضرت صدیقؓ کے عزیز بھی، محض اپنی سادہ دلی کی وجہ سے واقعۂ افک کے طوفان میں بہہ پڑے تھے۔ جب حضرت صدیقہؓ کی براءت میں قرآنی آیات نازل ہوئیں اور ام المومنینؓ کی عفت مآبی آفتاب روشن ہوگئی جیسی بجز حضرت مریمؑ کے دنیا میں شاید کسی پاک دامن خاتون کی نہ ہوئی ہو۔ تو حضرت صدیقؓ کو اپنی قابل فخر بیٹی کی عصمت و دیانت میں غصہ آنا بالکل طبعی تھا۔ آپؓ مسطح کی ناداری پر ترس کھا کر مدد بھی فرماتے رہتے تھے۔ اسی غصہ کی حالت میں قسم کھا بیٹھے کہ بس آج سے مدد موقوف ۔

یہ بات مرتبۂ صدیقیت کے شایان نہ تھی۔ ارشاد باری ہوا ولا یاتل الآیۃ اور جو لوگ تم میں سے فضل (بزرگی) و وسعت والے ہیں وہ قرابت داروں اور مسکینوں اور فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں۔ آیت سنکر حضرت صدیق اکبرؓ بول پڑے : واللہ انی لاحب ان یغفر اللہ لی اور حضرت مسطح کی امداد جاری کرتے ہوئے اعلان فرمایا واللہ لا انزعہا منہ ابداً۔ یعنی مسطح کی امداد کبھی بند کروں گا ۔

ما بال اقوام ۔ مثلاً ایک روایت ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی جس میں سورۂ روم کی قرأت فرمائی۔ آپ کو اشتباہ ہو گیا نماز سے فراغت کے بعد ارشاد فرمایا ما بال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطهور، فانما یلبس علینا القرآن اولئک (نسائی ج ۱ ص ۱۵۱) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا ما بال اناس یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ (الحدیث۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۵)

دوسری روایت کے مطابق: ما بال رجال یقول احدهم اعتق یا فلان والولاء له وانما الولاء لمن اعتق ۔۔

والمجاز العقلی ان یسند الفعل الی غیر فاعله او یقام ما لیس مفعولاً به مقام المفعول به لعلاقة المشابهة بینهما او لتعلق المتکلم انه داخل فیهما، وهو ولید من ذلك الجنس کما یقال: بنی الامیر القصر مع ان الباني بعض البنائین لا الامیر انما هو الآمر بالبناء وانبت الربیع البقل مع ان المنبت هو الحق سبحانه فی موسم الربیع والله اعلم

ترجمہ: ۔ اور مجاز عقلی یہ ہے کہ فعل کی نسبت غیر فاعل کی طرف کیا جائے یا جو مفعول بہ نہ ہو جس کو مفعول بہ کی جگہ پر رکھ دیا جائے۔ ان دونوں کے درمیان مشابہت کے رابطہ کی وجہ سے اور متکلم کے یہ دعویٰ کرنے کی وجہ سے کہ وہ اس (مفعول بہ) کے درجہ میں ہے، اور وہ اسی جنس کا ایک فرد ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے بنی الامیر القصر (حاکم نے محل تعمیر کیا) حالانکہ تعمیر کرنے والا کوئی معمار ہوتا ہے نہ کہ خود حاکم، وہ تو محض حکم دیتا ہے تعمیر کا۔ اور اَنْبَتَ الرَّبِيعُ البَقْلَ (موسم بہار نے سبزہ اگایا) حالانکہ اگانے والا موسم بہار نہیں بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے [illegible]

ف: - (۱) عماد (بکسر العین) کا اصل معنی ہے ستون۔ یہاں زمرہ کے معنی میں لیا جا سکتا ہے۔

(۲) مجاز عقلی: کسی فعل یا معنی فعل کو اصل فاعل سے ہٹا کر کسی اور سے منسوب کر دینا (جیسے "عدالت نے پھانسی دے دی" قَضَتْ بِنُو قَاضِیْ الموت) یا مفعول بہ کی جگہ کسی اور اسم کو رکھنا (جیسے ۔۔۔۔۔۔ عدالت کی توہین کی، واسئل القریۃ التی کنا فیہا)

(۳) علاقۂ مشابہت کے علاوہ فعل کی ملابست، یعنی مجاز عقلی میں فعل فاعل سے ہٹا کر اسی اسم کی طرف منسوب کیا جائیگا جس کو فعل سے کوئی رابطہ ہو۔ اسی طرح مفعول بہ کی جگہ پر بھی وہی اسم لایا جائیگا جس کا فعل سے کوئی تعلق ہو۔ جیسے ظرف، سبب، مفعول۔

(۴) او ادّعاءِ المتکلم الخ کا مطلب یہ ہے کہ متکلم جس غیر فاعل یا غیر مفعول بہ کا تذکرہ کرے اسے فعل کے ملابسات ومتعلقات میں شمار کرتا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تمّ الباب الثانی بفضل اللہ تعالیٰ ویتلیہ الباب الثالث

ووفّقنی اللہ لاتمامہ۔ ولہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ۔

وصلی اللہ علی النبی الامی وعلی آلہ واصحابہ البررۃ الکرام۔

الْبَابُ الثَّالِثُ فِي أُسْلُوبِ بَدِيعِ الْقُرْآنِ

ولنبيّن هذا المبحث في ثلاثة فصول۔

لغات:۔ بدیع صیغہ صفت ہے بَدُعَ (ک) بَدْعاً وبَدَاعَةً وبُدُوعاً سے۔ بے مثال، نو پیدا۔ اسی سے علم البدیع ہے۔ وہ علم و فن جس سے کلام کی لفظی و معنوی خوبیاں معلوم ہوں۔ بدیع کی اضافت اسلوب کی طرف اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہے ای فی اسلوب القرآن البدیع۔ اُسْلُوب طرز، طریقہ، روش، ج اسالیب۔

ترجمہ:۔ تیسرا باب قرآن کے انوکھے طرز کے بیان میں، اور ہم اس بحث کو تین فصلوں میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ **فائدہ:۔** اس باب میں نظم قرآنی کے لطائف و عجائب اور نادر اسلوب کی تشریح کی جائے گی۔ تنبیہ: خط کشیدہ عبارت استاذ محترم صاحب العون الکبیر کے مطابق مترجم و محشی کا اضافہ ہے۔ اصل فارسی نسخہ اس سے خالی ہے۔ ممکن ہے محترم کے پاس ایسا ہی نسخہ ہو، لیکن بندہ مجہول کے پاس جو نسخہ ہے اس میں "و ایں بحث در سہ فصل مبین می شود" کی عبارت موجود ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ باب میں تو دو ہی فصلیں ہیں پھر مذکورہ عبارت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ باب کے آخر میں سوال و جواب کی صورت میں کچھ لطائف و نکات پیش کئے گئے ہیں وہ پوری بحث یا بالا عنوان کے مطابق صرف اعجاز القرآن کی بحث فصل سوم کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

لم يُجعلِ القرآنُ مُبوَّباً مُفصَّلاً ليُطلَبَ كلُّ مَطلبٍ منه في بابٍ أو فصلٍ بل كان كمجموعِ المكتوبات فرضاً كما يَكتُبُ الملوكُ إلى رعاياهم بحسبِ اقتضاءِ الحالِ مثالاً وبعدَ زمانٍ يكتبون مثالاً آخرَ وعلى هذا القياس حتى تجتمعَ أمثلةٌ كثيرةٌ فيدوِّنُها شخصٌ حتى يصيرَ مجموعاً مرتّباً كذلك أنزلَ الملِكُ على الإطلاق جلّ شأنُه على نبيِّه صلى الله عليه وسلم لهدايةِ عبادِه سورةً بعدَ سورةٍ بحسبِ اقتضاءِ الحالِ

لغات وترکیب۔ مُبَوَّبَۃ مُفَصَّلَۃ قرآن سے حال ہے اور تبویب وتفصیل سے اسم مفعول جو کہ یہیں ابواب وفصول میں منقسم ہوتی ہیں ان کو مبوب ومفصل کہا جاتا ہے۔ یُطْلَبُ نصر کے فعل مجہول۔ مطلب۔ مقصد، کسی علم کا کوئی مسئلہ۔ بہ ضمیر کا مرجع قرآن۔ فرضاً فرض کرنا، مجموع المکتوبات سے تمیز۔ اقتضی الحال۔ موقع محل کی ضرورت اور اس کا تقاضا۔ مختصری القاء مثالاً مصنف علام نے لفظ شان کو بحیثیت فارسی استعمال کیا تھا جس کی عربی مرسوم ملکی اور گرد وستاویز تحریر، سرکاری تحریر ہے۔ حریری دمشقی نے تسامحاً اسی لفظ کو استعمال کر دیا ترشہ علیہ الامۃ: الشوقی فی العنوان اور یہی حال ہے لفظ مثالہ کا وعلی ھذا القیاس ای قاس الیٰ بقیۃ نحوہ علی ھذا القیاس عند الضرورۃ۔ فَتَبْدُو وَثَنْيُهَا ضمیر مؤنث کا مرجع امثلہ کثیرۃ ہے۔ بدو ظاہر ہونا، ثنی ہونا۔ نصر سے مضارع معروف۔ ترتیب دینا، مرتب کرنا، حتی بعد ضمیر کا مرجع مذکور کی تاویل سے امثلہ کثیرۃ ہے۔ المَلِیک بفتح المیم وکسر اللام مشہور بادشاہ، مالک، مطلق جس کی حکومت زمان ومکان کی قید سے آزاد ہو، مراد احکم الحاکمین رب العالمین ہے۔ جَلَّ شانُہ اس کی شان بڑی عظمت ہے جس کی شان با عظمت ہے۔ سُوْرَۃ منزل کا مفعول بہ ہے۔ سورۃ کے لغوی معنی بلندی اور بلند منزل، اصطلاح میں قرآن کا وہ حصہ جو کم از کم تین آیتوں پر مشتمل اور مخصوص نام کے ساتھ موسوم ہو اور اس کا مبتداء ومنتہی متعین ہو۔ السورۃ قرآن یشتمل علی آیٍ ذی فاتحۃ وخاتمۃ واقلّھا ثلاث آیات (الاتقان)

ترجمہ: قرآن کریم کو ابواب وفصول میں (اس طرح) منقسم نہیں کیا گیا کہ اس کے ہر مقصد اور بحث کو کسی مستقل باب یا فصل میں تلاش کر لیا جائے۔ بلکہ بالفرض وہ مجموعۂ مکتوبات کی طرح ہے جیسا کہ بادشاہ اپنی رعایا کے نام وقت کی ضرورت کے مطابق ایک فرمان لکھتے ہیں اور کچھ زمانے کے بعد دوسرا فرمان لکھتے ہیں۔ اور اسی طرح حسب ضرورت لکھتے ہی رہتے ہیں یہاں تک کہ بہت سے فرامین اکٹھا ہو جاتے ہیں تو کوئی شخص انہیں جمع کر دیتا ہے۔ حتی کہ ان فرامین کا ایک مرتب مجموعہ (تیار) ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شہنشاہ مطلق خداوند اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وقت کی ضرورت کے مطابق یکے بعد دیگرے سورتیں نازل کرتا رہا۔

فائدہ: قرآن کریم کے اساسی علوم پانچ ہیں لیکن ان کے لئے الگ الگ ابواب اور فصلیں

27

قائم کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ مصنف علام نے مذکورہ عبارت میں اس کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ قرآن کریم چونکہ بندگان خدا کے نام قرآنی احکام کا مجموعہ ہے۔ جو حسب موقع ان کی اصلاح و تہذیب کے لئے تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا ہے اس لئے اس کی جمع و ترتیب کی حیثیت بالکل ایسی سمجھنی چاہئے جیسے کسی شہنشاہ یا حاکم وقت کے فرامین و مکتوبات کے مجموعہ کی ہوتی ہے۔ کہ فرامین حسب موقع جاری ہوتے رہتے ہیں۔ اور جب بہت سے اکٹھے ہو جاتے ہیں تو کوئی شخص ان کی جمع و ترتیب کا کام کر لیتا ہے۔ یہی حال قرآن کریم کا ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت اس کی آیات و سُور کا نزول ہوتا رہا، بندوں کو ہدایات ملتی رہیں۔ صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی ہدایت کے مطابق انہیں لکھتے اور یاد کرتے رہے۔ اور جب نزول مکمل ہو گیا تو ان سب آیات اور سورتوں کو موجودہ ترتیب کے مطابق یکجا کر دیا گیا (آگے چل کر سورتوں اور شاہی مکتوبات کی جہات مماثلت اور وجہ تشبیہ قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ مثلاً مطول و مختصر ہونا، معنون یا بلا عنوان ہونا، اور تمہید یا بلا تمہید ہونا۔ اسی طرح ابتداء اور اختتام کی نوعیت کا مختلف ہونا وغیرہ وغیرہ۔)

صحیفۂ قرآنی اور فرامین شاہی کا فرق:۔ اس مشابہت کے باوجود قرآنی سورتوں، آیات اور شاہی فرامین میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ قرآنی آیات و سُور میں مکمل ربط و نظم پایا جاتا ہے جبکہ فرامین شاہی کے لئے ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نزول سے پہلے بھی لوح محفوظ میں مسلسل کلام کی طرح مرتب و منظم اور مربوط تھا۔ نزول میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی تاہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کو منجانب اللہ اور صحابہ کرام کو آپ کی طرف سے اصل ترتیب سے بھی مطلع کیا جاتا رہا۔ اور جمع صحف کے وقت اسی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا۔ اس کے برخلاف اعلان و اجراء سے پہلے شاہی فرامین کے مجموعہ کا کوئی وجود نہیں ہوتا ہے۔ جیسے حسب موقع بلا لحاظ ترتیب احکام جاری ہوتے ہیں، اسی طرح مجموعہ بھی غیر مرتب تیار ہوتا ہے۔

وكان في زمانه صلى الله عليه وسلم كل سورة محفوظة ومضبوطة

عَلٰى حِدَةٍ مِّنْ غَيْرِ تَدْوِيْنِ السُّوَرِ ثُمَّ رُتِّبَتِ السُّوَرُ فِيْ مُجَلَّدٍ بِتَرْتِيْبٍ خَاصٍ فِيْ زَمَانِ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَسُمِّيَ هٰذَا الْمَجْمُوْعُ بِالْمُصْحَفِ۔

لغات:- مضبوطۃ: ضبط (ن ومن) ضبطاً وضباطۃً اہتمام وعنایت محنت کے ساتھ حفاظت کرنا۔ السُّوَر: السورۃ کی جمع بمعنی: قطعہ، [illegible] بلند۔ جَلَّدَ الکتاب جلد باندھنا۔ ترتیبِ خاص سے قرآن کی موجودہ ترتیب مراد ہے۔

ترجمہ:- اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر سورۃ الگ الگ محفوظ تھی سورتوں کی تدوین کے بغیر، پھر حضرت ابوبکر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں سورتوں کو مخصوص ترتیب کے ساتھ ایک جلد میں مرتب کیا گیا اور اس مجموعہ کا نام مصحف رکھا گیا۔

فائدہ:- اوپر متن کی خط کشیدہ عبارت پر ایک نظر ڈالئے جس کی تمام بحث اس تدوین قرآن سے وابستہ ہے۔ تدبر سے کام لیجئے عبارت کے فقرات و متعلقات کو ذہن نشین کریں۔ عبارت میں تین دعوے رکھے گئے ہیں۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم کی ایک ایک سورۃ متفرق طور پر محفوظ تھی، (۲) ان سورتوں کی تدوین نہیں ہوئی تھی۔ (۳) موجودہ صحیفۂ قرآنی حضرات شیخین کے زمانہ میں مرتب و مدون ہوا ہے — پہلا دعویٰ اپنے ثبوت میں واضح ہے۔ ہاں اس کے دلائل کا استحضار ضرور رہنا چاہئے۔ سب سے مضبوط دلیل تو خود قرآن کا اعلان ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ حفاظت قرآن کے متعلق اس عظیم الشان وعدۂ الٰہی کے ہوتے ہوئے کسی کی مجال ہے کہ قرآن کی کامل محفوظیت کا انکار کر سکے جبکہ بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفین کو صدیاں گذر جانے کے بعد بھی اس کی محفوظیت کا صاف لفظوں میں اعتراف کرنا پڑا۔ میور کہتا ہے جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔ ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہٖ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ

سمجھتے ہیں۔ جیسے مسلمان اُسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں (فوائد عثمانی)

دوسری دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ" (رواہ فی الموطا) میں نے تمہارے درمیان ایسی دو چیزیں چھوڑی ہیں کہ جب تک ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک کتاب اللہ دوسری سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ تیسری دلیل۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آج تک مسلسل قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کو یاد کرنے اور سننے سنانے کا اہتمام ہے جس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ دوسرے دعوے کے سلسلے میں دو باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔

(۱) مدون نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تمام سورتیں موجودہ ترتیب کے ساتھ یکجا مرتب نہیں تھیں

قال الخطابی وقد کان القرآن کتب کلہ فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور (الاتقان ص۶۰)

یہ مطلب نہیں ہے کہ صحابہ کرام یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے ذہنوں میں بھی قرآنی سورتوں کی کوئی ترتیب نہیں تھی کیونکہ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت امام احمد بن حنبل وغیرہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے "اعطیت مکان التوراۃ السبع الطول واعطیت مکان الزبور المئین واعطیت مکان الانجیل المثانی وفضلت بالمفصل۔" جس سے صاف ظاہر ہے کہ موجودہ ترتیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں پہلے تھی۔

قال ابو جعفر النحاس المختار ان تالیف السور علی ھذا الترتیب من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحدیث واثلۃ الخ

(۲) ترتیب کے ساتھ قرآن کے مدون نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ آپ کی حیات طیبہ میں نسخ کا احتمال ہر وقت رہتا تھا۔ (اور تدوین کے بعد حذف و ترمیم مستحسن نہیں ہے) اس وجہ سے جب تک نسخ یا نزول کا احتمال باقی رہا تدوین نہیں ہو سکی۔ اور جب آپ کے رفیق اعلیٰ سے جاملنے کے نتیجہ میں یہ احتمال ختم ہو گیا تو خلفائے راشدین کے دور میں جمع و تدوین کا اہتمام ہوا (الحق: [illegible] حاشیہ مشکوٰۃ)

تیسرے دعوے کے متعلق تین باتیں ذہن نشین کریں۔ (۱) پہلی بات جمع قرآن کا واقعہ اور سبب جس کی تفصیل بخاری شریف کے حوالے سے مشکوٰۃ اور الاتقان وغیرہ میں موجود ہے۔

حاصل یہ ہے کہ سنہ ۱۲ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں جب جنگ یمامہ کے اندر حفاظ صحابہ کرام کی ایک خاص تعداد نے جام شہادت نوش کر لیا تو اولاً فاروق اعظمؓ کے قلب میں بالہام خداوندی خیال پیدا ہوا کہ قرآن کریم کا یکجائی طور پر مرتب ہو جانا اشد ضروری ہے کیونکہ قراء قرآن اور حفاظ صحابہ کرام اگر اسی طرح چند جنگوں میں شہید ہو گئے تو قرآن کے ضیاع کا اندیشہ ہے چنانچہ فاروق اعظمؓ نے صدیق اکبرؓ کو اپنے ان خیالات و خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ ابتدائی مرحلہ میں تو صدیق اکبرؓ کو یہ اشکال رہا کہ کیف نفعل شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن فاروق اعظمؓ کے پیہم اصرار پر اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ کو بھی شرح صدر نصیب فرما دیا۔ اور آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا کر جمع قرآن کا حکم دیا۔ جو خود بھی حافظ قرآن تھے۔ غور و فکر اور شرح صدر کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ نے اس عظیم ذمہ داری کو بطور فرض قبول کیا بلکہ جان توڑ کوشش اور پورے عزم و احتیاط کے ساتھ انجام تک پہنچایا۔ جمع قرآن میں احتیاط کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق و زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو صدیق اکبرؓ نے حکم دیا تھا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص دو گواہوں کے ساتھ کلام اللہ کا کوئی حصہ پیش کرے اسے لکھ لو

(اخرجہ ابن ابی داؤد رجالہ ثقات مع انقطاعہ۔ الاتقان)

محدثین و مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے: وکان لا یقبل من احد شیئاً حتی یشہد شہیدان والمراد بالشاہدین الحفظ والکتاب (ابن حجرؒ) وقال السخاوی المراد انہما یشہدان علی ان ذلک المکتوب کتب بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او المراد انہما یشہدان علی ان ذلک من الوجوہ التی نزل بہا القرآن قال ابو شامۃ وکان غرضہم ان لا یکتب الا من عین ما کتب بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا من مجرد الحفظ قال السیوطیؒ او المراد انہما یشہدان علی ان ذلک مما عرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عام وفاتہ انتہی۔ یقول الفقیر انما توخذ الشہادات لیطمئن القلب فیمکن ان یراد کل من ہذہ الوجوہ وہو الاشبہ عندی (یرحم اللہ [illegible] عن خطیئتہ)

خورشید انور عفا اللہ عنہ۔

ایک دلچسپ واقعہ: - جمع قرآن کے موقع پر دو عادل شاہدوں کے بغیر کسی بڑے سے بڑے صحابی سے بھی کوئی آیت نہیں لی گئی۔ اس سلسلہ میں لیث بن سعد کے حوالہ سے ابن اشتہ نے المصاحف میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ سورۂ براءۃ کی آخری آیت حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں ملی تھی پھر بھی اُسے مصحف عظیم میں شامل کر لیا گیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا اسے لکھ لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہؓ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا ہے۔ لیکن جب حضرت فاروق اعظمؓ نے آیت رجم پیش کی تو اسی وجہ سے اس کی کتابت سے انکار کر دیا گیا کہ وہ اکیلے تھے کوئی گواہ اُن کے ساتھ نہیں تھا (الاتقان ج ۱)

دوسری بات حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے: اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابوبکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر ھو اول من جمع کتاب اللہ۔ اس روایت کو ابن حجرؒ نے اصح اور مستند کہا ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔ اگرچہ جامع اول کی حیثیت سے حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ کے اسمائے گرامی بھی کتابوں میں ملتے ہیں لیکن اس قسم کی روایتیں مؤول ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ دراصل جمع قرآن کے تین دور یا مرحلے ہیں۔

(۱) دورِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جس میں غیر مرتب طور پر پورا قرآن لکھوا دیا گیا تھا۔

(۲) دورِ صدیقی جس میں مرتب طور پر یکجا کیا گیا۔ (۳) دورِ عثمانی جس میں صرف ایک لغت موافقت حجاز یا لغت قریش والا مصحف صدیقی رائج کیا گیا اور باقی مصاحف پر نہ صرف پابندی عائد کر دی گئی بلکہ تمام نسخے نذرِ آتش کر دیے گئے۔ (والتفصیل فی الاتقان)

تیسری بات یہ ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب کے بارے میں علماء کے تین نظریے ہیں۔ (۱) یہ ترتیب اجتہادی ہے۔ یہ ابن فارسؒ اور ابو محمد الصدیؒ کا خیال ہے۔ امام مالکؒ اور قاضی ابوبکرؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ (۲) یہ ترتیب توقیفی و سماعی ہے۔ ابوبکر ابن الانباری، کرمانیؒ، ابن الحصار، ابن حجر عسقلانی، ابو جعفر النحاس، بغوی اسی کے قائل ہیں۔ والیہ مال الطیبی والکرمانی۔ امام مالک اور قاضی ابوبکرؒ کا دوسرا قول یہی ہے۔ گویا جمہور کا مذہب یہی ہے۔ (۳) کچھ حصہ سماعی ہے اور کچھ اجتہادی، اسی تفصیل کے قائل ہیں بیہقیؒ، ابن عطیہ اور ابو جعفر بن الزبیر و سیوطیؒ۔

دلائل: ترتیب اجتہادی کے قائلین کے پاس دو دلیلیں ہیں۔ (۱) حضرات صحابہ کرامؓ کے ذاتی

مصاحف کی ترتیب میں شدید اختلافات تھا چنانچہ حضرت علیؓ کے مصحف میں ، اقرأ ، مدثر ، مزمل ، ن ، تبت ، اور تکویر کی ترتیب تھی جبکہ حضرت ابن مسعودؓ کے مصحف میں ، البقرہ ، نساء ، آل عمران کی ترتیب تھی۔ معلوم ہوا کہ ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد سے مرتب کر رکھا تھا۔ (۲) حضرت عثمان غنیؓ کا ارشاد کہ چونکہ سورۃ انفال و براءۃ کے معنی میں ایک دوسرے کے قریب مشابہ تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو الگ الگ مستقل سورت کی حیثیت دی اور نہ ہی دونوں کو ایک سورت بنایا اس لئے میں نے اپنے خیال کے مطابق دونوں کو ایک سورت کی حیثیت سے ایک ساتھ ذکر کر دیا اور بسم اللہ کو چھوڑ دیا۔ (اخرجہ احمدؒ و ابوداؤدؒ و الترمذیؒ و النسائیؒ و ابن حبانؒ و الحاکمؒ عن ابن عباسؓ کما فی الاتقان)

دلائل جمہور۔ پہلی دلیل واثلہ بن الاسقعؓ کی وہ حدیث ہے جسے قریب ہی میں ہم ذکر کر چکے ہیں یعنی اعطیت مکان التوراۃ (۲) دوسری دلیل ابوداؤد شریف اور مسند احمد بن حنبلؒ کی روایت ہے جس میں اوس بن ابی اوسؓ حذیفہ ثقفیؓ کے سوال کے جواب میں حضرات صحابہ کرامؓ کا بیان ہے "نحزبه ثلاث سور و خمس سور و سبع سور و تسع سور و احدی عشرة و ثلاث عشرة و حزب المفصل من ق حتی نختم" یعنی ہم قرآن کی منزلیں یا تقسیم تین، پانچ، سات ، نو اور گیارہ و تیرہ سورتوں کی کرتے ہیں۔ اور مفصل کی منزل سورۃ ق سے آخر تک ہے۔ قال ابن حجرؒ فهذا یدل علی ان ترتیب السور علی ما هو فی المصحف الآن کان علی عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔ تیسری دلیل خود سورتوں کی نفس ترتیب ہے جس میں حٰم سے شروع ہونے والی تمام سورتوں کو مسلسل بلا فصل ذکر کیا ہے جبکہ طٰسم سے شروع ہونے والی سورتوں میں فصل کر دیا گیا ہے جیسا کہ مسبحات میں بھی فصل ہے۔ ولو کان الترتیب اجتهادیا لذکرت المسبحات ولاءً و اخرت طٰس عن القصص ای اخرتا عن الفصل بینه الطواسیم (کذا فی الاتقان) اسی طرح کی و مدنی سورتوں کا اختلاط بھی توقیفی ہونے کی دلیل ہے (بلفظہٖ) اسی طرح مثانی و مئین کا غیر مرتب اختلاط بھی توقیفی ہونے کی طرف غماز ہے۔

جواب۔ ترتیب اجتہادی کے قائلین کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مصاحف صحابہؓ کا اختلاف موجودہ اجماعی ترتیب سے پہلے تھا جو اجماع کے بعد ختم ہو گیا۔ اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے

کہ روایت اس پایہ کی نہیں ہے کہ اس سے استدلال کیا جائے کیونکہ روایت کا مدار یزید فارسی پر ہے اور امام بخاری نے ان کی تضعیف کی ہے۔ تفصیل و تحقیق کے خواہشمند حضرات مسند احمد بن حنبل میں اس حدیث پر علامہ احمد محمد شاکر کی تعلیق و تحقیق کا مطالعہ کریں۔

نوعیت اختلاف :۔ ابو جعفر ابن الزبیر اور زرکشی کے حوالہ سے سیوطی نے لکھا ہے کہ ان دونوں فریق کا اختلاف محض لفظی ہے۔ لان القائل بالثانی یقول انہ رمز الیہم ذلک لعلمہم باسباب نزولہ ومواقع کلماتہ ولہذا قال مالک انما الفوا القرآن علی ما کانوا یسمعونہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع قولہ بان ترتیب السور باجتہاد منہم۔

قائلین توقیف کے دلائل :۔ ان حضرات نے توقیف کے دلائل کو سامنے رکھ کر درمیان کی راہ نکالی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کو سورۂ انفال و براءۃ کی حد تک محدود رکھتے ہوئے ان کی ترتیب کو اجتہادی اور دیگر دلائل کے پیش نظر تمام سورتوں کی ترتیب کو توقیفی قرار دیا ہے۔ قال السیوطی والذی ینشرح لہ الصدر ما ذہب الیہ البیہقی وہو ان جمیع السور ترتیبہا توقیفی الا براءۃ والانفال۔

المصحف نام کی تجویز :۔ جمع ہونے کے بعد نام کا تعین :۔ علامہ سیوطیؒ نے ابن اشتہ اور مظفری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب قرآن کو حضرت ابوبکرؓ نے جمع کرلیا تو اس کا نام رکھنے کے لئے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ کسی نے انجیل، کسی نے السفر تجویز کیا۔ لیکن دونوں نا پسند کردیئے گئے۔ آخر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ حبشہ میں میں نے ایک کتاب دیکھی ہے جسے مصحف کہا جاتا ہے۔ سب نے اس نام کو پسند کیا۔ (الاتقان ج ۱)

وقد كانت السور مقسومة عند الصحابة الى اربعة اقسام القسم الاول السبع الطوال التي هي اطول السور والقسم الثاني سور في كل منها مائة آية او تزيد شيئا قليلا وهي المئون والقسم الثالث ما نقص عن المائة وهي المثاني والقسم الرابع المفصل.

اللغات:- اَلطِّوَال (طا پر کسرہ اور ل سے پہلے الف ماقبل مفتوح) بروزن الکِبار یہ الطَّوِیل کی جمع ہے۔ اور العرب الکبیر میں الطُّوَل (بروزن الکُبَر) یہ جو الطُّولیٰ کی جمع ہے۔ جیسے کُبریٰ کی جمع قرآن میں الکُبَر آئی ہے، اِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ۔ والمِئِیْن تا فی بروزن الکبیر۔ المِئِیْن (بکسر المیم) مائۃ کی جمع ہے جیسے کبھی کبھی صفت کے طور پر بھی استعمال کرلیتے ہیں مائۃ سنۃ جیسے سو والی۔ اَلْمَثَانِی یہ اَلْمَثْنیٰ کی جمع ہے جیسے معنیٰ کی جمع معانی۔ ثَنَّی یُثَنِّی (ض) دوسرا ہونا یقال۔ هٰذَا وَاحِدٌ فَاثْنِهِ۔ یہ ایک ہے تم اس کے دو بنادو۔ اَلْمُفَصَّل تفصیل یعنی فصل ڈالنا، جدا کرنا سے اسم مفعول ہے۔

ترجمہ:- اور یہ سورتیں صحابہ کرامؓ کی نظروں میں چار قسموں پر منقسم تھیں۔ پہلی قسم سبع طوال۔ سات لمبی سورتیں ہیں۔ یہ جو طویل ترین سورتیں ہیں۔ اور دوسری قسم وہ سورتیں ہیں جن میں سے ہر ایک میں سو آیتیں ہیں یا کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں۔ اور یہ (اصطلاح میں) مئین ہیں۔ اور تیسری قسم وہ سورتیں ہیں جن میں سو سے کم آیتیں ہیں۔ اور یہ (اصطلاح میں) مثانی ہیں۔ اور چوتھی قسم مفصل ہے۔

فائدہ:- آیات کی کمی بیشی اور سورتوں کے طول و قصر کے اعتبار سے قرآن کریم خیر القرون ہی سے چار حصوں پر منقسم ہے۔ ان چار حصوں کی تفصیل اور ان کے الگ الگ اسماء اس عبارت میں مذکور ہیں۔ اس موقع پر چند باتیں ذہن نشین کرلیں۔ ۱؎ قرآن کے چار حصوں میں منقسم ہونے کی دلیل ۲؎ ہر ہر حصہ کی تعریف و وجہ تسمیہ۔ دلیل تو وہ روایت ہے جو صفحہ پر درج ہے یعنی اعطیت السبع الطول الخ

تعریفات و وجوہ تسمیہ:- سبع طول سورۂ بقرہ سے لیکر سورۂ براءۃ تک کی سات طویل ترین سورتیں۔ (نوٹ) صحابہ کرامؓ براءۃ و انفال کو الگ الگ دو سورتیں نہیں شمار کرتے تھے۔

وجہ تسمیہ اظہر من الشمس ہے۔ مئون یا مئین وہ سورتیں ہیں جن میں کم از کم سو سو یا کچھ زائد آیتیں ہوتی ہیں۔ سبع طول سے متصل گیارہ سورتیں مئین کہلاتی ہیں ([illegible]) یہاں بھی وجہ تسمیہ ظاہر و باہر ہے۔ مثانی مئین سے متصل وہ سورتیں ہیں جن میں سو سے کم آیات ہوں۔

وجہ تسمیہ چونکہ مثانی مئین کے بعد ہیں اور مئین طوال کے بعد ہیں۔ اسلئے طوال کے بعد دوسرے نمبر پر یہ سورتیں ہوئیں۔ اسی وجہ سے مثانی کہلاتی ہیں لانها ثنتها ای کانت بعدها فهی

ع

لها ثوانٍ والمئون لها اوائل (الاتقان) وجہ تسمیہ لانها تثنی اکثر مما تثنی الطول والمئون (کذا قال الفراء) والمفصل مایلی المثانی من قصار السور سمی بذلک لکثرة الفصول التی بین السور بالبسملة یعنی چھوٹی چھوٹی وہ سورتیں جو مثانی سے متصل ہیں مفصل کہلاتی ہیں۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان سورتوں میں فرق بذریعہ بسم اللہ کی کثرت ہے۔ وقیل لقلة المنسوخ منه ولهذا الیسمی بالمحکم ایضا کما رواہ البخاری عن سعید بن جبیر قال ان الذی تدعونه المفصل هو المحکم۔ الحاصل اول کی سات طول، اس کے بعد گیارہ مئین اور اس کے بعد بیس سورتیں مثانی، باقی مفصل ہیں۔

اقسام مفصل:۔ علمائے کرام نے مفصل کی تین قسمیں ذکر کی ہیں طوال مفصل اوساط مفصل قصار مفصل۔ طوال مفصل کی ابتداء کے بارے میں سیوطی نے ایک درجن اقوال پیش کئے ہیں۔ جمہور کی رائے کے مطابق طوال مفصل کی پہلی سورت سورۂ حجرات ہے۔ اور آخری سورت سورۂ انشقاق ہے۔ اور اوساط کی ابتداء سورۂ بروج سے اور انتہاء سورۂ لم یکن پر ہوتی ہے۔ قصار لم یکن سے الناس تک ہے۔ اگرچہ طوال کی ابتداء میں اس کے علاوہ چار اقوال ہیں۔ ق، ص، محمد، جاثیہ اور قول رابع کو ذہبی نے غریب بتایا ہے۔ (العرف الکبیر) میں والصحیح عند اهل الاثر انه اوله ق، کی تصریح ہے۔ اور استدلال میں ابوداود شریف کی روایت جو صفحہ پر گذر چکی پیش کی گئی ہے۔ نووی نے جمہور کی رائے کو صحیح قرار دیا ہے۔

وقد اُدخِلَ فی تَرتیبِ المُصحَفِ سُورتانِ او ثلاثٌ من عِدادِ المثانی فی المئین لِمُناسَبَةِ سیاقِها بِسِیاقِ المئین وعلٰی هٰذا القیاس ربما وقع فی بعضِ الاقسام ایضًا تصرفٌ۔

اَللُّغۃ:۔ عِداد: بکسر العین، زمرہ، جماعت۔ کہا جاتا ہے فلانٌ فی عِداد الصالحین یعنی فلاں شخص صلحاء کے زمرہ کا ہے فلانٌ فی عِداد بنی فلان۔ سیاق: بکسر السین، یہاں اسلوب و مضمون کے معنی میں ہے۔ ضمیر مجرور کا مرجع مثانی ہے۔

ترجمہ:۔ اور مصحف کی ترتیب میں مثانی کے زمرہ کی دو یا تین سورتیں مئین کے اسلوب کے ساتھ مثانی کے اسلوب کی مناسبت کی وجہ سے مئین میں داخل کر دی گئی ہیں۔ اور اسی طرح بعض دوسری اقسام میں بھی کچھ تصرف ہوا ہے۔

فائدہ:۔ مضامین کی باہمی مناسبت کی وجہ سے مثانی کی جن سورتوں کو مئین کی ترتیب میں رکھا گیا ہے وہ پانچ ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) سورۂ حجر (آیات ۹۹) (۲) سورۂ رعد (آیات ۴۳) (۳) سورۂ مریم (آیات ۹۸ یا ۹۹) (۴) ابراہیم (آیات ۵۲) (۵) حج (آیات ۷۸)

سوال:۔ آپ کی تحقیق کے مطابق مثانی کی پانچ سورتیں مئین میں داخل کی گئی ہیں۔ جبکہ مصنف علامؒ نے صرف دو یا تین سورتوں کے بارے میں لکھا ہے۔ صحیح کیا ہے آپ کی تحقیق یا شاہ صاحبؒ کا ارشاد؟

جواب:۔ شاہ صاحبؒ کا مقصود حصر نہیں بلکہ تخمین ہے۔ اور ہم نے تحقیق و حصر پیش کیا ہے۔ لہٰذا دونوں میں تعارض نہیں کیونکہ تخمین میں کمی بیشی کی گنجائش رہتی ہے۔ شاہ صاحبؒ کی فارسی عبارت "در ترتیب مصحف دو سہ سورہ از" سے ہمارے جواب کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اردو فارسی کے محاورہ میں اندازہ و تخمین کے موقع پر اعداد و شمار کو جوڑ جوڑ کر ذکر کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا اصل عبارت کا "و" حرف عطف برائے شک و تخمین ہوگا۔

جوابِ ۲:۔ ۹۹ اور ۹۸ آیتوں والی سورتیں للاکثر حکم الکل کے تحت مئین ہی کے زمرہ کی ہیں۔ لہٰذا تین ہی سورتیں ایسی ہیں جو مثانی میں سے ہونے کے باوجود مئین میں رکھ دی گئی ہیں۔

دوسرا تصرف:۔ مثانی و مئین کی بعض سورتوں میں جو تصرف ہوا ہے اس کی تفصیل آپ ملاحظہ کر چکے۔ دو قسم والے سے ایک دوسرے تعریف کی مشابہت کی گئی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ طوال کی دو سورتیں (شعراء اور صافات) مثانی میں درج ہو گئی ہیں۔ اول میں ۲۲۷ اور ثانی میں ۱۸۲ آیتیں ہیں۔ اسی طرح انفال و براءۃ کو یکجا کر دیا گیا ہے جبکہ انفال مثانی میں سے اور براءۃ مئین میں سے ہے۔

عرضِ ناچیز:۔ راقم آثم کہتا ہے کہ مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ علماء نے تفسیر مئین وغیرہ کی تعریف میں "مافوق مائۃ" اور "مادون" جیسے الفاظ کے ذریعہ تعداد کی جو قید ذکر کی ہے وہ محض اتفاقی اور یادداشت کی سہولت کے لئے ہے۔ احترازی نہیں کیونکہ مدار تقسیم تعدد و قرب یا اتصال و انفصال

نہیں ہے بلکہ آیتوں کی قلت وکثرت ہے۔ یہیں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مثانی کی وہ وجہ تسمیہ جسے فراء نے بیان کیا ہے دوسروں کی بیان کردہ وجہ تسمیہ سے زیادہ ظاہر اور اقرب الی الفہم ہے۔ واللہ اعلم

واستنسخ عثمان رضی اللہ عنہ من ذلك المصحف مصاحف وأرسل بها الى الآفاق ليستفيدوا منها ولا يميلوا الى ترتيب آخر۔

اللغات:۔ اِسْتَنْسَخَ باب استفعال سے ماضی ہے۔ اصل مادہ نَسْخٌ ہے جس کے معنی ہیں نقل کرنا تو استفعال کے معنی ہوئے نقل کرانا، لکھوانا۔ مصاحف استنسخ کا مفعول بہ ہے۔ اَرْسَلَ فعل ماضی مصاحف کی صفت ہے۔ الآفاق اُفُق (بضم الاولین وفی لغۃ بضم الاول وسکون الثانی) کی جمع ہے۔ اطراف واکناف۔

ترجمہ:۔ اور حضرت عثمانؓ نے اس مصحف صدیقی سے ایسے کئی مصاحف نقل کروائے جنہیں دنیا کے مختلف اطراف میں بھیجا تاکہ لوگ اس سے مستفید ہوں اور کسی دوسری ترتیب کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

فائدہ:۔ گذشتہ صفحات میں یہ بات آ چکی ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب وتدوین کا کام سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں آپ ہی کے حکم عالی سے انجام کو پہنچا، اس ترتیب کی پوری تفصیل آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ زیر مطالعہ عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے مصحف صدیقی کی اشاعت وتوسیع کی تاریخ کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ امت کی سہولت و شفقت کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العالمین سے سات طریقوں پر تلاوت قرآن کی اجازت حاصل کر لی تھی اور صاف لفظوں میں اعلان بھی کر دیا تھا۔ انزل القرآن علی سبعۃ احرف۔ لیکن آپ کے بعد اختلاف قراءت کی یہ صورتیں ٹوٹ گئیں، حتی کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قراء اور ان کے تلامذہ ایک دوسرے کی تغلیط کے درپے ہو گئے۔ یہ تشویشناک صورت حال جب حضرت عثمانؓ کے علم میں آئی تو آپ نے مجمع عام میں خطبہ کے اندر فرمایا: جب تم میرے پاس ہوتے ہوئے باہم اختلاف کرتے ہو اور قرآن کریم غلط طریقے سے پڑھتے ہو تو جو لوگ مجھ سے دور دراز

شہروں میں جا رہتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا؟ اصحاب محمد! اُٹھئے اور لوگوں کے لئے قرآن کا ایک نسخہ مرتب کر دو۔ (الاتقان ج۱)

اسی کے ساتھ تاریخ و حدیث سے ماخوذ یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ حضرت حذیفہؓ بن الیمان جب آرمینیہ و آذربائیجان کی جنگ سے فارغ ہو کر کوفہ، بصرہ اور شام ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ کو واپس ہوئے تو ان علاقوں میں قرأت کے شدید اختلاف اور ایک دوسرے کی تغلیط سے بے حد متفکر تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اَدْرِكْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ يَخْتَلِفُوا اخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى، امیر المؤمنین! قبل اس کے کہ یہ امت کتاب الٰہی میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے لگے اس کو سنبھال لیجئے۔ تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کو کہلوا بھیجا کہ آپ کے پاس قرآن کے جو صحیفے رکھے ہوئے ہیں انہیں ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ تاکہ ہم ان کی نقول تیار کرالیں۔ حضرت حفصہؓ کے پاس سے وہ مصحف صدیقی آگئے تو حضرت عثمانؓ نے ان کی نقلیں تیار کرنے کے لئے حفاظ قرآن زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کی ایک چار نفری کمیٹی تشکیل کر دی اور کہہ دیا کہ آخر الذکر قریشی صحابہؓ اور زید بن ثابتؓ کے درمیان کہیں اگر اختلاف کی نوبت آجائے تو لغت قریش کے مطابق کتابت کی جائے فانه انما نزل بلسانهم۔ اس طرح علی اختلاف الاقوال چار، پانچ یا سات مصاحف تیار ہو گئے۔ جن میں سے ایک تو حضرت نے خود اپنے پاس رکھ لیا اور باقی کوفہ، بصرہ، شام، مکہ، یمن اور بحرین بھجوا دیئے۔ اور اجلہ صحابہؓ کے مشورہ سے قرآن پاک کے انفرادی نجی نسخے اکٹھا کرا کے جلوا دیئے۔ (والتفصیل فی الاتقان)

تعداد منقول:۔ امام القراءۃ عثمان بن سعید ابو عمرو الدانی، المقنع فی رسم القرآن میں لکھتے ہیں۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کے چار نسخے مرتب کرائے تھے۔ ان میں سے تین کوفہ، بصرہ، شام بھجوا دیئے اور ایک اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر سات نسخوں کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں۔ مگر پہلا قول اصح ہے اور ائمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ (علوم القرآن)

سوال:۔ کیا ان عثمانی مصاحف کی بچشم خود زیارت کرنے والے علماء و محققین کے کچھ نام آپ بتا سکتے ہیں؟ **جواب:۔** جی ہاں مشہور سیاح ابن بطوطہ اور مشہور مفسر و محدث علامہ ابن کثیر دمشقی

امام القراءۃ ابن الجزری مصنف "النشر فی القراءات العشر" اور ابن فضل اللہ العمری صاحب "مسالک الابصار فی ممالک الامصار" (م ۷۴۹ھ) یہ سب حضرات بعض مصاحف عثمانیہ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے۔

ابن بطوطہ نے بذات خود قرآن کریم کا ایک نسخہ یا اس کے کچھ حصے ملاحظہ کئے تھے جن کو عثمانی تصور کیا جاتا تھا۔ یہ نسخے ابن بطوطہ نے اپنے سفر کے دوران غرناطہ، مراکش، بصرہ اور بعض دوسرے شہروں میں دیکھے تھے۔ (دیکھو سفرنامہ ابن بطوطہ اردو قسط ۱)

علامہ ابن کثیر اپنی تصنیف فضائل القرآن میں رقمطراز ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے جمع کردہ مصاحف میں مشہور ترین وہ مصحف ہے جو آج کل ملک شام کی جامع دمشق میں رکن کے پاس مصلیٰ کی مشرقی جانب موجود ہے۔ یہ مصحف پہلے طبریہ میں تھا۔ ۵۱۸ھ میں اسے دمشق لایا گیا۔ میں نے اسے دیکھا ہے یہ جلیل القدر کتاب نہایت دیدہ زیب دلکش بڑی سائز میں ہے اور نہایت حسین و جلی خط میں لکھی ہوئی ہے۔ اھ (دیکھو علوم القرآن و فضائل القرآن)

(نوٹ) بعض علما کا خیال ہے کہ یہ نسخہ جامع دمشق میں چودھویں صدی کے اوائل تک رہا۔ اور ۱۳۱۰ھ میں نذر آتش کر دیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب (علوم القرآن)

ولما كان بين اسلوب السّور واسلوب امثلة الملوك مناسبة تامّة، روعي في الابتداء والانتهاء طريق المكاتيب، فكما يبتدئون في بعض المكاتيب بحمد الله عزّ وجلّ، وبالبعض الآخر ببيان غرض الاملاء، وبالبعض الآخر باسم المُرسِل والمرسَل اليه، ومنها ما يكون رقعة وشقة بغير عنوان، وبعضها يكون مُطوّلاً، وبعضها مختصرًا، كذلك سبحانه وتعالى صدّر بعض السّور بالحمد والتسبيح، وبعضها ببيان غرض الاملاء، كما قال عزّ وجلّ: ذٰلك الكتاب لا ريب فيه هُدًى للمتّقين، سورة انزلناها وفرضناها، وهذا القسم يشبه ما يكتب: هٰذا ما صالح عليه فلان وفلان، و: هٰذا ما اوصى به.

فلان . وكان النبي صلى الله عليه وسلم كتب في واقعة الحديبية هذا ما قاضى عليه محمد (صلى الله عليه وسلم) .

ترجمہ:۔ اور چونکہ سورتوں کے اسلوب اور شاہی فرامین کے اسلوب میں مناسبت تامہ تھی اس لئے (سورتوں کی) ابتداء و انتہاء میں فرامین کے طریق کی رعایت کی گئی ہے، چنانچہ جیسا کہ بعض فرامین کی ابتداء اللہ عزوجل کی حمد سے اور دوسرے بعض کی مقصد تحریر سے اور بعض کی ابتداء تحریر کے بھیجنے والے اور مکتوب الیہ کے نام سے کرتے ہیں۔ اور بعض فرامین رقعے اور چٹ (کی شکل میں) ہوتے ہیں بغیر کسی عنوان کے، اور بعض طویل ہوتے ہیں، بعض مختصر، اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد و تسبیح سے اور بعض کو مقصد تحریر کی وضاحت سے شروع فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے ذلك الكتاب اور سورة انزلناها وفرضناها (یہ سورت ہے جسے ہم نے اتارا اور ہم نے اس کو لازم کیا ہے) اور یہ مشابہ ہے ان (فرامین) کے (جن کے شروع میں) لکھا جاتا ہے۔ هذا ما الخ، اور هذا ما اوصى به فلان . (صالح علیہ امر مصالحت کی ہے، اوصی بہ اس کا حکم دیا ہے) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ حدیبیہ میں لکھوایا تھا هذا ما الخ (یہ وہ ہے جس پر محمد نے فیصلہ کیا)۔

فائدہ:۔ مصنف علامؒ نے کلام ربانی کو شاہی فرامین کی حیثیت دی ہے اور فواتح و مبادی کے اعتبار سے اس کے مختلف انواع اسالیب کو ذکر کیا ہے، پھر اسی حیثیت سے سور قرآنیہ کی ایسی جامع تقسیم فرمائی کہ صرف چار نوعوں میں پورے قرآن کا احاطہ کر لیا جبکہ ابن ابی الاصبع المصری نے اس حیثیت سے سور قرآنیہ کو دس نوعوں پر تقسیم فرمایا تھا! تفصیل کا شوق ہو تو الاتقان دیکھیں۔

فرامین شاہی کی انواع جن کا مصنف علامؒ نے مذکورہ عبارت میں تذکرہ کیا ہے (۱) جن کی ابتداء حمد باری سے کی جاتی ہے۔ (۲) جن کی ابتداء میں مقصد تحریر واضح کر دیا جاتا ہے (۳) جن کے شروع میں کاتب مکتوب الیہ کی تصریح ہوتی ہے (۴) جو بلا عنوان کاغذ وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ہوتے ہیں۔ اصلاً یہی چار ہیں جن میں مفصل و مختصر دونوں طرح کے آتے ہیں، اس لئے ان دونوں کا تذکرہ ضمناً ہے۔ صاحب کتاب نے حمد سے شروع ہونے والی سورتوں کے ساتھ مسبحات

کو بھی شامل کر دیا اور شمال کسی کی نسبت پیچھا کی، شمال ذکر نہ کرنے کی وجہ تو غالباً یہ ہے کہ کلم و ذکر سورۃ فی ترحیب کو زید ہے۔ گویا ایک شمال کا اقتضا رصب کو ہے۔ لہٰذا تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ۔

(۲) مسئلہ: حمد والی سورتوں کے ساتھ مسبحات کو شامل کرنے کا قرآن کی وجہ یہ ہے کہ تسبیح درحقیقت حمد ہی کی ایک قسم ہے جیسا کہ شیخ کرمانی نے فرمایا ہے۔ حمد کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) صفات کمالیہ اور خوبیوں کا بیان جسے ثنا و حمد کہا جاتا ہے۔ (۲) نقائص و عیوب کی نفی جسے تسبیح و تنزیہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان چودہ سورتوں کی ابتدا میں حمد باری ہے۔ سات میں صفات کمالیہ کا اثبات ہے۔ اور سات میں نقائص کی نفی کی گئی ہے۔ بیان حمد کے لئے پانچ سورتوں میں لفظ الحمد اور دو میں لفظ تبارک لایا گیا ہے۔ جبکہ نفی عیوب کے لئے صرف مادہ تسبیح کا استعمال ہوا ہے۔ حمد سے شروع ہونے والی سورتیں یہ ہیں: سورۂ انعام اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۱) سورۂ کہف اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (۲) سورۂ سبا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ (۳) سورۂ فاطر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (۴) سورۂ فرقان تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (۵) اور سورۂ ملک تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۶) سورۂ فاتحہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۷)

مادہ تسبیح سے شروع ہونے والی سورتیں: سورۂ اسراء سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا (۱) سورۂ حدید: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲) سورۂ حشر سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (۳) سورۂ صف کی پہلی آیت وہی ہے جو سورۂ حشر کی ہے اور دوسری یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ سورۂ جمعہ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ

مَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ الخ سورۃ تغابن يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ الخ سورۃ اعلیٰ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الخ دیکھئے نحویوں کے لئے مصدر، ماضی، مضارع اور امر سبھی صیغے استعمال کر لیے گئے۔ گویا ہر جہت سے اس مضمون کا استیعاب کر لیا گیا ہے۔ کذا قال الکرمانی فی متشابہ القرآن (انظر الاتقان ص ج ۲ ۱۰۶)

وَصَدَّرَ بَعْضَهَا بِذِكْرِ الْمُرْسِلِ وَالْمُرْسَلِ إِلَيْهِ كَمَا قَالَ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۔ كِتٰبٌ أُحْكِمَتْ آيٰتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ۔ وَهٰذَا الْقِسْمُ يُشْبِهُ مَا يَكْتُبُونَ ۝ صَدَرَ الْحُكْمُ مِنْ حَضْرَةِ الْخِلَافَةِ ۝ أَوْ يَكْتُبُونَ ۔ هٰذَا إِعْلَامٌ لِسُكَّانِ الْبَلْدَةِ الْفُلَانِيَّةِ مِنْ حَضْرَةِ الْخِلَافَةِ ۝ وَقَدْ كَانَ كَتَبَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ ۝

ترجمہ:۔ اور بعض سورتوں کو مرسل و مرسل الیہ کے تذکرے سے شروع فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا: تنزیل الخ (یہ کتاب نازل کی ہوئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمتوں والا ہے) کتٰب احکمت الخ (یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں، مزید براں کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ ایک باخبر حکیم کی طرف سے)۔ یہ قسم ان فرامین کے مشابہ ہے جن میں لکھا جاتا ہے، صدر الخ دربارگاہ خلافت سے یہ حکم صادر ہوا ہے۔ یا لکھتے ہیں ہٰذا اعلام الخ، بارگاہ خلافت سے فلاں شہر کے باشندوں کے نام یہ اعلان ہے ...... اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا من محمد رسول اللہ الخ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے شاہ روم ہرقل کے نام۔

فائدہ:۔ سکّان ساکن کی جمع ہے جیسے طلبۃ طالب کی جمع آتی ہے، باشندہ، رہنے والے۔ دوسری آیت کریمہ میں ثم ترتیب اخبار کے لئے ہے تراخی فی الزمان کے لئے۔ مطلب یہ ہے کہ آیات میں قوت و پختگی اور استحکام کے علاوہ دوسرا وصف تفصیل و وضاحت کا بھی ہے اس کا مفہوم 2

کو ادا کرنے کے لیے نثر کا ترجمہ مزید براں سے کیا گیا ہے۔ (از مابوی)

ما سبق میں قرائن سے مشابہ دو قسموں کی مثالیں بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں تیسری قسم کی مثالیں پیش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کے ابتدائی الفاظ کو تائید میں پیش کیا گیا ہے۔

وَصَدَّرَ بَعْضَهَا عَلَى أُسْلُوْبِ الرِّقَاعِ وَالشُّقَقِ بِغَيْرِ عُنْوَانٍ كَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ، إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ، قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا، يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ،

ترجمہ: اور بعض سورتوں کو کاغذ کے ٹکڑوں اور خطوں (والے قرائن) کے اسلوب پر بلا عنوان کے شروع فرمایا جیسا کہ (سورۂ منافقون کی ابتدا کرتے ہوئے) اِذَا جَآءَكَ الخ (اور سورۂ مجادلہ کی ابتدا میں) قد سمع الخ (اور سورۂ تحریم کی ابتدا میں) یا ایھا النبی الخ فرمایا۔

فائدہ: یہ قسم چہارم کی مثالیں ہیں، وہ تمام سورتیں جو مذکورہ تینوں اصناف کے علاوہ ہیں اسی قسم چہارم کے ذیل میں آتی ہیں۔ رہا مسئلہ طول و مختصر کا تو وہ اجلی البدیہیات ہیں۔ عبارت میں بنیادی چیز "بغیر عنوان" ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح رقعوں کے ذریعہ جب کوئی پیغام یا فرمان بھیجا جاتا ہے تو عموماً ان پر کوئی سرخی وغیرہ نہیں قائم کی جاتی ہے۔ اسی طرح بہت سی سورتیں بغیر عنوان کے نازل ہوئی ہیں۔ ویحتمل ان یقال ان السور التی خوطب فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصفاتہ الجلیلۃ نحو یا ایھا النبی و یا ایھا المدثر من السور المصدرات بذکر المرسل الیہ واللہ اعلم بالصواب، رحم اللہ عبدا نبھنی علی خطئی آمین

ولما كانت للقصائد في فصاحة الكلام شهرة عند العرب وكان من عاداتهم في مبدأ القصائد التشبيب بذكر مواضع عجيبة و وقائع هائلة اختار الله عز وجل هذا الاسلوب في بعض السور كما قال وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا. فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا، وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا

فالحاملات وقرا ، واذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت ۔

اللغۃ ۔ التشبیب ۔ شباب سے ماخوذ ہے ۔ اصل معنی جوانی اور کھیل کود کا تذکرہ کرنا تھا پھر عورتوں کے محاسن کے تذکرہ سے شروع کرنے کے معنی میں اور مطلق ابتدا اور شروع کرنے کے معنی میں مستعمل ہونے لگا وصار المراد منہا ۔ وقائع ۔ جمع وقیعۃ ۔ لڑائی وقائع العرب عرب کی لڑائیاں دوسری جمع وقاع بھی آتی ہے ھائلۃ ۔ ھول اس سے خوفناک ہونا

ترجمہ ۔ اور چونکہ عربوں کے یہاں فصاحت کلام میں قصائد کو شہرت حاصل تھی اور ان کی عادت تھی کہ قصائد کے شروع میں مقامات جیسے اور ہولناک لڑائیوں کا تذکرہ کرتا تھا اس لئے حق عزوجل نے بھی بعض سورتوں میں اس اسلوب کو اختیار فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی قسم پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو شیطان کو ڈانٹ کر بھگاتے ہیں ، قسم ہے ان ہواؤں کی جو بکھیر دیں اٹھا کر ، پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو ۔ ۔ جب سورج کی دھوپ تہ ہو جائے گی یا اس کی شعاعیں جن سے دھوپ نکلتی ہے لپیٹ کر رکھ دی جائیں گی اور جب تارے میلے ہو جائیں ۔

ولما كانوا يختمون الكتاب بجوامع الكلم ونوادر الوصايا وتاكيد الأحكام السابقة وتهديد من خالفها كذلك الله سبحانه ختم أواخر السور بجوامع الكلم ومنابع الحكم والتاكيد البليغ والتهديد العظيم

اللغۃ ۔ جوامع الکلم اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے اصل میں الکلم الجوامع ہے ۔ کلام جامع ۔ قل ودل ، ایسی بات جس کے الفاظ کم اور معانی کثیر ہوں ۔

نوادر ۔ جمع نادرۃ ۔ ندر کی ، الکلام ندرۃ عمدہ و فصیح ہونا ، عجیب و غریب ہونا ۔

الوصایا ۔ جمع الوصیۃ ۔ ایصاء ، حکم دینا ، کا اسم ہے نوادر الوصایا ، احکام نادرہ ، عمدہ قسم کے فرمان ۔

ترجمہ ۔ اور جیسا کہ اہل عرب اپنے مکتوبات کو جوامع الکلم اور احکام عمدہ پر اور پچھلی باتوں کی تاکید اور ان لوگوں کو تہدید پر ختم کیا کرتے تھے جو ان احکام کی مخالفت کریں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی سورتوں

کے اوامر کو جوامع الکلم اور منابع الحکم پُر حکمت کلام اور موثر تاکید اور عظیم تہدیدات اور دھمکیوں پر ختم فرمایا

ف: جوامع الکلم پر اختتامِ سورۃ کی مثال: فمن یعمل مثقال ذرۃ۔ الآیتین، یہ گدھوں کی زکوٰۃ سے متعلق سوال کے جواب میں آتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما انزل اللہ فیہا شیئاً الا ھذہ الآیۃ الجامعۃ الفاذۃ۔ فمن یعمل الآیۃ یعنی کہ اس مسئلہ میں اللہ جل شانہٗ نے اس جامع اور منفرد آیت کے علاوہ کچھ نہیں نازل فرمایا ہے

دوسری مثال: ھٰذا بلاغ للناس ولینذروا بہ ولیعلموا انما ھو الٰہ واحد ولیذکر اولوا الالباب، یہ مجموعی آیت میں تصدیق رسالت، تصدیق توحید، تصدیق معاد اور تلقین سبھی کچھ مذکور ہے

منابع: منبع سرچشمہ جگہ۔ حکمۃ: دانائی، ادراک کی باتیں، حق کے موافق گفتگو۔ قال مجاہد: الحکمۃ ھی الاصابۃ فی العقل والقول۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حکمت قلب کی روشنی اور نورانیت کا نام ہے جس سے اشیاء کی معرفت حاصل ہو، قلب نور فی القلب یدرک بہ الاشیاء کما تدرک بالبصر، حکمت ہی کا مطلب اشیاء کو نہایت درست طریقہ پر ادراک کرنا اور انسان کی حکمت موجودات کی معرفت اور نیک کاموں کی انجام دہی (مفردات القرآن ج ۱ ص ۱۳۷)

حکمت: حکم سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: تفصیل بین الحق والباطل، حکمت کا اطلاق حسب ذیل معانی پر ہوتا ہے: (۱) عقل و فہم اور فرق و امتیاز کی وہ حقیقت جس کے ذریعہ [illegible] و یقین و برہان اور غور و فکر کے بغیر ہی منکشف ہو، بطور پر خیر و شر اور حق و باطل کے درمیان تمیز حاصل ہوتی ہے یا یوں کہو کہ خیر و شر کے درمیان تمیز کی فطری استعداد کا اندرونی نور ایسا ہی نام حکمت ہے

---

۱ ایک سفر میں حضرت عمرؓ نے ایک قافلے والوں سے آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ پوچھو کہ کہاں سے من این القوم؟ جواب ملا: اقبلنا من الفج العمیق نرید البیت العتیق، حضرت عمرؓ فرمانے لگے کہ اس قافلے میں کوئی بڑا عالم ہے اس لئے قرآن کریم سے بعض سوالات کا سلسلہ شروع فرمایا، تیسرا سوال تھا: ای القرآن اجمع، قرآن کا سب سے جامع آیت کونسی ہے؟ تو قافلے والوں کے درمیان حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے جواب میں سورۂ زلزال کی آخری آیت کی تلاوت فرمائی [تلخیصاً]

اسی مفہوم کی تعبیر کے لئے ابن زید نے بھی والعقل فی الدین، اور بعض نے شیٔ یجعلہ اللہ فی القلب ینور لہ بہ، کے الفاظ استعمال کئے ہیں

اور یہی مطلب ہے امام مالک اور ابو رزین کے قول: الحکمۃ الفقہ فی الدین والفہم الذی ھو سجیۃ و نور من اللہ تعالیٰ کا۔ ارشاد ربانی یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ میں حکمت سے ذوق فہم سلامتی اور قلب کی یہی نورانیت مراد ہے۔ اسی عقل و فہم کی کامل ترین حقیقت حکمت نبوی یا وہ نور حق اور الہامی معرفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ودیعت فرمایا تھا لیکن حسب استعداد اس کے مختلف درجے اور مرتبے بنی آدم کے دوسرے افراد کو بھی مل سکتے ہیں اسی لئے حدیث میں ہے اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ فرمایا گیا ہے

(۲) وجدان صحیح اور ذوق سلیم کے تحت آثار و نتائج یعنی اچھے اعمال و اخلاق اور نیکیاں ہیں جن کو انسان تجربہ و بشری فطری استعداد کی وجہ سے اختیار کرتا ہے سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ربانی ہے: لا تجعل مع اللہ الٰھا آخر فتقعد مذموما مخذولا وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا (آیت ۲۲ تا ۳۹) ان سترہ آیتوں میں توحید، والدین کی اطاعت و تعظیم جیسے بیسیوں اعمال و اخلاق ذکر کئے ہیں پھر ارشاد فرمایا ذلک مما اوحی الیک ربک من الحکمۃ ان سب کا اشارہ انہیں احکام مذکورہ ہی کی طرف ہے (دیکھئے ف ن ۲ ص ۱۵۴ بیروت) یہاں شیخ الہند نے حکمت کا ترجمہ عقل کے کام کیا ہے علامہ عثمانی نے لکھا کہ یہ علم و حکمت اور تہذیب اخلاق کی تعلیمیں ہیں جنہیں عقل سلیم کی قبول کرتی ہے اسی مناسبت سے حکمت کا معنی دانائی کی بات اور کلام بتایا گیا ہے جیسا کہ قدیم لغت نویس ابن درید (م ۳۲۱ھ) جمہرۃ اللغۃ میں لکھتا ہے کل کلمۃ وعظتک او زجرتک او دعتک الی مکرمۃ او نہتک عن قبیح فہی حکمۃ وحکم، یہیں سے سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی حکمت کہا گیا کیونکہ آپ کے اقوال و سنن آپ کی اسی دینی عقل اور ودیعت شدہ حکمت نبوی کی پیداوار اور آثار و نتائج ہیں (۳) شریعت کے اسرار و رموز اور اس کی علمی و عقلی علتیں، حکمت کے اس تیسرے مدلول کو اس طرح سمجھا اور سمجھایا جا سکتا ہے

کہ چیزوں کی ایک تو ظاہری صورت ہوتی ہے جس کا ادراک حواس ظاہرہ میں سے کسی کے ذریعہ کر لیا جاتا ہے پھر ان ظاہری صورتوں کی ایک حقیقت مستورہ ہوتی ہے جس کے ادراک کے لیے دل ودماغ کی فراست وذکاوت اور قلب وروح کی نورانیت درکار ہوتی ہے۔ جس کا ضمیر جتنا روشن ہوتا ہے حقائق خفیہ کا سمجھنا اس کے لیے اتنا ہی سہل اور آسان ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس احکام شرعیہ کی ایک عملی وظاہری صورت ہے جس کا انسان کو مکلف کیا گیا ہے پھر ان احکام کے کی تہوں اور گہرائیوں میں کچھ لطیف حقائق ہیں، یہی حقائق مستورہ ان احکام کے منشا کی واصول اور مبنی ومقصود ہیں جنہیں "حکم شرعیہ" کہا جاتا ہے حضرت شیخ الہندؒ نے "ویعلمهم الکتاب والحکمۃ" میں حکمت کا ترجمہ کیا ہے "تہ کی باتیں" اور حاشیہ میں رقم فرمایا "حکمت سے مراد اسرار خفیہ ورموز لطیفہ ہیں۔"

مثال منابع الحکم سنریهم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین

لهم انه الحق: پ۲۵، ترجمہ آیت۔ اور ہم عنقریب دکھا دیں گے اپنی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں، اور خود ان کی ذات میں یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ قرآن یا توحید حق چونکہ آیت میں آفاقی[1] وانفسی یا بیرونی واندرونی آیات ونشانیوں کا تذکرہ ہے جن سے توحید کا اثبات اور حق کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پر حکمت کارسازیوں سے حجابات اٹھتے ہیں لہٰذا آیت کو منابع الحکم کی مثال میں پیش کیا گیا ۔

---

[1] آفاقی آیات الٰہیہ سے مراد رازی [illegible] آلوسیؒ کے نزدیک وہ محیر العقول وخرق عادت اسلامی فتوحات ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقدس ہاتھوں ملک عرب اور اس کے اطراف واکناف میں میسر ہوئیں اولم یروا انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها (الایۃ) اور انفسی آیات الٰہیہ سے مراد فتح مکہ اور مشرکین کی حیرت انگیز پسپائی اور ہزیمت ہے علامہ آلوسیؒ [illegible] اور کیا بعید ہے کہ آفاقی آیات سے مراد وہ واقعات ومناظر ودلائل کونیہ ہوں جو ہر سلیم الطبع شخص کو توحید وحکمت باری کے اعتراف کی دعوت دیتے ہیں جیسے کہ اہل سائنس کا [illegible] کے نتیجہ میں [illegible] کے قریب آ کر اس کی تصدیق

تہدید نظیر کی مثال سورۂ منافقون کی آخری آیتیں ہیں۔ وانفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء اجلها واللہ خبیر بما تعملون دیکھئے ترغیب انفاق کے لئے کیسا حکیمانہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والی حسرت، جو مشاہدۂ برزخ کے ظہور و انکشاف حقیقت کے لمحات میں نافرمانوں کو درپیش ہوگی، سے آگاہ فرمایا پھر یہ بھی تنبیہ فرمائی کہ جب وہ وقت موعود آجائے گا تو پھر یہ حسرت وتمنا بے سود ہوگی پھر تو تم ہوگے اور علام الغیوب بس! اسی طرح ۔ ان الینا ایابھم ثم علینا حسابھم، اور افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور ؟ بھی تہدید پر ختم سورۃ کی مثالیں ہیں۔ تاکید بلیغ پر ختم سورۃ کی مثال: ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم، ... ان ھذا لفی الصحف الاولی، ... اور ان ھذا لھو حق الیقین فسبح باسم ربک العظیم، وغیرہ

وقد یحصل الرقی فی انتہاء السور الکلام البلیغ العظیم الفائدۃ البدیع المحتوی بنوع من الحسن

(بقیہ صفحہ گزشتہ) پیش کرتا ہے۔ ایسی صورت میں حیوانات، نباتات، فلکیات سے متعلق سارے علوم و فنون اور ساری تشریح و تحقیقات قرآنی آیات کے ذیل میں درج ہو جائیں اور نفس انسانی سے قدرت کی وہ شان نمایاں ہو سکتی ہے جو عجائبات انسانی میں موجود ہیں یعنی جسم و اعضاء جسم کی حکیمانہ ترکیب، تناسب و ترتیب، عجیب و غریب نظام ہضم، خون صالح مادوں کے افراز و بقاء و ارتقاء نظام، تقسیم تولید و تناسل، وغیرہ وغیرہ نظام ہائے قدرت کا بیان جن سے انسان جو جانچ کی عنایت آشکارا ہو کر اعتراف حق کے لئے راہیں کھل جاتی ہیں۔ وفی انفسکم افلا تبصرون جیسا کہ مختلف مفسرین کرام نے اس کو پسند کیا ہے جیسا کہ جواہر میں مفصل مذکور ہے ۔

سنریھم آیاتنا فی الآفاق - اقطار السموات والارض من النیرات والشمس والقمر والنجوم، النباتات والاشجار و فی انفسکم من لطیف الصنعۃ وبدیع الحکمۃ

والتسبيح ويتوجه من بيان النعم والامتنان كما فصل رب التباين بين عزة الخالق والمخلوق قل الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى آلله خير اما يشركون ثم بين هذا المعنى في خمس آيات بابلغ وجه وابدع اسلوب كما افتتح مخاصمة بني اسرائيل في آيات سورة البقرة بـ يا بني اسرائيل اذكروا واختتمها بهذه الكلمة ايضا وابتداء المخاصمة بهذا الكلام وانتهاؤها به شأن عظيم.

ترجمہ۔ اور کبھی کبھی درمیان سورت میں، نہایت مفید اور نادر اسلوب کے بلیغ و موثر کلام کا آغاز حمد و تسبیح یا احسانات و انعامات کی گنتی شمار سے کیا جاتا ہے جیسا کہ خالق و مخلوق میں تباین کے بیان کا آغاز فرمایا ہے "قل الحمد للہ" سے، پھر پانچ آیتوں میں اس مدعٰی کو موثر ترین طریقہ پر اور نادر اسلوب میں بیان فرمایا ہے اور جیسا کہ سورۂ بقرہ کے درمیان میں بنی اسرائیل کی مخاصمت کو "یا بنی اسرائیل" سے شروع کیا پھر اسی کلمہ پر ختم بھی فرمایا۔ اور مخاصمت کا اسی کلام سے آغاز اور اسی پر اس کا اختتام ایک عظیم مرتبہ کا حامل ہے

ف! مطلب یہ ہے کہ جب درمیان سورت میں کسی اہم مضمون کو ذکر کرتے ہیں تو بسا اوقات حمد یا تسبیح یا انعامات سے اس مضمون کا آغاز فرماتے ہیں چنانچہ؎ خالق و مخلوق میں عظیم فرق مراتب کے اہم مضمون کو حمد سے شروع کیا

؎ آیات مذکورہ: قل الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى آلله خير اما يشركون امن خلق السموات والارض وانزل لكم من السماء ماء فانبتنا به حدائق ذات بهجة ما كان لكم ان تنبتوا شجرها ء اله مع الله بل هم قوم يعدلون امن جعل الارض قرارا وجعل خلالها انهارا وجعل لها رواسي وجعل بين البحرين حاجزا ء اله مع الله بل اكثرهم لا يعلمون امن يجيب المضطر اذا دعاه ويكشف السوء ويجعلكم خلفاء الارض ء اله مع الله قليلا ما تذكرون امن يهديكم في ظلمات البر والبحر ومن

درمیان سورت کی اہم بحث کو ... تسبیح ... سے شروع کرنے کی مثال: سبحٰن الذی خلق الازواج کلہا مما تنبت الارض ومن انفسہم ومما لا یعلمون (یٰس) کیونکہ یہاں سے ... آیات نفسیہ ... اور آیات ارضیہ کے ذریعہ حق تعالیٰ شانہ کی قدرت ووحدانیت پر استدلال کا مضمون مذکور ہے۔ اور بنی اسرائیل کی فہمائش کا آغاز: یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم واوفوا بعہدی اوف بعہدکم (الآیات) سے فرمایا جس میں انعامات وامتنانات ... کا تذکرہ ہے پھر چند ہی آیتوں کے بعد انعامات کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین ... یہی وہ آیت ہے جسے (تقریباً) پون پارہ کے بعد اس مضمون کے اخیر میں پھر ذکر فرمایا ہے۔ اس طرح کلام کے مبدأ اور منتہا میں یکسانیت اور مناسبت ہوگئی۔ اسی کو "رد العجز علی الصدر" ... (مثل المقاربة مناسبة للمقطع) کہا جاتا ہے یہ علم بدیع کی ایک شاندار صنعت ہے جو نثر ونظم دونوں میں مستعمل ہے۔

رد العجز علی الصدر کی تعریف: جو لفظ فقرۂ اول (از آغاز کلام) میں آیا ہو اسی لفظ کو بعینہ یا اس کے مجانس (ہم شکل) کو یا مشتق کو یا مشابہ مشتق لفظ کو دوسرے فقرہ میں ذکر کرنا "رد العجز علی الصدر" ہے۔ پہلی صورت کو رد العجز مع التکرار کہتے ہیں مثال عربی: آیت کریمہ "وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ"۔ اردو مثال: آدمی کو ستانا اچھا نہیں ہے۔ ظاہر ذات قدر ہے آدمی۔ دوسری صورت کو "رد العجز مع التجنیس" کہتے ہیں عربی مثال: سائل اللئیم یرجع ودمعہ سائل۔ اردو مثال: مانگ بچا سوا ما ہے آج ... جس نے کل دل لیا تھا مجھ سے مانگ۔ اور تیسری صورت کو رد العجز مع

(بقیہ حاشیہ) یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ ءالٰہ مع اللہ تعالی اللہ عما یشرکون امن یبدؤا الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السماء والارض ءالٰہ مع اللہ قل ہاتوا برہانکم ان کنتم صدقین (نمل ۶۴)

لہ ... کرنے والا اختتام پر لایا جاتا ہے۔

الاشتقاق کہتے ہیں جیسے عربی مثال وستغفروا ربکم انہ کان غفارا۔ اردو مثال: قرین صدق ہے ملنا تمہارا غیروں سے۔ وہ رقیب رکھتے ہیں گھر سے تمہارے گھر مقرون۔ اور چوتھی صورت کو اسے التجنیس مع شبہ الاشتقاق کہتے ہیں۔ عربی مثال قال انی لعملکم من القالین۔ اردو مثال۔ یارو فلک سے ہم کو کسی کے کیا ہے کام؛ ہے ہم اور تیری گلی کا سر ہے اور تیری دیوار۔

وكذلك صدر مناظرة أهل الكتابين في آل عمران بآية إن الدين عند الله الإسلام ليتصور محل النزاع ويتوارد القيل والقال على ذلك المدعى والله أعلم بحقيقة الحال ۔

اللغۃ: یتصور۔ لازم و متعدی دونوں طریقوں پر مستعمل ہے۔ بصورت مجہول ترجمہ۔ ذہن میں لایا جاسکے، تصور کیا جاسکے؛ بصورت معروف لازم ترجمہ ہوگا ذہن میں آسکے، تصور ہو۔ المدعیٰ: اسم مفعول، دعویٰ، موضوع بحث

ترجمہ: اور اسی طرح دونوں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی مناظرت کو آل عمران کے اندر آیت کریمہ ان الدین الخ سے شروع کیا تاکہ محل اختلاف ذہن میں آجائے اور قیل و قال (سوال و جواب) یکے بعد دیگرے اسی مدعیٰ پر وارد ہوسکے۔ (اور موضوع بحث متعین ہوجائے) یعنی جیسے مناظرت کے مضامین کا آغاز مقامات کے تذکرہ سے ہوتا ہے اسی طرح محل اختلاف کے تذکرے سے بھی ہوتا ہے تاکہ موضوع بحث متعین ہوجائے جیسا کہ متن میں مذکور مثال سے ظاہر ہے۔

تم الفصل الاول للباب الثالث بفضل اللہ تعالیٰ فلہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ ۔

الفصل الثاني قد جرت سنة الله عزّ وجلّ في أكثر السور بتقسيمها إلى الآيات كما كانوا يقسمون القصائد إلى الأبيات غاية الأمر أن بين الأبيات والآيات فرقاً وكل منهما نشيط للذة نفس المتكلم والسامع إلا أن الأبيات مقيدة بالعروض والقوافي التي وضعها الخليل بن أحمد وحفظها الشعراء ومبنى الآيات على وزن وقافية إجماليين يشتمل على أمر طبيعي لا على قوانين العروضيين وتفاعيلهم وقوافيهم والقافية التي هي أمر صناعي واصطلاحي

ترجمہ۔ دوسری فصل (سورتوں کی آیاتی تقسیم اور ان کے منفرد اسلوب کے بیان میں)

اکثر سورتوں میں اللہ عزّ وجل کا طریقہ ان سورتوں کو آیات میں تقسیم کرنے کا ہے۔ جیسا کہ اہل عرب قصائد کو اشعار میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ آیات اور ابیات میں فرق ہے اگرچہ ان دونوں میں سے ہر ایک، تقریباً سامع و متکلم کی لطف اندوزی کے لئے پڑھے جاتے ہیں لیکن اشعار اس عروض و قوافی کے ساتھ مقید ہوتے ہیں جن کو خلیل[1] بن احمد نے مدون کیا اور شعراء نے ان کی حفاظت کی۔ اور آیات کی بنا ایسے اجمالی اوزان و قوافی پر ہوتی ہے جو فطری ذوق کے مشابہ و مناسب ہوتے ہیں۔ نہ کہ اہل عروض کے افاعیل و تفاعیل اور ان کے ان قوافی سے جو کہ مصنوعی ذوق و صناعت اور اصطلاحی ہیں۔

ف: القصائد جمع القصیدۃ سات یا دس سے زیادہ اشعار کی نظم قصیدہ کہلاتی ہے۔ (کما ہو المشہور) کم از کم ۱۶ یا ۲۵ اشعار قصیدے میں ہونے چاہئیں (شمس المقصود، ابیات شیخ)

---

[1] خلیل بن احمد بن عمرو الفراہیدی الازدی کنیت ابو عبد الرحمن۔ امام سیبویہ کے استاذ۔ لغت و ادب کے امام، علم عروض کے موجد، فن موسیقی کے ادیب و نرالے ادیب و شعر کے ایسے ماہر کہ علم عروض جیسے دقیق فن کا اس سے استنباط فرمایا۔ تا حیات ایسے ٹوٹے ہوئے فقر و تنگدستی میں گزار دی۔ سال ولادت ۱۰۰ھ بتایا جاتا ہے سن وفات ۱۷۰ھ یا ۱۷۵ھ وغیرہ اقوال ہیں سب سے پہلے حمد بن احمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتاب العروض، کتاب الخلیل، کتاب العین وغیرہ تصانیف آپ کی یادگار ہیں (روشنی ج ص ۱)

وہ منظوم کلام جو دو مصرعوں پر مشتمل ہو، بیت ہے۔ العروض: وہ فن جس میں نظم و شعر کی درستگی کے قوانین ذکر کیے جاتے ہیں۔ ٹه القافیۃ: لغوی معنی، آخری حصہ۔ اصطلاحی معنی: شعر کے آخری دو ساکن حروف کا وہ مجموعہ جس میں ساکن اول کا ماقبل متحرک بھی شامل ہو گا۔ جیسے شعر:

اِذَا اشْتَدَّتْ بِکَ الْبَلْوٰی فَفَکِّرْ فِیْ اَلَمْ نَشْرَحْ ÷ فَعُسْرٌ بَیْنَ یُسْرَیْنِ اِذَا فَکَّرْتَهٗ فَافْرَحْ میں نشرح اور فافرح۔

افاعیل و تفاعیل: اہل عروض کی اصطلاح میں افاعیل و تفاعیل بول کر ٹہ بحر کے اجزاء و ارکان مراد لیے جاتے ہیں۔

حاصل عبارت یہ ہے کہ جس طرح قصائد و ابیات کو موزون و مقفیٰ ٹکڑوں یعنی مصرعوں میں تقسیم کرنے کا دستور ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے کلام مقدس کو اکثر سورتوں میں موزون و مقفیٰ حصوں (آیات) میں تقسیم فرمایا۔ تقسیم الی الآیات سے مراد یہی فواصل کی رعایت والی آیات ہیں۔ ورنہ اکثر کی قید بے سود ہوگی کیونکہ مطلق تقسیم سے کوئی بھی سورت خالی نہیں ہاں ،، تقسیم مقفیٰ، یا ،، تقسیم موزونی ،، سے بہت ساری سورتیں خالی ہیں جیسا کہ آخر فصل کی عبارت

ٹہ العروض علم یبحث فیہ عن وزن الشعر صحۃ و سقما۔
و موضوعہ الشعر من حیث انہ موزون باوزان مخصوصۃ۔

فوائد: اوزان بحور و ناصر و میں قیاساً اور تفاعیل ہو سے خلاف و غیرہ حد یہ تعریف خلیل کے نزدیک ہے جبکہ اخفش شعر کے آخری کلمہ کو قافیہ کہتے ہیں مثلاً غزّد یا بلسمام: لبیبا تہیام میں خلیل کے نزدیک عام اور یام قافیہ ہیں جبکہ اخفش کی نظر میں سام اور ہیام قافیہ ہیں۔ تعریف قافیہ میں اور بھی اقوال ہیں جو فن کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ٹہ بحر ان مخصوص کلمات کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جن سے ہیئات اشعار کے اوزان درست کیے جاتے ہیں۔ بحر کے وہ مخصوص کلمات جنہیں ارکان یا اصول تفاعیل کہا جاتا ہے جس میں دو تو خماسی (پنج حرفی) اور سات سباعی (ہفت حرفی)، خماسی فَعُوْلُنْ اور فَاعِلُنْ ہیں اور سباعی مَفَاعِیْلُنْ، فَاعِلَاتُنْ، مُسْتَفْعِلُنْ، مُفَاعَلَتُنْ، مُتَفَاعِلُنْ، مَفْعُوْلَاتُ (مقسوم ہو تو یوں) فاعِ لَاتُنْ اور مسْ تَفْعِ لُنْ جیسے شعر:

القلب منہا مستریح سالم ÷ والقلب منی جاهد مجہود" یعنی اس معشوق کا دل پرسکون

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

۔ لانه ظهرت في بعض السور غاية ظهور من الموزون والقافية ۔ سے معلوم ہوتا ہے (مثلاً سورۂ شمس، والفجر والنازعات وغیرہ) اور اسی تعبیر کا مقصد قاری و سامع کے لئے لطف اندوزی و نشاط طبع کے اسباب کی فراہمی ہے ۔ قصائد و سور، موزونی و تعبیر میں اس مقصد کے اعتبار سے شریک و یک گونہ ہیں ۔ لیکن بہ اعتبار اوزان اور معیار کے اعتبار سے دونوں میں ایک بیّن فرق ہے ۔ قصائد کا معیار فن عروض کے اصول ہیں ۔ مخصوص بحور و قوافی ہیں جو متعین ہیں جبکہ «فواصل آیات» کا معیار «ایسے اوزان و قوافی» ہیں یعنی ایسے اوزان و قوافی جو فطری طور پر اور انسانی مزاج سے ہم آہنگ اور قریب تر ہوں نشاط طبع کا ذریعہ ہیں۔

وتنقيح ما وقع من الامور المشتركة بين الآيات والابيات ۔ ونعني المتناسبة بالاوزان ولا نعني الامور اللازمة ۔ ثم ضبط امور وقع في الآيات التزامها ۔ وذلك بمنزلة الفصل يحتاج الى التفصيل والله ولي التوفيق ۔

اللغة :۔ تنقیح خامی کو دوسروں سے الگ کرنا ۔ الشلف جمع الشیلۃ و النشیلۃ ہر وہ کلام جس کو ترنم سے پڑھا جائے ۔ ضبط (ن، س) سے ایک طرح حفاظت کرنا ۔ تا لیلی یا لیتا ۔

ترجمہ :۔ اور اسی «ابرھام» کی تنقیح، جو آیات و اشعار میں مشترک ہے (اور ہم اس ابرھام کے مقابل میں وزن کا لفظ بولتے ہیں) پھر ان امور کو ضبط کرنا جن کا آیات میں التزام ہوا ہے تفصیل کا محتاج ہے ۔ اور یہ بات (یعنی ہر ایک آیات کے درمیان) فصل سے درجہ کی ہے) ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے ۔

ف :۔ مطلب یہ ہے کہ آیات و اشعار کی «مشترکہ خوبیاں» جس کی وجہ سے دونوں نشاط طبع اور سرور کا سبب بنتے ہیں اس کی تنقیح اور پھر نشاندہی، پھر ان ممتاز خوبیوں کی تعیین کرنا جن کا قرآنی آیات میں تو التزام کیا گیا ہے لیکن اشعار ان سے خالی ہوتے ہیں یہ دونوں چیزیں تفصیل طلب ہیں ۔

بقیہ صفحہ گزشتہ

رحمٰن ہے اور میرا بیٹا گویا ایک بیٹا جار رہا ہے تشکیل : القلب من مستفعلن ھو متفعلن مستفعلن کا مسالہ مستفعلن ۔ والقلب من مستفعلن فاعلاتن مستفعلن ۔ مفعولن ۔ ان ایک مفعولن کے بجائے منظوم ہے یہ بحر ہے مستفعلن و مفعولن ایک بحور کے مطابق مذکورہ شعر کے بجائے درگ ہے مستفعلن یا مفعولن ۔ رکنا کہا جاتا ہے ۔ (گذشتہ صفحات ملاحظہ فرمائیں)

تفصيل هذا الإجمال أن الفطرة السليمة تدرك في القصائد الموزونة المقفاة والأراجيز الرائقة ونحوها لطفا وحلاوة بالذوق وإذا تأملت سبب ذلك اللطف المذكور وجدته يكون ورود كلام بعض أجزائه يوافق بعضا في التناسب فتعرف أن الطبع ينتظر مثله حتى إذا وقع في نفسه بيت آخر يوافق الأجزاء الملحوظة وحصل له الأمر المنتظر تضاعفت اللذة عنده وإذا اشترك البيتان في القافية فيه تضاعفت اللذة فالتلذذ بالأبيات من الفطرة قريبة للناس والأمزجة السليمة من أهل الأقاليم المعتدلة متفقة على ذلك

ترجمہ :- اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فطرت سلیم، موزون (اور) مقفیٰ قصائد اور نفیس رجز وغیرہ میں ذوق کے ذریعہ مخصوص قسم کا لطف اور خاص قسم کی مٹھاس محسوس کرتی ہے۔ اور تم جب لطف مذکور کے سبب میں غور کرو گے تو پاؤ گے کہ ایسے کلام کا پایا جانا جس کے بعض اجزاء دوسرے جز کے موافق ہوں وہ نفس مخاطب کے لئے ایسے کلام کے انتظار کے ساتھ ساتھ مفید لذت ہے، یہاں تک کہ جب دوسرا شعر اس کے ذہن میں اجزاء کے ملحوظہ کے موافق کے ساتھ آتا ہے۔ اور وہ امر منتظر متحقق ہو جاتا ہے، تو اس وقت لذت دوبالا ہو جاتی ہے۔ اور جب دو شعر قافیہ میں مشترک ہوتے ہیں تو لذت سہ چند ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ان ابیات کے ساتھ خوش ہونا یعنی لطف اندوز ہونا انسان کی قدیم فطرت ہے۔ اور معتدل اقالیم کے مزاجات ستھرے ذوق والے اس پر متفق ہیں۔

ف :- ① الاراجیز ۔ الارجوزۃ کی جمع ہے۔ اشعار کی سولہ بحروں میں ایک بحر رجز کی ہے یعنی چھ بار کے مستفعلن سے جو بحر تیار ہوتی ہے اس کو بحر رجز کہا جاتا ہے۔ بحر رجز والا قصیدہ ارجوزہ کہلاتا ہے۔ ② حتیٰ تیقن سے انتظار مطلوبہ میں مجہول ہے، تعقیب ہے۔ اس لئے یہ کہا سکتے ہیں۔ وَجَدْتَ انّ ورود کلام یوافق بعض اجزائہ

حاشیہ صفحہ گزشتہ

ع ویظہر ـ الضمیر یعود الیٰ حرف ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اشعار و ابیات کے درمیان کا وہ امر مشترک جس کا ذکر کیا گیا ہے اس کو تناسب کہتے ہیں۔ ہم اس کی تعبیر کے لئے لفظ "تناسب" استعمال کریں گے۔

عه چونکہ [illegible] رعایت ذوق کی تناسب اس لئے کرایا۔ ویتلو فی حلاوۃ " .. ہو جاتا ہے"

عه سوال پیدا ہوتا ہے اس کا جواب ہے۔

بعضاً يفيد اللذة في نفس المخاطب و يجعلها متطلعاً الى كلام لغير مثله ۔ یعنی تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ایسے کلام کا وجود جسکے اجزاء باہم موافق ہیں، مخاطب کی طبیعت کے لئے لطف انگیز ہوتا ہے اور اُسے اسکا جیسے دوسرے کلام کا مشتاق بنا دیتا ہے ۔

(۲) حاصل عبارت یہ ہے کہ موزوں و مقفی اشعار، اور مسجع کلام میں، لطف و حلاوت کا اصل سبب، اجزاء کلام کا باہم موافق و ہم وزن ہونا ہے، لیکن توافق کی نوعیت اور اس کی شرائط میں شدید اختلاف ہے۔ چنانچہ اہل عرب خلیل کے اصول کے مطابق، توافق کو پسند کرتے ہیں اہل ہند کا ذوق اس سے مختلف ہے۔ غرضیکہ اختلاف اقوام و امم، اور انقلاب ازمنہ کے اعتبار سے توافق کے معیار و اصول میں ہمیشہ تفاوت رہا ہے۔ لہٰذا کلام کی لذت و حلاوت کا معیار، مطلق موزونیت کو قرار دینا چاہیے گا، نہ کہ موزونیت مقیدہ۔ کہ جو کسی مخصوص قوم کی من پسند اور کسی مخصوص طرز کے تابع ہو (نوٹ: یہ سابقہ ذکر کردہ دونوں عبارتوں کا خلاصہ ہے)

ثم وقعت في توافق الاجزاء من كل بيت و في قوافيها الملتزمة بين الابيات مذاهب مختلفة ورسوم متباينة فاختار العرب قانوناً وضعه الخليل بن احمد ونوّعه ايضاً، والهنود يستعملون برسم يحكم به ذوقهم وقريحتهم وكذلك اختار اهل كل زمان وضعاً وسلكوا طريقاً

ترجمہ :۔ پھر ہر شعر کے اجزاء کے باہمی توافق، اور اشعار کے مشترک قوافی کی شرائط میں مختلف مذہب اور متعدد قوانین ہیں۔ لہٰذا اہل عرب نے اس قانون کو اپنایا جسے خلیل نے وضع کیا تھا اور اسکی توسیع بھی کی تھی۔ اور اہل ہند وہ پیروی کرتے ہیں ایسے قانون کی جسکا فیصلہ ان کا ذوق اور انکی فطرت کرتی ہے۔ اور اسی طرح ہر دور کے لوگوں نے ایک خاص وضع اختیار کی۔ اور مخصوص راہ پر چلے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لہ طویل، مدید، بسیط، کامل، وافر، ہزج، رمل، رجز، منسرح، مضارع، سریع، خفیف، مجتث، مقتضب، متقارب، متدارک ۔

فاذا انتزعنا من هذه الرسوم والمذاهب المختلفة امرًا جامعًا وتاملنا البحر المنتشر وجدنا[1] الموافقة امرًا تخمينيًا لا غير فلذلك يبدل العرب مقام مستفعلن مفاعلن ومفتعلن ويعدون مقام فاعلاتن فعلاتن وفاعلتن على القاعدة ويجعلون موافقة ضرب بيت بضرب بيت آخر وموافقة عروض بيت لعروض بيت آخر من المحسنات ويجوزون في الحشو كثيرًا من الزحافات[2] بخلاف شعراء الفرس فان الزحافات عندهم مستهجنة

ترجمہ و تشریح :- چنانچہ جب ہم نے ان مختلف قوانین و نظریات سے ایک امر جامع (قدر مشترک) کو اخذ کیا، اور رفتار بحر منتشر کے شعری اوزان میں غور کیا تو ہم نے موافقت کو محض ایک تخمینی چیز پایا۔ (اور سمجھ میں یہ آیا کہ لطف و حلاوت اور سرور و نشاط کے لئے) ادنیٰ درجہ موافقت کا کافی ہے۔ کسی ایک اصول کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعراء عرب اپنے اصول سے ہٹ کر اشعار کہتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں، مثلاً مستفعلن (میں خبن کرتے ہیں اور اس) کی جگہ مفاعلن کو (ذکر کرتے ہیں)، اور (کبھی اس میں طی کرتے ہیں اور اس کی جگہ پر) مفتعلن کو ذکر کرتے ہیں۔ اور فاعلاتن (میں خبن کرکے اس) کی جگہ فعلاتن (اور شعث کرکے اس کی جگہ پر) فاعلتن کو ذکر کرتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اس انحراف عن الاصل کو (اصول کے مطابق) شمار کرتے ہیں۔ اور (اصل سے انحراف کی دوسری مثال یہ ہے کہ) وہ ایک شعر کی ضرب کے ساتھ دوسرے شعر کی ضرب کے توافق کو اور ایک شعر کے عروض کے ساتھ دوسرے شعر کے عروض کی

---

[1] وجدناه (ای البحر المنتشر) توافقا تخمینیا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ کی اگلی عبارت وبالجملة فان البحر المنتشر موافقة تخمينية لا موافقة حقيقية سے ظاہر ہے۔

[2] زحافات یعنی الانحراف عن الاصل۔ جسے اصطلاح میں علّة کہتے ہیں

موافقت، کو اہم امور میں شمار کرتے ہیں۔ (یعنی) کہ اگر ایک شعر کی ضرب یا عروض میں زحاف ہو تو دوسرے اشعار کے عروض و ضروب میں بھی زحاف ہونا لازم ہے۔[1] گویا اقتران میں الاصل کی بھی حد ہوگئی پھر بھی لطف و حلاوت میں کوئی کمی نہیں آتی اسی وجہ سے فرمایا کہ "لطف و سرور کا مبنی توافق تخمینی ہی ہے"۔ اور (سرور و نشاط کا مبنی توافق تخمینی ہی ہے) اس کی ایک دلیل یہ بھی کہ عام اہل عرب "مشعو" بہت سی "زحافات" کو جائز کہتے ہیں بخلاف شعراء فارس کے کہ "وہ زحافات" ان (فارسیوں) کے نزدیک معیوب ہیں۔[2]

ف: ۔ "المعنی المشترک" یعنی وہ "مشترک خوبی" اور "معنوی بہجت مطلق" جو تمام موزوں کلاموں میں پائی جاتی ہے اور باعث سرور و حلاوت ہوتی ہے۔ "موافقت یا توافق" سے مراد: کلمات کا باہم متناسب و ہم وزن ہونا ہے۔ توافق کی دو قسمیں ہیں۔ تخمینی۔ تحقیقی

توافق تحقیقی: کلمات کا ایسا تناسب جو کسی ایک زبان کے مخصوص قواعد و رسوم کے مطابق ہو جیسے خلیل کی بحروں کے مطابق عربی اشعار کے کلمات کا تناسب، یا اردو علم عروض کے مطابق اردو اشعار کا تناسب۔ توافق تخمینی: کلمات کا ایسا ذوقی و وجدانی تناسب جو کسی ایک زبان کی مخصوص رسوم و قوانین سے آزاد ہو۔ معلوم ہوا کہ تخمینی تناسب "خلیل کی قید" سے خارج ہوتا ہے اور تحقیقی تناسب رسوم و ضوابط کا پابند ہوتا ہے۔

حضرت ناظمؒ نے اسی توافق تخمینی کے سبب (جو ہر زبان میں اہل زبان کے ذوق و وجدان کے مطابق موجود ہوتا ہے اور اہل زبان سے لذت و سرور اور فرحت و نشاط کی چیز سمجھتے ہیں) "اولین مرحلہ" میں "السر المشترک" کی تعبیر اختیار فرمائی ہے۔[3]

---

[1] اذا قصد الشاعر قصيدة على عروض او ضرب معلول فعليه ان يأتي بجميع ابياتها كذلك۔ (عروضها وقافيتها) ولا يجوز تنويع العروض والضرب (ز، ص۲۲)

[2] مثلاً عصب، عقل اور نقص ایسے زحافات ہیں جو اہل عرب کے یہاں شعر میں رائج ہیں۔ مگر اہل فارس کے یہاں ان کا وجود نہیں ہے (دیکھئے منتہی العروض ص۲۲)۔

[3] هذا التفصيل مما افادني الشيخ منير احمد الجلال نوري۔

2

متن کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل اصطلاحات کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے ۔

سبب :۔ کسی رکن کے دو حرفی حصہ کو سبب کہتے ہیں۔ **وتد** :۔ رکن کا سہ حرفی حصہ[1]۔

سبب خفیف :۔ جس کا پہلا حرف متحرک اور دوسرا ساکن ہو۔ جیسے فاعلن میں فا ۔

سبب ثقیل :۔ جس کے دونوں حروف متحرک ہوں۔ جیسے فعِلاتن میں فعِ ۔

بحر سالم :۔ جس کے ارکان اپنی اصل صورت پر باقی ہوں ۔

بحر مزاحف :۔ جس کے ارکان میں زحافات ہو گئی ہو۔ زحاف وہ تبدیلی ہے جو سبب خفیف یا ثقیل کے دوسرے حرف میں ، بالزوم[2] ، واقع ہوتی ہو ۔

خبن :۔ جس رکن کے شروع میں سبب خفیف ہو اسکے دوسرے حرف کے اسقاط کو خبن کہتے ہیں جیسے مستفعلن سے ، س ، کو ساقط کر دینا۔ جس رکن میں ، خبن ، ہوتا ہے اسے مخبون کہتے ہیں (اور رکن مخبون کی تعبیر کے لئے مستفعلن کے بجائے ، مفاعلن ، بولتے ہیں)۔

طی :۔ جس رکن کا سبب خفیف مفرد ہو اسکے چوتھے حرف ساکن کو ساقط کر دینا ، طی ، ہے جیسے ، مستفعلن ، کے چوتھے حرف ، ف ، کو ساقط کر دیا جائے ۔ جس رکن میں طی ہوتا ہے اسے ، رکن مطوی ، کہتے ہیں۔ اس کی تعبیر کے لئے ، مستعلن ، کے بجائے اسی کا ہم وزن ، مفتعلن ، بولا جاتا ہے ۔

---

[1] بحر کے ارکان میں یہ دو جز ہوتے ہیں اگرچہ بیک وقت ان کا پایا جانا ضروری نہیں ہے مثلاً فعولن ، ایک رکن ہے اسکے دو جز ہیں (۱) فعو ، یہ سہ حرفی ہے اس کا نام وتد ہے (۲) لن ۔ یہ دو حرفی ہے اس کا نام سبب ہے۔ اسی طرح ایک رکن ، مستفعلن ، ہے اسے اگر دو حصوں کے بجائے تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا (۱) مس (۲) تف (۳) علن ان تینوں اجزاء کے پہلے دو جز دو حرفی ہیں اور تیسرا جز سہ حرفی ہے لہٰذا مستفعلن دو سبب اور ایک وتد پر مشتمل ہے۔

[2] یعنی قصیدہ کے کسی ایک شعر میں اگر زحاف ہو جائے تو دوسرے اشعار میں بھی زحاف کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ زحاف کے بالمقابل ایک تبدیلی ، علۃ ، ہے جس کا ایک شعر میں آنے کے بعد دوسرے اشعار میں آنا ضروری ہوتا ہے ۔ تعریف علۃ : ہر وہ تغیر جو اسباب کے دو حرفی جزوں میں لزوم کے ساتھ پایا جائے یا اوتاد میں پایا جائے [illegible] کی مختصر تعریف : مخبون [illegible] مطوی [illegible] بحر مزاحف مخبون کی مثال [illegible] مطوی کی مثال [illegible]

قبض: جس رکن کا پانچواں حرف ساکن سبب خفیف کا جزء بن رہا ہو اسکے پانچویں حرف ساکن کو ساقط کرنا قبض کہلاتا ہے جیسے "فعولن" میں سے "ن" کو گرانا۔ ایسے رکن کو مقبوض کہتے ہیں۔

بحر رمل: جسکا وزن چھ بار "فاعلاتن" ہو۔[1]

نوٹ: فاعلاتن خبن کے بعد فعلاتن ہوجاتا ہے۔ اور تشعیث کے بعد فالاتن بن جاتا ہے۔

ضرب: شعر کے دوسرے مصرعہ کا آخری رکن جیسے گزشتہ حاشیہ کے شعر میں "وطعما" اور "فہجنسنا"[2]۔ ضرب کی جمع ضُروب، اضراب اور اضرُب آتی ہے۔

ابتداء: دوسرے مصرعہ کا پہلا رکن۔

عروض: پہلے مصرعہ کا آخری رکن۔ صدر پہلے مصرعہ کا پہلا رکن۔

حشو: صدر و عروض اور ابتدا و ضرب کے درمیان والے ارکان کو حشو کہتے ہیں۔ ان چوروں اصطلاحات کو ذہن میں رکھکر متن یا اسکے ترجمہ پر نظر ڈالیے انشاء اللہ مطلب کا سمجھنا آسان ہوگا۔

وكذلك تستحسن[3] العرب۔ ان كانت القافية في بيت "قبوس"۔ ان يكون في بيت آخر "منير" بخلاف شعراء العجم۔ وكذلك شعراء العرب يعدون "حامل" و"داخل" و"نازل" من قسم واحد بخلاف شعراء العجم۔ وكذلك وقوع كلمة في المصراعين بحيث يكون نصفها في مصراع واحد ونصفها الآخر في مصراع آخر يجوز عند العرب لا عند العجم۔ وبالجملة فان الامر المشترك موافقة تخمينية لا موافقة حقيقية۔

---

[1] بحر رمل کی مثال: واذا رایت معجب ذنعت ، نهض الصبت علیها فعواها۔

[2] وطعما فاعلن کے وزن پر اور "فہجنسنا" مفتعلن کے وزن پر ہے۔

[3] عروض ص۲۱۔ [3] قوله تستحسن العرب الخ اقول: نسبة الاستحسان الى العرب غير مستحسن فان الاحسن عندهم ان تكون القافية من جنس واحد (عروض بالقافية ص..)، والصحيح ان يكون بالفعل مستحسن، مثلاً فان الفارسي… لم يجعل شعراء عرب …… احسن مکارانه والترجمة الصحيحة۔ لا تستحسن العرب الخ۔

ترجمہ: اور اسی طرح اہل عرب۔ اگر ایک شعر میں قافیہ قبور ہو۔ یہ پسند کرتے ہیں کہ دوسرے شعر میں وہ قافیہ منیر ہو۔ برخلاف عجمی شعراء کے۔ اور اسی طرح شعراء عرب حامل اور داخل و نازل کو اور منزل و دخیل سے الگ مستقل ایک قسم شمار کرتے ہیں بخلاف عجمی شعراء کے۔ اور اسی طرح ایک کلمہ کا دو مصرعوں میں اس طرح واقع ہونا کہ نصف کلمہ ایک مصرعہ میں ہو۔ اور نصف ثانی دوسرے مصرعہ میں ہو عرب کے یہاں درست ہے نہ کہ عجم کے یہاں۔ اور خلاصہ کلام: امر مشترک کی موافقت، موافقت تخمینی ہے نہ کہ موافقت تحقیقی۔

ف: قافیہ جن حروف سے مرکب ہوتا ہے وہ چھ ہیں۔ ان میں سے ایک ردف بھی ہے یعنی وہ الف، و حرف مدہ (واؤ ماقبل مضموم، اور یاء ماقبل مکسور) و حروف لین (واؤ ماقبل مفتوح و یاء ماقبل مفتوح) جو روی سے پہلے مذکور ہوں جیسے متنبی کے شعر ؎

یبکی علیہ وما المستقر قرارہ۔ فی اللحد حتی صافحتہ الحور۔ میں حور کی ر روی ہے اور واؤ ردف ہے۔ اسی طرح قبور و منیر میں واؤ اور یاء ردف ہیں۔ شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ اہل عرب کے یہاں یہ بالکل جائز ہے کہ ایک ہی نظم میں حرف ردف کبھی واؤ اور کبھی یاء مدہ ہو جائے۔ اگرچہ یہ مستحسن نہیں ہے۔ بلکہ پوری نظم میں ایک ہی جنس کے مدہ پر قافیہ ہونا زیادہ بہتر ہے[1]۔ لیکن شعراء عجم اسے گوارا نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کے یہاں تو ایک

---

[1] قال السکاکی: والردف بالالف لا یجامعہا الردف بغیرہا بخلاف الیاء والواو فان الجمع بینہما غیر معیب وشاع مثلہ، مثلاً متنبی کا یہ ہے۔ ماکنت احسب قبل دفنک فی الثری ان الکواکب فی التراب تغور۔ ماکنت آمل قبل نعشک ان اری رضوی علی ایدی الرجال تسیر پہلے شعر میں واؤ ردف ہے اور دوسرے میں یاء۔ ۱۲

شعر میں واؤ مجہول یا یائے مجہول ردف ہو تو دوسرے میں واؤ معروف یا یائے معروف بھی عیب ہے یہ لوگ نور اور گور یا شیر کو ہم وزن نہیں مانتے ہیں تو نور و شیر جیسا واؤ اور یائے کا فرق کیونکر گوارا ہو سکتا ہے ۔ قولہ تناسیل ذا لعلل بہ الفاظ دیگر حقیقت قوافی مؤسسہ میں ان کلمات کی مثال تیا جن میں تاسیس پائی جاتی ہے ۔ تاسیس حرف روی (قافیہ کا آخری حرف جو ہر شعر میں آتا ہے) سے پہلے کا الف ہے جس کے بعد حرف روی سے پہلے ایک حرف متحرک بھی ہو جیسے سائل و عائل ہے ۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شعرائے عرب قوافی مؤسسہ کو مستقل ایک قسم قرار دیتے ہیں اور غیر مؤسسہ کو اس کا ہم وزن نہیں مانتے ہیں لہذا جس نظم کا قافیہ تناسیل و داخل وغیرہ ہو اس میں بسمل جمیل وغیرہ کا قافیہ معیوب ہے اس کے برخلاف شعرائے عجم کے یہاں مؤسسہ و غیر مؤسسہ میں کوئی فرق نہیں ہے چنانچہ حافظ شیرازی کہتے ہیں ۔ شعر

گرچہ وابستہ ہزار ایم زما تا کہ دوست ؎ زلفش آسان نبرد ہر دو اتعب تنزل باشی
تقدیر عزت ہمہ دانند و شما محکم زاف ؎ گر نسب وار ز در دیں قصہ با عقل باشی

وکذلک وقوع ۔ یعنی شعرائے عرب کے یہاں کسی ایک کلمہ کو دو مصرعوں میں لانا جائز ہے جبکہ شعرائے عجم کے نزدیک ناجائز ہے ۔ متنبی کہتا ہے ۔

تری الطاسمین مع المشرکین ۔ بہاما العجز و اسلوب ۔ مشرکین کا نون دوسرے مصرعہ میں آگیا ۔ اسی طرح اشاب الصغیر و افنی الکبیر ؎ کرّ الغداۃ و مرّ العشی ۔ الکبیر کا را دوسرے مصرعہ میں ہو گیا ۔

لہ یہ قابل معترض ادب نور و مستعار لاتو قیر ایک دریچہ کے ساتھ بلا تکلف آسکتا ہے ۔ شوا جگر مرادآبادی کا شعر ہے ؎

پھر نکہت تمہید غیرت اسوز کہیں چھوٹ کے ؎ اب بھی ہیں وہ نظر میں دم کے قاتل بہت
یہ کیا مطلب ہے پڑھتے آیا ہے ہیں قدم ؎ کہ مرا جوں دوست منزل کو ملا تر لیجہ
سوگا ہر دل جو ہر کہتے ہیں ۔ جال کر پیتے کو تہ پہلو کو چور دل ؎ یوں کیا ہم حال دو سفر کے
رات چھپٹ کے تم ہی ملے ہی ؎ وادی سے آتا دست نظر کے

ومنها أوزان الأشعار رعتها الهنود على عدد الحروف بتجزئة [illegible] الحركة
والسكنات وهو البيت [illegible] ورعاها العرب أهل البدو والحضر [illegible]
بتجزئته [illegible] وما تواطؤوا في خفيف مديد يكون تارة كاملة
وأخرى مجزوءة يزيد عليها ويسقط من غير [illegible] [illegible]
ولكل قوم أسلوب [illegible] في نظمهم.

لغات: [illegible] سے [illegible] - [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]۔

ترجمہ: اور ان میں سے اشعار کے اوزان کا ہندوؤں نے حروف کا لحاظ رکھا [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور ہر قوم کا ایک خاص اسلوب ہے ان کی نظم میں۔

فائدہ: گذشتہ سطروں میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ارتفاقات [illegible]

وعلى هذا سر ما وقع اتفاق الأمم على الالتذاذ بالألحان والنغمات واختلاف الأمم
في قوانينها النغمية والقواعد متحقق.

لغات: الالتذاذ لذت حاصل کرنا۔ الحان لحن کی جمع ہے۔ [illegible] آواز [illegible] نغمات نغمۃ [illegible] کی جمع ہے گانے کی آواز۔ [illegible] شعب [illegible] شعبۃ کی جمع ہے [illegible] [illegible] ترجمہ: اور اسی طرح قوموں کا اتفاق ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

فائدہ: شعر [illegible] کے [illegible] ہے۔

وقد استنبط اليونانيون أوزاناً سمّوها بالمقامات واستخرجوا منها أصواتاً وشعباً ودوّنوا لأنفسهم فناً شديد التفصيل

ترجمہ: اور یونانیوں نے کچھ اوزان مستنبط کئے ہیں جن کا نام ان لوگوں نے مقامات رکھا ہے اور ان سے بہت سی آوازیں اور شعبے نکالے ہیں۔ اور اپنے لئے ایک بہت مفصل فن مدون و مرتب کیا ہے۔

ف: قولہ وقد استنبط الخ مقامات مقام (بفتح المیم) کی جمع ہے جس کے لغوی معنے ہیں، کھڑے ہونے کی جگہ، اور یہاں فن موسیقی[1] کی خاص اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ موسیقی حسب اقالیم مختلف ہوتی ہے چنانچہ عجم کے یہاں بارہ برجوں کے مطابق بارہ مقامات ہیں

---

[1] حاشیہ ۱: موسیقی ایسا فن ہے جس میں نغموں کی باہمی مناسبت یا منافرت کے اصول اور اوقات کے احوال سے بحث کی جاتی ہے جن میں یہ نغمات اختیار کئے جاتے ہیں تاکہ یہ جانا جاسکے کہ راگ کس طرح بنایا جاتا ہے۔ فن موسیقی کی ابتداء بقول امام فخر الدین رازی حضرت سلیمان کے شاگرد رشید حکیم فیثاغورث سے ہوتی ہے یا پھر حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے۔ فن موسیقی کے ماخذ کے بارے میں تین قول نظر سے گزرے ہیں (۱) افلاک کی حرکات کی دلکش آواز۔ کہتے ہیں کہ فلک کی بھی آواز ہوتی ہے جو موسیقی کے نغموں سے کہیں زیادہ دلفریب و پرکیف ہوتی ہے۔ (۲) ققنس نامی چڑیا کی آواز۔ ققنس یونانی لفظ ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب چڑیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہزار سال تک زندہ رہتا ہے۔ اس کا جوڑا نہیں ہوتا۔ اس کی چونچ میں تین سو ساٹھ سوراخ ہوتے ہیں۔ جب اس کی موت کے دن قریب آتے ہیں لکڑیوں کا ڈھیر میں بیٹھ کر راگ الاپنا شروع کرتا ہے۔ اور اپنی آواز سے مست ہوکر اپنے پروں کو تیزی سے پھڑپھڑاتا ہے تو اس کے پروں سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں جس سے جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو اس راکھ میں ایک انڈا پیدا ہو جاتا ہے جس سے ققنس پیدا ہوتا ہے۔ ققنس کو موسیقار بھی کہتے ہیں۔

(۳) مطلق آواز کو بھی موسیقی کا ماخذ بتایا گیا ہے

جن کے اسماء و خصوصیات درج ذیل ہیں۔

اول راست، دوم اصفہان، سوم عراق، چہارم کوچک، پنجم بزرگ، ششم حجاز، ہفتم بوسلیک، ہشتم عشاق، نہم حسینی، دہم زنگولہ، یازدہم نوا، دوازدہم رہاوی۔ و ایں مقامات دوازدہ بر بروج منسوب ساختہ اند۔ راست منسوب است با حمل، و اصفہان با ثور، و عراق با جوزا، و کوچک با سرطان، و بزرگ با اسد، و حجاز با سنبلہ، و بوسلیک با میزان، و عشاق با عقرب، و حسینی با قوس، و زنگولہ با جدی، و نوا با دلو، و رہاوی با حوت۔ و ایں مقامات دوازدہ گانہ را خاصیت ہا است۔ چنانچہ عشاق و بوسلیک و نوا قوت شجاعت می بخشند۔ و راست و اصفہان و عراق طبع را نشاط آرد۔ و رہاوی و حسینی و حجاز ذوق و شوق افزاید۔ و بزرگ و کوچک و زنگولہ حزن و اندوہ و ملال آرد۔ یہ بارہ مقامات اصول کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی فروعات شعبے[1] میں درج ہیں

واھل الہند تفطنوا ست نغمات وفرعوا منہا نغمات

ترجمہ:- اور اہل ہند نے چھ راگوں کا سراغ لگایا اور ان سے بہت سی راگنیاں نکالیں

---

[1] بدانکہ مقام بموجب اصطلاح اہل ہند بمنزلہ راگ است و ایں دوازدہ مقامات مذکورہ بست و چہار شعبہا موافق حساب ساعات شبانہ روز دارند یعنی ہر مقام دو شعبہ دارد کہ از یکی آں مقام شعبہ و دیگرے از بعد کی آں مقام پیدا می شود۔ و شعبہ بموجب اصطلاح اہل ہند بمنزلہ راگنی است۔ و ہر شعبہ چند نغمہا دارد کہ تعداد نغمہا بموجب تعداد ایام سال کہ سہ صد و شصت است مقام اول راست۔ شعبۂ اول مبرقع۔ دوم پنجگاہ ہر دو مرکب اند با پنج پنج نغمہ۔ دوم اصفہان شعبۂ اول نیریز مرکب بہ پنج نغمہ۔ شعبۂ دوم نشابورک مرکب بہ پنج نغمہ۔ مقام سوم عراق شعبۂ اول مخالف را آزاروی عراق نیز گویند مرکب بہ پنج نغمہ۔ شعبۂ دوم مغلوب مرکب بہ شش نغمہ۔ مقام چہارم کوچک شعبۂ اول رکب مرکب بہ شش نغمہ۔ شعبۂ دوم بیاتی مرکب بہ پنج نغمہ۔ مقام پنجم بزرگ شعبۂ اول ہمایوں و آں مرکب از چہار نغمہ۔ شعبۂ دوم نہفت و آں مرکب از دو نغمہ و نزد بعضے مرکب از دو نغمہ۔ مقام ششم حجاز شعبۂ اول سہ گاہ مرکب بسہ نغمہ۔ شعبۂ دوم چہار گاہ مرکب بہ ہشت نغمہ و نزد بعضے بہ دو نغمہ۔ مقام ہفتم بوسلیک شعبۂ اول عشیران مرکب بہ دو نغمہ۔ دوم صبا مرکب بہ پنج نغمہ۔

پھر راگوں کے نام: بھیرویں، مالکوس، ہنڈول، سری راگ، میگھ راگ، دیپک۔ اور ہر راگ کے پانچ پانچ یا چھ چھ راگنیاں ہیں۔ جن کی تعیین میں شدید اختلاف ہے۔ تفصیل کے خواہش مند حضرات غیاث اللغات بڑی تقطیع صفحہ ۴۰۳ تا ۴۰۴ ملاحظہ فرمائیں

وقد رأينا أهل البلد قد تباعدوا عن هذين الاصطلاحين وتقصّوا بحسب سليقتهم لطائف الإيقاع فهذّبوا الأنغام أوزانًا معدودة
[illegible]
بغير ضبط الكليات وحصر الجزئيات ۔

ترجمہ۔ اور ہم نے دیہاتیوں کو دیکھا ہے کہ وہ ان دونوں اصطلاحوں سے دور ہیں اور اپنے ذوق طبعی کے مطابق انہوں نے ترتیب و تدوین کا ادراک کیا ہے کلیات و جزئیات کے بغیر چند اوزان مرتب کر لئے۔

فائدہ۔ ضبط کلیات سے مراد کلی اصولوں کی باضابطہ تدوین و ترتیب ہے۔ اور حصر جزئیات سے استقرا مراد ہے۔ نظم خوانی کے اصول میں اختلاف کے دو شواہد پیش کرنے کے بعد اب ایسے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو محض فطری ذوق کے سہارے تعلیم پیش کرتے ہیں۔

اور درج ذیل عبارت میں مذکورہ شواہد کی روشنی میں یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ اس شدید اختلاف کے باوجود ہر طبقہ کا اپنے اپنے اصول یا ذوق کے مطابق اشعار سے پورے طور پر لطف اندوز ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ غلط و موزوں کا مبنی و مدار طبیعت موزونیت ہے۔ یعنی ذوق سلیم ہی اصل معیار ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بمقام ہفتم عشاق شعبہ اول زاول مرکب بہ ہفت نغمہ شعبہ دوم اوج مرکب بہ ہشت نغمہ۔ مقام ہشتم حسینی شعبہ اول دوگاہ مرکب بہ دو نغمہ شعبہ دوم محیر مرکب بہ ہشت نغمہ مقام نہم حجاز شعبہ اول مرکب بہ چہار نغمہ۔ شعبہ دوم نوروز مرکب بہ پنج نغمہ مقام دہم نوا شعبہ اول نشابورک مرکب بہ پنج نغمہ شعبہ دوم ماہور مرکب بہ شش نغمہ مقام یازدہم بوسلیک شعبہ اول نوروز عرب مرکب بہ شش نغمہ شعبہ دوم نوروز عجم الیٰ آخر مرکب بہ شش نغمہ است۔ یہ مقامات اور اس کے شعبوں کا اجمال ہے۔ تفصیل کے لئے غیاث اللغات وغیرہ دیکھیں۔

فاذا نظرنا بعد هذه الملاحظات إلى الحكم الحدسي لم نجد هناك أمرا مشتركا سوى الموافقة الشخصية ولا يتعلق تخمين العقل إلا بذلك المنتزع الإجمالي لا بتفصيل القوافي المردفة الموصولة ولا يحسب الذوق السليم إلا تلك الحلاوة المحضة لا الطويل والمديد من البحور۔

ترجمہ:- جب ہم نے ان ملاحظات (اصول مذکورہ) کے بعد فیصلۂ عقل کی جانب نظر دوڑائی تو ہم موافقت شخصی کے سوا کوئی دوسری مشترک چیز یہاں نہیں پا سکے۔ اور عقل کا قیاس و اندازہ ـــ ان ملاحظات سے ماخوذ اسی مبہم اتفاق سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ قوافی مردفہ موصولہ سے۔ اور ذوق سلیم نہیں پسند کرتا ہے مگر اسی خالص حلاوت کو نہ کہ طویل و مدید بحروں کو۔

لغات:- الملاحظات جمع ہے الملاحظۃ اسم مفعول کی، مراد وہ اصول ہیں جن کی رعایت مختلف قوموں کے یہاں کی جاتی ہے خواہ شعر گوئی میں یا شعر خوانی میں۔ ملاحظات کا ترجمہ آراء اور خیالات بھی ہو سکتا ہے۔ المنتزع: انتزاع سے اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں الگ کی ہوئی یا نکالی گئی چیز۔ درحقیقت الموافق مقدر کی صفت ہے۔ تقدیر عبارت الموافق المنتزع من الملاحظات ہے۔ یہ عبارت ترجمہ کرتے ہوئے یہاں "مبہم" "اتفاق" وغیرہ الفاظ کے اضافے کئے گئے ہیں۔ المردفۃ: ارداف سے اسم فاعل، ردف والی۔ قال السکاکی (یعنی علامہ ابو یعقوب یوسف بن ابی بکر بن محمد بن علی السکاکی المولود فی ۵۵۵ھ المتوفی ۶۲۶ھ) المراد بالقافیۃ المردفۃ ما کان قبل رویہ الف مثل عماد وجبال او واو او یاء مدتان مثل عمود وکفور وعجیب ونصیر او غیر مدتین کثوب وقیل وسمی کل من هذه الحروف ردفا۔ قافیہ مردفہ وہ قافیہ ہے جس میں حرف روی سے پہلے کوئی حرف مدہ ہو۔ حروف ردف پانچ ہیں الف، واو ماقبل مضموم، یا ماقبل مکسور، واو ماقبل مفتوح، یا ماقبل مفتوح۔ روی: قافیہ کا آخری حرف جس کی طرف قصیدہ کی نسبت کی جاتی ہے بشرطیکہ وہ آخری حرف تنوین یا بدل تنوین یا حرف اشباعی یا قائم مقام حرف اشباعی یا مشابہ اشباعی یا قائم مقام اشباعی کے مشابہ نہ ہو۔ حرف اشباعی سے وہ حروف مراد ہیں جو

جو کھینچ کر پڑھی جاتی ہیں۔ المنزلا، المنزلی، المنزلو، تو تمام اشباعی سے اواخر کلمات کی بجائے وقف و ابتداء تحسین مراد ہے۔ جیسے کتابیہ کی ہ، دخلتہا، اشباعی سے ضمیر تثنیہ کا الف، جمع کی کا واو، ساکن مضموم ضمیر مؤنث کی یا، ما قبل کسور اضربا، اضربوا، اضربی وغیرہ، تثنیہ تا اشباعی سے تا تانیث جیسے طلحۃ، وحمزۃ اور ضمیر ہ، تب جس کا ما قبل متحرک ہو جیسے بہ اور لہا مراد ہیں۔ مذکورہ چھ حروف، وصل، کہے جاتے ہیں۔ (الوشاح ص[illegible])

تاخیر موصول: جس میں حرف روی کے بعد وصل کے چار حروف۔ یا، واو مدہ، یا مدہ، اور الف میں کوئی ایک حرف آجائے۔ تاخیر مردف موصول وہ جس میں روی سے پہلے ردف اور روی کے بعد وصل آجائے جیسے شعر سکین من خزمۃ بلادنا بآمالہ ÷ فکم تلاعبت الدنیا بآمالہ

بحر طویل جس کا وزن فعولن مفاعیلن چار بار ہو۔

جیسے ستبدی لک الایام ما کنت جاہلا ÷ ویاتیک بالاخبار من لم تزود

جو فعولن مفاعیلن، فعولن مفاعیلن، فعولن مفاعیلن، فعولن مفاعیلن کے وزن پر ہے۔ (الوشاح ص[illegible]) بحر مدید وہ بحر ہے جس کا وزن فاعلاتن فاعلن چار بار ہوتا ہے۔ یہ بحر مجزو ہوا کرتی ہے مثلاً شعر یا لبکر انشروا لی کلیبا ÷ یا لبکر این این الفرار۔ جو فاعلاتن فاعلن فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن، فاعلاتن کے وزن پر ہے۔ (الوشاح ص[illegible])

فائدہ: مصنف علام نے نظم خوانی اور نغمات کے سلسلے میں مختلف اقوام کے ذوق اور اصولی اختلافات سے جو تغیر ذکر کیا ہے یہاں اس کو پیش فرمایا ہے۔ عبارت کا مفہوم واضح ہے۔

ولمّا ارادت حضرةُ الخلّاقِ جلّ شانُه ان يتكلّم الانسانُ الذي هو نسمةٌ من التراب نظرَ الى ذاتِ الحسنِ الاجمالي لا الى قوالبَ مستحسنةٍ عند قومٍ دون قومٍ ولمّا اراد مالكُ الملكِ ان يتكلّم على منهجِ الآدميين ضبطَ ذلك الاصلَ البسيطَ لاخذ القوانين المتغيرة بتغيّرِ الادوارِ والاطوارِ ومنشأُ التمسّك بالقوانين المصطلح عليها هو العجزُ والجهلُ۔

اللغات والتراکیب :۔ لَمَّا اَرَادَ الخ شرط ہے جس کی جزا نَظَرَ اِلیٰ الخ ہے۔ الانسان موصوف اور الّذی اس کی صفت ہے۔ قوالب مُتَشَخِّصَۃٍ موصوف صفت ہیں۔ حضرۃ کا لفظ تعظیم ہے۔ الخلاق الخلق سے مبالغہ کا صیغہ ہے، پیدا کرنے والا۔ قبضۃ من التراب مشت خاک۔ قوالب قالب کی جمع ہے۔ سانچہ، فرمہ، مراد اصطلاحی قوانین ہیں جو اپنی جزئیات کے حق میں فرمے کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ ضبط نضبط سے فعل ماضی۔ الادوار الدور کی جمع ہے۔ الاطوار: الطور کی جمع ہے حالت، مراد ذوق و وجدان حالات ہیں۔ مَنْشَأُ تَقَیُّدِہَا سے اسم ظرف ہے سبب۔ المصطلح اسم مفعول ہے اصطلاح سے۔ ھو العجز خبر ہے التمسک الخ کی۔

ترجمہ:۔ جب حضرت خلاق جل شانہ نے اس انسان سے بات کرنے کا ارادہ فرمایا جو ایک مشت خاک ہے تو اس اجمالی حسن پر نظر فرمائی (رعایت فرمائی) نہ ان قوانین پر جو کسی ایک قوم کے نزدیک پسندیدہ ہیں نہ کہ دوسری قوم کی نظر میں۔ اور جب مالک الملک نے انسانوں کے طرز پر گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو ان عام اصول کی رعایت فرمائی (جیسے توضیح کیا جا چکا ہے) نہ کہ ان اصولوں کی جو زمانوں اور احوال (و ادوار) کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں، اور ان اصول کی پابندی کا سبب —— محض اصطلاحاً مقرر کر لینی ہے —— عجز اور جہل ہے۔

فائدہ:۔ الّذی ھو قبضۃ سے اشارہ ہے حقیقت انسانی کی طرف۔ مقصد انسان اور اس کے خالق و مالک کے درمیان نسبت کا بیان ہے کہ وہ تو سراپا کمال قدرت ہے اور یہ جس سے خطاب سراپا مشت خاک اور بے بس و احتیاج محض۔ اور حضرۃ ذلک الخ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے ہم کلام ہونے میں اسی حسن اجمالی اور سادہ چیز کی رعایت فرمائی ہے جو عام طور پر لوگوں کے ذوق و وجدان سے ہم آہنگ ہوتی ہے، اور عام طور پر سبھی زبانوں میں نشاط و دلچسپی کی چیز سمجھی جاتی ہے۔ ماحصل چونکہ انسان کم علم اور ضعیف پیدا ہوا ہے اس لئے وہ دوسری طرح گفتگو میں بھی سہارے کا محتاج ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنے کلام میں حلاوت و مٹھاس پیدا کرنے کے لئے اصطلاحی اصول وغیرہ کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اس کے برخلاف متکلم ازلی جل جلالہ عجز و جہل سے پاک و منزہ ہیں۔ لہٰذا قانون کے سہارے کی ضرورت اسے نہیں ہے۔ وھذا حاصل قول الامام ان التمسک الی القوانین ھی بعجز الانسان وجہلہ فانہ لا یقتدر علی تحصیل الحسن الاجمالی کلہ

بغیر توسط القواعد ولکن اللہ تعالیٰ قادر علی کل شیء فلا حاجۃ لہ الی رعایۃ القوانین لتحصیل الحسن الاجمالی (العمود ملخصًا) یہی وجہ ہے کہ مرتبہ ضوابط سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ نے حسن انشاء وکمال فصاحت وبلاغت کا ایسا نادر روزگار شاہکار پیش کیا ہے جس نے میدان بلاغت کے بڑے بڑے شہسواروں کی گردنیں جھکا دیں، ولید جیسے ازلی دشمن بھی اس کی حلاوت وشیرینی سے بے خود ہو کر بول اٹھے، ان لہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اعلاہ لمثمر وان اسفلہ لمغدق وما ہو قول البشر۔

وَتَحْصِيْلُ الْحُسْنِ الْإِجْمَالِيْ بِلَا تَوَسُّطِ تِلْكَ الْقَوَاعِدِ۔ بِحَيْثُ لَا يَفُوْتُ فِي الْأَغْوَارِ وَالْأَنْجَادِ مِنَ الْبَيَانِ شَيْءٌ وَلَا يَضِيْعُ فِيْ كُلِّ سَهْلٍ وَجَبَلٍ مِنَ الْكَلَامِ مُعْجِزٌ وَمُفْحِمٌ۔

اللُّغات :- اَغوار غور کی جمع ہے پست زمین۔ اَنجاد نجد کی جمع ہے بلند زمین۔ اغوار وانجاد سے مراد مواقع کلام ہیں۔ سہل وجبل نشیب وفراز۔ مُفحِم افحام سے خاموش ولاجواب کر دینا۔

ترجمہ :- اور حسن اجمالی کو ان (اصطلاحی) قواعد کے بغیر حاصل کرنا اس طرح کہ بلندیوں اور پستیوں میں بیان کا کوئی حصہ فوت نہ ہو۔ اور کلام ہر نرم وسنگلاخ میں کبھی ضائع نہ ہو جائے۔ عاجز ولاجواب کرنے والا ہے۔

فائدہ :- مذکورہ عبارت کی اصل فارسی بھی پیش نظر رکھنی چاہئے۔ وبدست آوردن حسن اجمالی بغیر توسط آن قواعد بوجہی کہ در اغوار وانجاد بیان از دست نرود ودر ہر نشیب وفراز سخن ضائع نشود معجز ومفحم الخ

خیال رہے کہ اغوار وانجاد بیان کی طرف اور نشیب وفراز سخن کی طرف مضاف ہیں۔ معجز تو بیان اور سخن کا فاعل بنانا ہوگا جو فارسی ترکیب کے لحاظ سے بھی زیادہ مناسب رہیگا کیونکہ فارسی ترکیب میں بھی متعلقات فعل میں سب سے پہلے فاعل ہی کو لائے ہیں جبکہ عدم اضافت والی ترکیب میں جار مجرور مقدم اور فاعل مؤخر ہو رہا ہے جو خلاف اولیٰ اور غیر فصیح [illegible]

بندہ کا خیال ہے کہ یہاں علی النقل اصول کے پیشِ نظر اضافت والی ترکیب خلافِ اولیٰ ہے اور علی جملہ کلام۔ کا بھی تقاضا ہے کہ ترکیب اضافی ہی ہو۔ کیونکہ اس صورت میں وارد ہونے تردد و اور وہ جنہ لغ شرور ہ کا فاعل ضمیر ہے گی جس کا مرجع ذہن احباب ہوگا۔ اور یہ موضوع بحث بھی ہے۔ ورنہ بیان اور کوئی فاعل نہیں گے جو بحث سے خارج ہیں۔ لہٰذا مترجم دمشقی کا بحثی ہ کو بحیثیت فاعل ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کریم عروض کے فن و ثبل کا پابند نہیں ہے پھر بھی اس میں معیاری کلام کی جملہ خوبیاں موجود ہیں تو قرآن کریم کا بھی بایں

وان انتزع هنا من جريان الحق سبحانه وتعالى على ذلك الشأن اصلاً وانتقل الى قاعدة. وتلك القاعدة انه تعالى اعتبر في اكثر السور امتداد الصوت لا التطويل والمديد من البحور و كذلك اعتبر في الفواصل انقطاع .... النفس بالمدة وما تعتمد عليه المدة لا قواعد فن القوافي -

---

ترجمہ:- اور میں یہاں حق سبحانہ وتعالیٰ کے اس طرز کو اختیار کرنے سے ایک ضابطہ اخذ و استنباط کرتا ہوں اور ایک قاعدہ کی طرف منتقل ہوتا ہوں اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں آواز کے اُتار چڑھاؤ کا اعتبار کیا ہے نہ کہ بحر طویل و مدید کا۔ اور اسی طرح فواصل میں مدہ اور اس کے معتمد علیہ پر سانس کے ٹوٹنے کا اعتبار کیا ہے۔ نہ کہ فن قوافی کے اصول کا۔

فائدہ:- قرآن کریم کے منفرد اسلوب کلام کی تعبیر کے لئے مصنف علام نے یہاں ایک ضابطہ پیش کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کے دو حصے ہیں۔ (۱) فواصل (۲) فواصل کے علاوہ بقیہ حصہ۔ اس دوسرے حصے میں اکثر سورتوں کے اندر اشعار اور قطعات کی بحروں کی رعایت کے بجائے اس کا لحاظ کیا گیا ہے کہ تلاوت کے وقت آواز کا اُتار چڑھاؤ پُرکشش اور دلکش ہو۔ اور فواصل میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ سانس حروف مدہ (الف ماقبل مفتوح، واؤ ماقبل مضموم اور یاء ماقبل مکسور) اور ان کے معتمد علیہ پر ٹوٹے۔ حرف مدہ الف پر ختم فواصل کی مثال

اللہ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا اور فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ہے۔ ان ضوابط میں درحقیقت قرآن کریم کے صوتی حسن و جمال کا تذکرہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کی سورتیں، آیتیں، آیتوں کے فقرے اور فقروں کے الفاظ نغموں سے معمور اور باطنی موسیقی سے لبریز ہیں۔ یہ قرآن کریم کا نادر و منفرد اسلوب بیان ہے جس کی دلکشی و جاذبیت بے نظیر ہے۔ الدکتور صبحی صالح لکھتے ہیں: ان القرآن في كل سورة منه وآية وفي كل مقطع منه وفقرة وفي كل مشهد منه وقصة وفي كل مطلع منه وختام يمتاز باسلوب ايقاعي غني بالموسيقى متنوع النغم - (مباحث في علوم القرآن ص ۳۲۲ فصل ۲)۔ چونکہ قرآن ان اصول و ضوابط سے زیادہ دلکش حسن ترنم اور کمال نغمگی سے بھرپور ہے جو انسانی کلاموں میں رائج ہیں۔ اس وجہ سے اس اسلوب کو خصوصی امتیاز و تفوق حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن میں نہ تو ایسے فواصل ہیں جن میں اشعار کے قوافی کی طرح حرکات و سکنات کی پابندی اور مخصوص اوزان کی رعایت کرنی پڑتی ہے اور نہ ہی اس میں وہ تکلف و تصنع ہے جس کو موزوں بنانے کے لیے حشو و تطویل اور تکرارات و محذوفات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن نثری سجع کے ان الفاظ سے بھی معرّیٰ ہے جنہیں محض سجع آرائی کے لیے اکٹھا کر دیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں کلام ابہام و غرابت اور تعقیدات کا شکار ہو جاتا ہے۔ الغرض قرآن کے فواصل شعری قیود سے آزاد ہیں تو نظم قرآن نثری پابندیوں سے بلند و برتر اور اس کے الفاظ ہر طرح کی لفظی و معنوی تعقیدات سے محفوظ ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ انداز بیان نرم ہو یا سخت، مہر و محبت سے لبریز ہو یا غضب آمیز، پرسکون ہو یا ہیجان انگیز، نہ تو اس کی سلاست و روانی میں ذرہ برابر فرق آتا ہے اور نہ ہی نغمگی و موسیقیت میں کمی آتی ہے۔ نرم اسلوب میں اگر پودوں کو سیراب کرنے والے پانی کی روانی نظر آتی ہے تو سخت اسالیب میں تند و تیز آندھی کی ہولناکی و بجلی کی برق رفتاری پائی جاتی ہے۔ الغرض قرآن کریم بیک وقت کلام کی دونوں صنفوں (نثر و نظم) کے اوصاف و خصائص کا حامل ہے۔ [illegible]

حکمت زیادہ تر فواصل کا اختتام حروف مدہ و حروف لین اور نون پر کیا گیا ہے۔ اس کی حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے قراء و سامعین کے دلوں میں نشاط پیدا ہوتا ہے۔ سیوطیؒ نے سیبویہ کے حوالے سے اہل عرب کی عادت نقل کی ہے کہ وہ جب مافی الضمیر کو ترنم کے ساتھ ادا کرنا چاہتے تھے تو آخر کلام میں الف، یا اور نون کا اہتمام کرتے تھے۔ کیونکہ ترنم کی صورت میں

آواز کو بڑھاتے تھے۔ اور بغرض صوت کے لئے یہ حروف معاون ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا اہتمام نہیں کرتے تھے (الاتقان، نوع ۵۹ ج ۲ مطبوعہ مصر)

فائدہ: سیوطی نے زیادہ تر فواصل کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے، کیونکہ کچھ فواصل اس طرز سے الگ ہیں جیسے سورۂ طٰہٰ، سورۂ قتال اور سورۂ کوثر وغیرہ۔

ایک تقابل: علامہ سیوطی اور شاہ صاحب کے بیان میں تھوڑا سا فرق ہے، آپ کو ذہن نشین کرلیں۔ سیوطی نے حروف مدہ کے ساتھ حروف لین کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس حیثیت سے سیوطی کی عبارت میں شاہ صاحب کی عبارت سے زیادہ جامعیت ہے ورنہ تو وہ فواصل جو حروف لین پر ختم ہوتے ہیں چھوٹ جاتے مثلاً سورۂ لایلٰف کے فواصل شاہ صاحب کی عبارت میں نہیں آتے ہیں۔

لیکن دوسری حیثیت سے شاہ صاحب کی عبارت زیادہ جامع ہے کیونکہ اس میں حروف مدہ کے بعد والے کے لئے ما قبلہا علیہا الآیۃ کے الفاظ میں جیسے یعلمون، مبین وغیرہ کے ساتھ شدید اور عجیب بھی داخل ہوجاتے ہیں جبکہ سیوطی نے حرف لین فقط کا تذکرہ کیا ہے جس میں شدید و عجیب داخل نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے شاہ صاحب کی عبارت کے ساتھ سیوطی کی عبارت پر نظر رکھنی ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ: فاصلہ کسی آیت قرآنی کا وہ آخری کلمہ جو دوسری آیت کے آخری کلمہ کے مشابہ و ہم شکل ہو قال القاضی ابوبکر الفواصل حروف متشاکلۃ فی المقاطع یقع بہا افہام المعانی۔ (الاتقان نوع ۵۹ ج ۲) اور کبھی آیت کے آخری جزء کو اس تماثل سے صرف نظر کرتے ہوئے فاصلہ کہا جاتا ہے۔ الفاصلۃ کلمۃ آخر الآیۃ کقافیۃ الشعر وقرینۃ السجع (اتقان) اور آخر آیات کا یہ نام سورۂ حم السجدۃ کی آیت کریمہ کتاب فصلت آیاتہ قرآنا عربیا سے ماخوذ ہے۔ وجہ تسمیہ: وتسمی فواصل لانہ ینفصل عندہا الکلام وذلک ان آخر الآیۃ فصل بینہا وبین ما بعدہا۔

تنبیہ: فواصل قرآنیہ کو قافیہ کہنا بالاتفاق اور سجع کہنا جمہور کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ قافیہ کے لئے کچھ مخصوص اصول ہیں جن کی پابندی شعراء نے کی ہے اور تحسین

کلام کے لئے وہ ان پابندیوں کا محتاج ہے۔ سجع دراصل میں کبوتر کی غٹرغوں کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا الفاظ قرآنی کے اوزان پر ہونے کے لئے اس لفظ کا استعمال کرنا سوء ادب سے خالی نہیں۔ (مختصر معانی)

اقسام فواصل:- ربط بالآیات کے اعتبار سے فواصل کی چار قسمیں ہیں۔ تمکین۔ تصدیر۔ توشیح۔ ایغال۔ تمکین وہ فاصلہ ہے جو آیت کریمہ سے ایسا کامل و مستحکم ربط رکھتا ہو۔ دونوں کے معانی میں ایسی کامل مناسبت ہو کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے فاصلہ کی گنجائش نہ نکل سکے حتی کہ اس فاصلہ کو حذف کرنے سے مضمون نا تمام رہ جائے۔ اور باذوق سامع کی فطرت سلیمہ خود اسے پورا کرنے یا کم از کم اس کی کمی کا احساس کرے۔ آیت اور فاصلہ کے مضمون میں ربط مستحکم کی ایک نوعیت یہ ہو سکتی ہے کہ اگر مضمون آیت کو دعویٰ فرض کیا جائے تو فاصلہ اس کی دلیل بن جائے دوسری نوعیت یہ فاصلہ آیت کے تفصیلی مضمون کا خلاصہ ہو۔ تیسری نوعیت یہ فاصلہ مضمون آیت کی علت کا درجہ رکھتا ہو۔

ایک واقعہ:- عن زید بن ثابت قال املی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذہ الآیۃ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین الی آخر قولہ تعالیٰ ثم انشأناہ خلقا آخر۔ حینئذ قال معاذ بن جبل فتبارک اللہ احسن الخالقین فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم فقال لہ معاذ مم ضحکت یا رسول اللہ قال بھا ختمت۔

دوسرا واقعہ:- ایک شخص نے آیت کریمہ یوں تلاوت کی۔ فان زللتم من بعد ما جاءتکم البینات فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔ ایک اعرابی کہیں سے سن رہا تھا بول پڑا۔ اگر یہ کلام الٰہی ہے تو اس طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان اللہ عزیز حکیم ہے۔ اور مقام تنبیہ کے مناسب یہی ہے۔

ہدایت:- ایک ہی آیت مضمون کے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے متعدد فواصل کی متحمل ہو سکتی ہے

قال ابن المنیر کأنہ تعالیٰ یقول اذا احصیت النعم الکثیرۃ فانت (ان الانسان) آخذھا وانا معطیھا فتحصل لک عند اخذھا وصفان کونک ظلوما وکونک کفارا وحصل لی عند اعطائھا وصفان وھما انی غفور رحیم اقابل ظلمک بغفرانی

ذکرہ بر حسبتی الاتقان: هذا النوع یحوجک و لا استطیع ان تستبدلها بغیرها الا بفقدان یتوازن الوجدان.

فاصلۂ تصدیریہ: ہر وہ فاصلہ ہے جس کے مماثل یا مجانس کوئی کلمہ آیت کے اندر فاصلہ سے پہلے آ چکا ہو۔ ویسمی ایضاً رد العجز علی الصدر وقد ذکرناہ مفصلاً فیما بعدہ۔

فاصلۂ توشیحیہ: ہر وہ فاصلہ جس کو آیت کا ابتدائی حصہ مستلزم ہو۔ وهو ان یکون فی اول الکلام ما یستلزم القافیۃ. اقول نعنی بالمراد منہ اول الکلام بما تقدم علی القافیۃ و الفرق بینہ وبین التصدیر ان هذا دلالتہ معنویۃ وذلک لفظیۃ کقولہ تعالی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ. یہاں اصطفی آدم، علی العالمین کو مستلزم ہے کیونکہ منتخب ہونا منتخب شدہ کو تمام لوگوں پر افضل ہونا ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء آدم و نوح و آل ابراہیم علیہم الصلوۃ والسلام کی جنس العالمین ہی ہے۔ فان اللہ یعلم ان من لوازم اصطفاء شیء ان یکون مختاراً علی جنسہ وجنس هؤلاء المصطفین العالمین. وکقولہ تعالی وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ. نسلخ نہار، ظلمۃ کو مستلزم ہے۔ اور سیاق و سباق میں تو اصل کا ذکر ہو چکا ہے اور اس کا مستلزم بھی ہے۔

فاصلۂ ایغالیہ: (واو تحذف بلا خوف یحسن فیها ای تتمہ تدبیرها سے ماخوذ ہے) ہر وہ فاصلہ جس کو اس آیت کے تحت ایسی آیت کے آخر میں ذکر کیا جائے جس کا مضمون اس فاصلہ کے بغیر پورا ہو چکا ہو۔ جیسے یا قوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لا یسئلکم اجراً وهم مهتدون۔ وهم مهتدون یہ فاصلہ ایغالیہ ہے کیونکہ آیت کا مقصود اتباع رسل کی دعوت و ترغیب مکمل ہے لیکن یہ فاصلہ ترغیب کی غرض سے ذکر کیا گیا ہے۔ فتدبر۔

قرآنی نظم کے تمام مروجہ اصول سے ہٹ کر بعض معین تناسب کے ملحوظ ہونے کا بیان کرنے کے بعد حسن نظم قرآن کا فطری اور حسین ہونا بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وهذه الکلمۃ ایضاً تقتضی بسطاً فاستمع لما اقول تردد النفس

فِي قَصَبَةِ الْعُنُقِ مِنْ جِبِلَّةِ الْإِنْسَانِ وَإِنْ كَانَ تَطْوِيْلُ النَّفَسِ وَتَقْصِيْرُهُ مِنْ مَقْدُوْرِ الْبَشَرِ وَلٰكِنْ إِذَا خُلِّيَ وَطَبْعَهُ فَلَابُدَّ مِنْ امْتِدَادٍ يَحْصُلُ وَيُحَصِّلُ فِي اَوَّلِ خُرُوْجِ النَّفَسِ نَشَاطٌ ثُمَّ يَضْمَحِلُّ ذٰلِكَ النَّشَاطُ تَدْرِيْجًا حَتّٰى يَنْقَطِعَ فِي آخِرِ الْأَمْرِ فَيَحْتَاجُ اِلٰى اِعَادَةِ نَفَسٍ جَدِيْدٍ وَهٰذَا الْاِمْتِدَادُ اَمْرٌ مَحْدُوْدٌ بِحَدٍّ مُبْهَمٍ وَمِقْدَارٍ يُعْقَلُ بِإِبْهَامٍ لَا يَضُرُّهُ نُقْصَانُ كَلِمَتَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةٍ بَلْ وَلَا نُقْصَانُ قَدْرِ الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَكَذٰلِكَ زِيَادَةُ كَلِمَتَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةٍ بَلْ وَلَا زِيَادَةُ قَدْرِ الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَيَسَعُ فِي ذٰلِكَ الْحَدِّ اخْتِلَافُ عَدَدِ الْاَوْتَادِ وَالْاَسْبَابِ وَتَقَدُّمُ بَعْضِ الْاَرْكَانِ عَلٰى بَعْضٍ۔

ترجمہ:- گردن کے بانسہ (نرخرہ) میں سانس کی آمد و رفت انسان کی فطرت میں سے ہے۔ اگرچہ سانس کا بڑھانا اور گھٹانا انسان کے اختیار میں ہے لیکن جب اس کو اس کی طبیعت کے ساتھ چھوڑ دیا جائے تو سانس میں ایسا امتداد ضروری ہے جو محدود ہو۔ چنانچہ سانس لینے کی ابتدا میں انبساط ہوتا ہے پھر یہ انبساط رفتہ رفتہ ماند ہو کر دھیما پڑنے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ امر (قراءت وغیرہ) کے آخر میں ختم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے نئے سانس کے اعادہ کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ درازی ایک حد کے ساتھ محدود اور ایسی مبہم مقدار کے ساتھ معین ہے کہ اس کو دو یا تین کلموں کی کمی نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے بلکہ ثلث اور ربع کی کمی بھی نہیں۔ اسی طرح دو یا تین کلموں کی زیادتی اور یونہی ثلث وربع کے برابر کی زیادتی (نقصان پہنچا سکتی ہے) اور اسی حد میں اوتاد و اسباب کے عدد کے اختلاف اور بعض ارکان پر دوسرے ارکان کے تقدم کی گنجائش ہوتی ہے۔

توضیح:- سانس کی آمد و رفت انسانی فطرت ہے جس کا گھٹانا بڑھانا بھی یقیناً اس کے اختیار میں ہے لیکن ایک محدود دائرہ میں۔ اسی وجہ سے گفتگو و قراءت وغیرہ کے موقعوں پر ابتدائی مرحلہ میں جو نشاط و ولولہ ہوتا ہے رفتہ رفتہ اس میں کمی اور سستی آنے لگتی ہے۔ بالآخر ایک منزل وہ آتی ہے کہ متکلم اور قاری بے بس ہو جاتے ہیں۔ پھر نئے سانس سے آغاز ہوتا ہے ـــ امتداد نفس

ؔ یہ دونوں عروض کی اصطلاحیں ہیں جیسا کہ آگے تحریر ہوا ہے۔

کی قوت سب کی برابر نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے اس محدود دائرہ میں تعداد حروف و کلمات کی حد بندیاں قطعاً مناسب نہیں۔ بلکہ توسع ضروری ہے تاکہ سبھی فیضیاب و لطف اندوز ہو سکیں چنانچہ قرآن میں اتنی وسعت رکھی گئی ہے کہ دو تین ٹکڑوں کی بلکہ ثلث و ربع آیات تک کی کمی بیشی بلا تکلف شائع و مقبول ہے۔ اور قافیہ و اسباب کا اختلاف یا ارکان کا باہمی تقدم و تاخر بھی اس میں مخل نہیں۔ قولہ مقدار منتشر ای شائع بین الناس لاصحابہ الخ .

فَجُعِلَ لِامْتِدَادِ النَّفَسِ وَزْنٌ مَعْلُوْمٌ وَقُسِّمَ ذٰلِكَ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ طَوِيْلٍ وَمُتَوَسِّطٍ وَقَصِيْرٍ اَمَّا الطَّوِيْلُ فَنَحْوُ سُوْرَةِ النِّسَآءِ وَاَمَّا الْاَوْسَطُ فَنَحْوُ سُوْرَةِ الْاَعْرَافِ وَاَمَّا الْقَصِيْرُ فَنَحْوُ سُوْرَةِ الشُّعَرَاءِ وَسُوْرَةِ الدُّخَانِ

ترجمہ:۔ لہٰذا درازی سانس کا ایک متعین وزن مقرر کیا گیا۔ (یعنی ایک امتداد نفس را وزن ساختہ شد) اور اس کو تین قسموں پر تقسیم کر دیا گیا۔ طویل۔ متوسط۔ قصیر۔ بہرحال طویل تو جیسے سورۂ نساء الخ

توضیح:۔ شعراء تو بحور اور افاعیل و تفاعیل کے وزن پر اشعار کہتے ہیں لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے بجائے بحور کے امتداد نفس کی رعایت میں گفتگو فرمائی۔ گویا کلام باری کا وزن و میزان امتداد نفس ہے۔ سورۂ نساء: یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا الآیۃ پ ۴ سورۂ اعراف: الٓمّٓصٓ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ پ ۸ سورۂ انعام: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۔ پ ۷ سورۂ شعراء: طٰسٓمّٓ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ پ ۱۹ سورۂ دخان: حٰمٓ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ پ ۲۵

وَتَمَامُ النَّفَسِ يَعْتَمِدُ عَلٰى مُدَّةٍ مُعْتَدَّةٍ عَلٰى حَرْفٍ قَافِيَةٍ مُتَّسِعَةٍ يُوَافِقُهَا ذَوْقُ الطَّبْعِ وَيَتَلَذَّذُ مِنْ إِعَادَتِهَا مَرَّةً بَعْدَ أُخْرٰى وَاِنْ كَانَتْ

المدۃ فی موضع، الفاء فی موضع آخر. واوًا او یاءً. وسواء کان ذلک الحرف الاخیر باءً فی موضع وجیمًا او قافًا فی موضع آخر فیعلمون ومؤمنین ومستقیم متوافقۃ، وخروج ومریج وتحید وتبار وفواق وعجاب کلها علی قاعدۃ۔

ترجمہ:- اور تنفس کا اختتام ایسا بنایا ہے جیسے مدہ کا جو کسی اور حرف پر اعتماد کرنے والا ہو، اور یہ ایک ایسا ترتیب قافیہ ہے جس سے ذوق سلیم موافقت کرتا ہے اور یکے بعد دیگرے اس کو کرر لانے سے لذت حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ وہ مدہ ایک جگہ الف اور دوسری جگہ واؤ یا یاء ہو اور یا چاہے وہ حرف اخیر جس پر مدہ کا اعتماد ہوتا ہے ایک جگہ باء اور دوسری جگہ میم یا قاف ہو۔ لہٰذا یعلمون، مومنین، مستقیم (قرآن کے معیار پر) ہم وزن ہیں۔ اور خروج، مریج، تحید، کفار، تبار، فواق، عجاب سب قاعدہ کے مطابق ہیں۔

فائدہ:- تنفس امر التنفس الخ کا ترجمہ عربی عبارت کے مطابق کردیا گیا ہے۔ ورنہ ظاہر کیونکہ شاہ صاحب کی فارسی عبارت اس سے کہیں واضح ہے۔ وہ یہ ہے "قطع نفس بر مدہ معتمد بر حرفے قافیہ ایست متسع کہ طبع آنرا ذوق می کند"۔ اس فارسی کا ترجمہ عربی میں یوں ہوگا: وتنفس النفس علی مدۃ تعتمد علی حرف قافیۃ متسعۃ الخ ترجمہ: سانس کا اختتام ایسے مدہ پر جس کا اعتماد کسی اور حرف پر ہو ایسا وسیع قافیہ ہے۔

فائدہ:- اس عبارت میں فواصل آیات کا وزن بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے چونکہ اپنے کلام کے وزن کی بنیاد اختتام نفس پر رکھی ہے۔ اور اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں حروف مدہ ہیں جن پر معتمد علیہ ساکن لائے جاتے ہیں۔ جیسے مستقیم، یعلمون وغیرہ۔ اس لئے قرآن کا معیار یہی مقرر کیا گیا ہے۔ اور حرف مدہ، معتمد علیہ مدہ یا ماقبل مدہ کے اختلاف کی پوری گنجائش رکھی گئی۔ للمتقین اور یتفقون، اسی طرح مجید و عجیب کو ہم وزن اور متوافق قرار دیا ہے بلکہ مآب اور ظلمون بھی ہم وزن ہیں۔ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ پڑھئے: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اور وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ کے بعد والی آیت، رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ میں ہ کا فاصلہ

۲ غفور رحیم ہے کہا گیا الف اور یاء کا اختلاف ہے۔ یہ سورۂ ابراہیم کی آیات تھیں مزید شواہد کے لئے سورۂ صافات اور سورۂ نمل کا مطالعہ کریں۔

وكذلك لحوق الالف في آخر الكلام قافية متسعة في إعادتها لذة وان كان حرف الروي مختلفا فيقولون في موضع كريما وفي موضع آخر حديثا وفي موضع ثالث بصيرا فان التزم في هذه الصورة موافقة الروي كان من قبيل ما لا يلزم كما وقع في اوائل سورة مريم وسورة الفرقان وكذلك توافق الآيات بحرف مثل الميم في سورة القتال والنون في سورة الرحمن يفيد لذة كما لا يخفى.

ترجمہ: اسی طرح آخر کلام میں الف کا آنا ایک وسیع قافیہ ہے جس کے اعادہ میں لطف آتا ہے اگرچہ حرف روی مختلف ہو جیسا کہ ایک مقام پر کریما اور دوسرے مقام پر حدیثا اور تیسرے مقام پر بصیرا۔ کیونکہ اس صورت میں روی یعنی ما قبل الف کی موافقت کا التزام ہو جائے تو التزام مالا یلزم کے قبیل سے ہوگا جیسا کہ سورۂ مریم کے اوائل میں اور سورۂ فرقان میں ہوا ہے۔ اور اسی طرح آیات کا اختتام کسی ایک ہی حرف کے ساتھ مثلاً میم، سورۂ قتال میں اور نون، سورۂ رحمٰن میں لطف دیتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

وكذلك اعادة جملة بعد طائفة تفيد لذة كما وقع في سورة الشعراء وسورة القمر وسورة الرحمن وسورة المرسلات۔

ترجمہ: اسی طرح کسی جملہ کو کلام کے ایک حصہ کے بعد بار بار لانا لذت کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ سورۂ شعراء میں ان فی ذلک لآیۃ وما کان اکثرہم مؤمنین الخ اور سورۂ قمر میں ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر اور فکیف کان عذابی ونذر اور سورۂ رحمٰن میں فبای آلاء ربکما

تکذّبٰن: اور سورۃ والمرسلات میں ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ﴾ کا تکرار ہوا ہے۔

قوله وسورة القمر - قال الخازن: وفيه الحث على تعلم القرآن والاشتغال به لأنه قد يسّره الله وسهّله على من يشاء من عباده. قرئ: بتنبيه على فضل الله على المؤمنين بتيسير حفظ القرآن. وقال المفسرون: حكمة تكرير ذلك في كل قصة التنبيه على الاتعاظ والاعتبار في أنباء الغابرين والإشارة إلى أن تكذيب كل رسول مقتض لنزول العذاب كما كرر قوله فبأي آلاء ربكما تكذبان تقريراً للنعم المختلفة المعدودة فكلما ذكر نعمة وبّخ على التكذيب بها. الصفوة عن الرازي والآلوسي

قوله سورة الرحمن - قال ابو حيان: والتكرار في هذه الفواصل فبأي آلاء ربكما تكذبان للتأكيد والتنبيه والتحريك وقال ابن قتيبة: إن هذا التكرار إنما هو لاختلاف النعم فكلما ذكر نعمة كرر قوله: فبأي آلاء ربكما تكذبان والاستفهام فيها للتقريع والتوبيخ۔

(صفوۃ التفاسیر ص ۲۹۶/ج ۳):

یہ خاص آیت سورۃ میں ۳۱ بار آئی ہے۔ اور ہر بار ایک نئے سیاق میں اور نعمت کے ایک نئے مصداق کے ساتھ۔ اس لئے تکرار صرف صوری ہے معنوی نہیں۔ لیکن بالفرض معنوی بھی ہوتی تو کیا برا تھا کہ تب اہل زبان خود اسے فصاحت زبان اور سلاست بیان میں داخل سمجھتے بلکہ اسے محسنات و محاسن میں گنا اور اس کا شمار خاص ادبی محسنوں میں کیا تو عربی اور کیا اس تکرار و ترجیع کو دوسری زبانوں کے ادبی معیار سے دیکھا جائے تو یہ چیز حسن نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر اس کی نظیر سے تو دنیا کے ادبی ذخیرے خالی نہیں۔ دنیا کے مذہبی نوشتے، دنیا کے ادبیات مقدس سے قطع نظر خاص کتاب زبور میں جو مناجات نمبر ۱۳۶ پر ۲۶ آیتوں کی ہے۔ اس میں ایک خاص فقرہ کہ اس کی رحمت ابدی ہے کل تکرار بھی ۲۶ ہی بار آئی ہے۔ (تفسیر ماجدی ملخصاً پارہ ۲۷)

اُردو زبان کے ترانوں میں بھی عموماً ایک شعر یا مصرعہ مکرر ہوتا ہے۔ اس کے بغیر ترانے بے لطف ہوتے ہیں۔ ہم عربی زبان کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

(۱) عربی زبان کا مشہور شاعر مہلہل بن ربیعہ کلیب کے مرثیہ میں لکھتا ہے۔

وصاحبِ مرّةٍ قد تركنا ، عليه القشعمان من النسور على أن ليس عدلاً من كليبٍ إذا طرد اليتيم عن الجزور

دعا کے بعد سات اشعار ایسے ہیں جن میں عنوان لیس الا کا مصرعہ مسلسل تکرار کیا ہے۔ انکے دوسرے معانی

(۲) لیلیٰ اخیلیہ توبہ بن الحمیر کے مرثیہ میں کہتی ہے۔

لنعم الفتی یا توب کنت ولم تکن ۔۔ لتسبق یوماً کنت فیہ تحاول

ترجمہ: اے توبہ تو بہت اچھا جوان تھا اور ایسا نہیں تھا کہ جس دن تو ارادہ کرتا کوئی تجھ سے بڑھ جائے۔

لنعم الفتی یا توب کنت اذا التقت ۔۔ صدور العوالی واستشل الاسافل

ترجمہ: اے توبہ تو کتنا اچھا جوان تھا جبکہ ملتی تھیں بلند قامت آدمیوں کے سینے اور نچلے حصے نیچے ہوتے

ولنعم الفتی یا توب کنت لخائف ۔۔ اتاک لکی یحمی ونعم المجامل

ترجمہ مصرع ثانی: جو تیرے پاس آئے تاکہ اس کی حفاظت کی جائے اور تو اچھا برداشت کرنے والا تھا۔

لنعم الفتی یا توب جاراً وصاحباً ۔ ولنعم الفتی یا توب حین تناضل

ترجمہ: اے توبہ تو ہمسایہ و رفیق کی حیثیت سے کتنا اچھا جوان تھا اور اے توبہ تو کتنا اچھا جوان تھا جبکہ تو تیر اندازی کرتا تھا۔

لعمری لانت المرء ابکی لفقدہ ۔۔ بجد ولو لامت علیہ العواذل

ترجمہ: میری عمر کی قسم یقیناً تو ایسا شخص ہے جس کے کھو جانے پر میں واقعی روتی ہوں، اگرچہ ملامت کرنے والے اس پر ملامت کریں ——— اس کے بعد مزید تین شعر ہیں۔ ہر ایک کا پہلا مصرعہ لعمری الخ ہے دوسرے مصرعے مع ترجمہ حسب ذیل ہیں۔ ویکثر تسہیدی لہ لا اوائلہ اور اسکے لئے میری شب بیداری بہت ہوتی ہے جس سے میں فراغت نہیں پاتی۔ ولو لام فیہ ناقص العقل جاہل اگرچہ اس پر کوئی کم عقل نادان ملامت کرے۔ اذا کثرت بالملجمین التلاتل جبکہ لڑنے والوں پر اندیشوں کی کثرت ہو جائے۔

۳۔ نعمان بن بشیر کی پیاری زوجہ اپنے شوہر کے مرثیہ میں کہتی ہے۔

وحدثنی اصحابہ ان مالکا ۔۔ اقام ونادی صحبہ برحیل ——— اس کے بعد پانچ شعر مسلسل ایسے ہیں جن کا پہلا مصرعہ وحدثنی الخ ہے اور دوسرے مصرعے بدلتے رہتے ہیں جو ذیل میں کئے جاتے ہیں۔

ضروب بنصل السیف غیر نکول تلوار کی دھار سے خوب مارنے والا، پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔

خفیف علی الاحداث غیر ثقیل تو حوادث پر ہلکا پھلکا ہے بھاری نہیں ہے۔

جو التھاب فی الوصل غیر طفیل اچھا کیا ہو کنارے چیزوں کا کوئی جہل نہیں ہے۔ حسب ذیل گیا .....

الشفرتین صقیل ہو دھار کا تیز تلوار کی طرح کاٹنے والا ہے ـــــ اس قسم کے سینکڑوں نظائر زبان عرب کا تتبع کرنے سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ (حضرت علامہ عثمانی۔ القاسم سنہ ۱۳۳۵ھ نمبر ۱)

قولہ فی سورۃ المرسلات قال القرطبی: کرر قولہ ویل یومئذ للمکذبین عشر مرات للتخویف والوعید وقیل انه لیس بتکرار لانه اراد بکل قول منه غیر الذی اراده بالآخر کانه ذکر شیئا فقال: ویل لمن یکذب بهذا۔ ثم ذکر شیئا آخر فقال ویل لمن یکذب بهذا۔ فهکذا الی آخر السورۃ المکیۃ (صفحۃ ۳۰۳) قال المفسرون کرر هذه الجملة ... لمزید الترغیب والترهیب، وفی کل جملة وردت اخبار عن اشیاء عن احوال الآخرۃ، وتذکیر باحوال الدنیا فناسب ان یذکر الوعید عقیب کل جملة منها بالویل والدمار للکفرۃ والفجار (صفحۃ ۳۰۴)

وقد تخالف فواصل أخر السورة أوائلها لتطريب ذهن السامع وللإشعار بلطافة ذلك الكلام مثل إدًّا و هدًّا في آخر سورة مريم ومثل به سلامًا وكرامًا في آخر سورة الفرقان وطين و ساجدين و منظرين في آخر سورة ص مع أن أوائل هذه السور مبنية على فاصلة أخرى كما لا يخفى۔

ترجمہ:- اور کبھی کبھی سورۃ کے آخر میں فاصلے ابتدائے سورۃ کے (فاصلوں سے) مخالف ہوتے ہیں سامع کے ذہن میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اور اس کلام کی لطافت کا پتہ دینے کیلئے مثلاً ادًّا (قولہ میں ہدًّا تک ترجمہ) باوجودیکہ ان سورتوں کے اوائل (جن کا نام اوپر مذکور ہوا) دوسرے فاصلوں پر مبنی ہیں جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

فائدہ:- کبھی کبھی ایک ہی سورۃ میں فاصلے مختلف اوزان پر آجاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی جا رہی ہے کہ انسان جدت پسندی کا شکار ہے تنوع و تجدد سے لطف اندوز ہوتا ہے [illegible]

جدتِ لفظ کا قائل ہے اس لئے اس کی دلچسپی بڑھانے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے۔

لا یحسن فی الکلام جمیعًا ان یکون مستمرًا علی نمط واحد لما فیه من التکلف ولما فی الطبع من الملل ولان الافتنان فی ضروب الفصاحة اعلی من الاستمرار علی ضرب واحد (الاتقان ج۲)

مثالیں: لقد جئتم شیئًا ادًّا ۝ تکاد السمٰوٰت یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدًّا ۝

سورۂ مریم کے ابتدائی فاصلے الف ماقبل مفتوح پر مبنی تھے۔ اور زیادہ تر فاصلوں میں الف سے پہلے یا مشدد ہے۔ بالخصوص زکریا، یحییٰ، مریم و عیسیٰ کے پورے تذکرے میں سوائے ایک آیت وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئًا کے کہ جس میں حرف یا کی یعنی حرف مشدد کے بجائے ہمزہ آگیا ہے۔ پھر مسلسل آٹھ آیتوں کے فاصلے حروف مد (واؤ اور یا) اور اس کے متحرک علیہ پر مبنی ہیں۔ اس کے بعد ۳۴ آیتوں تک پھر وہی سابقہ وزن آیت ۷۴ تک چلا گیا ہے۔ اور آیت ۷۵ سے صرف روی یا کے بجائے دال آگیا جس میں مشدد و مخفف دونوں قسم کی دالیں ہیں۔ اگرچہ دو تین آیتوں میں دال کی بجائے زا ہے۔ وہ بھی دونوں قسم کے ہیں۔ بالآخر سورت هل تحس منهم من احد او تسمع لهم رکزا پر پوری ہوگئی۔ سورۂ فرقان میں آیت ۶۲ تک کا فاصلہ ایسے الف ماقبل مفتوح پر مشتمل ہے جس سے پہلے واؤ اور یائے مدہ مذکور ہیں جیسے نذیرا، ومسحورا وغیرہ۔ لیکن آیت ۶۳ وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هونًا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلٰمًا ۝ سے پھر الف ماقبل مفتوح کا سلسلہ چلا تو حسنت مستقرًا ومقامًا پر پہونچکر ختم ہوا۔ درمیان میں صرف ایک آیت ایک الف ماقبل مفتوح کی آگئی باقی سب اسی وزن پر ہیں۔ سورۂ ص کے ابتدائی فاصلے باستثناء آیت ۲۶ آیتوں تک الف ماقبل مفتوح اور اس کے متحرک علیہ پر مبنی ہیں۔ جن میں کثرت سے باء اور راء ہیں مثلاً اوّاب، عقاب، حساب، اوتاد، نار، قرار، اخیار وغیرہ۔ تاہم بعض آیتوں میں متحرک علیہ صاد، دال اور قاف بھی ہیں۔ اور آیت ۶۷ قل هو نبؤا عظیم انتم عنه معرضون سے الف کے بجائے واؤ اور یائے مدہ کے ساتھ نون و میم کا فاصلہ ختم سورۃ تک چلا گیا ہے۔

کتاب کی مثالیں: اذ قال ربک للملٰئکة انی خالق بشرًا من طین ۝ فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین ۝ اور سات آیتوں کے بعد قال فانک من المنظرین ۝۔

فَجُعِلَ الوَزنُ وَالقَافِيَةُ المَذكُورَانِ فِي اَكثَرِ السُّوَرِ مِنَ المُهِمَّاتِ اِن كَانَ اللَّفظُ الاَخِيرُ مِنَ الاٰيَةِ صَالِحًا لِلقَافِيَةِ فِيهَا وَاِلَّا وُصِلَ بِجُملَةٍ فِيهَا بَيَانُ اٰلَاءِ اللّٰهِ اَو تَنبِيهٌ لِلمُخَاطَبِ كَمَا يَقُولُ وَهُوَ الحَكِيمُ الخَبِيرُ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعمَلُونَ خَبِيرًا۔ لَعَلَّكُم تَتَّقُونَ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِاُولِي الاَلبَابِ۔ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِقَومٍ يَتَفَكَّرُونَ۔

ترجمہ: غرض یہ کہ وہ وزن اور قافیہ جو اکثر سورتوں میں مذکور ہیں اہم بالشان چیزوں میں سے قرار دیئے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے کہ اگر آیت کا آخری لفظ قافیہ بننے کے لائق ہو تو بہا ورنہ تو کسی ایسے جملے کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ ہو، یا مخاطب کو تنبیہ ہو جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے وھو الحکیم الخبیر۔

قولہ القافیہ ای الفاصلۃ قال السیوطی لا یجوز تسمیتہا قوافی اجماعًا لان اللہ تعالیٰ لما سلب عنہ اسم الشعر وجب سلب القافیۃ عنہ ایضًا لانہا منہ وخاصۃ بہ فی الاصطلاح (الاتقان ص۹۷ ج۲) اقول وباللہ التوفیق عدم الجواز من حیث الاصطلاح والاطلاق اللغوی من حیث اللغۃ واللہ اعلم۔ قولہ من المہمات۔ سیوطیؒ نے کشاف قدیم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فواصل کی ایسی رعایت جس میں صرف تحسین عبارت و تزئین کلام کا اہتمام ہو، معانی مقصودہ ملحوظ نظر نہ ہوں۔ اہل بلاغت کی نظر میں مستحسن نہیں، اور نہ ہی بلاغت سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ فواصل کا اہتمام اسی وقت مستحسن ہے جبکہ پورا مضمون اسی اسلوب میں بیان کیا جائے جو حسن نظم و حسن ترکیب کے مطابق ہو چنانچہ "وبالآخرۃ ھم یوقنون" میں ظرف کی تقدیم محض فاصلہ کی رعایت میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ اختصاص بھی پیش نظر ہے۔ (الاتقان ص۹۷ ج۲)

وَقَد اُطنِبَ فِي مِثلِ هٰذِهِ المَوَاضِعِ اَحيَانًا مِثلُ۔ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيرًا۔ وَيُستَعمَلُ التَّقدِيمُ وَالتَّاخِيرُ مَرَّةً وَالقَلبُ وَالزِّيَادَةُ اُخرٰى مِثلُ۔ اِليَاسِينَ۔ فِي اِليَاسَ وَ۔ طُورِ سِينِينَ۔ فِي سِينَاءَ۔

ترجمہ:- اور اس قسم کے مواقع میں کہیں کہیں اطناب سے کام لیا گیا ہے۔ جیسے۔ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا۔ اور کہیں تقدیم و تاخیر کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور کہیں قلب اور زیادتی کا استعمال ہوا ہے جیسے الخ

فائدہ:- مافی الضمیر کی جو تعبیر کسی نکتہ یا فائدہ کے پیش نظر نسبتاً زیادہ الفاظ پر مشتمل ہو اُسے اطناب کہتے ہیں۔ جیسے۔ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا کی زیادتی فَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ پر اطناب ہے جس کا فائدہ ترغیب ہے۔ اطناب کے طریقوں میں ذکر العام بعد الخاص لفائدۃ العموم، ذکر الخاص بعد العام لتنبیہ علی فضل الخاص، اور الایضاح بعد الابہام لتقریر المعنی فی ذہن السامع۔ بہت مشہور ہیں۔

فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا حقیقت میں تاکید و توثیق کے لئے یہ فاصلہ لایا گیا ہے۔ ایسے فاصلوں کو ایغال کہتے ہیں جو درحقیقت اطناب کی ایک خاص صنعت ہے۔ فواصل کے ذیل میں اس کی تعریف گذر چکی ہے۔ اس کی دوسری مثال مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ اور وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ہے۔ تقدیم و تاخیر کی مثال اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ میں رَءُوْفٌ و رَحِیْمٌ ہیں کیونکہ عادت اور معمول ما ابلغ کو بلیغ سے مؤخر کرنے کی ہے۔ اور رَءُوْفٌ ابلغ ہے لہٰذا معمول کے مطابق اسے مؤخر ہونا تھا (جلالین، جمل اور اتقان دیکھیں) طُوْرِ سِیْنِیْنَ قلب کی مثال ہے۔ اور زیادتی کی مثال وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا، فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا اور وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا وغیرہ میں الف کی زیادتی، اور مَاھِیَہْ، کِتَابِیَہْ، مَالِیَہْ میں ہاء کی زیادتی ہے اور الیاسین میں بھی زیادتی کی مثال ہے۔

وَيُعْلَمُ مِنْهَا أَنَّ انْسِجَامَ الْكَلَامِ وَسُهُوْلَتَهٗ عَلَى اللِّسَانِ لِكَوْنِهٖ مَثَلًا سَائِرًا أَوْ لِتَكْرِيْرِ ذِكْرِهٖ فِي الْآيَةِ وَرُبَّمَا يُجْعَلُ الْكَلَامُ الطَّوِيْلُ مَوْزُوْنًا مَعَ الْكَلَامِ الْقَصِيْرِ وَرُبَّمَا تَكُوْنُ الْفِقْرَةُ الْأُوْلٰى أَقْصَرَ مِنَ الْفِقْرَةِ الثَّالِثَةِ وَهُوَ يُفِيْدُ عَلَاوَةً فِي الْكَلَامِ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ، كَأَنَّ الْمُتَكَلِّمَ يُقَدِّرُ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْكَلَامِ أَنَّ الْفِقْرَةَ الْأُوْلٰى وَالثَّانِيَةَ مِنْ حَيْثُ الْمَجْمُوْعِ فِيْ كِفَّةٍ وَالثَّالِثَةَ وَحْدَهَا فِيْ كِفَّةٍ

ترجمہ:۔ اور یہیں یہ جان لینا چاہئے کہ زبان پر کلام کی سلاست و روانی اسکے قوافی کی رائج مثال ہونے کی وجہ سے یا آیت میں اس کا جھنکار دار ہونے کی وجہ سے بسا اوقات کلام طویل کو کلام قصیر کا ہم وزن بنادیتی ہے۔ اور بسا اوقات پہلے فقرے بعد والے فقروں سے چھوٹے ہوتے ہیں اور وہ کلام میں حلاوت پیدا کرتے ہیں! جیسے خذوہ فغلوہ ۔ ترجمہ: پکڑو اس کو پھر طوق پہنا دو اس کو، پھر جہنم میں داخل کر دو اسے پھر اس کو ایسی زنجیروں میں جکڑ دو جس کا طول ستر گز ہے۔ گویا کہ یہ جیسے کلام میں شعر کے اشعار قائم کرتا ہے کہ پہلا اور دوسرا فقرہ مجموعی حیثیت سے ایک پلڑے میں اور تیسرا فقرہ تنہا دوسرے پلڑے میں ہے۔

فائدہ:۔ اجمام، اِسْتَجَمَّتْ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں پیمانہ بھرنا، یہ اصول تفسیر میں فاصلہ کی ایک مخصوص قسم کا نام بھی ہے جسے اتقان میں دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں محض لغوی معنی روانی و سلاست ہی مراد ہے۔ لیکن یہ مثال انسجام مصرعوں کے متعلق ہے۔ تمام بحث کا یہ متن تا سر سے۔ قرآنی تشبیہات مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بعض سورتوں میں چھوٹی چھوٹی آیتوں کے ساتھ کوئی بڑی آیت بھی آجاتی ہے۔ لیکن ایسے مواقع کی بڑی آیتوں میں یا تو کوئی تمثیل ہوتی ہے، یا کوئی ایسا مضمون ہوتا ہے جو بار بار قرآن میں آتا رہتا ہے اس وجہ سے کلام کی سلاست و روانی متأثر نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا بڑی آیت ان چھوٹی آیتوں میں نامناسب یا بے جوڑ نہیں معلوم ہوتی ہے مثلاً سورۂ رعد کی آیت ۱۶، ۱۷ ومثلاً قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَّاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝

پہلی آیت میں تکرارات اور تمثیل دونوں ہیں جبکہ دوسری میں صرف تمثیل ہے۔ علاوہ ازیں سورۂ حج کی آیت ۵ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ الآیۃ اور آیت ۵ مُخَلَّقَۃٍ

فی اللہ حق جہادہ الآیۃ کہ مضامین پر مشتمل ان بڑی آیات کی مثالیں ہیں جنہیں چھوٹی آیتوں کا مجموعہ قرار دیا گیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو سورۂ انبیاء کی آیت ۴۷ ونضع الموازین القسط الآیۃ۔ اور سورۂ طٰہٰ کی آیت ۷۱ قال آمنتم لہ قبل ان آذن لکم الآیۃ واللہ اعلم بالصواب (ح)

قولہٗ وربما تکون الخ مثال کی شرح ترجمہ سے عیاں ہیں۔

وَرُبَّمَا تَكُونُ الْآيَةُ ذَاتَ قَوَائِمَ ثَلَاثٍ نَحْوُ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ الآية وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ الآية وَالْعَامَّةُ يَصِلُونَ الْأَوَّلَ بِالثَّانِي فَيَحْسَبُونَ الْآيَةَ طَوِيلَةً۔

ترجمہ:۔ اور بسا اوقات آیت سہ رکنی ہوتی ہے جیسے یوم تبیض (جس روز اختلاف و انتشار پیدا کرنے والوں کو عذاب عظیم ہوگا) اس دن جس دن بہت سے چہرے چمکتے ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ (دوسرا) ہوں گے، پھر جن کے چہرے سیاہ ہو رہے ہوں گے (ان سے ازراہ توبیخ سوال ہوگا) کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا تو کفر کرنے کا عذاب چکھو۔ اور جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور عام لوگ پہلے رکن کو دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں پھر آیت کو طویل سمجھتے ہیں۔

فائدہ:۔ مثال میں پیش کی گئی آیت بظاہر طویل ہے۔ لیکن درحقیقت وہ چھوٹے چھوٹے تین ارکان پر مشتمل ہونے کی وجہ سے گویا تین آیتوں کے قائم مقام ہے۔ جزء اول یوم تبیض تا وجوہ ہے۔ جزء دوم فاما الذین اسودت تا تکفرون ہے جزء سوم تا خالدون۔ خط کشیدہ ترجمہ آیت کے ان اجزاء کا ترجمہ ہے جن کو مصنف علام نے حذف کر دیا ہے۔ یعنی پہلے وجوہہم کے بعد اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ اور دوسرے کے بعد فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

وَقَدْ تَجِيءُ فِي آيَةٍ فَاصِلَتَانِ كَمَا يَكُونُ فِي الْبَيْتِ أَيْضًا۔ مِثَالُ ذٰلِكَ ؎

كَالزَّهْرِ فِي تَرَفٍ ٭ وَالْبَدْرِ فِي شَرَفٍ ٭ وَالْبَحْرِ فِي كَرَمٍ ٭ وَالدَّهْرِ فِي هِمَمٍ

ترجمہ:۔ اور کبھی کبھی ایک آیت میں دو فاصلے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ شعر میں بھی ہوتا ہے، اس کی مثال کالزہر الخ ہے۔ ترجمہ شعر:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شگوفہ کی طرح ہیں تازگی میں، اور چودھویں کے چاند جیسے ہیں عظمت میں، اور سمندر جیسے ہیں سخاوت میں، اور زمانہ جیسے ہیں عزائم میں۔

مثالیں:۔ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا (نوح ۱۳، ۱۴) ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ (النحل ۲۷) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ [illegible] فِيْهَا [illegible] هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ [illegible] (توبہ ۶۸)

فائدہ: یہ شعر شیخ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن سعید البوصیری (متوفی ۶۹۶ھ یا ۶۹۴ھ) کے مشہور قصیدہ بردہ کا ہے جو موصوف نے ایک بار حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس وقت کہا تھا جب وہ فالج کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جب یہ قصیدہ کہا تو شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے ان کے بدن پر اپنا دست مبارک پھیرا اور اپنی چادر میں لپیٹ لیا۔ صبح اٹھے تو بالکل صحت یاب تھے۔ (المزہر ص [illegible])

لغات الشعر:۔ الزَّهْر کلی، جمع اَزْهَار۔ تَرَف خوشحالی، تازگی۔ قال اللہ تعالیٰ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْا إِلٰى مَا أُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ الآية ای ما انعمتم فیه من الدنیا ولین العیش (مدارک ج ۳) وقال عزوجل وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا۔ قال الخلیل:۔ المترف الموسع علیه عیشه القلیل فیه همه (مدارک)۔ شرف بلندی، عظمت۔ البدر، جمع البدور۔ الدهر زمانہ، جمع الدهور۔ همم بلند ارادے، جمع همة بمعنی ارادہ۔ فارسی مثال:۔ عقل و برہان شنیدنی باشد، عشق و ایمان چشیدنی باشد۔

عرض مرتب ناچیز:۔ دو فاصلوں والی آیتوں کی پہلی مثال مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ الخ اور اسی طرح ایک اور مثال وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا إِلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ جو الفوز الکبیر اور الروض النضیر میں لکھی ہے اس کے بارے میں راقم کو ایک تردد ہے کہ یہ موقع کے مناسب نہیں ہے، کیونکہ ہر ہر فاصلہ مستقل آیت ہے۔ تو چار فاصلے چار آیتوں کے ہو گئے، بلکہ ایک ہی آیت میں دو فاصلوں کا تذکرہ چل رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سورۂ نوح میں دو فاصلوں والی آیت مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ أُغْرِقُوْا فَأُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ہے اور سورۃ الحاقۃ میں وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ہے)

لطیفہ:- فا، اصولِ نحو کی رو سے، تعقیب مع الوصل، کے لئے آتی ہے۔ اس لئے اغرقوا فادخلوا سے معلوم ہوتا ہے کہ غرق کئے جانے کے فوراً بعد قومِ نوح عذابِ نار کا شکار ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ اس سے عذابِ برزخ اور عذابِ قبر ہی مراد ہو سکتا ہے، کیونکہ عذابِ آخرت سے تو ابھی تک واسطہ نہیں پڑا ہے۔ فعذاب القبر ثابت بھذہ الآیۃ ایضاً۔

وقد تكون الآية أطول من سائر الآيات والسر ههنا أنه إن جُعل حسنُ الكلام الناشئ من تقارب الوزن ووجدان الأمر المنتظر وهو التقفية في كفّة وجعل حسنُ الكلام الناشئ من سهولة الأداء وموافقة طبع الكلام وعدم لحوق التغيير فيه في كفّة أُخرى ترجح الفطرة السليمة جانب المعنى فيترك أحد الانتظارين مهملًا ويُوَفّى الحق في الانتظار الثاني۔

ترکیب و لغات:- آیات، جمع آیت۔ سائر، تمام، بقیہ۔ مھملًا، اسم مفعول، متروک، نظر انداز کیا ہوا۔ یُوَفّٰی، مضارع مجہول، توفیہ سے، پورا حق ادا کرنا۔ السر مبتدا، انّہ خبر۔ ان جُعل سے اُخری تک شرط، من تقارب، الناشی کے متعلق ہے، اور فی کفّۃ جُعل کا مفعول ہے۔ ترجح یہ جزا ہے۔ شرط و جزا مل کر انّہ کی خبر۔ وھو التقفیۃ جملہ معترضہ ہے۔

ترجمہ:- اور کبھی آیت دوسری آیتوں سے زیادہ لمبی ہوتی ہے۔ اس کا نکتہ یہاں یہ ہے کہ اگر کلام کے اس حسن کو جو وزن کے باہمی قرب اور تناسب، اور انتظاری چیز کی یافت (حصول) سے پیدا ہونے والا ہے اور وہ انتظاری چیز تقفیہ ہے، ایک پلڑے میں رکھا جائے اور کلام کے اس حسن کو جو ادا کی بے ساختگی اور طبیعتِ کلام کی ہم آہنگی (یعنی سادگی) اور اس میں تبدیلی کرنے والی چیز کی آمیزش کے بغیر حاصل ہوتا ہے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو فطرۂ سلیم معنی کی جانب کو ترجیح دے گی

کو ترجیح دیتی ہے (اور حسنِ معنوی عبارت کی سلاست، کلام کی فطری سادگی اور تغیر و تبدل سے حفاظت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے) لہٰذا دو اختصاروں میں سے ایک کو بیکار چھوڑ دیا جاتا ہے اور دوسرے اختصار کا پورا حق ادا کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ:۔ بعض سورتوں میں چھوٹی چھوٹی آیتوں کے ساتھ بعض اتنی بڑی آیتیں مذکور ہیں جن کو مذکورہ بالا گئے طریقوں میں سے کسی بھی طریقے کے ذریعہ ان چھوٹی آیتوں کا ہم وزن قرار دینا ممکن نہیں۔ مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت مداینہ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ الآیۃ (پ ۳) اور سورۂ مزمل کی آخری آیت: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ الآیۃ (پ ۲۹) اور سورۂ مدثر کی آیت: وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآیۃ)

زیرِ توضیح عبارت میں اس تفاوت کو اختیار کرنے کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ حسنِ کلام کی دو قسمیں ہیں (۱) حسنِ ظاہری، جو اوزان و قوافی کی رعایت سے حاصل ہوتا ہے۔ (۲) حسنِ معنوی، جو کلام کی طبعی سادگی و بے ساختگی کی وجہ سے، اور سادگی پر منفی اثر ڈالنے والی چیزوں سے حفاظت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، فطرتِ انسانی اگرچہ دونوں سے مانوس ہے لیکن تقابل کے وقت ترجیح دیتی ہے حسنِ معنوی کو۔ چھوٹی آیتوں کے ساتھ کچھ طویل ترین آیتوں میں فطرت کے اسی پہلو کی رعایت میں قانونِ فطرت نے لفظی حسن کو نظر انداز کرتے ہوئے حسنِ معنوی پر اکتفا کیا ہے اس طرح تفننِ کلام کا لطف بھی حاصل ہو جاتا ہے اور سادگی پسند فطرتِ انسانی کی مراعات بھی ہو جاتی ہے۔

وانما قلنا فی صدر المبحث. قد جرت سنة الله عز وجل على هذا فی اکثر السور. لانه ما ظهرت فی بعض السور رعایة هذا القسم من الوزن والقافیة۔

ترجمہ:۔ اور ہم نے شروع بحث میں کہا تھا، قد جرت (یعنی اللہ عزوجل کا طریقہ اکثر سورتوں میں اسی (انداز) پر رہا ہے (کہ ان کو آیتوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ جیسے قصیدوں کو اشعار میں تقسیم کر دیا

جاتا ہے کیونکہ بعض سورتوں کے اندر وزن وقافیہ کی اس قسم کی رعایت ظاہر نہیں ہوتی۔

فائدہ :- اس فصل کا پہلا جملہ ہے فتجدت الخ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اکثر سورتوں کو آیات کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے گویا تقسیم کا یہ خاص اسلوب جس میں اوزان وقوافی کی بھرپور رعایت رکھی گئی ہے، اکثر سورتوں میں ہے سب میں نہیں چنانچہ کچھ سورتوں کا طرز اس سے ہٹ کر کسی اور اسلوب پر بھی رکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے شاہ صاحب نے شروع بحث میں اکثر کی قید ذکر فرمائی ہے۔

ووقعت طائفةٌ من الكلام على نهج خُطَب الخُطَباء وأمثال أهل النُّكَتِ المرتسمة مُسامرةِ النسآء المرويّة عن سيّدتنا عائشة رضي الله عنها؛ فانظر في قوافيها وفي بعض السُّور وقع الكلام على منهج كُتُب العرب بلا رعاية شيءٍ؛ كمُحاورة بعض الناس لبعضٍ إلّا أنّه يختم كلّ كلامٍ بشيءٍ يكون مبنيًّا على الاختتام۔

لغات :- نہج طور طریقہ۔ خُطَب تقریریں خطبۃ کی جمع ہے۔ الخطبآء بروزن عُلماء تقریر کرنے والے۔ الخطیب کی جمع ہے۔ اَمثال مِثال کی جمع ہے، اور حسب سابق یہاں بھی تحریر ومرسوم کے معنی میں ہے۔ النُّکَت بروزن الخُطَب النکتہ کی جمع ہے، دقیق وعمیق باتیں۔ مسامرۃ سمر سے، باہم قصہ گوئی کرنا۔ کُتُب جمع کتاب مکتوبات۔ اصل کتاب میں ہے بہ طور نامہائے عرب۔

ترجمہ :- چنانچہ کلام کا ایک حصہ مقررین کی تقریروں، اور ارباب نکات (بات کی تہہ تک پہنچنے والے عقلاء) کی تحریروں کے طرز پر واقع ہوا ہے۔ کیا تم نے عورتوں کی وہ قصہ گوئی نہ سنی جو سیدہ عائشہؓ سے منقول ہے تو اس کے قوافی میں غور کرلو۔ اور بعض سورتوں میں کلام مکتوبات عرب کے طرز پر کسی چیز کی رعایت کے بغیر واقع ہوا ہے۔ لوگوں کی ایک دوسرے کے ساتھ باہمی گفتگو کی طرح، مگر یہ کہ ہر کلام کسی ایسی چیز پر ختم کیا جاتا ہے جو اختتام پر مبنی ہو۔

فائدہ :- یہاں سے پوری فصل کا خلاصہ ذکر کیا ہے کہ نظم قرآنی کے دو اسلوب ہیں۔

(۱) موزون ومقفٰی، جس میں فواصل واوزان اور آیات کے طول وقصر میں تناسب ہوتا ہے۔

یہ درحقیقت نکاتِ عربیت سے واقف اہلِ زبان کے طرز اور خطیبانہ اسلوب کی رعایت ہے۔ اس کی مثال حدیثِ ام زرع ہے جس میں اوزان و توافق کی بھرپور رعایت ہے چند جملے بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جلست احدی عشرۃ امرأۃ فتعاهدن وتعاقدن ان لا یکتمن من اخبار ازواجهن شیئًا قالت الاولیٰ: زوجی لحم جمل غث علی رأس جبل وعر لا سهل فیرتقی ولا سمین فینتقل۔ قالت الثانیة: زوجی لا ابث خبره انی اخاف ان لا اذره ان اذکره اذکر عجره وبجره۔ قالت الثالثة زوجی العشنق ان انطق اطلق وان اسکت اعلق الخ (مسلم شریف، بخاری شریف، شمائل ترمذی)

(۲) سادہ اسلوب جس میں اہلِ عرب کی روزمرہ کی گفتگو اور ان کے مراسلات و مکتوبات کی سادگی کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے، یہاں قرآن کا سادہ اسلوب اہلِ عرب کے سادہ اسلوب سے اس حیثیت سے ممتاز رکھا گیا ہے کہ ختمِ آیات میں عموماً موزون فواصل ملحوظ ہوتے ہیں جبکہ ان کے یہاں اس کا لحاظ نہیں ہوتا ہے۔ اور آگے فواصل موزونہ پر ختمِ آیات کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا

وَالسِّرُّ هٰهُنَا اَنَّ الاَصْلَ فِی لُغَةِ العَرَبِ الوَقْفُ فِی مَوْضِعٍ یَنْتَهِی النَّفَسُ وَیَفْنٰی نَشَاطُ الکَلَامِ وَالمُسْتَحْسَنُ فِی مَحَلِّ الوَقْفِ انْتِهَاءُ النَّفَسِ عَلَی المَدَّةِ فَهٰذَا هُوَ الوَجْهُ فِی ظُهُوْرِ صُوْرَةِ الاٰیَاتِ وَهٰذَا هُوَ مَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰی هٰذَا الفَقِیْرِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ترجمہ:- اور راز یہاں یہ ہے کہ اصل زبانِ عرب میں ایسے مقام پر وقف کرنا ہے جہاں سانس ختم ہو جائے اور کلام کا لطف فنا ہو جائے۔ اور محلِ وقف میں مستحسن مد پر سانس کا ختم ہونا ہے۔ آیات کی (موجودہ) صورت کے ظہور کی وجہ یہی ہے۔ اور یہی وہ (نکتہ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس فقیر پر منکشف فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ: هذا هو الوجه الخ اصل کی عبارت یوں ہے۔ واما وجہ صورت آیات پیدا شدہ آنست ای لهذا ظهرت صورة الآیات۔ هذا هو الخ اور یہی وہ اسرار و حکم ہیں جو منجانب اللہ اس

محتاج بندہ پر القاء ہوئے۔ واللہ اعلم اپنے اقوال و افعال کی حکمتوں کا صحیح علم تو رب حکیم ہی کو ہے۔

فوائد

إِنْ سَألُوا لِمَ تَكَرَّرَتْ مَطَالِبُ الفُنُونِ الخَمْسَةِ فِي القُرْآنِ العَظِيمِ وَلِمَ لَمْ يَكْتَفِ بِمَوضِعٍ وَاحِدٍ؟ قُلْنَا الَّذِي نُرِيدُ إِفَادَتَهُ لِلسَّامِعِ يَنْقَسِمُ إِلَى قِسْمَيْنِ الأَوَّلُ أَنْ يَكُونَ المَقْصُودُ هُنَاكَ مُجَرَّدَ تَعْلِيمِ مَا لَمْ يَعْلَمْ فَالمُخَاطَبُ لَمْ يَكُنْ عَالِمًا بِالحُكْمِ وَمَا كَانَ ذِهْنُهُ مُدْرِكًا لَهُ فَيَعْلَمُ ذَلِكَ المَجْهُولَ بِاسْتِمَاعِ الكَلَامِ وَيَصِيرُ المَجْهُولُ مَعْلُومًا وَالثَّانِي أَنْ يَكُونَ المَقْصُودُ اسْتِحْضَارَ صُورَةِ ذَلِكَ العِلْمِ فِي المُدْرِكَةِ۔

ترجمہ:۔ اگر لوگ سوال کریں کہ قرآن عظیم میں علوم خمسہ کے مطالب مضامین مکرر کیوں ہیں۔ اور (تذکرہ مضامین میں) ایک ہی مقام پر کفایت کیوں نہیں فرمایا؟ ہم کہیں گے کہ ہم سامع کو جس چیز (مضمون) کا فائدہ پہونچانا چاہتے ہیں وہ دو قسموں پر منقسم ہوتی ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ مقصود وہاں صرف اس چیز کا سکھانا ہوتا ہے جو وہ نہیں جانتا ہے۔ کیونکہ مخاطب حکم کا جاننے والا نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کا ذہن اس حکم کا ادراک کرنے والا ہے۔ لہٰذا مخاطب اس نامعلوم کو سننے کے ساتھ ہی جان لیگا اور نامعلوم اس کو معلوم ہو جائے گا۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ مقصود کلام ذہن میں اس علم کی صورت کو مستحضر کرنا ہو۔ (اسی دوسرے مقصد کیلئے مضامین کو مکرر ذکر کیا جاتا ہے)

لِيَتَلَذَّذَ بِهِ لَذَّةً تَامَّةً وَتَفْنَى القُوَى القَلْبِيَّةُ وَالإِدْرَاكِيَّةُ فِي ذَلِكَ العِلْمِ وَيَغْلِبُ القُوَى كُلَّهَا حَتَّى تَنْصَبِغَ بِذَلِكَ العِلْمِ كَمَا نُكَرِّرُ أَحْيَانًا مَعْنَى شِعْرٍ عَلِمْنَاهُ وَنَتَدَارَكُ مِنْهُ لَذَّةً فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَنُحِبُّ التَّكْرَارَ لِتِلْكَ اللَّذَّةِ۔

ترجمہ:۔ تاکہ مخاطب اس مضمون سے پورا لطف حاصل کر سکے، اور اس کی قلبی اور ادراکی قوتیں

اس علم میں فنا (اور محو) ہو جائیں اور وہ (علم) تمام قویٰ پر غالب ہو جائے حتی کہ (تمام قوتیں) اسی علم میں رنگ جائیں۔ جیسا کہ ہم کبھی کبھی اس شعر کے معنی کو دہراتے ہیں جسے ہم جانتے ہیں۔ اور ہر مرتبہ اس کا لطف محسوس کرتے ہیں، اور اسی لطف کی وجہ سے تکرار کو پسند کرتے ہیں۔

ویغلب تا العلم کی فارسی عبارت ملاحظہ ہو۔ ورنگ این علم بر ہمہ قوتہا غالب آید۔ فافہم فا تدبر۔ یہاں سے تین مشہور اہم سوال وجواب کا سلسلہ شروع فرمایا ہے۔

سوال:۔ قرآن کریم میں ایک مضمون کو ایک بار ذکر کرنے کے بجائے پانچوں مضامین کو بار بار مختلف جگہوں پر ذکر کرنے کی حکمت کیا ہے۔؟

جواب سے پہلے بطور تمہید یہ بات ذہن نشین کرانی گئی ہے کہ مخاطب سے ہم کلام ہونے کے دو مقاصد ہوتے ہیں (۱) مخاطب کو نامعلوم چیزوں سے باخبر کرنا۔ یہ مقصد ایک بار کہہ دینے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ (۲) مخاطب کے دل ودماغ کو اتنا متاثر کرنا کہ عملی زندگی میں بھی معلومات کے اثرات نمایاں ہو جائیں۔ یہ مقصد ایک بار کے تذکرے سے نہیں، بار بار کے ذکر وترغیب ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ سچ کہا گیا ہے۔ اذا تکرر تقرر۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنی پسند کے اشعار کو بار بار گنگناتے اور اس سے متاثر ولطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور مستقل نہیں تو کچھ دیر کیلئے بھی شعر ہی میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد اب جواب کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

والقرآن العظيم اراد من قسمي الافادة بالنسبة الى كل واحد من مطالب الفنون الخمسة تعليم ما لا يعلم بالنسبة الى الجاهل و وصبغ النفوس بتلك العلوم من التكرار بالنسبة الى العالم۔

ترجمہ:۔ اور با عظمت قرآن نے علوم پنجگانہ میں سے ہر ایک کے بارے میں افادہ (خطاب) کی دونوں قسموں اور مقاصد کا ارادہ کر رکھا ہے۔ (۱) ناواقف کے بارے میں جاہل کی تعلیم کا ارادہ بھی ہے) اور (۲) جاننے والے کے بارے میں تکرار کے ذریعہ ان علوم کا رنگ چڑھانے کا (بھی

(ارادہ)

فائدہ:- قرآن کریم کے سامنے دونوں مقاصد ہیں (۱) بے خبر لوگوں کو علوم و احکام ربانی سے واقف و آگاہ کرنا۔ (۲) باخبر لوگوں میں احکام پر عمل پیرا ہونے کے ایسے جذبات پیدا کر دینا کہ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اطاعت خداوندی کا بازار گرم رہے۔ اس دوسرے مقصد کے پیش نظر تکرار مضامین کی راہ اختیار کی گئی ہے۔

اللّٰهُمَّ اِلَّا اَنَّ اَكْثَرَ مَبَاحِثِ الْاَحْكَامِ لَمْ يَحْصُلْ تَكْرَارُهَا لِاَنَّ الْاِفَادَةَ الثَّانِيَةَ غَيْرُ مَطْلُوبَةٍ فِيْهَا وَلِذَا اُمِرَ بِتَكْرَارِ التِّلَاوَةِ فِي الشَّرِيْعَةِ وَلَمْ يُكْتَفَ بِمُجَرَّدِ الْفَهْمِ وَلٰكِنَّ الْفَرْقَ اَنَّهٗ تَعَالٰى اخْتَارَ فِيْ اَكْثَرِ الْاَحْوَالِ تَكْرَارَ تِلْكَ الْمَسَائِلِ بِعِبَارَةٍ جَدِيْدَةٍ وَاُسْلُوْبٍ غَرِيْبٍ لِيَكُوْنَ اَوْقَعَ فِي النَّفْسِ وَاَلَذَّ فِي الْاَذْهَانِ دُوْنَ التَّكْرَارِ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ فَاِنَّهٗ لَوْ اَعَادَ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ تَكُوْنُ مِثْلَ مَا يُكَرِّرُوْنَهٗ وَظِيْفَةً وَاَلَذَّ مَنْ يَخُوْضُ فِيْ صُوْرَةِ اخْتِلَافِ التَّعْبِيْرَاتِ وَتَغَايُرِ الْاُسْلُوْبِ وَيَتَعَمَّقُ الْخَاطِرُ بِاَسْرِهٖ۔

ترجمہ:- یا اللہ مدد فرما، مگر یہ کہ اکثر مباحث احکام، ان کا تکرار نہیں ہوا ہے کیونکہ افادۂ ثانیہ (جذبۂ عمل پیدا کرنا) ان میں مطلوب نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے شریعت میں بار بار تلاوت قرآن کا حکم دیا گیا ہے۔ اور محض سمجھ لینے پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر احوال میں ان مسائل اور مباحث کے تکرار کو نئی تعبیر اور عمدہ اسلوب کے ساتھ اختیار فرمایا ہے تاکہ وہ دل کو خوب لگنے والی اور دماغ کے لئے خوب فرحت بخش ہو نہ کہ ایک ہی لفظ کے تکرار کے ساتھ کیونکہ اگر ایک لفظ کا تکرار کریں تو اس کلام اس کے مشابہ ہوگا جس کا تکرار بطور وظیفہ کیا کرتے ہیں۔ اور ذہن تعبیرات کے اختلاف اور اسلوب کی تبدیلی کی صورت میں کلام سے دلچسپی لیتا ہے۔ اور دل پورے طور پر اس مضمون کی گہرائی میں ڈوب جاتا ہے۔

فائدہ:- اللّٰهمّ بعض نسخوں میں ہے بعض اس سے خالی ہیں، الفوز الکبیر کا جو عربی نسخہ اس وقت بندہ کے سامنے ہے اس میں یہ لفظ موجود ہے۔ ممکن ہے اس کا مقصد اپنی اس ظاہری کمزوری کی طرف

اشارہ کرنا ہو جس کا حاصل اس عبارت سے وہم ہوتا ہے کہ تکرار و اعادہ کا تعلق پانچوں علوم سے ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ علم الاحکام کا تکرار قلیل کے برابر ہے۔ واللہ اعلم

اقول۔ شیخ کی یہ عبارت گویا کہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔ اس میں ایک اعتراض مقدر کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ علوم خمسہ قرآنیہ میں علم الاحکام بھی ہے۔ لہذا احکام کی آیات کا بھی تکرار ہونا چاہئے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نماز روزہ کا حکم، وصیت کا حکم، طلاق کی عدت کا حکم اور حج کے بہت سے مسائل غیر مکرر ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ تکرار کا منشا دلوں میں جذبہ خاص پیدا کرنا ہے۔ اور آیات احکام کا مقصد محض تعلیم مسائل ہے اس لئے اکثر آیات الاحکام تکرار سے خالی ہیں۔ ہاں بعض احکام کسی خاص مصلحت کی وجہ سے مکرر بھی ہو گئے ہیں اس لئے اگر تکرار کی نسبت پانچوں علوم کی جانب کر دی گئی ہے تو یہ بھی صحیح ہے۔ واللہ اعلم

ولہذا امر ہے۔ تجوید ماعرضہ: تکرار کلام دل و دماغ کو متاثر کرنے اور نفوس انسانی پر گہری چھاپ ڈالنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اس نظریہ کی تائید میں مصنف علام نے یہ مسئلہ ذکر فرمایا ہے کہ محض قرآن فہمی ہی شریعت کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کثرت تلاوت بھی قرآن کا حق اور شریعت میں مطلوب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مسئلہ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ زبان، کان، دل اور دماغ کلام ربانی سے بار بار مستفیض ہو کر اسلامی عقائد و اعتقادات کے رنگ میں اچھی طرح رنگ جائیں۔

چنانچہ کثرت سے تلاوت قرآن کا شغل رکھنے والوں کی مدح میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ (آل عمران) إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ (فاطر) بخاری و مسلم کی حدیث ہے: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ (مسلم ج ۱)

ولکن الفرق ـــ یہ امر، دل و دماغ کو پورے طور پر متاثر کرنے کے لئے تکرار کا طریقہ، خالق جل علاؤہ نے بھی اختیار کیا اور بندے بھی اس راہ پر چلتے ہیں لیکن دونوں میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ

ہندوستانی عموماً ایک ہی مضمون کو ایک ہی عبارت اور ایک ہی اسلوب کے ساتھ بار بار پڑھا کرتے ہیں۔ جبکہ خداوند قدوس نے اسلوب اور تعبیرات بدل بدل کر مضامین پیش فرمائے ہیں۔ ذہن انسانی اپنی تنوع پسند کا وجہت تنوع کی وجہ سے ایسے مختلف اسالیب و تعبیرات کو نہ صرف قبول ہی کرتا ہے بلکہ اس سے لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔

نوٹ: قولہ دون التکرار بلفظہ وتحویلہ کی اصل فارسی میں رعایت نہیں ہوئی اور فارسی سے وکیفیۃ کی اصل ہی صحیح ہے۔ اگر تکرار بعینہ لفظ مذموم ہے یا شرکہ ظنیہ تو تکرار کی نہایت ہے (اف عفی)

فَإِنْ سَأَلُوا لِمَ نَشَرَ هٰذِهِ الْمَطَالِبَ فِي سُوَرِ الْقُرْآنِ وَلَمْ يُرَاعِ التَّرْتِيبَ فَيَذْكُرُ آلَاءَ اللّٰهِ أَوَّلًا وَيَسْتَوْفِي حَقَّهَا ثُمَّ يَذْكُرُ أَيَّامَ اللّٰهِ ثُمَّ مُخَاصَمَةَ الْكُفَّارِ؟ قُلْتُ: وَإِنْ كَانَتِ الْقُدْرَةُ الْإِلٰهِيَّةُ شَامِلَةً لِلْمُمْكِنَاتِ كُلِّهَا وَلٰكِنَّ الْحَاكِمَ فِي هٰذِهِ الْأَبْوَابِ الْحِكْمَةُ وَالْحِكْمَةُ مُوَافَقَةُ الْمَبْعُوثِ إِلَيْهِمْ فِي اللِّسَانِ وَأُسْلُوبِ الْبَيَانِ وَأُشِيرَ إِلَى هٰذَا الْمَعْنَى فِي آيَةِ: لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ. وَمَا كَانَ فِي الْعَرَبِ إِلَى وَقْتِ نُزُولِ الْقُرْآنِ كِتَابٌ لَا مِنَ الْكُتُبِ الْإِلٰهِيَّةِ وَلَا مِنْ مُؤَلَّفِ الْبَشَرِ۔

ترجمہ: اگر آپ پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان (قرآنی) مضامین کو قرآن کی مختلف سورتوں میں منتشر کیوں کر دیا اور ترتیب کی رعایت کیوں نہیں فرمائی کہ (مثلاً) پہلے آلاء اللہ کو مکمل طور پر ذکر فرماتے اور اس کا پورا حق ادا کر دیتے۔ پھر ایام اللہ کو ذکر کرتے۔ پھر کفار سے مخاصمت کو؟ ہم کہیں گے قدرت خداوندی اگرچہ تمام ممکنات کو شامل ہے (اور ان کی قدرت میں سے مضامین کی وہ ترتیب بھی ہے جس کے ترک پر سوال کیا گیا ہے) لیکن ان ابواب میں حاکم اصول حکمت ہے۔ اور زبان و اسلوب بیان میں حکمت مبعوث الیہم (جن کی طرف قرآن و دعوت بھیجے گئے) کی موافقت کو چاہتی ہے۔ اور آیت کریمہ لولا فصلت ... کے اندر اسی معنی کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اور نزول قرآن کے وقت تک عرب میں کوئی کتاب نہیں تھی۔ نہ آسمانی کتابوں میں سے اور نہ ہی انسانوں کی تصنیفات

گیا ہے۔ **فائدہ:۔** پوری آیت اس طرح ہے۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا الخ۔
ترجمہ:۔ اور اگر ہم اس (کتاب منزل) کو عجمی قرآن بنا دیتے تو لوگ کہتے اس کی آیتیں صاف صاف
کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ یہ کیا کہ کلام کا اسلوب تو عجمی اور رسول یا مخاطب عربی۔؟

وَمَا كَانَ الْعَرَبُ يَعْلَمُوْنَ مَا اخْتَرَعَ الْمُصَنِّفُوْنَ الْآنَ مِنَ التَّرْتِيْبِ فَاِنْ
كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّنْ هٰذَا فَتَأَمَّلْ قَصَائِدَ الشُّعَرَاءِ الْمُخَضْرَمِيْنَ وَاقْرَءْ
رَسَائِلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَكَاتِيْبَ عُمَرَ الْفَارُوْقِ رَضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُ لِيَتَّضِحَ هٰذَا الْمَعْنٰى فَلَوْ قِيْلَ بِخِلَافِ طَوْرِهِمْ لَبَقُوْا فِيْ حَيْرَةٍ
حِيْنَ يَصِلُ اِلٰى سَمْعِهِمْ شَيْءٌ غَيْرُ مَعْهُوْدٍ فَيُشَوِّشُ فَهْمَهُمْ۔

لغات:۔ اختَرَعَ الشیءَ ایجاد کرنا، یقال اختَرَعَ اللّٰہُ الکائنات یعنی پیدا کیا۔ المُخَضْرَمِیْن
المُخَضْرَم کی جمع ہے وہ حضرات جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے ہوں، ان کو
مثال میں پیش کرنے کا سبب یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت کا عربی اسلوب ان کے ذریعہ بخوبی سمجھا
جا سکتا ہے۔ رَسَائِل رِسَالَہ کی جمع ہے خطوط و مکتوبات۔

ترجمہ:۔ اور اہل عرب اس ترتیب کو جسے مصنفین نے اب ایجاد کیا ہے جانتے نہیں تھے، اور
اگر تو اس سلسلہ میں شبہ میں ہو تو شعراء مخضرمین کے قصیدوں میں غور کر لے، اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے مکتوبات اور عمر فاروقؓ کے خطوط کو پڑھ لے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے۔ لہٰذا اگر ان کے طرز کلام
کے خلاف کہا جاتا تو حیرت میں رہ جاتے جس وقت کہ ان کے کانوں میں نا آشنا و غیر مانوس چیز
پہنچتی پھر ان کی سمجھ کو تشویش میں ڈال دیتی۔

فائدہ:۔ حین یصل کے بجائے ویصل ہونا چاہئے تھا کیونکہ فارسی عبارت ہے حیرت بمانند
چوں چیزے ناآشنا بگوش ایشاں رسد فہم ایشاں را مشوش سازد، اسی کی متقاضی ہے۔

شاہ حبشہ نجاشی کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللّٰہ الی النجاشی عظیم الحبشۃ سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد

فانی احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ الا ہو الملک القدوس السلام المؤمن المہیمن واشہد
ان عیسی ابن مریم روح اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ فحملت
بعیسی فخلقہ من روحہ ونفخہ کما خلق آدم بیدہ۔ وانی ادعوک الی اللہ وحدہ لا شریک لہ
والموالاۃ علی طاعتہ وان تتبعنی وتؤمن بالذی جاءنی فانی رسول اللہ وانی ادعوک
وجنودک الی اللہ عز وجل وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصیحتی والسلام علی من
اتبع الہدیٰ۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک مکتوب میں لکھا: اما بعد فانّ
للناس نفرۃ عن سلطانہم فاعوذ باللہ ان تدرکنی وایاک عمیاء مجہولۃ وضغائن محمولۃ
واہواء متبعۃ کن من مال اللہ علی حذر وخف الفساق واجعلہم یدا یدا ورجلا رجلا
واذا کانت بین القبائل نائرۃ یا لفلان یا لفلان فانما تلک نجوی الشیطان
فاضربہم بالسیف حتی یفیئوا الی امر اللہ وتکون دعوتہم الی الاسلام۔
ایک اور تحریر: اما بعد فان القوۃ فی العمل ان لا تؤخروا عمل الیوم لغد فانکم اذا
فعلتم ذلک تدارکت علیکم الاعمال فلم تدروا ایہا تاخذون فاضعتم۔
یہ بھی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام ہے۔ (الفاروق [illegible])

وایضاً لیس المقصود مجرد الافادۃ بل الافادۃ مع الاستحضار والتکرار وھذا المعنی فی غیر المرتب اقوی واتم۔

ترجمہ: اور نیز قرآن کا مقصد محض افادہ (تعلیم) نہیں ہے بلکہ استحضار و تکرار کے ساتھ (علوم ربانی کی) فیض رسانی ہے۔ اور یہ مقصود غیر مرتب (کلام) میں زیادہ کامل و مستحکم طور پر پایا جاتا ہے۔

---

(۳) ان سالوا لم لم یجئ وزناً وقافیۃ یعتبران عند الشعراء فانہما الذ من ھذا الوزن والقافیۃ۔

ترجمہ: اگر لوگ (تم سے) سوال کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس وزن وقافیہ کو جو شعراء کے یہاں معتبر ہیں کیوں نہیں اختیار فرمایا، کیونکہ وہ دونوں (قرآن کے) ان اوزان وفواصل سے زیادہ پُرلطف ہیں۔

قُلْنَا كَوْنُهُمَا أَلَذَّ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَقْوَامِ وَالْأَذْهَانِ وَعَلَى التَّسْلِيمِ فَإِبْدَاعُ طَوْرٍ مِنَ الْوَزْنِ وَالْقَافِيَةِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ أُمِّيٌّ آيَةٌ ظَاهِرَةٌ عَلَى نُبُوَّتِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى وَزْنِ الشِّعْرِ وَقَافِيَتِهِمْ لَحَسِبَ الْكُفَّارُ أَنَّهُ هُوَ الشِّعْرُ الْمَشْهُورُ الْمَعْرُوفُ فِي الْعَرَبِ وَلَمْ يَأْخُذُوا مِنْ ذٰلِكَ الْحُسْبَانِ فَائِدَةً۔

ترجمہ: ہم کہیں گے ان دونوں کا لذیذ تر ہونا اقوام اور طبائع کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ اور برتقدیر تسلیم تو وزن وقافیہ کے کسی اسلوب کی ایجاد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جبکہ آپ امی ہیں آپ کی نبوت کی ایک واضح نشانی ہے۔ اور اگر قرآن شعراء کے وزن اور ان کے قوافی (کے نہج) پر نازل ہوتا تو کفار خیال کرتے کہ یہ تو وہی شعر ہے جو عرب میں مشہور ومعروف ہے۔ اور اس گمان (یا ناسمجھی کی وجہ) سے کوئی فائدہ نہ حاصل کرپاتے۔

فائدہ: یہاں دو جواب دیئے گئے۔ ایک انکاری ہے دوسرا تسلیمی۔ انکاری کا حاصل یہ ہے کہ شعراء کے یہاں رائج اوزان وقوافی کا قرآنی اوزان وفواصل کے بالمقابل کلی اور علی الاطلاق پسندیدہ ولذت بخش ہونا مسلّم نہیں، کیونکہ اس کا مدار طبائع پر ہے اور طبائع مختلف ہیں، چنانچہ ایک وزن ایک شخص کو بھاتا ہے اور دوسرا اس سے گھبراتا ہے ولِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشَقُونَ مَذَاهِبُ۔ بس کبھی کسی ایک قوم کی رعایت دوسروں کے لئے وحشت وتکدر کا سبب بن سکتی تھی۔

تسلیمی جواب کا حاصل یہ ہے کہ بالفرض اگر شعراء کے قوافی واوزان کو زیادہ پُرلطف مان لیا جائے تو کئی وجہوں سے جدید اسلوب ہی زیادہ مفید ومؤثر معلوم ہوتا ہے۔ (۱) نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے — امی ہونے کے باوجود — نئے طرز کلام کی ایجاد میں حیرت انگیز بلکہ معجزانہ پہلو مضمر

(۲) جدید طرز عبارت و کشش کی وجہ سے اہل عرب کے لئے خصوصی التفات کا سبب رہا۔ ورنہ تو لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا کہے جاتے۔ شکستہ معقول۔ بہرکیف کلام ربانی کو نظر انداز کر سکتے تھے۔ اس لئے قدیم اسلوب کی جگہ جدید اسلوب کو اپنایا گیا۔

فمن الحكمة في تنزيه القرآن عن الشعر الموزون مع ان الموزون من الكلام رتبته فوق رتبة غيره ان القرآن منبع الحق ومجمع الصدق وقصارى امر الشاعر التخييل بتصور الباطل في صورة الحق والافراط في الاطراء والمبالغة في الذم والايذاء دون اظهار الحق واثبات الصدق ولهذا نزه الله نبيه صلى الله عليه وسلم عنه ولاجل شهرة الشعر بالكذب سمى اصحاب البرهان القياسات المؤدية في اكثر الامر الى البطلان والكذب شعرية۔ (الاتقان ص ۱۲۳)

مترجم و محشی کے قول ولم یعتدوا الخ کی تاویل و ازالہ حساب بڑی گرفت رہ ہے۔ مولانا رشید احمد صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ "اور ہم کو کسی شمار و قطار میں نہ رکھتے۔" جس کا عرفی ترجمہ ان جیسے لفظوں سے ہونا چاہئے۔ ولم يقيموا له وزنا، يا ولم يحسبوا له حسابا۔

آگے قرآن کریم کے نادر اسلوب کے اعجاز نبوی ہونے اور کلام بشری پر تفوق و برتری کی تائید و تمثیل پیش کرتے ہوئے فرمایا:

كَمَا إِذَا اَرَادَ الْبُلَغَاءُ مِنْ اَهْلِ النَّظْمِ وَالنَّثْرِ اَنْ يُثْبِتُوا مَزِيَّتَهُمْ وَرُجْحَانَهُمْ عَلَى الْمُعَاصِرِيْنَ عَلٰى رُؤُسِ الْاَشْهَادِ اسْتَنْبَطُوْا صَنْعَةً غَرِيْبَةً ثُمَّ قَالُوْا هَلْ يَسْتَطِيْعُ اَحَدٌ اَنْ يَقُوْلَ شِعْرًا اَوْ غَزَلًا عَلٰى هٰذَا الطَّوْرِ اَوْ يَكْتُبَ كِتَابًا عَلٰى هٰذَا النَّمَطِ وَلَوْ كَانَ اِنْشَاؤُهُمْ عَلَى الطَّوْرِ الْقَدِيْمِ لَمَا ظَهَرَتْ بَرَاعَتُهُمْ اِلَّا عِنْدَ الْمُحَقِّقِيْنَ۔

ترجمہ: جیسا کہ نظم و نثر کے ارباب بلاغت جب اپنے ہم عصروں پر سرِ عام اپنی فضیلت و فوقیت ثابت کرنا چاہتے ہیں تو کوئی انوکھا اسلوب ایجاد کرتے ہیں اور چیلنج کے طور پر کہتے ہیں

کیا کوئی شخص اس طرح یہ شعر یا غزل کہنے کی یا کتاب لکھنے کی تاب سکت رکھتا ہے ؟ (اس تجدید کا اصل سبب اسلوب جدید کا اختراع ہوتا ہے) اور اگر ان کا انشاء (تقریر و تحریر) اچھے طرز پر ہو تو محققین کے سوا کسی اور کی نظر میں ان کا کمال ظاہر نہ ہو۔

فائدہ :- برع براعۃ کرم، فاق نظراءہ فی امر (المنجد) اپنے جیسوں پر فوقیت و برتری حاصل کرنا۔ کمال و تفوق۔ چونکہ اسلوب کی جدت و ندرت عوام و خواص سبھی کو متاثر کرتی ہے جس سے متکلم کا سر معاصرین میں اونچا ہوتا ہے۔ جبکہ قدیم اسلوب کے محاسن صرف خواص اور اہل تحقیق ہی کے لئے جذب و کشش رکھتے ہیں اس لئے قرآن نے نئے اور انوکھے طرز کو اپنایا۔

غزل ایسی نظم کو کہا جاتا ہے جس میں عورتوں کے محاسن اور ان کے مکالمے مذکور ہوں۔

مبحث اعجاز القرآن (ای وجوہ اعجازہ)

یہ ایک معرکۃ الآراء اور دلچسپ بحث ہے۔ علماء اسلام نے اس پر قابل قدر کتابیں اور تحقیقی رسائل لکھے ہیں ـــــ فاضل رومی بصری، قاضی باقلانی (رحمۃ اللہ) نے عربی میں اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے اردو میں "اعجاز القرآن" ہی کے نام سے کتابیں لکھی ہیں۔ اسی طرح علامہ خطابی نے "بیان اعجاز القرآن" کے نام سے اور ابو الحسن علی رمانی معتزلی نے "النکت فی اعجاز القرآن" کے نام سے کتابیں لکھی ہیں۔ اعجاز کے لغوی معنی ہیں عاجز بے بس کر دینا، تھکا دینا۔ اسی سے معجزہ ہے۔ یعنی قانون عادت عامہ کے خلاف اور عادت خاصہ کے موافق اللہ تعالیٰ کا ہر وہ فعل جو کسی نبی برحق کی تائید میں رونما ہو کر تمام مخلوق کو عاجز و حیران کر دے تاکہ مدعی نبوت کا وہ مقام و مرتبہ لوگوں پر روشن ہو جائے۔ جو اسے رب العالمین کے یہاں حاصل ہے۔ اعلم ان المعجزۃ امر خارق للعادۃ مقرون بالتحدی سالم عن المعارضۃ وھی اما حسیۃ واما عقلیۃ واکثر معجزات بنی اسرائیل کانت حسیۃ لبلادتہم وقلۃ بصیرتہم واکثر معجزات ھذہ الامۃ عقلیۃ لفرط ذکائہم وکمال افہامہم ولان ھذہ الشریعۃ لما کانت باقیۃ علی صفحات الدھر الی یوم القیامۃ خصت بالمعجزۃ العقلیۃ الباقیۃ لیراھا ذوو البصائر

(الاتقان ج ۲)

اور مولانا عبد الماجد دریابادی کے لفظوں میں۔ بشر کے محدود نقطۂ نظر اور ناقص علم

کے اعتبار سے جو مستبعد، خلاف معمول اور حیرت انگیز واقعہ کسی نبی (برحق) کی تائید میں ظاہری مادی اسباب کے بے تعلق ظہور میں آئے اُسے اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ اس لیے ان واقعات کو زیادہ سے زیادہ خلاف معمول، خلاف عادت عادۃً کہا جا سکتا ہے۔ ان کے روایتی ثبوت کا مطالبہ یقیناً کرنا چاہیے۔ لیکن اس سے تجاوز کر کے نفس امکان میں شک کرنا یا انہیں خلاف عقل یا محال قرار دینا خود اپنی کم عقلی کا اظہار کرنا ہے۔ استبعاد جو کچھ بھی ہے وہ تو صرف انسانی معیار سے ہے۔ انسان کے بہت ہی محدود و مختصر علم و تجربہ سے ہے۔ ورنہ جو قادر مطلق ہے اس کے لئے تو حسب معمول اور خلاف معمول سب یکساں ہے۔ اور غریب و مانوس کا فرق اس کے لئے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا ہے (دیکھو اعجاز القرآن علامہ شبلی اور تفسیر ماجدی دریابادی)۔ سحر و شعبدہ معمول و عادت کے مطابق ہوتے ہیں اور کرامتوں کا تعلق غیر نبی سے ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے یہ چیزیں معجزہ سے الگ تھلگ ہیں۔

اعجاز قرآنی: جس وقت سے قرآن کے جمال جہاں آرا نے غیب کی نقاب الٹی ہے اور آدم کی اولاد کو اپنے سے روشناس کرایا ہے اس کا برابر یہی دعویٰ رہا ہے کہ میں خداوند قدوس کا کلام ہوں۔ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ — إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ۔ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا ۔ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین اور خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔ قرآن کے مقابلے کی لوگ کوشش کریں گے مگر ناکام ہوں گے۔ مقابلے کے جوش میں کٹ مریں گے، اپنی مدد کے لئے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو دعوت دیں گے۔ کوئی حیلہ کوئی تدبیر کوئی داؤ پیچ اٹھا نہ رکھیں گے، اپنے آپ کو اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالیں گے۔ سارے نقصانات اور مصائب کے باوجود قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کا مثل بنانا ناممکن ہوگا۔ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔

(اعجاز القرآن ملک)

إِنْ سَأَلُوا عَنْ إِعْجَازِ الْقُرْآنِ مِنْ أَيِّ وَجْهٍ هُوَ؟ قُلْتُ الْمُحَقَّقُ عِنْدَنَا أَنَّهُ بِوُجُوْهٍ كَثِيْرَةٍ۔

ترجمہ:۔ اگر لوگ سوال کریں کہ اعجازِ قرآن کس حیثیت سے ہے؟ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ تحقیقی بات ہمارے نزدیک یہ ہے کہ وہ (اعجازِ قرآن) کسی ایک نہیں بہت سی وجوہ سے ہے۔

فائدہ:۔ اربابِ عقل و دانش قرآن کے معجز ہونے پر متفق ہیں۔ کما مرّ آنفا وکونہ خرق العادۃ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن کا یہ اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے۔ علماءِ اسلام نے اپنے اپنے مذاق کے اعتبار سے الگ الگ مختلف اسباب ذکر کئے ہیں۔ لیکن مصنف علامؒ کی رائے یہ ہے کہ قرآن کی شانِ اعجاز کو کسی ایک وجہ کے اندر محدود کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ ان ساری خوبیوں کا مجموعہ ہی سببِ اعجاز ہے۔ معتدل نظریہ اور صحیح مسلک یہی ہے۔ اہلِ تحقیق اسی کے قائل ہیں۔ اهل التحقيق على ان الاعجاز وقع بجميع ما سبق من الاقوال لا بكل واحد على انفراده۔

(الاتقان عن البرهان)

آگے اعجازِ قرآنی کے پانچ جوہری اسباب خود مصنف ذکر کر رہے ہیں۔

مِنْهَا الْأُسْلُوْبُ الْبَدِيْعُ لِأَنَّ الْعَرَبَ كَانَتْ لَهُمْ مَيَادِيْنُ مَعْلُوْمَةٌ يَرْكُضُوْنَ فِيْهَا جَوَادَ الْبَلَاغَةِ وَيَحُوْزُوْنَ قَصَبَاتِ السَّبْقِ فِيْ مُسَابَقَةِ الْأَقْرَانِ بِالْقَصَائِدِ وَالْخُطَبِ وَالرَّسَائِلِ وَالْمُحَاوَرَاتِ وَمَا كَانُوْا يَعْرِفُوْنَ أُسْلُوْبًا غَيْرَ هٰذِهِ الْأَوْضَاعِ الْأَرْبَعَةِ وَلَا يَتَمَكَّنُوْنَ مِنْ اِبْدَاعِهٖ۔ فَإِبْدَاعُ أُسْلُوْبٍ غَيْرِ أَسَالِيْبِهِمْ عَلٰى لِسَانِ حَضْرَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ أُمِّيٌّ عَيْنُ الْإِعْجَازِ۔

لغات:۔ البدیع انوکھا، نرالا۔ میادین میدان کی جمع ہے، کھلی ہوئی، خالی اور کشادہ جگہ، کنایۃً اسالیبِ کلام مراد ہیں۔ یرکضون (ن) رکضاً گھوڑے کو ایڑ لگانا، دوڑانا۔ جواد عمدہ گھوڑا

کہتے ہیں، اجواد (مذکر ہو یا مونث) اور تیز رفتار گھوڑی۔ رَجُلٌ جَوَادٌ سخی آدمی اس کی جمع اَجْوَاد، اَجَاوِد اور اَجَاوِید وغیرہ آتی ہے۔ اور فَرَسٌ جَوَادٌ کے معنی ہیں تیز رفتار (عمدہ) گھوڑا، اس کی جمع جِیَاد، اَجْیَاد اور اَجَاوِید آتی ہے۔ محاورہ ہے سمعت الیہ جوادا، یہ لفظ کراہی کی طرف چلا۔ یحرزون بقصبات اِحْرَازًا جمع کرنا۔ قَصَبَاتٌ جمع ہے قَصَبَة کی۔ بانس، نرکل۔ اَلسَّبْقُ آگے نکل جانا، سبقت لے جانا۔ کسی بھی مقابلہ میں بازی جیت لینے والے کے لئے۔ احرز قصبة السبق کا محاورہ مستعمل ہے۔ اصل عبارت "گوئے مسابقت از اقران بربودہ" ہے گویا محاورہ کا ترجمہ محاورہ سے کیا گیا ہے۔ مُسَابَقَة آگے بڑھنے میں مقابلہ کرنا۔ اَقْرَان جمع ہے قرن کی، زمانہ، اہل زمانہ، ہم عصر، ہمسر۔ اَلْاَوْضَاع الوضع کی جمع ہے جس کے اصل معنی ہیں ھیئة الشئ التی یکون علیھا، یعنی کسی چیز کی موجودہ حالت۔ لیکن یہاں طرز و اسلوب کے معنی مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ تَمَکُّن۔ تمکنت سے قادر ہونا۔ اِبْدَاع ایجاد۔ اُمّی قیل سمی بذلک لنسبته الی ام القری (راغب) قال الزجاج۔ معنی الامی الذی ھو علی صفة امته العرب فالعرب اکثرھم ما کانوا یکتبون ولا یقرءون والنبی علیه الصلوٰة والسلام کان کذلک الخ الی جبل۔ امی کے لغوی معنی ام القری یعنی مکہ والا بھی ہو سکتا ہے اور امت والا بھی۔ اور اگر ام یعنی ماں کی طرف نسبت ہو تو ماں والا بھی ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ حاصل تینوں کا ایک ہی ہوگا یعنی وہ جس نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا ہو۔ کیونکہ بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو کسی کا شاگرد نہیں ہوتا ہے۔ اور مکہ کے عربی باشندوں کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال و امتیاز یہ تھا کہ جن علوم و معارف اور حقائق و اسرار کا فیضان آپ کی ذات اقدس سے ہوا کسی مخلوق کا حوصلہ نہیں کہ اس کا عشر عشیر پیش کر سکے۔

ترجمہ: ہر ایک (وجوہ البیان میں) سے کلام کا بڑا اسلوب ہے۔ کیونکہ عربوں کے یہاں چند معلوم (و متعین) میدان تھے جن میں وہ دوڑا کرتے تھے۔ بلاغت کے گھوڑے اور معاصرین سے مقابلہ میں، قصیدوں، خطبوں، رسائل اور محاورات کے ذریعہ گوئے سبقت اُچک لیا کرتے تھے (یا بازی جیت لیا کرتے تھے) اور وہ لوگ ان چار اسلوب کے علاوہ کسی اور اسلوب سے متعارف نہیں تھے۔ اور نہ ہی اس (پانچویں اسلوب) کے ایجاد پر قدرت رکھتے تھے۔ لہٰذا ان کے

اسلوبوں کے علاوہ کسی اور اسلوب کی ایجاد حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر۔ جبکہ آپ امی بھی ہیں، عین اعجاز ہے۔

فائدہ:۔ پہلی وجہ اعجاز کا بیان ہے جس کا نام اسلوب بدیع یا جدید اسلوب ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اہل عرب کے یہاں ادب اور بلاغت میں برتری کا اظہار چار طریقوں پر ہوتا تھا۔ قصائد، خطبے اور رسائل و محاورے، باہمی گفتگو، انہیں اسالیب اربعہ میں باہمی مقابلے اور زور آزمائیاں ہوتی تھیں۔ فصاحت و بلاغت کے اولیٰ جواہر پاروں کی نمائش کے لئے بڑے بڑے میلے لگتے تھے۔ عرب اپنی کمال و طراری کی انتہائی حدوں کو چھو رہا تھا۔ ادیب اپنے زورِ بیان سے قوموں میں انقلاب برپا کرتا اور زورِ سیف و سنان کو ماند کر دیتا تھا۔ لیکن ان کی تمام تر ذہنی صلاحیتوں کا محور یہی چار اسلوب تھے۔ پانچویں طرز و اسلوب کا کسی کو وہم بھی نہ ہوتا تھا۔ مسابقت و مقابلے میں سب پر تفوق و برتری اور افتخار و سربلندی کی ہزار کوششوں کے باوجود کسی جدید طرز میں تخاطب و گفتگو ان فخر روزگار ادیبوں کے احساس و شعور سے دور و مہجور جگہ تھا۔ جن اس حالات میں نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نادر اسلوب کا پیش ہونا یقیناً حیرت انگیز و تعجب خیز ہے جس کے سمجھنے سے ارباب دانش متحیر، قاصر و درماندہ اور نظیر پیش کرنے سے قلوب و اذہان عاجز و بے بس ہیں۔

ومنها الإخبار بالقصص وأحكام الملل السابقة بحيث كان مصدقًا للكتب السابقة بغير تعلم۔

ترجمہ:۔ اور انہیں وجوہ اعجاز میں سے بغیر پڑھے لکھے خبر دینا ہے گذشتہ مذاہب کے احکام اور قصوں کی اس طرح کہ وہ سابقہ کتب کی تصدیق ہو جائے۔

فائدہ:۔ بغیر تعلم بندہ کے نزدیک الاخبار کے متعلق ہے، اور تعلم کا ترجمہ محاورہ کی روشنی میں پڑھے لکھے کر دیا ہے۔ بعض علماء نے اعجاز قرآنی کی یہ دوسری وجہ بیان فرمائی ہے کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم جو اہل کتاب سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے کبھی کسی فرد بشر سے کچھ 3

سیکھا نہیں، کتب سماویہ کے علماء اور سماوی مذاہب کے دانشوروں کی صحبت سے ہمیشہ دور رہے۔ باینہمہ گزشتہ اقوام کے مذہبی عقائد و مسائل اور ان کے قصوں کا ایسا صحیح و سچا تذکرہ جس کی روشنی میں کتب سماویہ کے گم شدہ حقائق دستیاب ہو جائیں یقیناً اعجاز اور ساری کائنات کے لئے چیلنج ہے۔ کیونکہ ذرائع علم بظاہر تین ہیں۔ مشاہدہ، مطالعہ اور مجالست۔ آقائے مکی و مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان میں سے کوئی ایک ذریعہ بھی موجود نہیں تھا۔ پہلے کی نفی کرتے ہوئے رب العلمین نے فرمایا: وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَى مُوْسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۔ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْآيَاتِ۔ دوسرے کی بھی نفی فرمائی: مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمَانُ ۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ اور تیسرے ذریعہ علم کی نفی میں ارشاد فرمایا: تِلْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۔ یہ اعجاز ہی تو ہے کہ اسباب علم مفقود ہونے کے باوجود علوم کا چشمہ صافی جاری ہے۔

وَمِنْهَا الْإِخْبَارُ بِأَحْوَالٍ مُسْتَقْبَلَةٍ فَكُلَّمَا وُجِدَ شَيْءٌ عَلٰى طِبْقِ ذٰلِكَ ظَهَرَ إِعْجَازٌ جَدِيْدٌ۔

ترجمہ:- اور ان ہی میں سے خبر دینا ہے مستقبل کے احوال کی۔ تو جب بھی کوئی چیز واقع اس پیشگوئی کے مطابق پائی جائے گی تو ایک نیا اعجاز رونما ہوگا۔

فائدہ:- مستقبل کے حالات و واقعات سے متعلق قرآنی پیشین گوئیاں بھی دلیل اعجاز ہیں کیونکہ بشری محدود قوت فکر مستقبل کے حالات و واقعات کے متعلق ایسے صحیح اندازے سے بالکل قاصر ہے۔ مثلاً فارسیوں پر اہل روم کے غلبہ کی پیشین گوئی وہ بھی ان حالات میں جبکہ اہل فارس فتح و کامرانی کا جشن منا رہے تھے عقل و خرد کی نظر میں ایک مستبعد بلکہ انہونی چیز تھی لیکن دنیا نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ قرآن کا یہ حیرت انگیز بیان حرف بحرف ثابت ہوا۔ (الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ تا يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ) کی تفسیر پڑھئے تو تفصیل معلوم ہوگی

(۲) تحویلِ قبلہ کا حکم آنے سے پہلے ہی۔ سیقول السفہاء من الناس ما ولّٰہم عن قبلتہم التی کانوا علیہا کی پیشین گوئی کر دی جبکہ خود ان سفہاء کو بھی اپنے اس احمقانہ اعتراض کی جو انہیں کرنی تھی اور کم از کم تاریخ و حدیث کی صحیح روایات کی شہادت ہے کہ تحویلِ قبلہ کے موقع پر سفہاء نے بڑے زور و شور کے ساتھ اس اعتراض کو اٹھایا تھا۔ (۳) یہود بے بہبود نے من مانا عقیدہ گھڑ لیا تھا کہ ہم کچھ بھی کریں جس طرح بھی رہیں بسیں بہر صورت ہماری پیغمبر زادگی ہمارے کام آئے گی۔ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے نسبی و نسلی رشتہ ہمیں اللہ کی ہر عقوبت و گرفت سے ہمیشہ محفوظ رکھے گا۔

قرآن کریم نے ان کے اس خطرناک اور پُر فریب نظریہ پر ضرب لگاتے ہوئے فرمایا۔ قل ان کانت لکم الدار الاٰخرۃ عند اللہ خالصۃ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صٰدقین۔ یعنی اگر یہ دعویٰ مبنی بر حقیقت اور دل کی گہرائیوں سے ہے تو اخروی نعمتوں کو حاصل کرنے کا حتمی و یقینی ذریعہ موت ہے۔ اس کی تمنا کر کے اپنی صداقت کو مبرہن و مدلل کرو۔ ساتھ ہی بے پناہ اعتماد لہجہ میں پیشین گوئی بھی کر دی۔ لن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیہم (پ) ولا یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیہم (پ) بما قدمت ایدیہم کی قید کتنی پر معنی اور بامعنی ہے کہ اعمال کو یہود نے کالعدم اور غیر مؤثر ظاہر کیا تھا قرآن نے اسی پر بالخصوص دلیل کر کے مؤثر ہونا ظاہر کر دیا۔ آج تک بحمد اللہ یہ پیشین گوئی قطعی طور پر بلا کسی تاویل و تخصیص کے ثابت ہے اور قیامت تک اسی طرح قائم رہے گی۔ ان شاء اللہ۔ (۴) سیہزم الجمع ویولون الدبر (پ) ریاست مکہ کے عین شباب، قوت و غلبہ کے سارے ظاہری آثار و قرائن کے وقت میں ایک بظاہر بالکل بے یار و مددگار شخص کی زبان سے ایسی زبردست پیشگوئی اور پھر اس کا لفظ بلفظ پورا ہو جانا اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔؟

ومنہا الدرجۃ العلیا فی البلاغۃ مما لیس مقدورا للبشر

ترجمہ۔ اور انہی (وجوہ اعجاز) میں سے بلاغت کا وہ بلند ترین مقام ہے جو انسان کی قدرت اور بس میں نہیں ہے۔

فائدہ: - مصنف علام نے اعجاز قرآنی کی تیسری وجہ یہ بیان کی کہ قرآن کریم بلاغت کے اس عظیم مرتبہ کا حامل ہے جو انسان کی قدرت سے بہت بلند و برتر ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر بہت صحیح ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بلاغت کا وہ عظیم مرتبہ کیا ہے۔ اور اس کے اسباب و علل کیا ہیں؟ انسان اس کا مثل پیش کرنے سے کیوں عاجز ہے۔؟

اس مسئلہ میں حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کا ایک قیمتی مضمون براہین قاسمیہ (جواب ترکی بہ ترکی) میں درج ہے جس میں آپ نے بلاغت قرآنی کے درجۂ علیا پر فائز ہونے کے اسباب و علل اور حضرت انسان کی اس سے عاجزی و بے بسی کو ذکر کرتے ہوئے کلام کے تین اوصاف ذکر فرمائے ہیں۔ بلاغت فصاحت، بداعت (جدید ہونا) پھر لباس و دلہن کی مثال ذکر کرکے اسے سمجھانے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے۔ ہمارے استاذ محترم مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری نے العون الکبیر میں اسکا خلاصہ اور مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی نے اس کی اصل عبارت۔ الروض النضیر میں پیش فرمائی ہے بندہ دونوں کو سامنے رکھکر ماحصل پیش کر رہا ہے۔ حضرت کے یہاں تمثیل لباس اور دلہن۔ جیسے لباس اور دلہن دو چیزیں ہیں اسی طرح کلام کے بھی دو جز ہوتے ہیں، الفاظ اور معانی۔ حضرت نے الفاظ کو لباس کے ساتھ اور معانی کو دلہن کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ پھر لباس کی تین حیثیتیں ذکر فرمائی ہیں۔

پہلی حیثیت - جو تانے بانے (اجزائے حقیقیہ) سے حاصل ہوتی ہے جس سے اصل کپڑے کی حیثیت و نوعیت بنتی ہے مثلاً کپڑے کا سوتی، ٹیریکاٹ، پولسٹر وغیرہ ہونا۔ دوسری حیثیت۔ جو عوارض خارجیہ مثلاً نقش و نگار اور رنگائی و تزئین کاری سے حاصل ہوتی ہے۔ تیسری حیثیت جو لباس کے جسمانی ساخت پرداخت یا فٹ ہونے کے اعتبار سے کپڑے کو حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح کلام میں بھی تین چیزیں ہوتی ہیں۔ (۱) الفاظ کا اصول سے ہم آہنگ اور سلیس و شیریں ہونا۔ (۲) معانی کے ساتھ حسین امتزاج اور گہری مناسبت (۳) علم بدیع کے اصول کی روشنی میں حاصل ہونے والی خوبیاں جیسے تجنیس، ترصیع، توشیح اور جمع و التفات وغیرہ۔ پہلی چیز کا نام فصاحت ہے۔ جس سے حسن ذاتی پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسری کا بلاغت ہے۔ جس کے بغیر کلام کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسے بغیر سلا ہوا یا بے ڈھب سلا ہوا کپڑا جو جسم پر یونہی ڈال لیا جائے۔

جیسا کہ تیسری چیز بلاغت کے نام سے یاد کی جا سکتی ہے جس کے بغیر کلام کی جاذبیت و کشش میں نمایاں اور قابلِ ذکر کمی محسوس کی جاتی ہے۔

اس مثال سے ہر ذکی و فہیم اور روشن دماغ آدمی سمجھ سکتا ہے کہ کسی مضمون کی ادائیگی کے لیے فصاحت و بلاغت لازمی نہیں۔ مضامین تو اصول سے ہٹے ہوئے اور ثقیل و کریہ الفاظ کے ذریعہ بھی ادا کئے جا سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ بلیغ و فصیح کلام نہ محض مضامین کا نام ہے خواہ کیسے ہی قیمتی اور نفیس ہوں، اور نہ ہی فقط الفاظ و عبارات کو کلام فصیح و بلیغ کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ مذکورہ بالا حسن انطباق پر نظر رکھ کر ہی کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اگر الفاظ عمدہ اور انطباق کامل ہوگا تو بلاغت و فصاحت بھی کامل ہوگی، ورنہ جیسے الفاظ ویسی فصاحت، اور جس درجہ کا انطباق ہوگا اسی حیثیت کی بلاغت ہوگی۔ مگر چونکہ انطباق الفاظ و معانی کی باہمی نسبت کا نام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نسبت دو اطراف سے کہیں زیادہ مخفی ہوتی ہے۔ لہٰذا نسبت کا جاننا الفاظ و معانی کے جاننے سے زیادہ مشکل ہوگا، اور اگر کہیں معانی میں بھی تقارب ہو تو انطباق اور زیادہ مخفی ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات جیسے چند معانی کے بارے میں اتحاد و وحدت کا وہم ہوتا ہے اسی طرح چند الفاظ کے بارے میں ترادف اور ہم معنی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ مثلاً حسن و جمال کی حقیقت عموماً ایک سمجھی جاتی ہے، اور بقول حضرت تھانویؒ۔ اکثر کم فہموں کے نزدیک یہ الفاظ مترادف ہیں مگر حقیقت شناسانِ معانی نہ ان کو ایک سمجھتے ہیں نہ مترادف قرار دیتے ہیں، کیونکہ جمال (جس کا مادہ جمل، جمیل، اجمل ہے۔ جو جمع و انضمام پر دلالت کرتا ہے اور اسی سے جملہ بھی مشتق ہے) جمیل کا ایسا وصف ہے جو اعضاء کے باہمی تناسب کی وجہ سے پایا جاتا ہے۔ اور حسن حسین کی ایک ضمنی صفت کا نام ہے جو دوسروں کے ادراک و شعور اور پسندیدگی سے حاصل ہوتی ہے، حضرت اقدس ہی کے لفظوں میں، حاصل یہ کہ حسن اوروں کو اچھے معلوم ہونے کا نام ہے۔ چنانچہ محاورات مثلاً، استحسنہ، اور حسن عندہٗ، اس پر شاہد ہیں۔ معلوم ہوا کہ دونوں میں ترادف نہیں ہے بلکہ حسن درحقیقت جمال پر متفرع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کج فہم و بدذوق کو غیر جمیل پسند آ جائے تو حسن بلا جمال پایا جا سکتا ہے۔ اور اس کے برعکس صورت میں جمال بلا حسن ثابت ہو جائے گا۔ اس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد آپ خود فیصلہ

کر سکتے ہیں کہ جو لوگ حسن و جمال کو ترادف کے طور پر استعمال کرتے ہیں ان کو یا ان کے کلام کو فصیح و بلیغ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

"تمام الفاظ و معانی کے مابین لطیف و دقیق فرق سے تو اہل زبان بھی واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی ماہرین ادب و لغت۔ اس لئے بلاغت کے انتہائی درجہ تک پہنچنا اور اس کی آخری حد کو چھو لینا بشر کی محدود قوت پرواز سے بہت دور ہے۔ ظاہر ہے کہ بلاغت کے اس درجہ کمال تک پہنچنے کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے وہ انسان کو کہاں میسر ہے؟ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ کے بقول، یہ علم بوجہ اتم اس کو میسر آسکتا ہے جس کو اول احاطہ جملہ معلومات ہو۔ دوسرے کم از کم کسی ایک زبان کے جملہ الفاظ پر محیط ہو۔ تیسرے حقائق جملہ اشیاء اس کے نزدیک ایسی طرح متمیز ہوں جیسے آنکھوں والوں کے سامنے دائرہ، مثلث، مخمس، مربع وغیرہ۔ چوتھے وضع کلی و جزئی اور وضع اجمالی و تفصیلی الفاظ سے مطلع ہو۔ گویا اس درجہ کمال تک رسائی حاصل کرنے کے لئے تو اولاً تمام اشیاء سے پورے طور پر واقف ہونا۔ ثانیاً تمام اشیاء کے حقائق کا ایسا تفصیلی علم جس کی روشنی میں ہر ایک کا دوسرے سے اس طرح امتیاز کر سکے جیسے دانا و بینا آدمی مشاہدہ محسوسات و مثلاً مربع، مثلث، مخمس شکلوں میں فرق کر لیتا ہے۔ ثالثاً کم از کم کسی ایک زبان کے تمام الفاظ کو جاننا۔ رابعاً الفاظ کے کلی و اجمالی اور تفصیلی و جزئی وضعوں سے واقف ہونا ضروری و ناگزیر ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کمال بلاغت، موقوف ہے کمال انطباق پر اور کمال انطباق موقوف ہے کمال علم پر اور کمال علم خاص ہے خدائے علیم و خبیر کی ذات اقدس کے ساتھ۔ لہٰذا کمال بلاغت بھی اسی کا خاصہ ہوا۔ وھاھنا انتھیٰ ما یتعلق فی غیرہ۔

ونحن لما جئنا بعد العرب الأول ما كنا لنصل إلى كنه ذلك ولكن القدر الذي علمناه أن استعمال الكلمات والتركيبات العذبة الجزلة مع اللطافة وعدم التكلف في القرآن العظيم أكثر منه في قصائد المتقدمين والمتأخرين فإنا لا نجد من ذلك فيها قدر ما نجده في القرآن وهذا أمر ذوقي يتمكن من معرفته المهرة من الشعراء وليس للعامة من الناس ذائقة في هذا الأمر۔

اللغات:۔ الاُوَل: اولیٰ بمعنی پہلے کی جمع اور العرب کی صفت ہے۔ کُنْہ: کسی چیز کی حقیقت، العذبۃ: شیریں، خوشگوار، الجزلۃ: عمدہ، المَهَرۃ: ماہر کی جمع ہے یعنی تجربہ کار و کہنہ مشق۔

ترجمہ:۔ اور ہم لوگ چونکہ متقدمین عرب کے بعد آئے ہیں اس لئے ہم اس (بلاغت) کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے ہیں جو قرآن میں ہے، لیکن وہ مقدار جسے ہم نے جانا ہے یہ ہے کہ لطافت اور بے تکلفی کے ساتھ عمدہ و خوشگوار کلمات و ترکیبات کا استعمال قرآن مجید میں متقدمین و متأخرین کے قصیدوں سے زیادہ ہے، کیونکہ مذکورہ چیز قصائد میں ہم اس مقدار میں نہیں پاتے ہیں جتنا کہ قرآن میں پاتے ہیں، اور یہ ایک ذوقی و وجدانی چیز ہے جس کی معرفت و شناخت پر ماہر شعراء ہی کو دسترس حاصل ہو سکتی ہے، اور عوام الناس کے پاس اس سلسلے میں کچھ بھی (ذوقی) استعداد نہیں ہوتی ہے (یا یوں کہو کہ عوام الناس کو اس سلسلے میں ذوق نہیں ہوتا ہے)۔

فائدہ:۔ یہ بتانا چاہتا ہے کہ اصل شیخ کے سامنے نقل کر کے وہاں جو وجوہ ملتی ہیں عرب اول متقدمین کا کلام کیا ہی تو نہ دیکھ سکے لیکن یہ اتنا تو جانتے ہیں کہ قرآن میں کلمات و ترکیبات عذبہ بکثرت ہیں

بلاغت و عدم تکلف قدمے کہ در قرآن می یابد در ہیچ قصیدہ از قصائد متقدمین و متاخرین نمی یابد

در نیابد۔ امریست ذوقی کہ مہرہ از شعراء آنرا بخوبی می توانند دانست و عوام آں ذوق را ندارند۔

(اور عوام وہ ادیبانہ و بلیغانہ ذوق نہیں رکھتے ہیں۔

تشریح: گزشتہ سطروں میں بتایا گیا ہے کہ قرآن عظیم بلاغت کے محیر العقول مرتبہ کا حامل ہے جس کے سامنے عقل انسانی بے بس ہے۔ اس سے قدرتی طور پر ذہن کے پردہ پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ بلاغت کا وہ عظیم مرتبہ کیا ہے؟ اور اس کی حقیقت تک پہونچنے کے ذرائع کیا ہیں؟ مصنف علام یہاں سے اسی سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ بلاغت قرآنی کی کنہ و حقیقت تک رسائی تو انہیں عربوں کا حصہ تھا جو فصاحت و بلاغت کی گرم بازاری کے دور شباب میں نبی امین علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن نازل ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ہمیں تو صرف چند ایسے اسباب و ذرائع کا علم ہے جن کی روشنی میں بلاغت قرآنی کی فوقیت و برتری کا ادراک کیا جا سکے۔

پہلا ذریعہ: (جو ان عبارت میں مذکور ہے) عربی شعراء اور ادیبوں کے کلام کا دلچسپی کے ساتھ مطالعہ ہے جس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کے الفاظ میں جو حسن، متانت، سلاست و روانی اور روح افزا حلاوت و لذت ہے۔ نیز اس کی ترکیب اور اسلوب میں جو شستگی، بانکپن و شکوہ ہے عرب کے کلام میں نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی ایک ذوقی و وجدانی چیز ہے جسے عربی زبان و ادب کے ماہرین ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ یہ عوام کے بس کی بات نہیں ہے۔

مصنف علام نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی تائید متقدمین کے خیالات سے بھی ہوتی ہے۔

مثلاً ابن عطیہ (م ۵۴۲ھ) کا قول ہے وانما یتبین لنا البراعۃ فی اکثرہ ویخفی علینا وجہہا فی مواضع لقصورنا عن مرتبۃ العرب یومئذ فی سلامۃ الذوق وجودۃ القریحۃ وقامت الحجۃ علی العالم بالعربیۃ۔ (الاتقان ۲)

خطابی (م ۳۸۸ھ) نے فرمایا: ذہب الاکثرون من علماء النظر الی ان وجہ الاعجاز فیہ من جہۃ البلاغۃ لکن صعب علیہم تفصیلہا وصغوا فیہ الی حکم الذوق۔ (۲)

لیکن خود خطابی اس اکثریتی رائے سے متفق نہیں۔ ان کی ذاتی تحقیق اس کے خلاف ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مستحسن کلام کے تین درجے ہیں۔ سب سے اعلیٰ درجہ ہے البلیغ الرصین الجزل یعنی وہ

پُرشکوہ کلام جس کی بلاغت میں استحکام اور فصاحت میں کمالِ حلاوت ہو، اور یہ اوسط درجہ ہے اس قسم کلام کا ہے جس میں جزالت و لطافت اور سلاست و روانی ہو اور جس کے الفاظ ذہنوں سے قریب ہوں، خطابی کے الفاظ ہیں۔ الفصیح القریب السہل۔
تیسرے درجہ پر وہ صحیح و مرتب کلام ہے جو اعلیٰ و اوسط درجہ کی بلاغت سے آزاد و خالی ہو۔ بقول خطابی۔ الجائز المطلق الرسل۔ چونکہ قرآن کریم بلاغت کی تینوں اقسام کو جامع ہے اس وجہ سے اس کے اسلوب میں عظمت اور حلاوت دونوں صفتیں جمع ہو گئی ہیں، جبکہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کیونکہ حلاوت تو سلاست و روانی کا ثمرہ ہوتی ہے۔ جبکہ عظمت و جلال میں ایک طرح کی سختی و درشتگی پائی جاتی ہے۔ یہی اجتماع ضدین گویا قرآن کی وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے وہ بلاغت و فصاحت کی حیرت کن بلندی پر فائز ہے۔ اس کے علاوہ حضرت نانوتوی کی وقیع رائے (یوسف پر گذری) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ محض ذوقی چیز نہیں ہے بلکہ اصولی ہے۔ اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اسے بیان کیا جا سکتا ہے۔ فتدبر و اللہ اعلم و علمہ اتم

خورشید انور غفرلہ ولوالدیہ ولاساتذتہ ولجمیع الامۃ۔

وايضاً تعلم من الغرابة فيه انه يلبس المعانى- من انواع التذكير والمخاصمة فى كل موضع لباساً يناسب اسلوب السور وتقصر يد المتطاولين عن ذلك وان كان احدٌ لا يفهم هذا الكلام فليتأمل مثل ايراد قصص الانبياء فى سورة الاعراف وهود والشعراء ثم لينظر تلك القصص فى الصافات ثم فى الذاريات ليظهر له الفرق وكذلك ذكر تعذيب العصاة وتنعيم المطيعين فانه يذكر فى كل مقام باسلوب جديد ويذكر مخاصمة اهل النار فى كل مقام بصورة على حدة والكلام فى هذا يطول۔

ترجمہ:- اور ہم قرآن کے احوال میں سے اس انوکھے حال کو بھی جانتے ہیں کہ وہ تذکیر و مخاصمت

کی انواع و اقسام کے مضامین کو ہر مقام پر نیا نیا لباس پہناتا ہے جو سورتوں کے طرز خاص کے مناسب ہوتا ہے۔ اور دست درازی (یعنی مقابلہ) کرنے والے کا ہاتھ اس کے دامن تک پہنچنے سے قاصر رہتا ہے۔ اور اگر کوئی اس بات کو نہیں سمجھتا ہے تو اسے سورۂ اعراف و ہود اور سورۂ شعراء میں انبیاء (علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کے قصص کے تذکرہ میں غور کر لینا چاہئے۔ پھر ان ہی قصص کو سورۂ صافات پھر سورۂ ذاریات میں ملاحظہ کرنا چاہئے۔ تاکہ اسکے سامنے ان کا بین فرق واضح ہو جائے۔ اور اسی طرح نافرمانوں کو عذاب اور فرمانبرداروں پر احسان کرنے کا ذکر ہے۔ کیونکہ وہ بھی ہر مقام پر ایک نئے اسلوب سے ذکر کیا جاتا ہے ـــ اور البتہ جنت کے ایسے مباحث کو ہر موقع پر ایک الگ طریقہ پر ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں طویل گفتگو ہو سکتی ہے۔

فائدہ:- بلاغتِ قرآنی کی فوقیت دیکھنے کا دوسرا ذریعہ متذکرہ فصاحت اور دوسرے مکرر مضامین میں اسلوب تنوع دیکھی اتنی کثرت اور سیاق و سباق کی اس ہم آہنگی کے ساتھ قادر مطلق ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارون علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں۔ ایک موقع پر ہارون پر موسیٰ کی تقدیم اور دوسرے مقام پر تاخیر سجع کی رعایت میں ہوئی ہے۔ قاضی ابوبکر باقلانی (م ۴۰۳ھ) اعجاز القرآن نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے تنوع اسلوب کے سلسلہ میں فرمایا: بل الناس فیہ اعادۃ القصۃ الواحدۃ بالفاظ مختلفۃ تؤدی معنیً واحدًا وذلک من الامر الصعب الذی تظہر فیہ الفصاحۃ وتتبین فیہ البلاغۃ ولہذا اعید کثیر من القصص علی ترتیبات متفاوتۃ ونبہوا بذلک علی عجزہم عن الاتیان بمثلہ مبتدأ بہ ومتکررًا ولو امکنہم المعارضۃ لقصدوا تلک القصۃ وعبروا عنہا بالفاظ لہم تؤدی الی تلک المعانی ونحوہا فعلی ہذا القصد بتقدیم بعض الکلمات علی بعض وتاخیرہا اظہار الاعجاز دون السجع۔ (الاتقان ج ۲)

جس سے مذکورہ علماء کی پرزور تائید ہوتی ہے۔

تذکیر بآلاء اللہ میں تنوع اسالیب کی مثال: سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ

فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ۔ اور سورۂ حجر میں
فرمایا: وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ وَجَعَلْنَا
لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ تا وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝ اور سورۂ نبا میں۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ
اَوْتَادًا سے لِنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا تک پڑھ جائیے۔ سورۂ نازعات
ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا سے مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ تک پڑھ لیجئے۔

مخاصمت میں تنوع اسالیب: (۱) وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝
(بقرہ ع ۹) (۲) وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا
بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (بقرہ ع ۱۳) (۳) وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ
اَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (المائدہ ع ۳)
(۴) لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (النساء ع ۱۸)
(۵) وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (بقرہ)
(۶) وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ
مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (کہف ع ۱)
(۷) وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ
تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ
وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ (مریم ع ۶)
(۸) وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ
يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (التوبہ ع ۵)

سورۂ اعراف میں مثلاً حضرت لوطؑ کا قصہ: وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ
بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝
فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ (ع ۱۰) سورۂ ھود میں فرمایا وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِن قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ قَالَ يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ۝ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۔ الیٰ قولہ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝ (ع ۷) اور سورۂ شعراء میں كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۝ قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ۝ الیٰ قولہ تعالیٰ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ (ع ۹) سورۂ صافات میں وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ۝ الآیات (ع ۴)

سورۂ ذاریات میں سورۂ ھود کی طرح حضرت ابراہیمؑ اور ان کے پاس آنے والے مہمان فرشتوں کے تذکرے کے ساتھ حضرت لوطؑ کا قصہ جوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی کہانی کے آخر میں ہے: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِينٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ۝ (ذاریات ع ۲)

(۵) مسئلہ تعذیب عصاۃ و تنعیم مطیعین کا تو سورۂ اقرأ میں تعذیب کو جس اسلوب میں بیان کیا گیا ہے، القارعۃ میں وہ اسلوب کہاں! اور سورۂ بینہ یعنی لم یکن میں ایک تیسرا اسلوب ہے تو سورۂ بلد میں چوتھا، اور سورۂ غاشیہ میں پانچواں اسلوب ہے تو سورۂ انفطار میں چھٹا، اور سورۂ مرسلات میں ان سب سے الگ طرز ہے۔ یہی حال ہے مطیعین پر احسان کا۔ ایک انداز ہے سورۂ مرسلات میں: إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ الخ، دوسرا انداز ہے سورۂ نبأ کا: إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا الخ، اور سورۂ تطفیف کا الگ انداز ہے: إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ الخ، اسی طرح سورۂ بروج، غاشیہ، لم یکن سب کے اسلوب

وغیرہ ایک دوسرے سے جھگڑا کرتے ہیں۔ مذکورہ سورتیں آپ کو یاد ہوں گی اسلئے صرف اشارہ کافی سمجھا گیا۔ فافہم —

اب باقی بچیں۔ خاص طور پر النار کی مثالیں قرآن سے بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

سورۂ بقرہ کا انداز۔ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا (۲:۱۶۷)

سورۂ اعراف کا اسلوب۔ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ (۷:۳۹) سورۂ ابراہیم کا انداز۔ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ (۱۴:۲۱) سورۂ ص کا اسلوب دیکھئے۔ ایک گروہ کہتا ہے هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ دوسرا گروہ کہتا ہے بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ (۳۸:۶۱) یہ ہے تخاصم اہل النار کا مختصر نمونہ ہے

انا استاذ انور نے العقول میں بڑا اچھا شعر لکھا ہے:

مزید سلسلہ حول انہ تمام کلیہ بکان العیوب الناس سے متعلق۔ لیکن شوق علم و ذوق محنت کی کمی نے اس تفصیل پر مجبور کر دیا۔ پھر غیر معانقہ کچھ زیادہ ضرورت بھی تھی۔ پھر شائقین تحقیق کے لئے ہم نے بہت کچھ چھوڑ بھی دیا ہے۔

محمد رشید نور غفر لہ و عافاہ واللہ

فی الدنیا والآخرۃ مع اساتذتہ وتلامیذہ

واشیاخہ واحبابہ۔

وايضا نعلم انه لا يتصور رعاية مقتضى المقام الذي تفصيله في فن المعاني والاستعارات والكنايات التي تكفل بهما فن البيان مع رعاية حال المخاطبين الاميين الذين لا يعرفون هذه الصناعة احسن مما يوجد في القرآن العظيم فان المطلوب ههنا ان يذكر في المخاطبات المعروفة التي يعرفها كل احد من الناس نكتة رائقة للعامة مرضية عند الخاصة وهذا المعنى كالجمع بين النقيضين

(شعر) يزيدك وجهه حسنا ؛ اذا ما زدته نظرا

ترجمہ:۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مقتضائے مقام ۔ جس کی تفصیل فن معانی میں ہے ۔ اور استعارات وکنایات ۔ جن کا کفیل علم بیان ہے ۔ کی رعایت ایسے ان پڑھ مخاطب کے حال کی رعایت کرتے ہوئے جو ان علوم سے نا آشنا ہوں اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتی جیسی قرآن مجید میں پائی جاتی ہے کیونکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ عام خطابات میں جن سے سبھی لوگ آشنا ہوتے ہیں ایسے نکات ذکر کئے جائیں جو عوام کو پسند اور خواص کی نظر میں محبوب ہوں ۔ اور یہ گویا جمع بین النقیضین کے مشابہ ہے شعر کا ترجمہ: اس کا چہرہ تیری نظر میں حسن کا اضافہ کریگا جب تو اسکے دیدار میں اضافہ کریگا۔

ز پائے تا بسرش ہر کجا کہ می نگرم ÷ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

فائدہ:۔ بلاغت قرآن کی فضیلت و فوقیت ، کو سمجھنے کا تیسرا زاویہ:۔ کلام ربانی کا ایک نادر پہلو یہ بھی ہے کہ وہ بظاہر سادہ و بے تکلف ہے، لیکن درحقیقت علمی لطائف و فنی نکات کا عظیم گلدستہ ہے، اس میں جہاں عرب کے ناخواندہ اور ادب عربی کی اصطلاحات سے ناواقف عوام کی رعایت ہے وہیں معانی ، بیان اور بدیع کی فنی و علمی اصطلاحات سے واقف طبقۂ خواص کے لئے بھی دلچسپی کا بھرپور سامان موجود ہے۔ گویا بیک وقت دو متضاد و متقابل اصول اور خواہشات کی رعایت کی گئی ہے جس کی نزاکت و پیچیدگی کا اندازہ زبان و بیان سے دلچسپی رکھنے والوں کو خوب ہے۔ ظاہر ہے کہ ۔ وحی ربانی ، کا یہ پہلو جس کی نظر میں بھی ہوگا وہ اس کی اعلیٰ ترین بلاغت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ اور جتنی گہری نظر والے کا قرآن کا حسن

اتنا ہی زیادہ نکھر کر اس کے سامنے آئیگا۔ سچ ہے یزیدک وجہہ الخ

نوٹ:۔ گذشتہ صفحات میں کہیں لکھا جا چکا ہے کہ اہل تحقیق کی نظر میں اعجاز قرآن کی بنیاد ان وجوہ کے پورے مجموعہ پر ہے جنہیں اہل تفسیر ذکر کرتے ہیں۔ لیکن قاضی عیاض کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے ہر وجہ، اسلوب غریب اور بلاغت کا مرتبہ علیا، الگ الگ مستقل نوع ہیں اعجاز کی۔ بخلاف ابن زملکانی الاعجاز فی مجموع البلاغۃ والاسلوب فھذا ھو التحقیق۔

(انظر الاتقان ص۲۲ اعجاز القرآن الباقلانی ص)

ومن جملة وجوه الاعجاز ما لا يتيسر فهمه لغير المتدبرين في اسرار الشرائع وذلك ان العلوم الخمسة نفسها تدل على ان القرآن نازل من عند الله لهداية بني آدم كما ان عالم الطب اذا نظر في القانون ولاحظ تحقيقه وتدقيقه في بيان اسباب الامراض وعلاماتها ووصف الادوية لا يشك ان المؤلف كامل في صناعة الطب كذلك اذا علم عالم اسرار الشرائع ما ينبغي القاؤه على افراد الناس في تهذيب النفوس ثم تأمل في الفنون الخمسة يتحقق ان هذه الفنون قد وقعت موقعها بوجه لا يتصور احسن منه والنور يدل بنفسه على نفسه

ترجمہ:۔ اور تمام وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ وہ ہے جس کا سمجھنا اسرار شریعت میں غور کرنے والوں کے سوا (کسی اور) کے لئے آسان نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ علوم پنجگانہ بنفسہا بتاتے ہیں کہ قرآن بنی آدم کی ہدایت کے لئے اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے جیسے کہ طب کا عالم جب "قانون" (نامی کتاب) کا مطالعہ کریگا، اور امراض کے اسباب علامات اور دواؤں کے بیان میں اس کی تحقیقات و تدقیقات پر نظر ڈالیگا تو اس میں شک نہیں کریگا کہ مؤلف القانون فن طب میں ماہر ہے۔ اسی طرح جب رموز شریعت سے واقف شخص ان تعلیمات کو جانتا ہے جو تہذیب نفوس کے لئے بندوں کو جن کی تعلیم ضروری ہے پھر علوم پنجگانہ پر غور و فکر کرتا ہے تو

تحقیق کے ساتھ یہ جان لیتا ہے کہ یہ علوم (قرآن کے صفحات میں) ایسے برمحل واقع ہوئے ہیں جن سے بہتر کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ہے۔ اور یہ بدیہات خود اپنے آپ کو جتاتا ہے۔ شعر

آفتاب آمد دلیل آفتاب ٭ گر دلیلت باید از وے رو متاب

فائدہ: ۔ قرآن کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ اس کے علوم تجگانہ بدیہات خود قرآن کے کلام الٰہی ہونے کو واضح ثبوت ہیں لیکن ہر کسی و ناکس کے لئے نہیں بلکہ صرف ان کے لئے جو غور و فکر کر کے ہدایت ربانی کے مقصد اور بشریت کی اصلاح و فلاح کے لئے ان علوم کی ضرورت و افادیت کا صحیح اندازہ لگا سکیں کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کے سامنے یہ حقیقت کھل کر آجاتی ہے کہ قرآن کے ہر حکم، ہر پیغام اور ہر آیت میں انسان کی فطرت و نفسیات کا بھرپور لحاظ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ معانی کی بلندی، مطالب کی جامعیت اور مضامین کی ندرت میں بے نظیر ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی کامل رعایت کے ساتھ ایسا جامع و ہمہ گیر قانون ہدایت وہی پیش کر سکتا ہے جو انسان کے ظاہری و باطنی اور مستقبل و حال کے احوال سے کلی واقفیت رکھتا ہو۔ آپ خود ہی فیصلہ کریں، خالق انسانیت کے علاوہ ایسی کامل العلم ذات کہاں کی ہو سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ کی تفسیر مثله في البلاغة کے بجائے مثله في الهداية سے کی ہے۔ اور اپنے اس خیال کی تائید میں آیت کریمہ ، قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۔ کو پیش کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۔ القانون: شیخ ابو علی حسین بن عبد اللہ بن حسن بن علی بن سینا (از ۳۷۰ھ تا ۴۲۸ھ) کی طب پر تصانیف میں نہایت قیمتی اور معرکۃ الآراء کتاب ہے جو۔ قلعہ فردجان میں مقید ہو کر لکھی گئی ہے۔ اسپین، روم اور فرانس کی یونیورسٹیوں میں اب تک فن طب کی امتیازی بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ (المنجد ص ۴۴۲)

۔ ان پانچ وجوہ اعجاز کی تفصیل تھی جن کو محقق اسرار شریعت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ لیکن ابن سراقہ (م [illegible]) کے بقول، اعجاز قرآنی کی مختلف وجوہ علماء نے بیان کی ہیں اور سب حکیمانہ مبنی بر صحت ہیں۔ لیکن اس مقدار کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں جو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اس کے کلام بلاغت نظام میں ودیعت کی گئی ہیں۔ (از الاتقان)

کی خاطر مزید چند اہم وجوہِ اعجاز ہدیۂ ناظرین ہیں۔

(۱) ابو سلیمان احمد بن محمد الخطابی (متوفی ۳۸۸ھ یا ۳۸۶ھ) قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض المالکی الاندلسی (م ۵۴۴ھ) اور ابن ابی الاصبع زکی الدین عبد العظیم المصری (م ۶۵۴ھ) کے نزدیک قرآن کا ایک اعجاز اس کی حیرت انگیز تاثیر بھی ہے جس کے ذریعہ وہ موافق و مخالف ہر ایک کے دل و دماغ پر چھا سکتا ہے بڑے سے بڑے دشمن سے ما ہو قول البشر کا اقرار کروا دیتا ہے۔ اور مردہ قلوب میں زندگی کی تازہ لہر دوڑا کر حیاتِ ابدی کا عرفان کرا دیتا ہے۔ یہی سبب ہے، ارشادِ ربانی یُلْقِی الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ میں رب العالمین نے قرآن کو اسی حیثیت سے روح فرمایا ہے کہ وہ حیاتِ ابدی کا ذریعہ ہے وھذا الطرق [illegible]
ولنصره قیل شعره: اندی علی الاکباد من قطر الندی ÷ والذ فی الاجفان من سنة الکری

(۱) [illegible] اعجاز القرآن للباقلانی صفحہ [illegible] والاتقان صفحہ [illegible]

حضرت جبیر بن مطعم خود یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ پر پہنچے اور أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ تک پڑھا تو میرے دل کی حالت یہ تھی کہ گویا اب دل سینے سے نکل پڑے گا، فرماتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کی قبولیت میرے دل میں جم گئی۔ ان کے علاوہ کتنے لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ آیاتِ قرآنیہ سنتے وقت جاں بحق ہو گئے۔ اور ان کا تذکرہ علماء نے مستقل کتابوں میں کیا ہے۔ (الاتقان صفحہ [illegible])

دل را اثر روئے تو گل پوش کند ÷ جاں را سخن خوب تو مدہوش کند
آتش کہ شرابِ وصل تو نوش کند ÷ از لطفِ تو سوختن فراموش کند

(حضرت عمر، حضرت طفیل بن عمرو دوسی اور حضرت خالد عدوانی رضی اللہ عنہم کا قبولِ اسلام تاثیرِ قرآن ہی کا ثمرہ تھا، جس کے واقعات الروض الانف کے علاوہ تاریخ و حدیث کی کتابوں میں بھی ثبت ہیں۔)

لیکن قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض المالکی الاندلسی (م ۵۴۴ھ) نے اس معجزانہ تاثیر کو اسبابِ اعجاز کے بجائے خواصِ قرآن میں شمار کیا ہے۔ جیسا کہ قاضی صاحب کی رائے میں

"قرآن کی محبوبیت، اور کثرت تلاوت کی وجہ سے اکتاہٹ و بے التفاتی کے بجائے احساس لطف و حلاوت اور دلچسپی میں زیادتی، یہی قرآن کے خواص و فضائل میں سے ہے۔ جبکہ جامع علوم و معارف ہونے کو، بلاغت قرآنی میں شامل کردیا ہے۔" (الاتقان ج ۲ ص ۱۲۲)

(۲) دلوں میں پوشیدہ ایسے احوال کو ظاہر کرنا جن تک کسی انسان کی رسائی ہو ہی نہیں سکتی ہے مثلاً إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا (پ ۴) وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُولُ (پ ۲۸) وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ (پ ۹) وَإِخْبَارُهُ عَنِ الْيَهُودِ أَنَّهُمْ لَا يَتَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ أَبَدًا۔ (انظر الاتقان ۱۲۲/۲)

(۳) قال حازم في منهاج البلاغة: وجه الإعجاز في القرآن من حيث استمرت الفصاحة والبلاغة فيه من جميع أنحائها في جميعه استمرارا لا يوجد له فترة ولا يقدر عليه أحد من البشر وكلام العرب ومن تكلم بلغتهم لا تستمر الفصاحة والبلاغة في جميع أنحائها في العالي منه إلا في الشيء اليسير المعدود ورونقه فلا تستمر لذلك الفصاحة في جميعه بل توجد في تفاريق وأجزاء منه۔ (الاتقان ۱۲۲/۲)

(۴) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اُمی ہونا۔ کیونکہ جس نے چالیس برس تک نہ کسی ظاہری معلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہو، نہ کبھی قلم ہاتھ میں لیا ہو، نہ کبھی کتاب کھولی ہو، نہ کسی درسگاہ میں بیٹھا ہو، نہ کوئی قصیدہ لکھا ہو۔ نہ مشاعروں میں شریک ہوا ہو، اپنی طرف سے ایسا کلام ہرگز نہیں پیش کرسکتا ہے۔ ارشاد ربانی: وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ، اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ اور رب العالمین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ کا جو اعلان کرایا ہے اس میں آپ کی قبل بعثت زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے ساتھ یہ پہلو بھی یقیناً شامل ہے۔

علامہ عثمانی کی تحقیقات کے بعد ایک نظر نظام معتزلی کے نظریہ پر بھی ڈالتے چلیں، جن کا کہنا ہے کہ قرآن کے معجز ہونے کی بنیاد "سلب قدرت" ہے یعنی اہل عرب سے قرآن

کی نظیر پیش کرنے کی اہلیت تو تھی لیکن تحدّی کے وقت ان کی صلاحیتوں کو چھین لیا گیا۔ علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں وھذا قول فاسد بدلیل قوله تعالیٰ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا فانه یدل علی عجزهم مع بقاء قدرتهم ولو سلبوا القدرة لم یبق فائدة لاجتماعهم لمنزلته منزلة اجتماع الموتى ولیس عجز الموتى مما یحتفل بذكره۔

علامہ نے نظام معتزلی کی تردید میں دوسری بات یہ بتائی کہ باجماع امت اعجاز کی نسبت قرآن کی طرف کی جاتی ہے۔ اور اسی کو معجزہ بتایا جاتا ہے جبکہ سلب قدرت کا نظریہ اس کا متقاضی ہے کہ اعجاز کی نسبت (خلاف اجماع) اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے۔ کیونکہ اہلیت اسی نے چھینی ہے تو عاجز کرنے والا وہی ہوا۔

قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی اس قول کی تردید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے اگر سلب قدرت کو وجہ اعجاز مانا جائے تو نفس قرآن کی نہ کوئی اہمیت و برتری ہی ثابت ہو سکے گی اور نہ اسے معجزہ کہنا صحیح ہوگا۔

اقول: یہ تو مسلم ہے کہ اس سے قرآن کی فضیلت ذاتیہ نہیں ثابت ہو سکے گی لیکن دوسرے نظریہ پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ قرآن کا اصل اعجاز یہ ہے کہ کوئی مخلوق اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی ہے۔ یہ اعجاز بہرحال ثابت ہے۔ خواہ اس کا سبب قرآن کے اندرونی کمالات ہوں یا مقابلہ کی اہلیت سے محرومی و سلب قدرت

تم الباب الثالث بعون الله تعالى ولا حول ولا قوة إلا بالله العزيز الحكيم

الباب الرابع

في بيان فنون التفسير وحل اختلاف ما وقع في تفسير الصحابة والتابعين

ليعلم أن المفسرين فرق مختلفة جماعة منهم قصدوا رواية آثار مناسبة للآيات حديثا مرفوعا كان أو موقوفا أو قول تابعي أو خبرا إسرائيليا وهذا مسلك المحدثين وفرقة منهم قصدوا لتاويل آيات الصفات والأسماء فما لم يكن موافقا لمذهب التنزيه صرفوه عن الظاهر وردوا على المخالفين تمسكهم ببعض الآيات وهذا طريق المتكلمين وقوم استنبطوا أحكاما فقهية وترجيح بعض المجتهدات على بعض وأوردوا الجواب عن تمسك المخالف وهذا طريق الفقهاء الأصوليين وجمع أوضحوا نحو القرآن ولغته وأوردوا شواهد كلام العرب في كل باب موفورة تامة وهذا منصب النحاة اللغويين وطائفة يذكرون نكات المعاني والبيان بيانا شافيا فيقضون حق الكلام وهذا طريق الأدباء ومنهم من يروي قراءات القرآن المأثورة عن الأساتذة ولا يترك في هذا الباب دقيقة وهذا صفة القراء وجماعة يتكلمون بنكات متعلقة بعلم السلوك أو علم الحقائق بأدنى مناسبة وهذا مسلك الصوفيين وبالجملة الميدان واسع وكل يقصد تفهيم معنى القرآن وكل يخوض في فن فيتكلم بقدر قوة فصاحته وفهمه وبالنظر إلى مذهب أصحابه ومن ثم كان في التفسير سعة لا يمكن تقريرها ووجد فيه كتب كثيرة لا يحصرها عدد[1]۔

---

[1] فارسی عبارت " ازیں جہت فن تفسیر وسعتے پیدا کرد کہ بتقریر راست نیاید و کتب بسیار از حد" کے مطابق عربی عبارت : فصار فن التفسير . واسعا لا يمكن ضبطه ووجد فيه الخ ۔

اللّغات۔ مذہب تنزیہ سے وہ مسلک اہل سنت والجماعت مراد ہے جس میں باری تعالیٰ کو مخلوق کی مماثلت ومشابہت سے بعید سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کی ذات وصفات کی تشریح میں لیس کمثلہ شیء کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ تشبیہ مقام ومرتبہ اور عقیدہ جو مناسب۔

ترجمہ۔ جو تعارض تفسیر کے مختلف اقوال اور اس اختلاف کے حل کے بیان میں جو صحابہ وتابعین کی تفسیروں میں پائے جاتے ہیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ مفسرین کی مختلف جماعتیں ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت نے آیات کے مناسب آثار کو نقل کرنے کا ارادہ کیا ہے خواہ مرفوع حدیث ہو یا موقوف، تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی خبر۔ اور یہ محدثین کا طریقہ ہے[1]

اور دوسری جماعت نے اللہ کی صفات واسماء کی آیات کی تاویل کی طرف رخ کیا۔ اور جو آیات مذہب تنزیہ کے موافق نہ ہوئیں انہیں ظاہر سے ہٹا دیا۔ اور مخالفین کو بعض آیات سے ان کے تعلق (یعنی استدلال) کا جواب دیا۔ ... یہ متکلمین کا طریقہ ہے[2]

اور ایک جماعت نے فقہی احکام کا استنباط اور بعض مجتہدات کی بعض پر ......[3] ترجیح کا کام کیا اور مخالف کے استدلال کا جواب دیا۔ یہ اصولی فقہاء کا طریقہ ہے[4]۔

---

[1] جیسا کہ ابن جریرؒ نے جامع البیان میں سیوطیؒ نے درِ منثور میں اس کا اہتمام کیا ہے۔ اور امام بخاری وترمذی وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں میں یہی کیا ہے۔ (مترجم الفوز ص ۵۲) اس مقام پر تمثیل میں امام بخاری کو پیش کرنا درست نہیں کیونکہ امام بخاری نے صحیح میں اپنی تفسیر میں اسرائیلیات کا ذکر نہیں فرمایا الا اسرائیلیات کی تصحیح .... الجملہ شرح ۲ وہ بیان کی تصدیق اسرائیلیات از مترجم ندوۃ دیوبند)

[2] جیسا کہ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اور علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی (متوفی ۷۱۰ھ) نے مدارک التنزیل وحقائق التاویل میں اس کا اہتمام کیا ہے۔

[3] فارسی عبارت وترجمہ۔ استنباط احکام فقہیہ وترجیح بعض مجتہدات بر بعض وجواب تمسک مخالف ایراد کردند کے پیش نظر ترجیح بعض المجتہدات علی بعض۔ احکام فقہیہ ہر مناسب نہیں معلوم ہوا جیسے نقل مصنف کو ترجمہ کیا۔ خورشید انور عفی عنہ۔ [4] جیسا کہ مشہور محقق علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح القرطبی الاندلسی (متوفی ۶۷۱ھ) نے الجامع لاحکام القرآن میں امام ابوبکر جصاص رازی نے احکام القرآن میں اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے تفسیر مظہری میں کیا ہے۔ اور عہد قریب میں علامہ محمد علی الصابونی کی روائع البیان بھی بہت عمدہ ہے۔

اور ایک جماعت نے قرآن کے نحو و لغات کی وضاحت کی ہے۔ اور ہر باب میں کلام عرب کا ایک مکمل شواہد پیش کئے ہیں۔ اور یہ لغوی نحویوں کا منصب مقام ہے[1]۔ اور ایک جماعت معانی و بیان کے نکات کو تسلی بخش وضاحت کے ساتھ ذکر کرتی ہے[2]۔ اور کلام (بحث) کا حق ادا کر رہی ہے۔ یہ طریقہ ہے ادیبوں کا۔ اور ان (مفسرین) میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو قرآن کی ان قراءتوں کو نقل کرتے ہیں جو اساتذہ قراءات سے منقول ہیں۔ اور اس باب میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے ہیں[3] اور یہ قاریوں کا طریقہ ہے۔ اور ایک جماعت ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے علم السلوک یا علم الحقائق سے تعلق رکھنے والے نکات (و لطائف) بیان کرتی ہے۔ اور یہ صوفیاء کی روش ہے۔

الحاصل (تفسیر کا) میدان وسیع ہے۔ اور (قرآن کے خدام کا) ہر ایک (طبقہ) قرآن کے معانی کہنا چاہتا ہے۔ اور ہر ایک کسی خاص فن میں گھستا ہے۔ پھر اپنی قوت گویائی و دانائی کے مطابق اور اپنی جماعت کے مسلک کی رعایت میں گفتگو کرتا ہے۔ اس وجہ سے (فن) تفسیر میں ایسی وسعت ہو گئی جس کا بیان کرنا نا ممکن ہے۔ اور اس میں اتنا زیادہ کتابیں ہو گئیں کہ کوئی عدد ان کا احاطہ نہیں کر سکتا ہے۔

فائدہ:۔ علم السلوک یا علم الحقائق۔ سے تصوف مراد ہے جس میں متقدمین و متاخرین صوفیائے کرام کے دستور و آداب کے مطابق مجاہدات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے اور رذائل سے نفس کا تزکیہ کرنے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عاشق اور ان کی اطاعت کا خوگر بننے کے اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

---

[1] جیسا کہ نحو و لغت میں فراء کی معانی القرآن ہے اور ابو حیان اندلسی غرناطی (متوفی ۷۴۵ھ) [illegible] نے البحر المحیط ہیں اور لکھی ہیں: [illegible] ابو اسحاق الزجاج (متوفی ۳۱۱ھ) نے [illegible] الوسیط [illegible] کیا ہے۔ [illegible] اسرار [illegible]

[2] جیسے علامہ جار اللہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) کی کشاف ہے اور علامہ ابو السعود (متوفی ۹۸۲ھ) [illegible] الی [illegible] المعروف بتفسیر ابو السعود میں [illegible] ہے۔ [illegible]

[3] جیسا کہ ابو عمرو الدانی نے التیسیر [illegible] اور امام ابن الجزری نے طیبة النشر فی القراءات العشر میں قراءات عشرہ کو [illegible] اور [illegible] الحصری [illegible] قراءات شاذہ کو بڑے اہتمام سے جمع کیا ہے۔ اور شیخ ابو البقاء عکبری [illegible] نے املاء ما من به الرحمن من وجوہ الاعراب والقراءات فی جمیع القرآن میں تمام قراءتوں کو جمع فرمایا ہے۔ (مباحث فی علوم القرآن)

ان اصولوں پر چلنے والے انسان پر بہت سی ایسی حقیقتیں منکشف ہو جاتی ہیں جو عام حالات میں پردے میں چھپی رہتی ہیں۔ تصوف کی پہلی منزل ان اصولوں پر عمل کرنا ہے، اسے "سلوک" کہا جاتا ہے اور دوسری منزل ان حقائق تک پہنچنا ہے، جسے "علم الحقائق" کہا جاتا ہے۔[1] مزید تشریح کے لئے بحر تصوف کے کسی شناور سے رابطہ قائم کریں۔

آیات قرآنیہ کے تحت صوفیائے کرام سے ایسی باتیں منقول ہیں جو بظاہر تفسیر معلوم ہوتی ہیں۔ مگر وہ آیت کے ظاہری اور ماثور معانی کے خلاف ہوتی ہیں۔ مثلاً "قاتلوا الذین یلونکم من الکفار" کے تحت بعض صوفیاء نے کہا۔ "قاتلوا النفس فانها تلی الانسان"۔[2] گویا کفار میں نفس امارہ کو بھی داخل کر دیا۔ صوفیائے کرام کے اس قسم کے اقوال چند شرائط کے ساتھ قابل قبول اور روا ہو سکتے ہیں۔

(۱) ان اقوال کو تفسیر نہیں بلکہ محض وجدانی استنباط کی حیثیت دی جائے۔ (۲) یہ اقوال قرآن میں تحریف کو مستلزم نہ ہوں۔[3] (۳) کسی آیت کے ظاہری مفہوم یا شریعت مطہرہ کے کسی طے شدہ اصول کے خلاف نہ ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی شرط اگر فوت ہو جائے تو تصوف نہیں الحاد و زندقہ ہے۔

قال تعالیٰ: ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا۔

اس سلسلہ کی مشہور ترین کتاب وہ ہے جس کی نسبت شیخ محی الدین ابن عربی (متوفی ۶۳۸ھ) کی طرف کی جاتی ہے۔ اگرچہ اکثر علماء اس نسبت کو درست نہیں قرار دیتے ہیں۔

---

[1] علم السلوک معالم المبادی وعلم الحقائق معالم الغایات۔ (الموافقات) [2] آیت کا ترجمہ: ان کافروں سے قتال کرو جو تم سے متصل ہیں۔ قول صوفیاء کا ترجمہ: نفس سے قتال کرو کیونکہ وہ انسان سے متصل ہوتا ہے۔

[3] جیسے ایک شخص نے آیت کریمہ "من ذا الذی یشفع" کے تحت کہا: یہ اصل میں "من ذل ذی یشف ع" ہے۔ "ذی" سے مراد نفس ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو نفس کو ذلیل کرے گا شفا پا جائے گا، "ع" یاد رکھو۔ علامہ سراج بلقینی نے فرمایا: ایسا کہنے والا ملحد ہے۔ (علوم القرآن، الاتقان ج ۲ نوع ۷۸)

[4] البتہ جو لطیف قریب تفاسیر ہیں، قابل قبول ہیں بلکہ مروی ہیں جو کلام باری کی عمیق حقیقتوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔ جیسے "الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا فاذا انتم منه توقدون" کی تفسیر میں ابو عبد الرحمن کا قول کہ شجر سے مراد ابراہیم اور نار سے نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور "فاذا انتم منه توقدون" سے "تقتبسون الدین" مراد ہے۔ (دیکھئے: اتقان نوع ۷۸ ج ۲]

دوسری کتاب کا نام "حقائق التفسیر" ہے جسے ابوعبدالرحمٰن سُلمی نے لکھا تھا اس کا تذکرہ علامہ سیوطیؒ نے "الاتقان" میں کیا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں مفسّر واحدی کا فتویٰ تھا "فلو کان قد اعتقد ان ذلك تفسیر فقد کفر"۔

علامہ آلوسیؒ "روح المعانی" میں "التفسیر من باب الاشارۃ فی الآیات" کے عنوان سے اور مفسر تھانویؒ "بیان القرآن" میں "مسائل السلوک" کے عنوان سے جو کچھ نقل کرتے ہیں وہ بھی اسی قبیل کی چیز ہوتی ہے۔ بہرحال مذکورہ شرائط کے ساتھ یہ اقوال قابلِ قبول ہیں۔ سیوطیؒ نے اتقان میں لکھا ہے۔ "واما ما یذھب الیه بعض المحققین من ان النصوص علی ظواھرھا ومع ذلك فیھا اشارۃ خفیۃ الی حقائق تنکشف علی ارباب السلوك یمکن التطبیق بینھا وبین الظواھر المرادۃ فھو من کمال الایمان ومحض العرفان" (جزو ثانی ص [illegible])

ترجمہ: ارباب تحقیق کا مذہب کہ نصوص قرآنی اپنے ظاہری معانی کے ساتھ ساتھ ایسے دقیق معانی ومضامین کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جو اہلِ تصوف ہی پر منکشف ہوتے ہیں، اور ان کشفی وظاہری معانی کے درمیان تطبیق بھی ممکن ہوتی ہے، تو وہ خلافِ شرع نہیں ہے بلکہ ایمانی کمال اور عرفانی مذاق کی دین ہے۔

قاضی بیضاویؒ نے اس کے جواز پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "لکل آیۃ ظھر وبطن ولکل حد مطلع" سے استدلال کیا ہے۔ قاضی صاحب کی رائے میں ظہر سے مراد آیت کا وہ معنی ہے جو شانِ نزول سے واقفیت رکھنے والے عربی داں شخص کے لئے واضح ہو، حسبِ قاعدۂ تفسیر ہو۔ اور بطن سے آیت کے وہ مخفی اشارات وکنایات اور دقائق معانی مراد ہیں جو خدا اور خاصانِ خدا کے درمیان راز ہوتے ہیں۔

ولکل حد مطلع کے معنی ہیں کہ ظہر وبطن میں سے ہر ایک پر مطلع ہونے واقفیت کے الگ الگ طریقے ہیں، ظاہری معنی پر اطلاع پانے کا طریقہ عربی دانی، شانِ نزول کی واقفیت اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ کی معرفت ہے۔ اور بطن سے باخبر ہونے کا طریقہ ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن ہے۔ حدیث شریف میں ہے من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم یعلم۔

(دیکھئے بیضاوی مع حواشی ص [illegible])

وَتَصَدَّتْ جَمَاعَةٌ جَمْعًا، فَتَكَلَّمُوا بِالْعَرَبِيَّةِ مَرَّةً وَبِالْفَارِسِيَّةِ أُخْرَى وَتَفَرَّقُوا مِنْ حَيْثُ الْإِخْتِصَارِ وَالْإِطْنَابِ وَوَسَّعُوا أَذْيَالَ الْعُلُومِ

ترجمہ:- اور ایک جماعت نے ان (مذکورہ علوم) کو جمع کرنے کا ارادہ کیا، چنانچہ مفسرین (کے ان مختلف طبقوں) نے عربی زبان میں بھی کلام کیا اور فارسی میں بھی اور اختصار واطناب کے اعتبار سے باہم مختلف رہے۔ اور علم کے دامن کو وسیع کر دیئے۔

ف:- اس مختصر سی عبارت میں ماتن نے ایک تو مفسرین کے اس طبقہ کا تذکرہ فرمایا ہے جنہوں نے روایت ودرایت، فقہ، حدیث، فصاحت وبلاغت، تصوف وکلام اور نحو وصرف سبھی علوم کو اپنی تفسیروں میں جمع کر دیا ہے چنانچہ چھٹی صدی میں امام رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ) نے اس نوع کی جامع ترین تفسیر لکھی ہے جس کا نام مفاتیح الغیب ہے جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔ تیرہویں صدی میں محقق بغداد علامہ آلوسی حنفی (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے روح المعانی کے نام سے ایک جامع ترین تفسیر تصنیف فرمائی ہے۔ اسی طرح جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بیان القرآن بھی جامعیت کی نرالی شان رکھتی ہے۔

ماتن نے دوسری بات یہ بتائی کہ حضرات مفسرین نے تفسیر کا کام کسی ایک زبان تک محدود نہیں رکھا بلکہ عربی وفارسی دونوں زبانوں میں قرآن کی خدمت کی گئی ہے۔ مثلاً فارسی زبان میں ایک ترجمہ حسن بن محمد القمی المشتہر بہ نظام نیشاپوری ثم دولت آبادی کا ہے جو آٹھویں صدی کے علماء میں سے ہیں۔ حضرت مولانا علی میاں ندوی کے بقول: اس سے پہلے کسی فارسی ترجمہ کا سراغ نہیں ملتا ہے۔

دوسرا ترجمہ قرآن وہ ہے جو شیخ سعدیؒ کی طرف منسوب ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ علامہ سید شریف علی الجرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) کا کیا ہوا ہے[1]۔

اور اب الحمد للہ قرآن کریم کے تراجم وتفاسیر تمام عالمی زبانوں میں دستیاب ہیں۔ تیسری بات یہ بتائی کہ بعض مفسرین نے ایجاز واختصار سے کام لیا ہے، جیسے علامہ ابو السعود اور علامہ ابو البرکات وغیرہ اور بعض نے اطناب وتفصیل اختیار کی ہے جیسے امام رازی، علامہ آلوسی اور علامہ ابن کثیر وغیرہ۔

---

[1] مستفاد از تاریخ دعوت وعزیمت ج۴ ص ۱۴۵۔ مزید تفصیل کے لئے مباحثہ تراجم قرآن کا مطالعہ مفید ہوگا۔

وقد حصل للفقير بحمد الله وتوفيقه۔ في كلٍّ من هذه الفنون مناسبةٌ، وأدركتُ أكثرَ أصولِها وجملةً صالحةً من فروعِها فتحقق لي نوعٌ من الاستقلالِ والتحقيقِ في كلِّ بابٍ بحيثُ يشبهُ الاجتهادَ في المذهب وأُلقيَ في الخاطرِ من بحرِ الفيضِ الإلهي فنانِ أو ثلاثةٌ من فنونِ التفسيرِ غيرِ الفنونِ المذكورة۔

ترجمہ:۔ اور فقیر کو اللہ کے فضل و توفیق سے ان تمام فنون سے خصوصی مناسبت حاصل ہے۔ اور مجھے ان (فنون) کے اکثر اصول اور بقدر ضرورت فروع کا ادراک حاصل ہے جس کی وجہ سے مجھے ہر باب میں خاص قسم کی تحقیق اور استقلال میسر ہے جو اجتہاد فی المذہب کے مشابہ ہے اور میرے قلب پر اللہ تعالیٰ کے فیض سے مذکورہ فنون کے علاوہ فن تفسیر کے مزید دو یا تین فنون کا القا کیا گیا ہے

ف:۔ اجتہاد فی المذہب: اپنے امام مجتہد مطلق کے طے کردہ اصول کی روشنی میں دلائل شرعیہ سے مسائل مستنبط کرنے کی استعداد کا نام ہے۔ مجتہد فی المذاہب وہ مجتہد ہے جو اپنے امام کے طے کردہ اصول کے مطابق ادلۂ شرعیہ سے استنباط کرتا ہے (از مترجم زید فضلہ)

حضرت ماتن کا مقصد یہ ہے کہ فن تفسیر کے قدیم اصول و فروع پر میری نظر اتنی وسیع ہے کہ ان اصول و فروع کی روشنی میں مزید اصول تفسیر وضع کرنے کی توفیق مجھے حاصل ہے۔ بلکہ بارگاہ خداوندی کے خصوصی فضل سے مجھے بعض ایسے علوم کا انکشاف ہوگیا ہے جو متقدمین کے یہاں دستیاب نہیں۔ وہ علوم و فنون اسی باب کی آخری دو فصلوں میں مذکور ہیں۔ فانتظرو۔

ولئن سألتني عن الخبرِ الصادقِ؟ فإني تلميذُ القرآنِ العظيمِ بلا واسطةٍ كما أني أُويسيٌّ لروحِ حضرةِ الرسالةِ صلى الله عليه وسلم الذي هو منبعُ الفيضِ، وكما أني مستفيدٌ من الكعبةِ الحسناءِ بلا واسطةٍ وكذلك متأثرٌ بالصلوةِ العظمى بلا واسطةٍ

ولو أن لي في كلِّ منبتِ شعرةٍ لساناً لما استوفيتُ واجبَ حمدِه ورأيتُ بما يلزمُ أن نذكرَ حرفين أو ثلاثةً من كلِّ فنٍّ في هذه الرسالة۔

ترجمہ :- اور اگر تم میری بابت پوچھو؟ تو میں بلا واسطہ قرآن عظیم کا تلمیذ ہوں۔ جیسا کہ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پُرفتوح کا اویسی ہوں، اور جیسا کہ میں کعبۂ حسناء سے بلا واسطہ فیضیاب ہوا ہوں۔ اور اسی طرح میں صلوٰۃِ عظمیٰ سے براہِ راست متاثر ہوا ہوں۔
اور اگر میرے بال اُگنے کی ایک ایک جگہ پر زبان (کا اُگاؤ) ہو جائے تو میں اس کی حمد کا پورا حق مجھ سے ادا نہ ہو سکے گا۔

اور میرا خیال ہے کہ اس موقع پر لازمی سے یہ ہے کہ ہم یہاں ان کی دو تین باتیں اس رسالہ میں ذکر کر دیں۔

ف :- گزشتہ عبارت میں تحدیث بالنعمت کے طور پر بتایا گیا ہے کہ قرآنی علوم کے سلسلہ میں مصنف پر اللہ جل شانہٗ کی خصوصی نظرِ کرم رہی ہے۔ یہاں حضرت نے تصوف کی غامض و غیر مشہور اصطلاحات میں بڑی نیاز مندی و احسان مندی کے ساتھ تشکر آمیز لہجہ میں اپنی چند مزید خصوصیات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ عبارت نہایت عجیب ہے۔ بیشتر لطیفہ اصطلاحات ذہن نشین ہو جائیں۔ اس لئے اصطلاحات کی تشریح پیشِ خدمت ہے۔ توجہ فرمائیں۔ حضرت نے چار اصطلاحیں ذکر کی ہیں۔ تلمیذ علی القرآن، اویسیت، کعبۂ حسناء، صلوٰۃ عظمیٰ۔
پہلے اویسیت کی اصطلاح کو سمجھئے۔ اس کے بعد بقیہ تینوں کی تشریح کی جائے گی۔ کیونکہ ان تینوں میں مضبوط ربط ہے۔ اور تینوں کا موقوف علیہ ایک چیز ہے۔ (کما سیاتی)

اویسیت : عالمِ ارواح کے مقدس نفوس اور پاکیزہ ارواح سے روحانی استفادہ کر کے کل یا بعض صفات میں اُن کے مماثل ہو جانے کا نام اویسیت ہے جس شخص کو یہ نسبت و دولت حاصل ہو جاتی ہے وہ اُویسی کہلاتا ہے۔ اور انبیاء کرام و اولیاء عظام (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) میں سے جس کی روحِ پُرفتوح سے استفادہ ہوتا ہے مستفید اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ جیسے جس اُستاذ سے علمِ ظاہر کا استفادہ ہوتا ہے مستفید اسی کی طرف منسوب ہو کر اسی کا شاگرد کہلاتا ہے۔ حضرت ماتنؒ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پُرفتوح (سرچشمۂ فیوض) سے مستفیض و بہرہ ور ہوئے ہیں۔ لہٰذا آپ کے اویسی ہوئے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا وانا اویسی لروح حضرۃ الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔۔
بہرحال اویسی وہ شخص ہے جسکی روحانی نسبت، عالمِ ملکوت کی ارواحِ طیبہ سے اتنی مضبوط ہو

کہ اس کا نفس ان کی ایک یا چند پاکیزہ کیفیات و صفات میں رنگ جائے۔

قال الشیخ عبد الحق المحدث: حتی ان کثیرا منہم من اتباع الصوفیۃ فی حصول لھم التفیوض من الارواح وتسمی ھذہ الطائفۃ اویسیۃ فی اصطلاحھم (اشعۃ مشکوٰۃ ج ۱)

وجہ تسمیہ: - احوال اکابر میں لکھا ہے۔ اویسی حضرت اویس بن عامر قرنیؓ کی طرف نسبت ہے جن کا تعلق خاندان بنو مراد سے ہے۔ زاہد اور عامل درجہ کے تابعی ہیں۔ اصلاً یمن کے باشندے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانہ میں اسلام قبول فرما چکے تھے۔ لیکن زیارت کی سعادت سے بہرہ ور نہ ہو سکے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری کا شرف نصیب ہو گیا تھا۔ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں شریک رہے۔ اکثریت کی رائے کے مطابق اسی جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

مشہور ہے کہ اپنی بوڑھی والدہ کی وجہ سے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر نہ ہو سکے لیکن یمن میں رہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی طور پر کسب فیض کرتے رہے۔ چنانچہ جو لوگ آپ کی روح مبارک سے براہ راست کسب فیض کر لیتے ہیں ان کو اویسی کہا جاتا ہے۔ [illegible]

- : اہم اصطلاحیں : -

سالکین اصطلاحات کے سمجھنے کے لئے تمہید کے طور پر دو باتیں ذہن نشین کر لیں۔

(۱) تصوف کی ایک خاص اصطلاح تدلّی کا مفہوم (۲) تدلّی کے مقامات نزول۔

پہلی بات: حضرت شاہ مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق خالق و مخلوق کے درمیان جو نسبتیں بن جاتی ہیں، ابداع، خلق، تدبیر، تدلّی (۱) اول الذکر تینوں کا سمجھنا چنداں مشکل نہیں، ادنیٰ طلب و تامل سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور ہماری بحث کا سمجھنا ان کے سمجھنے پر موقوف بھی نہیں۔ (فلا نذکرہ)۔ تدلّی کا مطلب لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض موجودات کو اپنی ذات کا عنوان بنانے (دلیلِ معرفت) قرار دینے کے لئے ان پر خاص قسم کی تجلی ڈالتے ہیں

---

[1] مستفاد از عبقات ص [illegible] للشاہ ولی اللہ قدس سرہ و طاب ثراہ۔

[2] از مکتوب گرامی حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب جلال پوری طاب اللہ ثراہ۔

اور صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اسی تجلی کا نام بھی تدلی ہی ہے ۔

تعریف تدلی : تدلی وہ خاص قسم کی ربانی تجلی (فیض) ہے جو کسی موجود پر ذات الٰہی کی معرفت و ہدایت کا ذریعہ بننے کے لئے ڈالی جاتی ہے ۔

اہم ہدایت : حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فیوض الحرمین میں متعدد مقامات پر تدلی کا ذکر خیر فرمایا ہے ۔ مثلاً ایک مقام پر فرماتے ہیں هو الحبل الذی من تمسك به عرف ربه[1] (تدلی ایسی رسی ہے کہ جس شخص نے اسے پکڑ لیا اسے اپنے رب کی معرفت حاصل ہو گئی) دوسری جگہ فرماتے ہیں المراد منه اقترابهم الی الله[2] (تدلی سے مراد قرب خداوندی کے حصول کو آسان بنانا ہے) تیسری جگہ فرماتے ہیں ان لله تبارك وتعالی تدلیا عظیما متوجها الی الخلق به یهتدون والیه یلجأون ۔ وهذا التدلی له فی کل برهة من الزمان شان[3] (خالق کی ایک عظیم تدلی مخلوق کی طرف متوجہ ہے ۔ سب اسی سے ہدایت پاتے ہیں اور اسی کا سہارا لیتے ہیں، اور ہر دور و وقفہ میں اس تدلی کی ایک الگ شان ہوا کرتی ہے)

مذکورہ عبارتوں سے راقم الحروف نے یہ سمجھا ہے کہ تدلی کے مختلف مراتب با اختلاف انواع ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ تدلی کے اثرات و فوائد مختلف ہیں ۔ عام مومنین کے قلب پر یہ تدلی ظاہر ہوتی ہے تو اسے حق و صداقت پر شرح صدر حاصل ہوتا ہے افمن شرح الله صدره للاسلام فهو علی نور من ربه ۔ انبیائے کرام علیہم السلام پر یہ تدلی ظاہر ہوتی ہے تو وہ ہدایت کے آفتاب و ماہتاب بن جاتے ہیں ۔

---

[1] سعادت کونین (اردو) مع فیوض الحرمین ۔ [2] ایضاً ص

[3] سعادت کونین ص ۔ هذا التدلی له فی کل برهة من الزمان کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ما قبل میں حضرت موصوف نے جو تفصیل پیش فرمائی ہے اسے بھی پیش نظر رکھا جائے لہٰذا حاصل عبارت پیش خدمت ہے ۔ مخلوق کی طرف یکے بعد دیگرے تدلی کا ظہور ہوتا رہتا ہے ۔ اور عالم میں جب جب تدلی کا ظہور ہوتا ہے تو اس کا عنوان کبھی [illegible] ہوتا ہے یعنی [illegible] اور تکلیفات شرعیہ کے ساتھ کوئی رسول مبعوث ہوتا ہے اور یہی رسول مبعوث اور اس کے لائے ہوئے احکام شرعیہ منسوخ ہو سکتے ہیں ۔ اور وہ تدلی حقیقت ہوتی ہے مختصر یہ کہ تدلی کے ظہور سے بہت سے ایسے علوم و معارف کا فیضان ہوتا ہے جن کا تعلق اس تدلی کے مناسب حال ہوتے ہیں ۔ جو لوگ یہ سوچ کر نہیں کہ یہ علوم اس تدلی کے فیض سے حاصل ہوتے ہیں جن لوگوں پر ان علوم و معارف کا فیضان ہوتا ہے وہ ان کا تکلم کرتے ہیں ۔
(۱) جو لوگ کلام پر دلائل سے علوم کو مستنبط کرتے ہیں ان کو علما و مجتہد کہا جاتا ہے (۲) جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ علوم و معارف القا کرتا ہے ان کو [illegible] اهل الحکمة الالهیة کہا جاتا ہے ۔ (ص [illegible])

نماز میں یہ تدلی ظاہر ہوتی ہے تو یہ فواحش و منکرات سے بچانے کا ذریعہ بنا دیتی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ اور یہی مومن کی روحانی معراج کا ذریعہ بنا دیتی ہے۔ الصَّلٰوۃُ معراج المؤمنین فرمایا گیا ہے یہی تدلی قرآن کریم اور کتب اللہ پر نازل ہوتی تو انہیں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اور هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ کا عالی مرتبہ مل گیا۔ ھٰذا ما تبیّن لی واللہ اعلم بالصواب۔

دوسری بات تدلی کے مقامات نزول: ہماری گفتگو سے مقامات نزول بھی آپ کے علم میں آچکے ہیں یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، قرآن عظیم، نماز اور کعبہ مقدسہ ان سب پر تدلی ظاہر ہوتی ہے، اور ان کا یکجائی تذکرہ فیوض الحرمین میں موجود ہے۔[1]

اسی تعبیر کے لیے ہیں تمثل علی القرآن، تمثل ستارہ، صلوٰۃ غیبی اور ان سے استفادہ کو سمجھئے۔ کعبہ کا جسد مثالی: بیت اللہ شریف کی وہ صورت مثالیہ جس پر تدلی وارد ہے۔

صلوٰۃ غیبی: نماز کی وہ صورت مثالیہ جس سے تدلی کی وابستگی ہو۔

تمثل علی القرآن: عالم مثال[2] میں قرآن سے وابستہ تدلی کا اثر قبول کرنا تمثل علی القرآن ہے، اور نماز، کعبہ سے وابستہ تدلی سے متاثر ہونا صلوٰۃ غیبی سے اور کعبہ ستارہ سے استفادہ کا شرف ہے۔ (استفادہ از مکتوب مذکور)

الحمد للہ الذی بفضلہ حسن [illegible] فلہ الحمد فی الاولٰی والآخرۃ۔

---

[1] تتمثل فی عالم المثال المتدلی تارۃ بالانبیاء عامۃ وبنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین خاصۃ وتارۃ بالکتب الالٰھیۃ عامۃ وبالقرآن العظیم خاصۃ وتارۃ بالصلوٰۃ وتارۃ بالکعبۃ (فیوض الحرمین مع سعادت کونین ص [illegible])

[2] اعلم انہ دلت احادیث کثیرۃ علی ان فی الوجود عالما غیر عنصری تتمثل فیہ المعانی باجسام مناسبۃ لھا فی الصفۃ وتتحقق ھنالک الاشیاء قبل وجودھا فی الارض نحوا من التحقق (حجۃ اللہ البالغۃ) حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی عبارت کی روشنی میں عالم مثال کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے: عالم مثال: ایک غیر مادی عالم ہے جہاں چیزوں کو زمین پر ظاہر ہونے سے پہلے ہی ایک صورت کا وجود دیا جاتا ہے۔ اور یہ صورت ان کی صفت کے مناسب شکل میں ہوتی ہے۔ عالم مثال کا ثبوت مختلف احادیث میں ملتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے [illegible] لعبہ [illegible]۔

فَصْلٌ

فِي بَيَانِ الْآثَارِ الْمَرْوِيَّةِ فِي الْكُتُبِ التَّفْسِيْرِ لِأَهْلِ الْحَدِيْثِ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا

فصل۔ محدثین کی تفسیری کتب میں منقول آثار اور ان کے متعلقات کے بیان میں

مِنْ جُمْلَةِ الْآثَارِ الْمَرْوِيَّةِ فِي كُتُبِ التَّفْسِيْرِ بَيَانُ سَبَبِ النُّزُوْلِ وَسَبَبُ النُّزُوْلِ عَلٰى قِسْمَيْنِ. اَلْقِسْمُ الْاَوَّلُ اَنْ تَقَعَ حَادِثَةٌ يَظْهَرُ فِيْهَا اِيْمَانُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَنِفَاقُ الْمُنَافِقِيْنَ كَمَا وَقَعَ فِيْ اُحُدٍ وَالْاَحْزَابِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَدْحَ هٰؤُلَاءِ وَذَمَّ اُولٰئِكَ لِيَكُوْنَ فَيْصَلًا بَيْنَ الْفَرِيْقَيْنِ۔ وَرُبَّمَا يَقَعُ فِيْ مِثْلِ هٰذَا مِنَ التَّعْرِيْضِ بِخُصُوْصِيَّاتِ الْحَادِثَةِ مَا يَبْلُغُ حَدَّ الْكَثْرَةِ۔ فَيَجِبُ اَنْ يُّذْكَرَ شَرْحُ الْحَادِثَةِ بِكَلَامٍ مُخْتَصَرٍ لِيَتَّضِحَ سَوْقُ الْكَلَامِ عَلَى الْقَارِئِ۔

ترجمہ:۔ ان آثار میں سے جو تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں شان نزول کا بیان ہے۔ اور شان نزول دو قسم کے ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس سے مؤمنین کا ایمان اور منافقین کا نفاق سامنے آجائے جیسا کہ جنگ احد اور جنگ احزاب میں ہوا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف اور ان کی مذمت نازل فرمائی تاکہ یہ کلام الٰہی فریقین کے بارے میں فیصلہ کن ثابت ہو جائے۔ اور کبھی ایسی آیات میں واقعہ کی خصوصیات کی جانب تعریضات حد کثرت کو پہنچ جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ مختصر کلام کے ذریعہ واقعہ کی تشریح کر دی جائے تاکہ کلام الٰہی کا مقصد قارئین کے سامنے واضح ہو جائے۔

ف:۔ تعریضات سے متعلق گفتگو "سبب نزول" کے بیان میں ہو چکی ہے۔

وَالْقِسْمُ الثَّانِيْ اَنْ يَّتِمَّ مَعْنَى الْآيَةِ بِعُمُوْمِهَا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ اِلَى الْعِلْمِ بِالْحَادِثَةِ الَّتِيْ هِيَ سَبَبُ النُّزُوْلِ۔ وَالْحُكْمُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ۔ وَقَدْ ذَكَرَ قُدَمَاءُ الْمُفَسِّرِيْنَ تِلْكَ الْحَادِثَةَ

بقصدِ الإحاطةِ بالآثارِ المناسبةِ للأية أو بقصدِ بيانِ ما صدق عليه العمومُ۔ وليس ذكرُ هذا القسمِ من الضروريات۔

ترجمہ:- اور دوسری قسم یہ ہے کہ آیت کا مفہوم اپنے عموم کے اعتبار سے اس واقعہ سے واقفیت کی احتیاج (وضرورت) کے بغیر مکمل ہو جاتا ہو جو نزول آیت کا سبب ہے۔ درانحالیکہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ سبب خاص کا۔ اور قدماء مفسرین نے اس واقعہ کو یا تو آیت کے مناسب اقوال کا احاطہ کرنے کے ارادہ سے ذکر کیا ہے یا پھر اس واقعہ کی وضاحت پیش کرنے کے ارادہ سے جس پر لفظ کا عموم صادق آیا ہے۔ اور اس قسم کا تذکرہ ضروری نہیں ہے۔

ف:- یعنی جس آیت کا حکم عام ہو اور اس کے مضامین کا سمجھنا شان نزول کے واقعات پر موقوف نہیں۔ اس کے شان نزول کا علم و ذکر ضروری نہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ قدیم مفسرین نے ایسے واقعات کو اپنی کتابوں میں جگہ کیوں دی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دو مقصد کے پیش نظر ایسا کیا گیا ہے۔ (۱) مصداقِ آیت کی مثال پیش کرنا (۲) آیت کے مناسب بھی اقوال کو جمع کرنا۔

وَقَدْ تَحَقَّقَ عند الفقيرِ أنّ الصحابةَ والتابعينَ كثيرًا ما كانوا يقولون: نزلت الأيةُ في كذا، وكان غرضُهم تصويرَ ما صَدَقَتْ عليه الأيةُ، وذِكرَ بعضِ الحوادثِ التي تشملُها الأيةُ بعمومِها سواءٌ تقدّمتِ القصةُ أو تأخّرتْ، إسرائيليًا كان أو جاهليًا أو إسلاميًا، استوعبتْ جميعَ قيودِ الأيةِ أو بعضَها واللهُ أعلم۔

ترجمہ:- اور فقیر کے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ صحابہ کرام و تابعین عظام بکثرت "نزلت الأية في كذا" کہا کرتے تھے۔ جبکہ ان کا مقصد اس چیز کی صورت (و مثال) پیش کرنا ہوتا تھا جس پر آیت صادق آسکتی ہو۔ اور بعض ایسے واقعات کا ذکر کرنا مقصود ہوتا تھا جن کو آیت اپنے عموم کی وجہ سے شامل ہو خواہ وہ واقعہ (نزول آیت سے) مقدم ہو یا مؤخر، اسرائیلی ہو یا جاہلی یا اسلامی، آیت کی تمام قیود کو حاوی (وشامل) ہو یا بعض کو۔ واللہ اعلم۔

ف:۔ تفصیلی بحث ۔ معرفۃ سبب النزول میں گذر چکی۔

فعُلِمَ مِنْ هٰذا التحقيق أنَّ للاجتهاد في هٰذا القسم مدخلاً — وللقصص المتعددة هنالك سعة. فمَن استحضر هٰذه النكتة يتمكّن من حلِّ ما اختُلِف من سبب النزول بأدنى عناية۔

ترجمہ:۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شانِ نزول کی اس قسم (دوم) میں اجتہاد کا دخل ہے اور یہاں متعدد قصوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ اور جس شخص کو یہ نکتہ مستحضر ہے وہ معمولی سی توجہ سے شانِ نزول کا اختلاف حل کر سکے گا۔

ومن جملة ذلك تفصيلُ قصةٍ وقع في نظم القرآن تعريضٌ بأصلها فيأخذ المفسرون استقصاء القصة من أخبار بني إسرائيل أو من علم السِّيَر فيذكرونها بجميع خصوصياتها۔

ترجمہ:۔ اور ان ہی (آثار و روایات) میں سے اس قصہ کی تفصیل ہے جس کی اصل کی طرف قرآن میں تعریض آئی ہے۔ لہٰذا مفسرین اس واقعہ کی تفصیل بنی اسرائیل کی روایات سے یا علمِ سیر سے اخذ کرتے ہیں، پھر اسے اس کی تمام خصوصیات کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

وههنا أيضًا تفصيلٌ: ما كان في الآية تعريضٌ به ظاهرٌ بحيث يَقِفُ هناك العارفُ باللغة مُستحسِنًا، فذِكرُه من وظيفة المفسر، وما كان خارجًا من هٰذا الباب — مثل ذكر بقرة بني إسرائيل، أذكرًا كانت أو أنثى؟ ومثل بيانِ كلبِ أصحابِ الكهف أبقعَ كان أم أحمرَ؟ فهو تكلّفُ ما لا يعني، وكانت الصحابة رضي الله عنهم يعدّون مثل ذلك قبيحًا من قبيل تضييع الأوقات۔

ترجمہ:۔ اور اس باب میں بھی تفصیل ہے (اور وہ یہ ہے کہ) تفصیلی واقعات میں دو قسم کے اجزا ہوتے ہیں۔ (۱) وہ جس کی جانب آیت کے اندر واضح اشارہ موجود ہو، اس طرح کہ لغتِ عرب کا جاننے والا وہاں پہنچ کر رک جائے اور اس کی تحسین کرے۔[1]

---

[1] جو کسی کام کی بات نہیں۔ [illegible]

نہ اس کا ذکر کرنا مفسر کی ذمہ داری ہے۔ اور (۲) وہ جو اس باب سے خارج ہو۔ جیسے بنی اسرائیل کے بقرہ کا تذکرہ کہ وہ نر تھا یا مادہ تھی۔ اور جیسے اصحاب کہف کے کتے کا بیان کہ وہ چتکبرا تھا یا سرخ۔ تو یہ ایسی چیز کا تکلف ہے جو لایعنی (بے سود) ہے۔ اور صحابہ کرامؓ اس قسم کی چیزوں کو بسبب اضاعت وقت کے قبیل سے سمجھتے تھے۔

تشریح: قولہ: ذکر او انثی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مادہ تھی کیونکہ آیات میں اس کی طرف تانیث کی علامتیں راجع ہیں۔ امام ابو منصور کہتے ہیں کہ وہ مذکر تھا کیونکہ اثارت ارض و سقی حرث بیلوں کا کام ہے۔ اور تانیث کی علامات لفظ بقرہ کی وجہ سے ہے۔ کما فی قولہ: وقالت طائفۃ۔

قولہ: ابقع کان او۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ مٹیالے رنگ کا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ سرخ تھا۔ مقاتل کہتے ہیں کہ زرد رنگ کا تھا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اس کی زردی مائل بسرخی تھی۔ کلبی کہتے ہیں کہ خلنجی اللون تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ آسمانی رنگ کا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ چتکبرا تھا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

واختلفوا فی لونہ علی اقوال لا حاصل لہا ولا طائل تحتہا ولا دلیل علیہا ولا حاجۃ الیہا بل ہی مما ینہی عنہ لان مستندہ رجم بالغیب۔	اس کے رنگ کی بابت چند قول ہیں جن کا نہ کچھ حاصل ہے نہ فائدہ۔ نہ ان پر کوئی دلیل ہے نہ ان کی کچھ ضرورت بلکہ وہ تو منہی عنہ ہیں کیونکہ سب اٹکل کے تیر ہیں۔ ([illegible])

وَلْيُحْفَظْ هٰهُنَا نُكْتَتَانِ. الْأُولٰى أَنَّ الْأَصْلَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ إِيْرَادُ الْقَصَصِ الْمَسْمُوْعَةِ بِلَا تَصَرُّفٍ عَقْلِيٍّ، وَرُبَّمَا يَتَّخِذُ جَمْعٌ مِنْ قُدَمَاءِ الْمُفَسِّرِيْنَ ذٰلِكَ التَّعْرِيْضَ قُدْوَةً فَيَفْرِضُوْنَ مَحْمَلًا مُنَاسِبًا لِذٰلِكَ التَّعْرِيْضِ، فَيُوْرِدُوْنَهُ بِصُوْرَةِ الْاِحْتِمَالِ فَيَشْتَبِهُ عَلَى الْمُتَأَخِّرِيْنَ

ـــہ اذکی حتی، صحابہؓ اور تابعینؒ کی روایت سے نہ ہو اور قبیل تضییع اوقات میں شمار ہو۔ لہٰذا قصہ اور اس میں قصہ، آیت کے درمیان واسطہ کا ہونا ضروری ہے۔

وكثيرًا يشتبهُ المقررُ على سبيلِ الاحتمالِ بالتقريرِ مع الجزمِ في كلامِهم. فيذكرون هذا مقامَ ذاك - لأنّ أساليبَ التقريرِ لم تكن منقّحةً في ذلك الزمانِ وهذا أمرٌ مجتهدٌ فيه. للنظرِ العقلي فيه مجالٌ. ودائرةُ قيلَ ويُقالُ هنالك مُتّسعةٌ فينبغي فيه إرخاءُ العِنانِ. ومَن حفظَ هذه النكتةَ حكَمَ حكمًا فيصلًا في كثيرٍ من المواضعِ التي اختلفَ فيها المفسّرون۔

ترجمہ:- اور اس موقع پر دو نکتے یاد رکھنا ہیں۔ پہلا نکتہ: یہ ہے کہ اصل اس باب میں کہے ہوئے قصوں کو عقلی تصرف کے بغیر بعینہٖ ذکر کرنا ہے۔ لیکن قدیم مفسرین کی ایک جماعت اس تعریض کو پیشوا (مشعل راہ) بناتی ہے۔ پھر اس تعریض کا کوئی مناسب محل فرض کرتے ہیں۔ پھر اسے احتمال کے طور پر بیان کرتے ہیں تو متأخرین پر یہ فرضی محل مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اور بسا اوقات ان کے کلام میں احتمالی تقریر یقینی تقریر سے مشتبہ ہو جاتی ہے تو متأخرین (وہاں) احتمالی تقریر کی بجائے یقینی تقریر ان کی جگہ پر ذکر کر دیتے ہیں۔ کیونکہ بیان کے اسالیب اس زمانہ میں اتنے واضح نہیں ہوا کرتے تھے۔ اور یہ ایک اجتہادی چیز ہے۔ عقلی نظر و فکر کی اس میں گنجائش ہے۔ اور اس موقع پر قیل و قال کا دائرہ وسیع ہے۔ لہٰذا لگام کو ڈھیلا رکھنا ہی مناسب رہتا ہے۔ اور جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا وہ بہت سے موقعوں پر جہاں مفسرین کا اختلاف ہوگا فیصلہ کن رائے پیش کرے گا۔

ف:- (۱) وربما یتخذ الخ کے فارسی متن "جماعۃ از قدمائے مفسرین الخ" کے مطابق عربی متن "ولکن طائفۃ من قدماء المفسرین یتخذون الخ" ہونا چاہئے — ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۲) حاصل عبارت یہ ہے کہ قرآنی قصص میں جن امور کی طرف اشارات و تعریضات پائی جاتی ہوں عقل و قیاس کے ذریعہ ان امور کی تفسیر و تعیین کے درپے نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اصل واقعہ کے بیان پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

(۳) بعض متقدمین کا معمول و دستور کہ وہ بہت سی غیر ضروری تشریحات و تفصیلات اپنی کتابوں میں جمع کرتے ہیں، جیسا کہ بقرۂ بنی اسرائیل اور اصحاب کہف کے کتے کے سلسلہ میں بیان

کیا جا چکا ہے، تو وہ محض احتمال تفسیر اور خیالی پرواز ہوتی ہے۔ اگرچہ انداز گفتگو سے حتمی ویقینی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ اور اس گمان و اشتباہ کا سبب ان دونوں کے اسلوب کلام اور ان کے طرز گفتگو کا تفاوت ہے۔

ويمكن ان يتحقق في كثير من مناظرات الصحابة انه ليس بقول وانما هو تفتيش علمي يعرضه بعض المجتهدين على بعض۔ و الفقير على هذا المحمل يحمل قول ابن عباس رضي الله عنهما في آية۔ وامسحوا برؤسكم وارجلكم الى الكعبين۔ لا اجد في كتاب الله الا المسح لكنهم ابوا الا الغسل[1]۔ فالذي يفهمه الفقير انه ليس بذاهب الى وجوب المسح، وليس فيه جزم بحمل الآية على ركنية المسح بل الذي تقرر عند ابن عباس رضي الله عنهما هو الغسل۔ ولكنهم يقررون هنالك اشكالا ويظهرون احتمالا ليعلم بأي وجه يذكر علماء العصر التطبيق في هذا التعارض، واي مسلك يسلكون۔ ومن لم يطلع على حقيقة محاورة السلف يظنه قول ابن عباس ويعده من مذاهبه۔ حاشاه حاشاه۔

ترجمہ:- اور اس کا امکان ہے کہ صحابہ کرام کے بہت سے مباحثات کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے، وہ رائے نہیں ہے بلکہ وہ محض علمی مباحثہ ہے جسے ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور فقیر اسی محمل پر محمول کرتا ہے۔ آیت کریمہ فامسحوا الخ کے بارے میں ابن عباسؓ کے ارشاد "لا اجد الخ" کو۔

---

[1] كذا في روح المعاني ج ٦ ص ٧٧۔ قال الآلوسي: قاله بطريق التعجب لا للعقيدة الخ۔

ترجمہ آیت: اور مسح کرو اپنے سروں کا، اور پیروں کو ٹخنوں تک (دھوؤ)

ترجمہ قول ابن عباس: میں کتاب اللہ میں (کا حکم) پاتا ہوں مسح کا، لیکن لوگ غیر غسل کا انکار کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر کو بھی دیا ہے اور یہ بھی کہ یہ وجوب مسح کا مذہب اختیار کرنے کی بات نہیں ہے۔ اور ظاہر یہ ان میں آیت کو مسح کی رخصت پر محمول کرنے کا یقین ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک جو چیز (مسلم) منسوخ شدہ ہے وہ (یہ) ان کا مسلک ہوتا ہے۔ لیکن یہ (حضرات) ایسے موقع پر اشکال پیش کرتے ہیں اور (ظاہری) احتمال کا اظہار کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ معاملہ کیا ہے۔ اس تعارض کی تطبیق کا تذکرہ کس طرح کرتے ہیں اور کونسی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اور جو شخص اسلاف کے محاوروں کی حقیقت سے واقف نہیں ہے وہ اسے ابن عباسؓ کی رائے اور انکا مذہب سمجھتا ہے۔ ایسا نہیں ہے ہرگز نہیں۔

ف: یہ گذشتہ عبارت میں بتایا تھا کہ قرآنی قصص سے متعلق غیر ضروری تفصیلات جن کی طرف آیات میں تعرض نہیں۔ پھر بھی قدیم مفسرین نے انہیں اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ محض نقلی اور احتمالی اقوال ہیں ان کو نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہے۔ زیر بحث عبارت میں متعلق نصوص قرآنی سے متعلق صحابہ کرامؓ کے ارشادات کی حیثیت کا بیان ہے۔

حاصل عبارت یہ ہے کہ جب کسی آیت کی تفسیر میں یا کسی مسئلہ میں اختلاف رونما ہو جائے ایسے ماحول میں صحابہ کرامؓ کی زبان سے جو کچھ نکلے اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ یہی ان کی رائے اور ان کا مذہب ہے، سیاق کی قرائن پر نظر رکھنی ضروری ہے۔ قرائن سے صرف نظر کر کے محض الفاظ کی حیثیت پر فیصلہ کرنا غلط ہے۔

کیونکہ الفاظ کے معانی اور متکلم کے مقاصد خارجی قرائن (محاورے، مواقع استعمال اور لہجے وغیرہ) کے تابع ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک جملہ ہے «آپ کو سفر کرنا ہے» اس میں جملہ خبریہ کا بھی احتمال ہے۔ سفر کے بارے میں سوال کی بھی گنجائش ہے۔ اور یہ طنزیہ جملہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح انشاء کے ان احتمالات کے علاوہ سفر کی خبر دینے کا بھی احتمال ہے۔

مثال میں ماتن علامہ نے رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد «ولا اجد فی کتاب اللہ الا المسح» پیش فرمایا ہے۔ حضرتؓ فرماتے ہیں کہ میں اختلافی مسئلہ میں بھی آیت کے اندر مسح رجلین کا حکم پاتا ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیرو صحابہ کرام کا عمل اس کے بالکل برعکس «غسل رجلین» کا ہے۔

حضرتؓ کے ظاہری الفاظ سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ کتاب اللہ سے مسح رجلین ہی ثابت ہوتا ہے

لہٰذا جمیع صحابہؓ سے ہٹ کر حضرت کی رائے یہ ہے کہ وضو میں پیروں کا وظیفہ مسح ہے۔ لیکن یاد رہے کہ حضرت کا مقصد مسح رجلین کا اثبات نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ آیت کے ظاہری مفہوم (ایجاب مسح) اور جمہور امت کے عمل (غسل رجلین) میں بظاہر جو تعارض نظر آ رہا ہے معاصر علماء و تلامذہ کو اس کے حل کی طرف توجہ دلائی جائے۔ یا علامہ آلوسیؒ کے بقول: حضرت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ابتدائی قراءت کے مطابق (آیت سے اگرچہ وجوب مسح کا ثبوت صریح ہوتا ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا معمول غسل رجلین ہی رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ قراءت متروک الظاہر اور مؤول ہے۔ وقد قال عطاء: واللّٰہ ما علمت ان احدا من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مسح علی القدمین۔ (روح ۶۲)

النكتة الثانية: انّ النقل عن بني اسرائيل كسيئة دخلت في ديننا. و«لا تصدّقوا اهل الكتب ولا تكذّبوهم» قاعدةٌ مقرّرة، فلزم امران: الاوّل ان لا يُرتكب النقلُ عن اهل الكتاب اذا وُجد في سُنة نبيّنا صلى الله عليه وسلم بيانٌ لتعريض القرآن مثلاً حينما وجد لقوله تعالى «ولقد فتنّا سليمان وَالْقَيْنَا على كُرسيّه جسدًا ثمّ اناب» محملٌ في السنّة النبويّة وهو قصّةُ تركِه الاستثناء والمؤاخذة عليه - فايّ حاجةٍ الى ذكرِ قصّة «صَخرِ المارِد»؟

ترجمہ:- دوسرا نکتہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی روایات ایک خفیہ سازش ہیں جو ہمارے دین میں داخل ہو گئی ہیں۔ نیز «لا تصدقوا الخ» (ہمارا) ایک مسلمہ اصول ہے۔ لہٰذا دو چیزیں ضروری ہیں، ایک تو یہ کہ جب ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں قرآن کی تعریض کا بیان موجود ہو تو اہل کتاب سے نقل نہ کی جائے۔ مثال کے طور پر جب ارشاد باری تعالیٰ «ولقد فتنا سلیمان الخ» کا محمل حدیث نبوی میں موجود ہے یعنی انشاء اللہ کے ترک اور اس پر مواخذہ کا قصہ۔ تو داستان «صخر مارد» کی کیا ضرورت ہے؟

ف:- یہ دوسرا نکتہ بھی پہلے نکتہ کی طرح نہایت اہم ہے۔ قرآن کا مطالعہ کرتے وقت اسے

ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

نکتہ یہ ہے کہ یہود کی خطرناک سازشوں کے نتیجے میں ہماری تفسیری کتابیں اسرائیلیات سے بھری پڑی ہیں۔ دوسری طرف حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظیم ہدایت "لا تصدقوا" الخ، کا تقاضا ہے کہ ہم اسرائیلیات سے دلچسپی نہ لیں۔ اس لئے ایسے مواقع کے لئے دو اصول مرتب کئے ہیں پہلا اصول (جو اوپر کی عبارت میں آگیا ہے) یہ ہے کہ جب کسی آیت کی تعریضات و اشارات کی تفسیر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ میں مل جائے تو اہل کتاب کے اقوال و روایات کی طرف توجہ ہرگز نہ کی جائے۔

مثال: سورۂ ص میں ارشاد ربانی ہے "ولقد فتنا سلیمٰن" الخ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ، رب العزت کی طرف سے کسی امتحان و آزمائش میں ڈالے گئے تھے، اور آپ کی کرسی پر ایک جسد (جسم) ڈال دیا گیا تھا۔

سوال یہ ہے کہ وہ آزمائش کیا تھی؟ کرسی پر جسم ڈالنے کا کیا واقعہ پیش آیا تھا؟

شیخین کی روایتوں میں ان سوالوں کے جوابات موجود ہیں۔ امام مسلم کی ایک مسند کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: قال سلیمان بن داؤد: لاطوفن اللیلۃ علی تسعین امرأۃ کلھا تاتی بفارس یقاتل فی سبیل اللہ، فقال لہ صاحبہ قل ان شاء اللہ فلم یقل ان شاء اللہ فطاف علیھن جمیعا، فلم تحمل منھن الا امرأۃ واحدۃ۔

فجاءت بشق رجل، وایم الذی نفس محمد بیدہ لو قال ان شاء اللہ لجاھدوا فی سبیل اللہ فرسانا اجمعون۔

(مسلم ج ۲ ص ۴۹)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلیمان بن داؤد نے فرمایا: آج کی رات نوے بیویوں سے صحبت کرونگا ہر ایک ایک ایسا شہسوار جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کریگا تو آپ کے ساتھی نے کہا کہ ان شاء اللہ کہیے۔ لیکن حضرت نے ان شاء اللہ نہیں کہا۔ پھر آپ نے ان سب سے صحبت کی لیکن ایک کے علاوہ کوئی عورت حاملہ نہ ہوئی۔

پھر وہ بھی ایک مرد کا دھڑ لائی۔ اور محمد کی ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے اگر آپ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب حاملہ ہوتیں۔ بچے پیدا ہوتے اور بڑے ہوکر سب اللہ کی راہ میں گھوڑوں پر سوار ہوکر جہاد کرتے۔

شق رجل کے بارے میں علامہ نووی فرماتے ہیں قيل هو الجسد الذي ذكر الله تعالى أنه ألقى على كرسيه یعنی ایک روایت یہ ہے کہ شق رجل ہی وہ جسد ہے جس کے بارے میں اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ حضرت سلیمان کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا۔

حضرت سلیمان کا استثناء کے بغیر قسم کھا لینا اور پھر لازماً ناکام رہنا بعید از قیاس ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ولقد فتنا سلیمٰن الخ کی کھلی ہوئی تفسیر ہے۔

صخر مارد۔ اسرائیلی روایتوں میں حضرت سلیمان کی آزمائش کا ایک اور واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ ملتا ہے، جسے بغوی، ابن جریر، ابو سعود اور محشی جلالین وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک دیو نے دھوکے سے حضرت سلیمان کی عالمی سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا، کچھ دنوں کے بعد جب حضرت اپنی سلطنت کی بازیابی میں کامیاب ہو گئے اور دیو فرار ہو گیا، حضرت نے چند شیاطین کو اس کی گرفتاری کا حکم دیا، لیکن یہ شیاطین عالمِ بیداری میں اس پر قابو نہ پا سکے، بالآخر جب اسے نیند آگئی تو گرفتار کر کے حضرت کی خدمت میں لایا گیا، پھر آپ کے حکم سے ایک سنگ مرمر میں سوراخ کیا گیا جس میں دیو کو مقید کر کے تانبے کی ڈاٹ سے بند کر دیا گیا اور سمندر میں ڈال دیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق اس کا نام صخر تھا۔ اور خباثت و سرکشی کی وجہ سے صخر مارد کہا گیا ہے۔

علامہ ابن کثیر، علامہ آلوسی، امام رازی، ابو البرکات النسفی اور اکابر دیوبند میں حضرت تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ رحمہم اللہ نے ان اسرائیلیات کا رد کیا ہے۔

(مولانا اسیر صاحب ادروی نے اپنی کتاب تفسیروں میں اسرائیلی روایات کے اندر سیر حاصل بحث کی ہے

والأمرُ الثاني أنّ الضرورةَ تتقدّرُ بقدرِ الضرورةِ، فيكونُ ذلك ملحوظًا عند التفسير، فلا يقعُ الكلامُ إلا بقدرِ احتمالِ التعريضِ ليحصُلَ التصديقُ بشهادةِ القرآنِ، ويُكَفَّ اللسانُ عن الزيادةِ۔

ترجمہ: اور دوسری چیز یہ ہے کہ ضرورت کی چیز بقدر ضرورت تک محدود رہتی ہے، لہٰذا تفسیر کے وقت یہ (اصول) ملحوظ (پیش نظر) رہنا چاہیے۔ لہٰذا گفتگو تعریض کے تقاضے کے مطابق ہی ہو، تاکہ قرآن کی شہادت کے ذریعہ تصدیق حاصل ہو سکے اور زائد (عن الضرورۃ) سے زبان محفوظ رکھی جا سکے۔

ف:۔ نکتہ عجیبہ سے پیشتر مصنف نے دو اصول پیش کئے تھے۔ پہلا اصول گذر چکا یہاں دوسرا اصول پیش کیا گیا ہے کہ اگر اسرائیلی روایت کی ضرورت پیش آجائے تو بقدر ضرورت پر اکتفاء کیا جائے۔ متقدمین کی طرح تمام رطب و یابس چیز ذکر نہ کیا جائے

وههنا نكتة لطيفة لا الى غاية فلا تغفل عنها، وهي انها قد تذكر في القرآن العظيم قصة في موضع بالاجمال وفي موضع بالتفصيل، كما قال تعالى: اني اعلم ما لا تعلمون۔ ثم قال: اني اعلم غيب السموت والارض واعلم ما تبدون وما كنتم تكتمون۔ فهذه المقولة هي المقولة المتقدمة ذكرت بنوع من التفصيل فيمكن ان يعلم من التفصيل تفسير الاجمال، وينتقل من الاجمال الى التفصيل۔ مثلا ذكر في سورة مريم قصة سيدنا عيسى على نبينا وعليه الصلوة والسلام اجمالا، ولنجعله اية للناس ورحمة منا وكان امرا مقضيا، وفي سورة آل عمران تفصيلا۔ ورسولا الى بني اسرائيل اني قد جئتكم باية من ربكم، الى آخره، ففي هذه المقولة بشارة تفصيلية وتلك المقولة بشارة اجمالية۔ فمن ثم استنبط العبد الضعيف ان معنى الاية، رسولا الى بني اسرائيل مخبرا باني قد جئتكم فهذا كله داخل في حيز البشارة ليس بمتعلق بمحذوف كما اشار اليه السيوطي حيث قال: فلما بعثه الله قال اني رسول الله اليكم باني قد جئتكم۔ والله اعلم

ترجمہ:۔ اور یہاں ایک بے حد لطیف نکتہ ہے تم اس سے غافل نہ رہو۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن عظیم میں ایک بات ایک جگہ اجمالاً ذکر کی جاتی ہے اور دوسری جگہ تفصیلاً۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: انی اعلم ما لا تعلمون۔ پھر دوسری جگہ فرمایا: انی اعلم (میں آسمان و زمین کا غیب جانتا ہوں اور وہ سب کچھ جانتا ہوں جسے تم ظاہر کرتے ہو اور جسے چھپاتے ہو) تو یہ ارشاد (انی اعلم غیب السموت ۔۔) وہی پہلے والا ارشاد ہے جسے تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ تفصیل کے ذریعہ اجمال کی تفسیر جان لی جائے۔

اور اجمال سے تفصیل کی طرف بڑھا جائے۔ مثال کے طور پر سورۂ مریم میں سیدنا عیسیٰ (ہمارے نبی محترم اور آپ پر بھی صلوٰۃ وسلام ہو) کا واقعہ اجمال کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا: وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ (الآیۃ)[1] ...... تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے ایک نشان بنا دیں اور اپنی طرف سے سبب رحمت۔ اور یہ ایک طے شدہ بات ہے) اور سورۂ آل عمران میں تفصیل کے ساتھ (یوں) ذکر فرمایا: وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي (الآیۃ)[2] (اور ان کو بنی اسرائیل کا پیغمبر بنائے گا بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشان لیکر آیا ہوں۔ الخ) چنانچہ اس مقولہ میں تفصیل بشارت ہے۔ اور وہ قول اجمالی بشارت ہے۔ اسی وجہ سے عبد ضعیف نے مستنبط کیا کہ آیت کی مراد وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي الخ جیسے یہ سب بشارت کے زمرہ میں داخل ہے۔ کسی محذوف کے متعلق نہیں ہے جیسا کہ سیوطیؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جبکہ فرمایا: پھر جب ان کو اللہ نے مبعوث فرمایا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری طرف یہ پیغام لیکر بھیجا گیا ہوں کہ میں تمہارے پاس آیا ہوں الخ واللہ اعلم

ف ۱۔ یہاں لطیف نکتہ کے عنوان سے ایک اہم ہدایت دی گئی ہے کہ مسلک اصول القرآن[3] یعنی تیرہویں بحث کے مطابق قرآن وتفسیر کے طلباء و علماء کا یہ فریضہ ہے کہ قرآنی آیت پر گہری نظر رکھیں۔ جو مضمون مجمل نظر آئے یہاں تلاش کرکے دیکھیں کہ وہی مضمون تفصیل کے ساتھ کہاں آیا ہے۔ اور پھر اسی تفصیل کی روشنی میں اجمال کی مراد کو سمجھیں اور سمجھائیں۔

مثال ۱:۔ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ مجمل ہے جبکہ بعد والی آیت میں ان معلومات خداوندی کا تذکرہ تفصیل سے مذکور ہے جن سے فرشتے لاعلم ہیں۔ لہٰذا مَا لَا تَعْلَمُونَ کی تفسیر اسی آیت کی روشنی میں سمجھنی اور سمجھانی چاہئے۔

مثال ۲:۔ سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ارشاد باری ہے: وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ یعنی بلا توسط اسباب عادیہ اور بغیر باپ کے آپ کو پیدا کیا گیا۔ جس کا ایک مقصد آپ کو لوگوں کے لئے آیت وعلامت بنانا ہے۔ یہ آیت اس لحاظ سے مجمل ہے کہ اس میں آپ کے آیت ہونے کی حیثیت کا کوئی تذکرہ نہیں۔ سورۂ آل عمران میں آپ کی والدہ محترمہ حضرت مریم کو فرزند کی بشارت دیتے ہوئے ان کے کچھ اوصاف ذکر کئے گئے ہیں۔ اور رسالت عیسوی کے تذکرہ کیلئے

---

[1] سورۂ مریم آیت ۲۱۔ [2] آل عمران آیت ۴۹ [3] جلا میں بحث ہیں (العنوان)

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ کی یہ تفسیر اختیار کی گئی ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے بقول: سورۂ آل عمران کی یہ آیت جس میں رسالت کے ساتھ آپ کے معجزات (احیاءِ موتٰی، مٹی کی چڑیا بناکر اڑانا، پیدائشی اندھے اور سفید داغ کے جسم والوں کی شفایابی وغیرہ) کا تذکرہ ہے، سورۂ مریم کی آیت وَلِنَجْعَلَهٗٓ کی تفسیر ہے۔

سوال: جمہور مفسرین نے آیَةً لِّلنَّاسِ سے قدرتِ خداوندی کی نشانی مراد لی ہے، وھو مروی عن ابن عباسؓ لہٰذا حضرت شاہ صاحب کا یہ استنباط جمہور مفسرینؒ اور ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے خلاف ہے۔ ؎

جواب: حضرت والا کی تفسیر کا جمہور کی تفسیر سے کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰؑ جیسے اپنی نادر خلقت و پیدائش کے اعتبار سے قدرتِ خداوندی کی نشانی ہیں اسی طرح اپنے خداداد معجزات (احیاءِ موتٰی وغیرہ) کے اعتبار سے بھی اللہ جل شانہٗ کی قدرتِ کاملہ کی عظیم الشان نشانی ہیں، لہٰذا آیَةً لِّلنَّاسِ میں یہ حیثیت بھی ملحوظ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

ومِنْ جملةِ ذٰلك شرحُ الغريبِ، وبناؤه على تتبُّعِ لغةِ العربِ أو التفطُّنِ لسياقِ الآيةِ وسباقِها والعلمِ بمناسبةِ اللفظِ بأجزاءِ جملةٍ وقع هو فيها. فههُنا أيضًا مدخلٌ للعقلِ وسعةٌ للاختلافِ لأنّ الكلمةَ الواحدةَ تجيءُ في لغةِ العربِ لمعانٍ شتّى، والعقولُ مختلفةٌ في تتبّعِ استعمالِ العربِ، والتفطّنِ لمناسبةِ السابقِ واللاحقِ، ولهٰذا اختلفتْ أقوالُ الصحابةِ والتابعينَ في هٰذا البابِ، وكلٌّ سلكَ مسلكًا، فينبغي للمفسِّرِ المنصفِ أن يزِنَ شرحَ الغريبِ مرّتينِ في استعمالِ العربِ مرّةً، وفي معرفةِ أقوى الوجوهِ وأرجحِها ومناسبة

؎ دیکھو العون صلا)

السّابق واللّاحق أُخرىٰ، ليُعلم أيّ الوجهين أولىٰ وأقصد بعد إحكام المقدّمات وتتبّع موارد الاستعمال وتفحّص الآثار۔

ترجمہ:- اور ان (کتابوں میں سے) جو تفسیر کی کتابوں میں مستعمل ہیں، غریب الفاظ کی تشریح ہے۔ اور اس کا مبنی عربی لغت کی تحقیق ہے یا آیت کے سیاق و سباق کو سمجھنا اور اس جملے کے اجزاء کے ساتھ لفظ (غریب) کی مناسبت کا ادراک کرنا ہے۔ جب یہاں لفظ موجود ہے تو یہاں بھی عقل کے لئے دخیل ہونے کا موقع اور اختلاف کی گنجائش ہے کیونکہ عربی زبان میں ایک کلمہ مختلف معانی کے لئے آتا ہے۔ اور استعمال عرب کی تحقیق و جستجو اور ما قبل و ما بعد کے ربط کا ادراک کرنے میں عقلیں مختلف ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے اس باب میں صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال میں اختلاف رہا ہے۔ اور ہر ایک الگ راستے کا گامزن ہوا ہے۔ لہٰذا انصاف پسند مفسر کے لئے ضروری ہے کہ لفظ غریب کی فہم کا دو مرتبہ موازنہ کرے۔ ایک مرتبہ عرب کے استعمال (محاورہ) میں، اور دوسری مرتبہ تفسیر کے زیادہ راجح اور زیادہ قوی پہلو کی معرفت اور ما قبل و ما بعد کی مناسبت میں۔ تاکہ (لفظ غریب کے) مواقع استعمال اور آثار کی تلاش و جستجو اور مقدمات کو مضبوط کر لینے کے بعد معلوم ہو جائے کہ دو صورتوں میں سے کونسی صورت زیادہ عمدہ اور زیادہ مناسب ہے۔

ف:- الغریب غرب سے ہے، غرابۃ الکلام کے معنی ہیں پوشیدہ ہونا۔ غریب وہ لفظ یا کلام جس کی مراد کے سمجھنے میں دشواری ہو جیسے مُكَآءً، سُحْتٌ، رَتْقًا اور فَفَتَقْنٰهُمَا وغیرہ۔ آیات قرآن کی تفسیر میں مفردات بالخصوص الفاظ غریبہ کے حل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف امت کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ فرمایا: اَعْرِبُوا القرآن والتمسوا غرائبه[1] علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: مفسر کی اولین ضرورت مفردات کا حل ہے[2]

---

[1] بیہقی عن ابی ہریرہؓ مرفوعاً (الاتقان ص ۱۱۵)

[2] اوّل ما يجب البداءة به منها (من العلوم اللفظية) تحقيق الالفاظ المفردة فيتكلم عليها من جهة اللغة ثم التصريف ثم الاشتقاق ثم يتكلم عليها بحسب التركيب فيبدأ بالاعراب ثم بما يتعلق بالمعاني ثم البيان ثم البديع ثم يبين المعنى المراد ثم الاستنباط ثم الاشارات (الاتقان ج ۲ ص ۱۸۰)

اسی وجہ سے ماتن علام نے بھی اس طرف خصوصی توجہ فرمائی ہے۔ پیش نظر متن میں دلائل کے علاوہ مسئلہ ۵ تک الفاظ و قرینہ کی تفسیر میں اختلاف کے سبب پر روشنی ڈالی ہے پھر فی صفحہ ۱۸۰ میں مختلف تفسیروں میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینے کا اصول بیان کیا ہے۔ مثلاً

مثال ارشاد ربانی ہے۔ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ الآیۃ۔ کانتا رتقا ففتقناھما کی تفسیر میں پانچ قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ آسمان و زمین ایک دوسرے سے متصل اور چپکے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے دونوں کو الگ کر دیا، پھر آسمان کو اوپر پہنچا دیا اور زمین کو اسی کی جگہ پر بحال رکھا۔ وھو قول الحسن وقتادۃ وسعید بن جبیر وروایۃ عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہم۔

دوسرا قول: آسمان کے ساتوں طبقے ایک دوسرے سے متصل تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک دوسرے سے جدا فرمایا۔ اسی طرح زمین کے طبقات سبعہ باہم متصل تھے، اللہ تعالیٰ نے ان میں باہمی فصل پیدا فرمایا۔ وھو قول مجاہد وابی صالح رحمہما اللہ۔ تیسرا قول: آسمان و زمین کے منہ بند تھے[1] نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے پیداوار، اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدے کی خاطر دونوں کے منہ کھول دیئے، اوپر سے پانی کا دہانہ کھولا، نیچے سے زمین کے مسام کھولے۔ ابن عباس و جمہور مفسرین رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے[2]۔

ماتن کے بتائے ہوئے اصول کی روشنی میں ان اقوال مختلفہ میں سے راجح کی ترجیح کے لئے آپ آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ قول ثالث ہی راجح ہے کیونکہ آیت کا آخری جزء وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی باہمی علیحدگی یا طبقات ارض و سماء کے باہمی انفصال سے نزول ماء کا ایسا خصوصی اور قریبی تعلق نہیں ہے

---

[1] یعنی [illegible] ایک دوسرے سے متصل [illegible] الگ الگ کر دیا۔

[2] اس سے پہلے یہ فرمایا ہے کہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا۔ [illegible] پانی سے ہر جاندار کو پیدا کیا ہے

[3] کذا فی تفسیر الکبیر، وفیہ اقوال أخر ایضاً

[4] [illegible]

جیسا کہ ، بندش کے ٹوٹنے ، اور ، بندش کے کھلنے ، سے ہے۔

وقد استنبط الفقیر فی هٰذا الباب ما لا یخفیٰ لُطفهٗ الّا علی المتعسّف غلیظ الطبع مثلاً ، کُتِبَ علیکم القصاص فی القتلی ، حملتهٗ علیٰ معنی تکافؤِ القتلیٰ ، واشتراکِ الاثنین فی حکمٍ واحدٍ لئلّا یحتاجَ مفهومُ الانثیٰ بالانثیٰ الی مؤُنةِ النسخ ، ولا تُرتکب توجیهاتٌ تضمحلّ بادنیٰ التفاتٍ ۔

ترجمہ :- اور فقیر نے اس باب میں ایسے نادر استنباط کئے ہیں جن کا لطف موٹی عقل والے بے انصاف کے علاوہ (کسی) پر مخفی نہیں ، مثلاً (آیت کریمہ) کتب علیکم الخ کو میں نے "مقتولین میں مساوات ، اور ایک حکم میں دو شخصوں کی شرکت" پر محمول کیا ہے تاکہ ، الانثیٰ بالانثیٰ ، کا مفہوم ، بارِ منسوخیت ، (منسوخ ہونے کے بوجھ) کا محتاج نہ رہے ، اور نہ ایسی توجیہات اختیار کرنی پڑیں جو معمولی توجہ سے بے وزن ہو جائیں ۔

ھدایت :- اس موقع پر مولوی احمد صاحب نے اس طرح ترجمہ کیا ہے ، فقیر نے اصول موضوعہ تفسیر کے انضباط اور متعلقات استعمال کی چھان بین اور احادیث کی دیکھ بھال کے بعد شرح غریب کے متعلق ایسے نادر استنباط کئے ہیں الخ ۔ اس ترجمہ سے صاف ظاہر ہے کہ متن کی عبارت ، بعد احکام المقدمات ، کا تعلق قد استنبط الفقیر سے ہے ، لہٰذا یہ واؤ عاطفہ اگر اس فصل کے بجائے ، بعد احکام ، پر داخل ہوتا تو زیادہ بہتر بات ہوتی ۔ واللہ اعلم

ف :- یہاں سے ماتن علام اپنے بیان کردہ اصول کی روشنی میں تفسیر کے چند نمونے پیش فرما رہے ہیں ، چنانچہ اس عبارت میں آیت کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ ، کی تفسیر فرمائی ہے کہ ، القصاص فی القتلیٰ ، کے معنی ہیں ، تکافؤ القتلیٰ ،

؎ دیکھئے تفسیر کبیر ؎ یہ ترجمہ فارسی عبارت سے ماخوذ ہے (ق)۔

یعنی بیان قصاص ، قود ، یا ، انتقامی قتل ، کے معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ مماثلت کے معنی میں ہے۔[ل] اور آیت کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ شرعی حکم کے اعتبارات دو مماثل شخصوں کو یکساں حیثیت دی جائے۔ کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی جا سکتی ہے۔

اور مماثلت کا معیار قرآن کے مطابق یہ ہے کہ آزاد ، آزاد کا مماثل ہے ، غلام ، غلام کا مماثل ہے۔ عورت ، عورت کی مماثل ہے۔ ان اصناف کی باہمی مماثلت ایک ایسی حقیقت ہے جس میں قتل یا اختصاص کے تغیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

ایک معزز خاندان کے فرد کی حیثیت ایسا ہی خاندان کے غلام سے ذرہ برابر بھی زائد نہیں ہے۔ متمول گھرانے کی عورت کو غیر متمول اور غریب گھرانے کی عورت پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا عبد کے بدلے میں حر کا قتل ــ اس وجہ سے کہ عبد کا تعلق شریف خاندان سے ہے اور حر کا تعلق وضیع گھرانے سے ہے ــ اصول مماثلت کے بالکل خلاف ہے۔ اس تفسیر کے مطابق آیت کریمہ کے اندر ، مماثلت ، اور ، اعتبار مماثلت کی فوقیت ، کا بیان ہے ، نہ کہ ، انتقامی قتل ، کا۔ معلوم ہوا کہ ، الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ ، کے تقابل سے فقہاء و مفسرین نے مسئلہ قصاص کی اختلافی جزئیات میں جو استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت میں ، قصاص یعنی انتقامی قتل ، کا تذکرہ ہی نہیں ہے۔

ومثلاً ﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ﴾ حملته على معنى "يسألونك عن الأشهر" يعني أشهر الحج. فقال تعالى: ﴿هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾. ومثلاً ﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ أي لأول جمع الجنود، لقوله تعالى: ﴿وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ

[ل] فمعنى القصاص التكافؤ، وانه يجعل الانساب في درجة واحدة من الحكم، لا يفضل أحد من الأحرار القتيل مكانة [illegible] وليس بمعنى القصاص ، القتل قود [illegible] القتل [illegible]
([illegible] ج ٢ ص ٢٢٢ و القرآن الكريم ص [illegible])

حٰشِرِيْنَ، ﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ﴾، وهو أنسبُ وأنسبُ بقصة بني النضير وأقوى في بيان المنّة۔

ترجمہ:- اور مثال کے طور پر ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ﴾ کو میں نے يسئلونك عن الأشهر یعنی شہر حج پر محمول کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (کہدیجئے) یہ لوگوں کے لئے اور حج کیلئے مقررہ اوقات ہیں۔ اور مثلاً ﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ الآیۃ، وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کر کے نکال دیا یعنی لشکروں کے پہلے ہی اجتماع پر۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ﴿وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حٰشِرِيْنَ﴾ اور ﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ﴾ کی وجہ سے۔ اور یہی توجیہ واقعہ بنی نضیر کے زیادہ مناسب مطابق اور احسان کے بیان میں زیادہ مستحکم ہے۔

ف:- يسئلونك عن الأهلة قل هي مواقيت للناس والحج. بظاہر سوال وجواب میں مطابقت نہیں ہے، عام طور پر مفسرین نے جواب کو علی اسلوب الحکیم پر محمول کر کے اعتراض سے چھٹکارا حاصل کیا ہے لیکن ماتن علامؒ نے گذشتہ اصول کی روشنی میں جواب یعنی ﴿قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ﴾ الآیۃ، کو قرینہ بنا کر الأهلة کو الأشهر کے معنی میں لیا ہے۔ لہٰذا سوال وجواب میں ہم آہنگی پیدا ہو گئی ـــــ دوسری مثال ﴿هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ الآیۃ میں ماتنؒ نے حشر کو لشکر جمع کرنے کے معنی میں لیا ہے۔ اور دلیل و قرینہ میں دو آیتیں ذکر کی ہیں۔ بلکہ جمہور مفسرین نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق حشر کو جلا وطن کرنے کے معنی میں لیا ہے۔[1] (تکملہ وغیرہ)

ومنها بيان الناسخ والمنسوخ، وينبغي أن يعلم في هذا المقام نكتتان، الأولى أن الصحابة والتابعين كانوا يستعملون النسخ على غير ما اصطلح عليه الأصوليون، وهو قريب من المعنى اللغوي الذي هو الإزالة، فمعنى النسخ عندهم إزالة بعض الأوصاف من الآية المتقدمة

---

[1] أي قال لأول الحشر وأول خروجهم من جزيرة العرب لم يصبهم هذا الذل قبل ذلك (تفسير كبير)

بآيةٍ متأخرةٍ. امّا لانتهاء مدّةِ العمل، وامّا صرف الكلام عن المعنى المتبادر الى غير المتبادر، وامّا بيان الغاء قيدٍ من القيود، وكذلك تخصيصُ عامٍ او بيانُ فارقٍ بين المنصوص والذي يُقاسُ عليه ظاهرًا وما اشبه ذلك، وهذا البابُ واسعٌ، وللعقل هنالك جولانٌ، وللاختلاف مجالٌ. ولهذا اوصلوا عدد الآيات المنسوخة الى خمسمائة۔

ترجمہ:۔ اور ان ہی (آثار) میں سے ناسخ و منسوخ کا بیان ہے۔ اور اس موقع پر دو نکتوں کا جاننا بھی مناسب ہے۔ پہلا نکتہ: یہ ہے کہ صحابہؓ و تابعین رحمہم اللہ نسخ کو اس مفہوم سے ہٹ کر استعمال کرتے تھے جس پر اہلِ اصول نے اصطلاح قائم کی ہے۔ اور وہ معنی اس معنی لغوی کے قریب ہے، کہ وہ ازالہ ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے نزدیک نسخ کا معنی: پہلی آیت کے کسی وصف کو بعد والی آیت کے ذریعہ زائل کر دینا ہے، خواہ مدتِ عمل کے منتہی ہونے (کی خبر) کے ذریعہ، یا کلام کو معنی متبادر سے غیر متبادر کی طرف پھیرنے کے ذریعہ، یا کسی قید کے زائد ہونے کی تعریف کے ذریعہ اور اسی طرح عام کی تخصیص، یا منصوص اور ظاہری مقیس علیہ کے درمیان فارق کا بیان (بھی متقدمین) کی نظر میں نسخ ہے۔ اور یہ باب وسیع ہے۔ اور یہاں عقل کی دوڑ اور اختلاف کی گنجائش ہے۔ اور اسی وجہ سے ان متقدمین نے آیاتِ منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچائی ہے۔

ف:۔ اس عبارت کی تشریح کے لئے دیکھئے، الفوز العظیم:۔ ص ۲۴۲ تا ۲۵۱۔

والثانية ان النسخ بالمعنى الاصطلاحي الاصلُ في بيانه معرفةُ التاريخ، ولكنهم ربما يجعلون اجماعَ السلفِ الصالح، او اتفاقَ جمهورِ العلماءِ علامةً للنسخ فيقولون به، وارتكب ذلك كثيرٌ من الفقهاءِ ويمكن ان يكون ما صدقتْ عليه الآيةُ غيرَ ما صدق عليه الاجماعُ، وبالجملة فان تتبع الآثار المُنبِئةِ عن النسخ يقتضي كثيرًا

وفی الوصول الی عمق الکلام صعوبۃ، وللمحدثین اشیاء خارجۃ عن ھذہ الاقسام یوردونھا ایضًا کمناظرۃ الصحابۃ فی مسئلۃ، والاستشھاد بھذہ الآیۃ او تمثیلھم بذکر ھذہ الآیۃ، او تلاوۃ حضرتہ صلی اللہ علیہ وسلم لھذہ الآیۃ بطریق الاستشھاد، وروایۃ حدیث یوافق الآیۃ فی اصل المعنی، وطریق التلفظ بالنقل عنہ صلی اللہ علیہ وسلم او الصحابۃ۔

ھدایت:- ولی فی تتبع آ عسرًا کثیرًا کے بجائے یہ ترجمانی: فان فی الآثار المنبئۃ عن النسخ عسرًا کثیرًا ای حرجًا عظیمًا، ہے کیونکہ متن فارسی: در آثارے کہ مشعر از نسخ اند عسر بسیار است۔ ہے۔

ترجمہ:- اور دوسری کتب یہ ہے کہ نسخ اصطلاحی کے بیان میں بنیادی چیز تاریخ کی معرفت ہے۔ لیکن اکثر علماء بسا اوقات سلف صالح کے اجماع یا جمہور علماء کے اتفاق کو نسخ کی علامت قرار دیتے ہیں اور نسخ کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اور اسے بہت سے فقہاء نے اختیار کیا ہے جبکہ ممکن ہے کہ آیت کا مصداق، اجماع کے مصداق کے علاوہ ہو۔ بہرحال ان آثار کی تحقیق جو نسخ کا پتہ بتانے والے ہوں بہت ہی غور یا جستجو رکھتی ہے۔ اور کلام کی تہ تک پہنچنے میں دشواری ہے۔ اور محدثین کے یہاں ان اقسام کے علاوہ ایسی چیزیں بھی ہیں جن کو وہ ذکر کرتے ہیں، مثلاً کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا مناظرہ اور اس آیت سے استشہاد (جس کے تحت محدثین مناظرہ کا ذکر کرتے ہیں) یا تذکرہ آیت سے ان (صحابہؓ) کی تمثیل۔ یا آیت کو استشہاد کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تلاوت کرنا، اور ایسی حدیث کو نقل کرنا جو اصل مضمون میں آیت کے موافق ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ سے منقول (طریقہ) کے مطابق الفاظ کی ادائیگی کا طریقہ۔

ف:- اس عبارت کی شرح کے لئے دیکھئے۔ الفوز العظیم: (ص ۲۱۶ تا ۲۲۱)

فصلٌ فيما بقي من لطائف هذا الباب

من جملة ذلك استنباط الأحكام، وهذا الباب متسع جدًا، وللعقل في الاطلاع على الفحاوي والإيماءات والاقتضاءات ميدانٌ واسعٌ والاختلاف الكلي حاصلٌ، وقد أُلهم الفقير حصر الاستنباط في عشرة أقسام وترتيب تلك الأقسام، وتلك المقالة ميزانٌ عظيمٌ لوزن كثير من الأحكام المستنبطة۔

ترجمہ: فصل۔ اس باب کے بقیہ لطائف کے بیان میں۔

منجملہ ان لطائف کے احکام کا استنباط (بھی) ہے۔ اور یہ باب بہت وسیع ہے۔ اور (آیات کے) مصداق و اشارات اور اقتضاءات سے باخبر ہونے کا میدان عقل کے لئے بہت کشادہ ہے۔ اور (احکام کے استنباط میں) کلی (اصولی) اختلاف (فقہاء کے درمیان) موجود ہے۔ اور فقیر کو دس اقسام میں استنباط کے انحصار اور ان اقسام کی ترتیب کا الہام ہوا ہے۔ اور وہ مقالہ بہت سے مستنبطہ احکام کی جانچ کے لئے ایک بڑی ترازو (یا کسوٹی) ہے۔

ف: جن دس اقسام میں استنباط و اجتہاد کے منحصر ہونے کا الہام حضرت مصنفؒ کو ہوا ہے ان کا تفصیلی تذکرہ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۲۰۵ و ۲۰۶ میں موجود ہے۔ راقم الحروف اپنی لیاقت کے مطابق اس کی تلخیص و تسہیل پیش کر رہا ہے۔ امید کہ یہ بات مفید ثابت رہے۔ آئیے

استنباط کی دس قسمیں

گفتگو کرنے اور دوسرے کے کلام سے مضامین اخذ کرنے کے چار طریقے ہیں جو وضوح و خفاء کے اعتبار سے باہم مختلف ہوتے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ (الف) کلام میں اس بات کی صراحت ہو کہ حکم فلاں محل کے لئے ثابت ہے۔ (ب) اور یہ حکم صریح طور پر متکلم کا مقصود بھی ہو (ج) مقصود متکلم کے علاوہ کسی اور معنی کی گنجائش نہ ہو۔

(نوٹ: حضرت شاہ صاحب کے بقول: سب سے اعلیٰ اور واضح طریقہ یہی ہے) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کلام پہلے طریقہ کے اجزاء ثلاثہ میں سے کسی ایک سے خالی ہو۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: حکم فردِ متعین کے بجائے کسی عام عنوان کے لئے ثابت کیا گیا ہو۔
عام عنوان سے مراد چار چیزیں ہیں۔ (۱) جمع لفظی ہو یا معنوی جیسے مسلمان، النّاس (۲) وہ اسماء اشارہ جن کا مشارٌ الیہ عام ہو جیسے ھٰؤلاءِ الرجال (۳) ہر وہ موصوف جس کے ساتھ کوئی عمومی صفت لگی ہو جیسے فتیاتکم المؤمنات (۴) لائے نفی جنس کا اسم جیسے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ۔ عموم میں بسا اوقات تخصیص کا احتمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں پہلے طریقے کی بہ نسبت وضاحت کم ہوتی ہے۔

دوسری صورت: مخاطب نے مقصودِ متکلم سے زائد کوئی ایسا مضمون اخذ کر لیا ہو جس پر دلالت کرنے والا لفظ کلام میں موجود ہو۔ جیسے جاءنی زیدٌ الفاضل میں مقصودِ متکلم صرف مجیئتِ زید کی خبر ہو لیکن مخاطب اس سے زید کی فضیلت کا مضمون بھی سمجھے۔

تیسری صورت: کلام میں کسی اور معنی کی گنجائش ہو جیسا کہ الفاظِ مشترکہ اور مجازِ متعارف وحقیقتِ مستعملہ کے درمیان دائر الفاظ میں اور تعارضِ قرائن کی صورت میں ضمائر و اسماء اشارات میں مقصودِ متکلم کے علاوہ معانی کا احتمال پایا جاتا ہے۔

تیسرا طریقہ: یہ ہے کہ مخاطب کلام سے ایسا مضمون سمجھے جس پر براہِ راست الفاظ کی دلالت نہ پائی جاتی ہو۔ اس کی بھی تین صورتیں ہیں۔

اول فحویٰ: جس کا مطلب یہ ہے کہ عبارت کے معنی لغوی سے علت یا تنبیہ کے طور پر کوئی بات سمجھی جائے جیسے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ سے زد و کوب اور سب و شتم کی حرمت کا سمجھنا اور من اکل فی نہار رمضان وجبت علیہ القضاء سے شارب و واطی وغیرہ کے حق میں وجوبِ قضاء کو سمجھنا۔ (اسی کو اصولِ فقہ میں دلالۃ النص کہتے ہیں)

دوم اقتضاء: یعنی معنی مستعمل کے لزوم کے توسط سے کوئی بات سمجھی جائے۔ خواہ لزوم عرفی ہو، یا عقلی یا شرعی۔

یعنی کسی کلام سے ایسا مضمون اخذ کرنا جو کلام کے معنی مرادی کے لئے لازم ہو۔ جیسے ،، اعتقتُہ، بعتُ ،، کے لئے اعتاق و بیع سے پہلے ملکیت لازم ہے۔ اور ،، شُفی ،، کے لئے مریض کی سلامتی لازم ہے ہمّلی یا فلان، کے لئے معنیٰ کا ظاہر ہونا مستحضر ہونا لازم ہے۔

سوم ایماء: یعنی کلام سے ایسا، مناسب مضمون اخذ کرنا جو مرادِ متکلم سے زائد اور اس کا مقابل

جیسا کہ "تقیید بالوصف" کی صورت میں "انتفاء الحکم لانتفاء الوصف" کا مضمون سمجھا جاتا ہے
اور "تقیید بالشرط" کی صورت میں "انتفاء الحکم لانتفاء الشرط" کا مضمون اخذ کیا جاتا ہے بشرطیکہ
قید یا شرط کے ذکر کا مقصد "سوال کی مشاکلت" یا "صورۃ متبادرہ کا بیان" یا "بحث مادۂ
حکم کی وضاحت" نہ ہو۔ اور "کلام استثنائی" سے مستثنیٰ کے حق میں حکم مخالف کا مضمون مفہوم
ہوتا ہے۔ اور جس کلام میں کوئی عدد یا حکم کی غایت مذکور ہوتی ہے۔ اس سے "عدد غیر مذکور"
اور "مابعد الغایت" سے حکم کی نفی سمجھی جاتی ہے۔

چوتھا طریقہ: یہ ہے کہ مضمون کلام سے استدلال کیا جائے۔ اس کی بھی بڑی تین قسمیں ہیں۔

(۱) الاندراج فی العموم یعنی عام کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے کسی خاص پر عام کا حکم نافذ کرنا۔
جیسے الذئب ذوناب، وکل ذی ناب حرام۔

(۲) الاستدلال بالملازمۃ او المنافاۃ یعنی کسی حکم کے ثبوت کے لئے دو چیزوں کے باہمی تلازم
یا باہمی منافات سے استدلال کرنا۔ جیسے "اگر وتر کی نماز واجب ہوتی تو سواری پر ادا نہ ہوتی،
لیکن وہ سواری پر ادا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا واجب نہیں ہے"

(۳) قیاس یعنی علت مشترکہ کی وجہ سے ایک صورت (یا چیز) کو دوسری صورت (یا چیز) کے مماثل
بتانا جیسے الجص ربویٌّ کالحنطۃ (گیہوں کی طرح چونا بھی ربوی ہے)

یہ ہیں استنباط کی وہ اقسام عشرہ جن کی طرف متن میں اشارہ کیا گیا ہے۔ آخر الذکر تینوں طریقوں
کی تین تین قسمیں ہیں جن کا مجموعہ نو ہوا، اور ایک قسم پہلا طریقہ ہے تلک عشرۃ کاملۃ۔

نوٹ:۔ حنفیہ کے اصول فقہ کی رو سے ان میں سے بعض اقسام متکلم فیہ ہیں۔ فتدبر۔

ومنها التوجيهُ وهو فنٌّ كثيرُ الشعب يستعمله الشراحُ في شرح المتون
ويحصُل به امتحانُ ذكائهم، ويظهر به تباين مراتبهم، وقد تكلم
الصحابة رضي الله عنهم في توجيه القرآن مع عدم تنقيح قوانين
التوجيه، في ذلك العصر، واكثروا الكلام فيه، وحقيقة التوجيه
انه ان وقع في كلام المصنف صعوبةُ فهمٍ، توقف الشارح حتى يحل تلك الصعوبة

ترجمہ: ۔ اور ان (لطائف یا فنونِ تفسیر) میں سے توجیہ ہے۔ اور توجیہ ایسا فن ہے جس کی شاخیں بہت ہیں۔ (اور) متون کی شرح میں شارحین اسے استعمال کرتے ہیں۔ اور اس سے ان شارحین کی ذہانت کا امتحان (بھی) ہوجاتا ہے۔ اور اس سے ان کے مراتب کا اختلاف (بھی) سامنے آجاتا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ نے اس زمانہ میں قواعدِ توجیہ کی تنقیح نہ ہونے کے باوجود توجیہِ قرآن کے سلسلہ میں کلام فرمایا ہے۔ اور اس بارے میں کافی گفتگو کی ہے۔ اور توجیہ کی حقیقت یہ ہے کہ مصنف کی عبارت میں اگر سمجھنے کی دشواری پیش آجائے تو شارح توقف کرکے غور وفکر کرے حتیٰ کہ اس دشواری کا حل تلاش کرے۔

ف: ۔ توجیہ کا بیان، الفوز العظیم ۔ (ص ۵۰۳) میں یہاں سے زیادہ تفصیل کیساتھ موجود ہے۔

اصطلاح نمبر

ولمّا كانت أذهانُ قرّاءِ الكتاب ليست في مرتبةٍ واحدةٍ، لم يكن التوجيهُ أيضاً في مرتبةٍ واحدةٍ، فالتوجيهُ بالنسبة إلى المبتدئين غير التوجيه بالنسبة إلى المنتهين. فإن المنتهي ربما يخطر بباله صعوبةٌ ثَمَّ، فيحتاج إلى حلّها، والمبتدي غافلٌ عنها بل لا يقدر أن يُحيط بذلك. وكثيرٌ من الكلام يستصعبه المبتدي ولا يحصل في ذهن المنتهي شيءٌ من الصعوبة هُنالك. فأمّا من لاحظ جوانب الأذهان فينزل إلى حال الجمهور، ويتكلم حسب أذهانهم.

ترجمہ: ۔ اور چونکہ کتاب پڑھنے والوں کے ذہن ایک معیار کے نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا توجیہ (پیش آمدہ علمی دشواریوں کی تشریح) بھی ایک ہی معیار کی نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ مبتدیوں کی توجیہ منتہی حضرات کی توجیہ سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ بسا اوقات منتہی کے خیال میں ایک مفہوم کی دشواری آتی ہے اور وہ اس کے حل کی ضرورت محسوس کرتا ہے لیکن مبتدی اس سے غافل ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے احاطہ کی بھی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ اور بہت سی باتوں کو مبتدی دشوار سمجھتا ہے جبکہ اس موقع پر منتہی کے ذہن میں کوئی دشواری نہیں آتی ہے۔ رہا وہ شخص جس نے ذہنوں کے اطراف کا احاطہ کرلیا ہو تو وہ جمہور کے احوال کی جانب نزول کرلیتا ہے اور ان کے اذہان

(قوت فکر و فہم) کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

ف:- (۱) یاد رہے کہ اشکالات و توجیہات کا تعلق اگرچہ نحو، صرف، لغت، تصوف، تاریخ اور بلاغت و بدیع وغیرہ تمام علوم قرآنیہ سے ہوتا ہے، لیکن یہاں پر آیات کی تفسیر اور مراد باری تعالیٰ کی وضاحت سے متعلق توجیہات کا بیان ہے، جیسا کہ ما بعد کی عبارت "فتعدد التوجیہ" سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) مبتدی و منتہی کے اشکالات و توجیہات کا فرق مندرجہ ذیل مثالوں سے سمجھیں۔

○ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (البقرۃ) میں یُخٰدِعُوْنَ باب مفاعلت سے ہے جس کا خاصہ مشارکت ہے، لہٰذا آیت کا مطلب ہوا (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف بھی خداع کی نسبت لازم آرہی ہے۔

توجیہ: بہت سے مقامات پر مفاعلت، مشارکت سے خالی ہوتا ہے، جیسا کہ بارک اللہ اور عاقبت اللص مشارکت سے خالی ہیں۔

○ اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا (طٰہٰ) کے بارے میں ایک مبتدی کو اشکال ہوگا کہ اَنْ کے ہوتے ہوئے یرجع مرفوع کیونکر ہے؟

توجیہ: یہاں اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے نہ کہ ناصبہ۔ مگر اس قسم کے اشکالات مبتدی ہی کو پیش آتے ہیں۔

○ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (الآیۃ) اور فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (الآیۃ) میں جو تعارض مشہور ہے عام مبتدی کو اس کا تصور بھی نہیں ہوتا ہے۔

اس کی توجیہات "الفوز الکبیر" ..... (ص ۲۸۰ تا ۲۸۲) میں گذر چکی ہیں۔

○ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اور وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ (الآیۃ) سورۂ نساء کی دو آیتیں ہیں۔ ان دونوں کو جوڑ کر جو منطقی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ ایک سے زائد عورتوں سے شادی کرنا عدل پر موقوف ہے۔ (کما ھو مدلول الآیۃ الاولیٰ) اور دوسری آیت کے مطابق عدل قائم کرنا بس سے باہر ہے، لہٰذا ایک سے زائد عورت سے شادی کرنا ناجائز؛ وہ بھی مبتدی کی قوت فکر سے بالاتر ہے۔

توجیہ:- پہلی آیت میں عدل سے مراد، معاملات و حقوق میں عدل قائم کرنا ہے۔ اور دوسری آیت میں عدل سے مراد قلبی میلان میں مساوات قائم کرنا ہے۔ دونوں آیتوں کے مصداق

دو ہیں۔ پہلا تعارض حدیث۔ عدل فی الحقوق ممکن اور استطاعت میں داخل ہے۔ لہذا ایک سے زائد شادی کرنا جائز ہے۔ اور عدل فی المحبۃ استطاعت سے باہر ہے۔ لہذا شرعاً مطلوب نہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود دعا فرماتے ہے اَللّٰھُمَّ لَا تُؤَاخِذْنِیْ فِیْمَا لَا اَمْلِکُ۔

(۲) جب الاعتماد ان ضبط بہ ذات کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل کے اذہان جس قسم کے اشکالات سے تحیر ہوں۔ [illegible] ہوتے ہیں کہ اگر وہ اشکالات انہیں بتا دئے جائیں تو ان سب کا یاد رکھنا بھی ان کے لئے دشوار ہو۔ واللہ اعلم

(۳) فالعمدۃ فی التوجیہ فی آیات المخاصمۃ کا مطلب یہ ہے کہ جو حضرات ومفسرین [illegible] کے لوگوں کی خصوصیات اور ان کے معیار فہم سے واقف ہوتے ہیں، وہ [illegible] حضرات کے اشکالات وتوجیہات کو عموماً نظرانداز کر دیتے ہیں، وہ جمہور کی قوت فہم کو سامنے رکھ کر کتاب کی ایسی تشریح فرماتے ہیں جو اکثریت کے لئے تشفی بخش ہوتی ہے۔

فعمدۃُ التوجیہ فی آیاتِ المخاصمۃِ تحریرُ مذاہبِ الفِرَقِ عن الخصوم وتنقیحُ وجہِ الالزامِ، والعمدۃُ فی آیاتِ الاحکامِ تصویرُ صُوَرِ المسئلۃِ وذکرُ فوائدِ القیودِ من الاحترازِ وغیرِہٖ۔ والعمدۃُ فی آیاتِ التذکیرِ بآلاءِ اللہِ تصویرُ تلک النِّعمِ وبیانُ مواضعِہا الجزئیۃِ، والعمدۃُ فی آیاتِ التذکیرِ بایامِ اللہِ بیانُ ترتیبِ بعضِ القصصِ علٰی بعضٍ، وایضاً بحثُ تعریضٍ یوجدُ فی نحوِ القصۃِ۔ والعمدۃُ فی التذکیرِ بالموتِ وما بعدہٗ تصویرُ تلک الامورِ وتعریفُ تلک الحالاتِ۔

ترجمہ: لہذا آیات مخاصمت کی توجیہ میں مختلف فرقوں کے مذاہب کا بیان اور وجہ الزام کی تنقیح ہے اور آیات الاحکام کی توجیہ میں مسئلہ کی صورتوں کو بیان کرنا اور

[illegible] دیکھئے ترجمان السنہ ج ۲ ص [illegible]

[illegible]

قیود کے فوائد، احتراز وغیرہ کو ذکر کرنا ہے۔ اور تذکیر بآلاء اللہ کی آیات میں عمدہ توجیہ ان نعمتوں کی تفصیل احسان کے جزئی مقامات کا بیان ہے۔ اور تذکیر بایام اللہ کی آیات میں عمدہ توجیہ واقعات کے ایک جزء کے مقابلہ میں دوسرے جزء کی ترتیب اور اس تعریض کو کما حقہٗ بیان کرنا ہے جو واقعہ کے بیان میں پائی جاتی ہو۔ اور تذکیر بالموت و مابعدہٗ کی آیات میں عمدہ توجیہ ان مناظر کو متعین کرنا اور ان حالات کو بیان کرنا ہے (جو قرآن میں مذکور ہیں)۔

ف:- اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے علوم خمسہ کی تفسیر کے جن بنیادی اور اہم عناصر کو ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اولاً آیات مخاصمہ کی تفسیر کے دو عنصر بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) فرق باطلہ کے عقائد و نظریات کا بیان (۲) آیت میں مذکورہ تردیدی دلائل کی وضاحت۔

مثال: آیت کریمہ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ الخ۔ کی تفسیر میں دو چیزوں کا تذکرہ کافی ہے (۱) حضرت عیسیٰ کی ولادت چونکہ خرق عادت کے طور پر (خلاف معمول) بلا باپ کے ہوئی تھی، اس لئے نصاریٰ آپ کو "ابن اللہ" مانتے تھے۔ (۲) آیت کریمہ میں اللہ جل شانہٗ نے اس اشتباہ کے رد میں حضرت آدمؑ کی پیدائش کا قضیہ پیش کرکے نصاریٰ کو مسکت جواب دیا ہے کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے کہیں زیادہ حیرتناک ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت میں کم از کم ماں کا واسطہ تو ہے ہی، اور حضرت آدمؑ کی پیدائش میں تو نہ ماں کا واسطہ ہے نہ باپ کا۔ جبکہ آدمؑ کو خدا یا خدازادہ کوئی نہیں مانتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ظاہری اسباب کے فقدان، یا ان میں کمی ہو جانے سے، یا خلاف معمول کسی چیز کے وجود میں آنے سے اس کی خدائی ثابت ہوتی ہے نہ خدازادگی۔

ثانیاً آیات الاحکام کے دو تفسیری عناصر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۱) صورت مسئلہ کی توضیح (اگر ضرورت ہو) (۲) آیت میں اگر کوئی قید مذکور ہو تو اس کی حیثیت کا بیان۔

مثال: آیت کریمہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ کی تفسیر میں مسئلہ کی صورت ذکر کی گئی ہے۔ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت اس غیر کا نام بھی لیا جائے[1]۔

---

[1] بعض حضرات نے اس کی ایک اور صورت ذکر کی ہے کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے لیکن ذبح کے وقت نام اس غیر کے بجائے اللہ ہی کا لیا جائے۔ مگر یہ صورت آیت کا مدلول صریح نہیں ہے۔ البتہ اشتراک علت کی وجہ سے اس کا بھی حکم وہی ہے جو پہلی صورت کا ہے۔ اسلئے تفسیر کی جزئیت سے اس صورت کو ذکر کرنا بھی مناسب تھا۔

اور دوسرے عنصر کو سمجھنے کے لئے آیت کریمہ ﴿لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ کی تفسیر دیکھئے۔ مفسرین نے اِنْ خِفْتُمْ کی قید کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ وہ احترازی نہیں، واقعی ہے اور ﴿وَلَا تُکْرِهُوْا فَتَیٰتِکُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ الآیہ میں بھی شرط کے واقعی ہونے کی بھی تصریح کتب تفسیر میں موجود ہے۔

ثالثًا: تذکیر بآلاء اللہ کی تفسیر کے بھی دو ہی عنصر ذکر کئے ہیں۔ (۱) آیت میں ذکر ہونے والی نعمتوں کی تفصیل بیان کر دیں کے منافع و فوائد کیا ہیں۔ (اگر ضرورت ہو)

(۲) وہ نعمت کن لوگوں سے متعلق ہے۔

مثال: سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ ﴿کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَکُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ﴾ الآیہ میں اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اس موقع پر یہ سمجھانا کہ موت و حیات نعمت کیونکر ہیں مفسر کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ مفسرین لکھتے ہیں کہ زندگی کا نعمت ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ دنیا و آخرت اور زمین و آسمان کی جتنی نعمتیں انسان کو حاصل ہوتی ہیں ان سے محظوظ ہونا زندگی پر موقوف ہے، اور موت اس لحاظ سے نعمت ہے کہ آخرت کی دائمی زندگی اور وہاں کی لازوال نعمتوں سے لطف اندوز ہونا اسی دنیاوی موت پر موقوف ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ إِذْ جَاءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ الآیہ کی تفسیر میں یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جنود سے مخالفین اسلام کا لشکر مراد ہے جس میں قریظہ و بنو نضیر کے یہودیوں اور قریش و غطفان کے تقریباً بارہ ہزار افراد شریک تھے، ساتھ ہی یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ آیت میں منعم علیہم کی حیثیت سے جن مومنین کو خطاب کیا گیا ہے ان سے اسلام کے تین ہزار مجاہدین کا وہ لشکر مراد ہے جو پوری بے سروسامانی کے ساتھ ان بارہ ہزار کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان جنگ میں صف آرا تھا۔ واللہ اعلم

رابعًا: آیات تذکیر بایام اللہ کی تفسیر کے دو عناصر کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (۱) واقعہ کی اصل ترتیب کی تصریح (۲) واقعہ میں جو عبرتیں پائی جاتی ہوں ان کی وضاحت۔

مثال اوّل: سورۂ بقرہ میں احسان کے طور پر بنی اسرائیل کے بہت سے واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان واقعات میں میدان تیہ کے اندر ہونے والے واقعات کا بھی ذکر ہے۔ مثلاً منّ و سلویٰ

کا ذکر ہی ہو۔ بادل کے سایہ فگن ہونے کا ذکر "وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ" الآیۃ میں اور بارہ قبائل کے لئے بارہ چشموں کے نکلنے کا تذکرہ "وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ" الآیۃ میں کیا گیا ہے، لیکن مذکورہ واقعات کے درمیان آیت کریمہ "وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ" الخ کے اندر بیابان تیہ سے نکلنے کے بعد کا واقعہ مذکور ہے۔ ایسی صورت میں واقعات کی ترتیب سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ تاکہ مبتدی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔

مثال دوم: واقعہ کے درمیان تعریض کی مثال۔ "إِذْ هَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا" الآیۃ میں طائفتان سے کن لوگوں کی طرف تعریض ہے؟ اس کی وضاحت ہونی چاہئے۔ چنانچہ مفسرین لکھتے ہیں کہ طائفتان سے انصار کے دو قبیلے، بنو حارثہ اور بنو سلمہ مراد ہیں۔ اور آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کرام کو لے کر معرکہ احد کے لئے نکلے اور کفار کے لشکر سے قریب ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان کے تین ہزار جنگجو میدان میں صف آرا ہیں لہٰذا منافقین مرعوب ہو گئے اور عبد اللہ بن ابی کی سربراہی میں تقریباً تین سو منافقین نے بیچ ہی سے راہ فرار اختیار کر لی، بزعم "نَحْمِي أَنْفُسَنَا وَأَوْلَادَنَا"۔ ان حالات سے متاثر ہو کر مذکورہ قبیلوں نے بھی واپسی کا ارادہ کر لیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری کی اور ارادہ پر عمل کی نوبت نہیں آئی۔ (اس تفسیر سے حق تعریض ادا ہو گیا، انشاء اللہ تعالیٰ)

خامساً: آیات تذکیر بالمعاد کی تفسیر کے بنیادی عنصر کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انسان کو موت کے وقت، نیز اس کے بعد جن خوش کن یا تکلیف دہ مناظر سے واسطہ پڑتا ہے ان کی وضاحت کر دی جائے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں مفسرین کرتے ہیں۔

وَمِنْ فُنُونِ التَّوْجِيهِ تَقْرِيبُ مَا كَانَ بَعِيدًا عَنِ الْفَهْمِ لِعَدَمِ الْأُلْفَةِ وَقَطْعُ الْمُعَارَضَةِ فِيمَا بَيْنَ الدَّلِيلَيْنِ أَوْ فِيمَا بَيْنَ التَّعْرِيضَيْنِ، أَوْ فِيمَا بَيْنَ الْمَعْقُولِ وَالْمَنْقُولِ وَالتَّفْرِيقُ بَيْنَ الْمُلْتَبِسَيْنِ وَالتَّطْبِيقُ

ـہ روى البخاري عن جابر قال: فينا نزلت ﴿إذ همت طائفتان منكم أن تفشلا والله وليهما﴾ قال: نحن الطائفتان بنو حارثة وبنو سلمة، وما نحب أنها لم تنزل لقوله ﴿والله وليهما﴾ (صحيح ج٢ ص٦٣٢)

بين المختلفين، وبيان صدق وعد أشير إليه، وبيان كيفية عمله صلى الله عليه وسلم بما أمر به في القرآن العظيم. وبالجملة فالتوجيه في تفسير الصحابة كثير، ولا يقضي حق المقام حتى يبين توجيه الصعوبة مفصلا، ثم يتكلم في حل الصعوبة بالتفصيل، ثم يوزن الأقوال.

ترجمہ: - اور توجیہ کی قسموں میں سے ہے (۱) ان امور کو (ذہن سے) قریب کرنا جو نامانوس ہونے کی وجہ سے بعید الفہم تھے۔ (۲) اور دو دلیلوں یا دو تعریفوں کے درمیان یا منقول و معقول کے درمیان (پائے جانے والے) تعارض کو ختم کرنا (۳) دو متشابہ مضامین کے درمیان فرق کرنا۔ (۴) اور دو مختلف مضامین میں تطبیق دینا۔ (۵) اور کسی وعدہ کی صداقت کا بیان جس کی طرف (آیت میں) اشارہ کیا گیا ہو۔ (۶) اور قرآن کریم میں جن احکام پر مامور کیا گیا ہے ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی کیفیت کا بیان۔

الغرض توجیہ صحابہ کرام کی تفسیر میں بہت ہے۔ اور (تفسیر) مقام کا حق ادا نہیں ہو سکتا ہے یہاں تک کہ (اولاً) دشواری کی وجہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دی جائے۔ ثانیاً دشواری کے حل کے لئے مفصل کلام کیا جائے۔ ثالثاً اقوال کی جانچ کی جائے۔

ف: - تقریب ما کان بعیدا الخ کی مثال، القرآن العظیم - ص ۵۵۴ میں گذر چکی۔

قطع المعارضة فيما بين الدليلين کی مثال۔ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ، اور وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً۔ کے تعارض کو یہ کہہ کر ختم کرتا ہے کہ پہلی آیت کا تعلق اسلام کے ابتدائی دور سے ہے۔ اور دوسری آیت بعد کے زمانے سے متعلق ہے۔

دو تعریفوں میں تعارض کی مثال، وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ، اور، إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ، ہے۔ پہلی آیت میں، الفاسقین، سے مشرکین مکہ کی طرف تعریض ہے۔ اور دوسری آیت میں منافقین کی طرف تعریض ہے۔

دفع تعارض: فسق خروج عن الطاعة اور عصیان کو کہتے ہیں جو منافقین و مشرکین دونوں پر صادق ہے

لہ [illegible] متن اور مولوی [illegible] کے اردو ترجمہ میں یہ فصل [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]

معقول ومنقول میں تعارض کی مثال وہ آیات کریمہ ہیں جن میں بظاہر خلاف عقل امور کا بیان ہے۔ مثلاً معجزات وکرامات ، حشر ونشر وغیرہ کے احوال سے متعلق آیات ۔ ان کا رفع تعارض ۔ ان امور کو دلائل ونظائر کے ذریعہ عقل کے قریب اور اس کے موافق کرنا ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب

ملتبسین کی مثال : اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ہے ۔ بیع وربا کا فرق خود قرآن نے بیان کیا ہے۔ فرمایا ، اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۔ اور فقہاء ومفسرین نے ایک کو مقابل عن العوض ، یا ۔ مقابل بدل ، ہونے کی وجہ سے ، باعث ضرر ، اور دوسرے کو منافع کا تبادلہ ، یا نفع پہونچتا ہونے کی وجہ سے ، نفع بخش ، بتاکر فرق واضح کردیا ہے ۔

اسی طرح ، لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا ۔ اور ، لَوْ شَآءَ لَھَدٰکُمْ اَجْمَعِیْنَ ، میں شرک وہدایت مشیت خداوندی کے تحت ہونے کی حیثیت سے باہم ملتبس ہوگئے ۔ اور بادی النظر میں یہ سمجھنے کی گنجائش نکل آئی کہ دونوں مشیت کے ماتحت ہیں ، یعنی خدا دونوں کو چاہتا ہے ؟ لہٰذا دونوں اس کی مرضی کے مطابق ہیں ۔ مفسرین نے فرق بیان کرتے ہوئے بتایا کہ چونکہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے ایک کا مستحسن وپسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور دوسرے کا مبغوض وناپسند ہونا صاف ظاہر ہے ۔ لہٰذا صرف مشیت کے تحت ہونے سے مستحسن ومحمود ہونے پر استدلال کرنا غلط وسراسر نادانی ہے لہ

اسی طرح سحر ومعجزات باہم ملتبس ہیں ۔ مفسرینؒ نے مختلف حیثیتوں سے ان میں فرق بیان فرمایا ہے ۔ فتدبر

مختلفین کی مثال : فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ۔ اور ، حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ ۔ تطبیق : پہلی آیت ابتدائی دور اور حالت عذر سے متعلق ہے ۔ جبکہ دوسری آیت بعد کی ہے ۔ اور عام حالات سے متعلق ہے ۔

لہ چنانچہ متعدد مقامات پر شرک کی مذمت کی گئی ہے وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۔ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا ۔ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ الآیۃ وغیر ذلک من الآیات الکثیرۃ ، اور توحید وہدایت کی بہت سے مقامات پر تحسین وتاکید کی گئی ہے ۔ وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَہُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّهْتَدُوْنَ وغیرہ کثیر جدا ۔ مشرکین کے قول لو شاء اللہ ما اشرکنا کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی پانی پتیؒ لکھتے ہیں فہذا الاستدلال منہم من جہالتہم وعدم تمیزہم بین المشیۃ والرضاء فان الارادۃ تتعلق بالخیر والشر ما شاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن ، واللہ تعالیٰ لا یرضیٰ لعبادہ الکفر (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۳۴۳)

بیانِ صدقِ وعدہ : سورۂ روم کی ابتدائی آیات میں ایرانیوں کے ہاتھوں رومیوں کی عبرتناک شکست کے زمانہ میں یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ چند ہی سالوں میں رومیوں کی شکست و مغلوبیت، فتح سے بدل جائے گی۔ اس کے ساتھ یہ وعدہ بھی کیا گیا ہے کہ جس دن رومیوں کو فتح حاصل ہوگی اسی روز مومنین پر بھی نصرتِ خداوندی سے نازل ہوگی۔ اور ایمان والے خوش ہوں گے۔ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللّٰهِ الآیۃ چنانچہ مفسرین لکھتے ہیں نو سال کے اندر عین بدر کے دن جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح و غلبہ حاصل ہونے کی وجہ سے خوشیاں منا رہے تھے، یہ خبر سنکر وہ نہایت مسرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب، ایرانی مجوسیوں پر غالب و فتحیاب ہو چکے ہیں۔[1]

بیانِ کیفیتِ تلاوتِ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم : اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حکم پر آپ کے عمل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: كَانَ يَمُدُّ مَدًّا۔[2] یعنی آپ مد کی رعایت فرماتے ہوئے کھینچ کر پڑھتے تھے۔ اور حضرت یعلیٰ بن مملک کے بقول: حضرت ام سلمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت تلاوت بیان کرتی تھیں تو ایک ایک حرف الگ الگ پڑھا کرتی تھیں۔[3]

وما يفعله المتكلمون من الغلو في تأويل المتشابهات، وبيان حقيقة الصفات فهو بعيد عن مذهبي. فإن مذهبي مذهب مالك والثوري وابن المبارك وسائر القدماء. وذلك هو الإمرار من المتشابهات على الظواهر، وترك الخوض في التأويل والنزاع في الأحكام المستنبطة وإحكام مذهب مخصوص وطرح غير ذلك من الأوضاع والاحتيال لدفع الدلائل القرآنية غير صحيح عندي وأخاف أن يكون ذلك من قبيل التدارؤ بالقرآن. وإنما اللازم أن

---

[1] عن ابي سعيد الخدري قال لما كان يوم بدر ظهرت الروم على فارس فاعجب المؤمنون بظهورهم [illegible]
وابن [illegible]

[2] عن قتادة قال سألت انسا عن قراءة النبي صلى الله عليه وسلم فقال كان يمد مدا (ابو داود ج ۱)

[3] ونعتت قراءته فاذا هي تنعت قراءة مفسرة حرفا حرفا (ابو داود ج ۱)

يُطلب مدلول الآيات ويُتحقق مدلول الآية مذهباً أيّ ذاهب ذهب إليه، موافقاً كان أو مخالفاً۔

ترجمہ: اور متشابہات کی تاویل اور صفات کی حقیقت بیان کرنے میں متکلمین جو غلو کرتے ہیں وہ میرے مسلک سے دور ہے کیونکہ میرا مسلک (امام) مالکؒ و (سفیان) ثوری، عبداللہ بن المبارکؒ اور تمام متقدمین کا مذہب ہے۔ اور وہ (مذہب) متشابہات کو ظاہر پر رکھنا اور آیات متشابہات کی تاویل میں غور و فکر سے کنارہ کش رہنا ہے۔ اور اجتہادی مسائل میں تخریج کرنا اور کسی مخصوص مذہب کا استحکام (تائید و اثبات) اور اس کے علاوہ اقوال کا ابطال اور قرآنی دلائل کے ذریعہ تدبیر اختیار کرنا میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اور مجھے اس کا اندیشہ رہتا ہے کہ یہ تدارؤ بالقرآن کے قبیل سے ہے۔ اور ضروری یہ ہے کہ آیتوں کے معنی (و مصداق) کی تحقیق کی جائے اور آیت کے مدلول کو مذہب بنایا جائے خواہ کوئی بھی جانے والا اس کی طرف گیا ہو، (اپنا) موافق ہو یا مخالف۔

ف: (۱) تاویل متشابہات کے سلسلہ میں مذاہب کے لئے صفحہ ــــ کا مطالعہ کیجئے۔ (۲) تدارؤ بالقرآن کا معنی ہے قرآن کا باہم ایک دوسرے کی کاٹ کرنا۔

خود امام صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی تشریح فرمائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "إنما هلك من كان قبلكم بهذا، ضربوا كتاب الله بعضه ببعض"؎ کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

أقول معنى التدارؤ بالقرآن أن يستدل واحد بآية فيرده الآخر بآية أخرى طلباً لإثبات مذهب نفسه وهدم وضع صاحبه أو ذهاباً إلى نصرة مذهب بعض الأئمة على مذهب بعض ولا يكون مجتمع الهمة على ظهور الصواب [illegible]

یعنی تدارؤ بالقرآن حرام ہے۔ اور تدارؤ بالقرآن یہ ہے کہ ایک شخص ایک آیت سے استدلال کرے اور دوسرا شخص اپنے مسلک یا کسی امام کے مذہب کے اثبات اور دوسرے مسلک کی تردید کیلئے کسی اور

؎ تم سے پہلے کے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے کتاب اللہ کے بعض حصوں کو دوسرے حصوں سے ٹکرا دیا۔

آیت کا سہارا لیکر اس استدلال کو رد کردے، جبکہ اس کا اصل مقصد، اظہار حق، اور صحیح کی
ترجیح وحمایت ہو۔ جیسے۔ اور عمارۃ بالسنۃ بھی اسی طرح کرتا ہے۔

وأما لغة القرآن فينبغي أخذها من استعمال العرب الأول ولكن
الاعتماد الكلي على آثار الصحابة والتابعين۔

ترجمہ:- اور قرآن کی لغت کو متقدمین عرب کے استعمال سے لینا چاہیے۔ اور صحابہؓ وتابعینؒ
کے آثار پر پورا اعتماد کرنا چاہیے۔

یعنی آیت کا مدلول ومصداق متعین کرتے وقت ظاہر ہے کہ لغوی معانی کا بھی اعتبار کرنا ہوگا۔
ایسی صورت میں قدیم عرب کے استعمال اور صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال ہی کو مشعل راہ بنانا چاہیے۔

وقد وقع في نحو القرآن خلل عجيب وذلك أن جماعة منهم اختاروا
مذهب سيبويه، وما لم يوافقه فهم يؤولونه وإن كان تأويلاً بعيداً
وهذا عندي غير صحيح۔ بل ينبغي اتباع الأقوى، وما كان أوفق
للسياق والسباق۔ سواء كان مذهب سيبويه أو مذهب الفراء
وقد قال عثمان بن عفان رضي الله عنه في مثل، والمقيمين الصلوة
والمؤتون الزكوة، ستقيمها العرب بألسنتها۔ وتحقيق هذه
الكلمة عند الفقير أن مخالفة المحاورة المشهورة أيضاً محاورة و
كثيراً ما يتفق للعرب الأول أن يجري على ألسنتهم في أثناء الخطب
والمحاورات ما يخالف القاعدة المشهورة۔ وحيث نزل القرآن
بلغة العرب الأول فلا عجب أن تقع الياء أحياناً في موضع الواو
أو يرد المفرد مقام التثنية أو المؤنث في مقام المذكر۔ فالحق
أن يفسر والمقيمين الصلوة بمعنى المرفوع۔

والله أعلم۔

ترجمہ:۔ اور قرآن کے نحو کے بارے میں ایک عجیب نقص پیدا ہو گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان مفسرین میں ایک جماعت نے سیبویہ کا مذہب اختیار کر لیا ہے جو عبارت اس کے موافق نہیں ہوتی ہے۔ تو یہ لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں خواہ تاویل بعید ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ بلکہ قوی ترین (مسلک) کی (پیروی کرلی جانی چاہئے) اور اس کی پیروی کرنی چاہئے جو سیاق و سباق کے زیادہ مناسب ہو، چاہے مذہب سیبویہ (کے موافق) ہو یا مذہب فراء (کے) اور حضرت عثمانؓ نے وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ جیسی آیت کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا "مستقبل قریب میں اہل عرب اپنی زبانوں سے اسے درست کر لیں گے" اور فقیر کے نزدیک اس فقرہ کی تحقیق یہ ہے کہ مشہور محاورہ کی مخالفت بھی ایک محاورہ ہے۔ اور بسا اوقات قدیم عرب کو اس کا اتفاق ہو جایا کرتا تھا کہ خطبوں اور عام گفتگو کے دوران ان کی زبان پر ایسا کلام جاری ہو جاتا تھا جو مشہور قاعدہ کے خلاف ہوتا تھا۔ اور چونکہ قرآن قدیم عرب کی زبان میں نازل ہوا ہے لہٰذا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ کہیں کہیں واؤ کی جگہ یاء لایا جاتا ہے۔ یا تثنیہ کی جگہ پر مفرد یا مذکر کی جگہ پر مؤنث آیا ہے۔ لہٰذا تحقیق یہ ہے کہ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ کی تفسیر مرفوع کے حکم میں کی جائے۔ واللہ اعلم

ف:۔ اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے قرآن کریم کے ان محدود چند مقامات کا حل پیش فرمایا ہے جو بظاہر نحوی اعتبار سے قابل اشکال ہیں۔ حضرت شاہ کی نظر میں اس قسم کے اشکالات کا منبع یہ ہے کہ لوگ قرآن کو کسی خاص نحوی مکتب کے اصول پر پرکھتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ زبان اصول کے تابع نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اصول زبان کے تابع ہوتے ہیں کیونکہ اصول کا ماخذ و سرچشمہ زبان ہی ہوتی ہے۔ اہل زبان کے محاورات ہی کی روشنی میں اصول مرتب کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے موقعوں پر کسی ایک نحوی کے اصول کی پیروی کرنے کے بجائے ہر اس نحوی کے اصول کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو شواہد کی رو سے زیادہ قوی ہوں، جن کے اصول اپنے شواہد کے اعتبار سے زیادہ قوی ہوں۔ بلکہ اگر ضرورت پڑ جائے تو اصول متعینہ کے بجائے براہ راست اہل زبان کے محاورات ہی کو نحو قرآن کا معیار بنانا چاہئے۔ اس تحقیق کے پیش نظر سورۂ مائدہ کی آیت کریمہ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ الخ میں

وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ کے اعراب کی توجیہ کے لیے حضرت ماتن علیہ الرحمۃ نے یہ اصول بتایا کہ ماہرین زبان، عام محاورات اور مشہور ترکیبوں کے خلاف اگر کوئی نئی ترکیب استعمال کریں تو وہ بھی مقبول ومعتبر ہوتی ہے، اسے غلط نہیں کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ اہل عرب اپنے خطبات اور تقریروں میں کبھی کبھی بحالت رفعی کے واؤ کی جگہ پر بحالت نصبی کی یا، کا استعمال کر لیتے تھے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مفرد کی جگہ تثنیہ اور مؤنث کی جگہ مذکر ان کی زبان پر آ جایا کرتا تھا[1]، لہٰذا وَالْمُقِیْمُوْنَ کی جگہ پر وَالْمُقِیْمِیْنَ نہ غلط ہے، نہ باعث تعجب[2]۔

سوال:۔ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ کا اعراب اگر محاورات عرب کے مطابق ہے تو حضرت عثمانؓ کے اس ارشاد کے بارے میں کیا خیال ہے جس کی طرف حضرت شاہ صاحبؒ نے متن میں اشارہ فرمایا ہے کہ حضرتؓ کے سامنے جب یہ المصحف الامام لکھ کر پیش کیا گیا تو آپ کو اس میں چند غلطیاں نظر آئیں "فوجد فیہا حروفا من اللحن" ارشاد فرمایا: انہیں تبدیل مت کرو، اہل عرب اسے خود اپنی زبانوں سے صحیح کر لیں گے۔ اسی طرح حضرت سعید بن جبیرؓ والمقیمین الصلوٰۃ کی تلاوت کے وقت فرمایا کرتے تھے "ھو لحن من الکتاب"[3]۔ [illegible] (ج۲ ص۹۷)

جواب:۔ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں اور ابن اشتہؒ نے کتاب المصاحف میں کئی جواب دیئے ہیں:

(۱) حضرت کے ارشاد سے متعلق روایت ضعیف، مضطرب اور منقطع ہے، لہٰذا ناقابل التفات ہے۔

(۲) حضرت عثمانؓ نے ایک نہیں پانچ نسخات مصاحف تیار کرائے تھے، اور مختلف حضرات صحابہ سے

---

[1] [illegible] اسلوب کے مطابق ہیں۔

[2] جب کلام میں ایسے متعدد معطوفات جمع ہو جائیں جو اصلاً کسی ایک موصوف کی صفات رہے ہوں، پھر ان میں حرف عطف کے ذریعہ فصل کر دیا گیا ہو، تو ان معطوفات میں اعراب و ترکیب کے لحاظ سے اختلاف جائز ہے۔

والتصحیح جواز القطع فی المعطوف عطف نسق، وھو کثیر فی المعطوفات المتعددۃ اذا کانت فی اصلھا نعوتاً [illegible] بحرف العطف، فصارت معطوفات بعد ان کانت نعوتاً [illegible] (ج۲ ص۶۹)

مثالہ [illegible] العرب۔

وکل قوم اطاعوا امر مرشدھم ۔ الا نمیرا اطاعت امر غاویھا

الظاعنین ولما یظعنوا احدا ۔ والقائلون لمن دار نخلیھا

ومثلھا [illegible] کذلک:

الی الملک القرم وابن الھمام ۔ ولیث الکتیبۃ فی المزدحم ۔ وذا الرای حین تغم الامور ۔ بذات الصلیل وذات اللجم

[illegible]

[3] دیکھئے [illegible] (۲۷۲/۱)

تیار کرائے تھے، یہ بات بہت مستبعد ہے کہ تمام مصاحف میں یکساں انداز کی غلطیاں ہوں۔

(۳) صحابہ کرامؓ غلطیوں پر متنبہ ہوں، اور ان کی اصلاح خود کرنے کے بجائے بعد میں آنے والوں کے اوپر چھوڑ دیں، یہ ممکن نہیں ہے۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ انہوں نے ایسا نسخہ تیار کرنے کا عزم کر رکھا ہو جو ساری دنیا کے لئے قابلِ تقلید ہو، اور حضرت تو اختلافِ قراءت کو بھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ اسی وجہ سے امیر المؤمنین وخلیفۂ وقت کی نگرانی میں ایک قراءت کا حامل مصحف تیار کرنے کا بیڑا اٹھایا گیا۔ (۴) لحن سے مراد رسم الخط کا قراءت سے مختلف ہونا ہے۔ اور سعید بن جبیرؒ کے قول "هو لحن من الكاتب" کے معنی ہیں "هو قراءة الكاتب"[1]۔

سوال:۔ اس سلسلہ میں ایک روایت حضرت عائشہؓ کی بھی ہے۔ جسے محدثین نے صحیح علیٰ شرط الشیخین بتایا ہے، حضرت ہشام بن عروہؓ اپنے والد کا بیان نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لحن قرآن یعنی ارشادِ باری "ان هذان لساحران" اور ارشادِ باری "والمقيمين الصلوٰة" اور فرمانِ باری "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ" کے بارے میں استفسار کیا، تو ام المؤمنین نے جواب میں فرمایا: یا ابن اختی هذا عمل الكتاب، أخطئوا في الكتاب، کہ بھتیجے یہ کاتبوں کا کارنامہ ہے کتابت میں ان سے غلطی ہوگئی ہے۔ اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں غلطیاں (العیاذ باللہ) ہیں۔

جواب:۔ اس اثر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کاتبوں نے کوئی غلطی کردی ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کتابت اور جمع قرآن کا کام کرنے والوں نے منزل من اللہ قراءتوں میں سے جو قراءت منتخب کی ہے اس کے علاوہ کا انتخاب کرنا چاہئے تھا۔ یعنی حضرت عائشہؓ ان لوگوں کو انتخاب قراءت میں خطا کار قرار دے رہی ہیں۔ نہ کہ قرآن میں غیر قرآن کی کتابت کا۔

دلیل: یہ مطلب اس لئے لیا گیا کہ قرآن جو نقل متواتر کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے خود اعلان کرتا ہے۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ، اور کہتا ہے "لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ" اور امت کا اجماع بھی ہے کہ کلام اللہ میں نہ ہی ایک شوشہ اور

---

[1] دیکھئے الاتقان ج ۱ ص ۱۸۳، ۱۸۴ و روح المعانی ج ۴ ص ۲۰۳

نقل کی بھی غلطی نہیں ہے۔ اس لئے دو ہی راستے ہیں، یا تو حضرت عائشہؓ کے قول کی تاویل کی جائے، یا آیات قرآنیہ سے اس کی تردید کر دی جائے۔ والتاویل اولیٰ من الرد فان المذهب، امور المسلمین محمولة علی الصحة ما امکن۔ واللہ اعلم

واما المعاني والبيان فهو علم حادث بعد انقراض الصحابة والتابعين فما يفهم منه في عرف جمهور العرب فهو على الرأس والعين، وما كان من امر خفي لا يدركه الا المتعمقون من اهل الفن فلا نسلم ان يكون مطلوبا في القرآن۔

ترجمہ:۔ اور رہے معانی و بیان تو وہ ایسا فن ہے جو صحابہؓ و تابعینؒ کی وفات کے بعد وجود میں آیا ہے۔ لہٰذا اس کا جو حصہ جمہور عرب کے عرف میں مفہوم (و رائج) ہو (یا سمجھا جاتا ہو) وہ سر آنکھوں پر۔ لیکن جو ایسی مخفی چیزیں ہیں جن کو صرف گہری معلومات رکھنے والے اہل فن ہی سمجھ سکتے ہوں تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ قرآن میں مطلوب ہیں۔

واما اشارات الصوفية واعتباراتهم فليست في الحقيقة من فن التفسير وانما يظهر على قلب السالك عند استماع القرآن اشياء وتتولد له في نظم القرآن، ومثل ما يتصف به السالك من حالة او معرفة حصلت له كمثل من سمع من العشاق قصة ليلى والمجنون، فتذكر معشوقة له فيستحضر ما كان من المعاملة بينه وبين محبوبته

ترجمہ:۔ رہے صوفیاء کے اشارات اور اعتبارات تو وہ درحقیقت فن تفسیر سے متعلق نہیں ہیں۔ اور قرآن سنتے وقت سالک کے دل پر کچھ خیالی چیزیں وارد ہوتی ہیں اور نظم قرآن میں اس کے لئے پیدا ہوتی ہیں۔ اور صوفی کی اس حالت کی مثال جس سے وہ متصف ہوتا ہے یا اس معرفت کی مثال جو صوفی کو حاصل ہوتی ہے ایسی ہے جیسے کوئی عاشق لیلیٰ و مجنوں کی کہانی سنکر ان معاملہ کو یاد کرنے لگے جو اس کے اور اس کی معشوقہ کے درمیان تھے۔

ف: تصحیح عبارت: مثنوی کی عبارت «ور ثنوی تا صحف اللہ» کو فارسی متن «در بیان نظم قرآن وہ ما لیے کہ آں سالک وارد یا مرتبے کہ او را حاصل است متوجہ شود» ہے جس کی صحیح ترجمانی الاستاذ المحترم صاحب «الصوفی الکبیر» کے ان لفظوں میں یوں ہے۔ «وتتوقف بیانا بین نظم القرآن وبین حالة متصفة بها السالك ... العالم ... في القمر ... » یعنی ہو خیالات نظم قرآن اور اس حالت یا معرفت کے ربط سے (پیدا ہونے والی) کیفیت میں پیدا ہوتے ہیں جو سالک پر طاری ہو جاتی ہے۔

حاصل متن یہ ہے کہ صوفیائے کرام آیات کریمہ سے تصوف کے جو مسائل و نکات مستنبط کرتے ہیں اُن کو آیات کی تفسیر یا مراد باری تعالیٰ کی توضیح کہنا مشکل ہے۔ ان کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ حضرت وجدانیات کے ذریعہ حاصل ہونے والے مخصوص احوال ہیں جو آیات کی تلاوت یا سماعت کے وقت صوفیاء کے دل و دماغ پر ان کے مناسب حال خیالات کی وجہ سے ہوتی ہے جن کو وہ لوگ بیان کرتے ہیں۔[1]

علم اور ضروری: مسائل تصوف کی تین قسمیں ہیں۔ منصوص (وہ مسائل جو بلا واسطہ قرآن و نصوص کتاب وسنت سے ثابت ہوں) اجتہادی (وہ مسائل جو قیاس سے ثابت ہوں) ذوقی (وہ مسائل جو بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی بھی طرح نصوص سے ثابت نہ ہوں بلکہ محض وجدانی ہوں)۔ پھر ذوقی و وجدانی مسائل کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) جو ارشادات کتاب وسنت سے مؤید ہوں جیسے اہل تصوف کا یہ ذوق کہ لذات دنیا سے نجات کا مل جانا ایک بہت ہی بڑی نعمت اور استحقاق سے زیادہ ہے لہٰذا اسے کو ترقی درجات کا ذریعہ سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت تھانوی کے بقول یہ ذوق آیت کریمہ ۔ یٰقَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کے اشارہ سے مؤید ہے۔[2] اس قسم کے مسائل کا قبول کرنا جائز ہے۔

(۲) جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں ان کا رد کرنا واجب ہے۔ جیسے بعض غالی صوفیاء کا

---

[1] اس کی تائید علامہ آلوسی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ وہ ... کلام الصوفیة في تفسير القرآن فقيل ليس تفسيرا وإنما هي معان ومواجيد يجدونها عند التلاوة (روح المعانی ج ۱ ص ۶)

[2] مسائل السلوک برحاشیہ بیان القرآن ج ۱۱ ص ۱

نظریہ کرے اپنے اہل وعیال کو توکلاً ایسی جگہ رکھنا جائز ہے جہاں کچھ سروسامان نہ ہو۔ دلیل میں ان صوفیاء نے قرآن کے ارشاد ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ﴾ الآیۃ کو پیش کیا ہے۔ حضرت اقدس تھانوی نے اس کی تردید کی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کا یہ عمل وحی ربانی کی وجہ سے تھا۔ جبکہ دوسرے لوگ بغیر وحی کے ایسا کریں گے فالقیاس مع الفارق۔[1]

اقول: جن مختلف آیات واحادیث سے اہل وعیال کے نفقہ کا وجوب ثابت ہے صوفیاء کا یہ اجتہاد ان سب نصوص کے خلاف ہے۔ لہٰذا مردود ہے۔

دوسری مثال: بعض مدعیان طریقت کا طریقہ ترک حیوانات کی رسم پر مبنی ہے وہ بھی خلاف کتاب اللہ ہے۔ ارشاد ربانی - ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا﴾ سے اس کی تردید ہوتی ہے۔[2]

بہرحال حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت میں صوفیہ کی صرف ذوقی تفسیر کی حیثیت کا بیان ہے۔ صوفیاء کے استنباط واعتبار کی یہ حیثیت نہیں ہے بلکہ شریعت میں ان کا اعتبار ہے۔ اسی لئے حضرت ماتن نے اگلی عبارت میں اس کے معتبر اور ثابت بالسنۃ ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

وههنا فائدة مهمة ينبغي الاطلاع عليها وهي ان حضرته صلى الله عليه وسلم جعل فن الاعتبار معتبرا وسلك ذلك الطريق لتكون سنة لعلماء الامة ويكون ذلك مفتاح الباب يفتح لهم من العلوم كوة. فاما من اعطى واتقى. قرأها في مسئلة القدر بالتمثيل وان كان منطوق الآية ان من عمل هذه الاعمال نهديه الى طريق الجنة والنعيم ومن عمل بضدها نقحمه طريق النار والتعذيب ولكن يمكن ان يعلم بطريق الاعتبار ان كل واحد خلق لحالة تجري عليه تلك الحالة من حيث يدري او لا يدري فبهذا الاعتبار وقع لهذه

---

[1] [illegible] [2] [illegible]

نوٹ: مسائل تصوف [illegible] حضرت تھانوی کی تصنیف [illegible]

[illegible]

الآية ارتباطٌ بمسئلة القدر، وكذلك آية «ونفسٍ وما سوّٰها» فمنطوقها انه اطلع على البرّ والاثم، ولكن بين خلق الصورة العلمية بالبرّ والاثم وخلق البرّ والاثم اجمالاً في وقت نفخ الروح مشابهة فيمكن الاستشهاد بهذه الآية في هذه المسئلة بالاعتبار۔ والله اعلم

ترجمہ:- اور یہاں ایک اہم فائدہ ہے جس سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فنِ اعتبار کو معتبر مانا ہے۔ اور خود اس راہ پر گامزن ہوئے ہیں، تاکہ علمائے امت کے لئے اسوہ بن جائے۔ اور دینی علوم کا دروازہ کھلنے کا ذریعہ بن جائے۔ جیسے آیت کریمہ۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی الخ، جس کی آپ نے مسئلہ تقدیر میں تمثیلاً تلاوت فرمائی۔ اگرچہ آیت کا منطوق سے (صریح و واضح مفہوم) یہ ہے کہ جو شخص ان اعمال کو اختیار کرے گا ہم جنت اور اس کی نعمتوں کی طرف اس کی رہنمائی کریں گے۔ اور جو شخص ان کے خلاف اعمال اپنائے گا اس کے لئے عذاب اور جہنم کی راہ کھول دیں گے۔ لیکن ممکن ہے کہ اعتبار کے طریقے سے یہ جانا جائے کہ ہر ایک ایسی حالت کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو حالت اس پر طاری ہو کر رہتی ہے خواہ وہ اس سے باخبر ہو یا بے خبر۔ لہٰذا اس اعتبار سے اس آیت کو مسئلہ تقدیر سے یک گونہ مناسبت ہے۔ اور یہی حال ہے آیت کریمہ «وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا» کا، کیونکہ اس کا منطوق یہ ہے کہ اللہ نے ہر ایک کو بھلائی اور برائی سے آگاہ فرما دیا ہے لیکن بھلائی و برائی کی صورتِ علمیہ کی تخلیق اور نفخ روح کے وقت اجمالاً نیکی و بدی کی تخلیق میں مشابہت و مناسبت ہے۔ لہٰذا اعتبار کے ذریعہ اس مسئلہ میں اس آیت سے استشہاد ممکن ہے۔ واللہ اعلم

ف:- فنِ اعتبار سے مراد یہ ہے کہ اصول فقہ کے مشہور و معتبر اصول استدلال سے ہٹ کر ذوق و وجدان کی بنیاد پر کسی مناسبت کی وجہ سے آیت یا حدیث سے کوئی مسئلہ یا اصول اخذ کیا جائے۔ (مستفاد از مقدمہ مسائل السلوک)

اعتبار صرف جائز ہی نہیں بلکہ مطلوب بھی ہے۔ قرآن کریم میں «فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ» کی تلقین موجود ہے۔ آیت کے ذیل میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عبرت کی حقیقت ہے «ردّ الشیء الی نظیرہ» اور اس کے عموم میں صوفیہ کی تاویلات قرآن و حدیث کی بھی داخل ہیں۔

بعینہ ناممکن قرار پائے ۔ اور متن کے مطابق اس کی مشروعیت اس لئے ہوتی ہے تاکہ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے علما روح تقدیر پر ۔ [illegible] علم بالوحی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں ۔ دینی علوم و معارف کا فیضان ہو ، امت اس سے بھی محظوظ و مستفید ہو سکے ۔ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس قسم کا ثبوت ملتا ہے ۔ جس کی دو مثالیں متن میں پیش کی گئی ہیں ۔

پہلی مثال کا تعلق سورۂ واللیل کی آیات کریمہ : فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ۔ ان آیات سے جو معنی کا مفہوم (صریح و واضح مفہوم) یہ ہے کہ جو شخص نیک رستہ میں خرچ کرتا اور دل میں خدا سے ڈرتا ہے ۔ اور اسلام کی بھلی باتوں کو سچا جانتا اور شرائع ربانی کو صحیح سمجھتا ہے ۔ اس کے لئے ہم اپنی عادت کے موافق نیکی کا راستہ آسان کر دیں گے ۔ اور انجام کار انتہائی آسانی اور راحت کے مقام پر پہنچا دیں گے جس کا نام جنت ہے ۔ اور جس نے خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا ، خدا کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی پروا نہ کی ، اور اسلام کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹ جانا ، اس کا دل روز بروز تنگ اور سخت ہوتا چلا جائیگا ۔ نیکی کی توفیق سلب ہوتی جائے گی ، اور آخر کار آہستہ آہستہ عذاب الٰہی کی انتہائی سختی میں پہنچ جائیگا ۔

تب ان آیات کی یہ بات درحقیقت تفسیر آیت ارشاد ربانی : اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ۔ کی [illegible] کے متعلق الہامی ہونے کی تعبیر ہے ۔ اور یہ ہے کہ اعمال مختلف کا صدور اور ان کا نتیجہ الٰہی فیصلہ کے مطابق ہوتا ہے (جیسا کہ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی اور فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی سے واضح ہے) اور اسی فیصلہ کا نام تقدیر ہے ۔ لہٰذا ان آیات کا تقدیر سے ایک گونہ ربط ہے ۔ اور حق کے قول ، [illegible] ان تعالیٰ کا ارشاد مسئلہ تقدیر کا اثبات ہی مقصود ہے ۔ واللہ اعلم

نیز حضرت شاہ صاحب نے [illegible] ان آیت کی جو تفسیر فرمائی ہے وہ آیت کو مسئلہ تقدیر سے مربوط کرنے کی اس سے کہیں زیادہ واضح صورت ہے ۔ لکھتے ہیں : فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ای من کان متصفا بهذه الصفات فی علمنا وقدرنا فَسَنُیَسِّرُهٗ لذلك الاعمال [illegible]

[illegible]

[illegible]

یعنی ہمارے علم ازلی فیصلہ کے مطابق جس شخص میں ان اعمال صالحہ کی صلاحیت ہوتی ہے ہم اسے اس دار العمل میں ان اعمال کی توفیق دیتے ہیں۔

دوسری مثال کا تعلق سورۂ والشمس کی آیات ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ سے ہے جس کا مطلق —— معنی کے مطابق یہ ہے کہ اللہ نے ہر شخص کو بھلائی و برائی سے باخبر کر دیا ہے۔ لیکن اصل میں الہام ذہن میں اس صورت علمیہ کی تخلیق کا نام ہے جس کی بنا پر کسی کو عالم کہا جاتا ہے فانّها في الاصل خلق الصّورة العلمية الّتي يصير بها عالمًا (حجة الله البالغة) مگر آیت کریمہ ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ کی ہم معنی ہے۔ لیکن چونکہ لفظ الہام مجازاً اس اجمالی صورت کی تخلیق کیلئے بھی مستعمل ہے جو مستقبل میں ظہور آثار کے لئے مبدأ و منشا ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کی بنا پر عالم کا اطلاق نہ کیا جاتا ہو۔ (وتجوز في صورة اجمالية هي مبدأ آثار وان لم يصر بها عالمًا تجوزًا (حجة الله) اور یہ الہام مجازی نفخ روح کے وقت ازلی فیصلہ کے مطابق ہوتا ہے اور ازلی فیصلہ ہی کا نام تقدیر ہے۔ لہٰذا ایک الہام سے دوسرے الہام کی طرف ذہن کا منتقل ہو جانا قرین قیاس ہے۔ اور اس انتقال ذہنی کے نتیجہ میں آیت کریمہ مسئلہ تقدیر سے مربوط ہو گئی۔

علاوہ ازیں آیت کو تقدیر سے جوڑنے کی ایک اور صورت ہے جیسے ملا علی قاری نے تحریر فرمایا ہے کہ فالهمها فعل ماضی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں ازل میں اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور ازلی فیصلوں ہی کا دوسرا نام تقدیر ہے۔ — وجه الاستدلال من النبي صلى الله عليه وسلم بالآية ان الهمها بلفظ الماضي يدل على ان ما يعملونه من الخير والشر قد جرى في الازل (مرقاة للقاري ج ١ ص ١٥٥)

وضاحت حدیث: اس عبارت کے بعد یہ مناسب معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب نے عبارت میں جن دو احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان کو نقل کر دیا جائے تاکہ اہل علم کمی محسوس نہ کریں۔

حدیث اول: عن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما منكم من احد الا وقد كتب مقعده من النار ومقعده من الجنة. قالوا يا رسول الله افلا نتكل على كتابنا،

---

[1] والمراد بالهام الفجور والتقوى ان يبين لها الخير والشر والطاعة والمعصية حتى يأتي بالتقوى والطاعة ويتقي عن الشر والمعصية كذا روي عن ابن عباس (تفسیر مظہری ج ١٠ ص ٢٧٠)

وبدء العمل؛ فقال: اعملوا فكل ميسر لما خلق له، اما من كان من اهل السعادة فييسر لعمل السعادة، واما من كان من اهل الشقاوة فييسر لعمل الشقاوة ثم قرأ: فاما من اعطى واتقى وصدق بالحسنى الآية. متفق عليه. مشكوة باب القدر ج۱، مع زيادة من التعليق]

حدیث دوم: عن عمران بن حصين رضي الله عنه ان رجلين من مزينة قالا: يا رسول الله ارأيت ما يعمل الناس ويكدحون فيه، اشيء قضي عليهم ومضى فيهم من قدر سبق، او فيما يستقبلون به مما اتاهم به نبيهم، وثبتت الحجة عليهم؟ فقال: لا، بل شيء قضي عليهم ومضى فيهم، وتصديق ذلك في كتاب الله عز وجل: ونفس وما سواها، فألهمها فجورها وتقواها. رواه مسلم. مشكوة باب القدر. العرف الشذي، ترمذي ثاني، مختصرا

فصل غريب القرآن — الذي ذكرت الاحاديث بمزيد الاهتمام وخصت ببيان الفضل — انواع. فالغريب في فن التذكير بآلاء الله: هي آية جامعة لجملة عظيمة من صفات الحق عز وجل مثل آية الكرسي وسورة الاخلاص، وآخر سورة الحشر، واول سورة المؤمن. والغريب في فن التذكير بايام الله: هي آية يتبين فيها قصة قليلة الذكر، او قصة معلومة جاء فيها بمزيد التفصيل. او قصة عظيمة الفائدة التي تكون محلا للاعتبارات الكثيرة. ولهذا قال النبي صلى الله عليه وسلم في قصة موسى وخضر عليهما السلام: وددنا ان موسى كان صبر حتى يقص الله علينا من خبرهما.

ترجمہ: فصل: (غرائب القرآن کے بیان میں) غریب القرآن (یعنی قرآن کی وہ آیات وسور) جن کو احادیث میں زیادہ اہتمام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور فضائل کے تذکرے کی خصوصیت سے نوازا گیا ہے، کئی قسم پر ہے (۱) علم التذکیر بآلاء اللہ میں غریب وہ آیت ہے جو حق سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کے وافر حصہ کو جامع ہو، جیسے آیۃ الکرسی اور سورۂ اخلاص،

اور سورۂ حشر کا آخر اور سورۂ مؤمن کا اوّل (۱۲) اور علم التذکیر بایّام اللہ میں غریب (نادر و افضل) وہ آیت ہے جس میں کوئی تفصیل (ذکر کو نادر) قصّہ یا کوئی مشہور قصّہ (جس میں نادر تفصیل پیش کی جائے) یا ایسا عظیم الفائدہ قصہ ذکر کیا جائے جو عبرت کی خبروں کا محل (حامل و جامع) ہو۔ اور (کی عظیم الفائدہ ہونے کی) وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصّہ کے بارے میں فرمایا: ہماری پسند یہ تھی کہ موسیٰ (اور زیادہ) صبر فرماتے تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے ان کے واقعہ کو (اور تفصیل کے ساتھ) بیان فرماتا۔

ف:۔ غریب کے لغوی معنی ہیں۔ نادر، عجیب اور افضل و احسن۔ یہاں غریب سے مراد وہ آیات اور سورتیں ہیں جن کی احادیث شریفہ میں خصوصی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔

مذکورہ آیتوں اور سورتوں کے غریب ہونے کی دلیلیں

آیۃ الکرسی: اعظم آیۃ فی کتاب اللہ آیۃ الکرسی (مسلم، ابی بن کعبؓ) آیۃ الکرسی ربع القرآن (احمد۔ انسؓ) من قرأ آیۃ الکرسی دبر کل صلوٰۃ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا ان یموت (ابن حبان، نسائی، ابو امامۃؓ) ان لکل شیء سناما وان سنام القرآن البقرۃ وفیہا آیۃ ھی سیدۃ آی القرآن ھی آیۃ الکرسی (ترمذی، حاکم۔ ابوہریرۃؓ)[1]

سورۃ الاخلاص: قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القرآن (مسلم وغیرہ۔ ابوہریرۃؓ و ابو الدرداءؓ) من قرأ قل ھو اللہ احد عشر مرات بنی لہ قصر فی الجنۃ، ومن قرأھا عشرین مرۃ بنی لہ قصران، ومن قرأھا ثلاثین بنی لہ ثلاث (الاوسط للطبرانی۔ ابوہریرۃؓ) من قرأ قل ھو اللہ احد بعد صلوٰۃ الصبح اثنی عشر مرۃ فکانما قرأ القرآن اربع مرات وکان افضل اھل الارض یومئذ اذا اتقی (الصغیر للطبرانی۔ ابوہریرۃؓ)[2]

آخر سورۃ الحشر: من قال حین یصبح ثلاث آیات من آخر سورۃ الحشر وکّل اللہ بہ سبعین الف ملک یصلون علیہ حتی یمسی، وان مات فی ذلک الیوم مات شہیدا۔ ومن قالہا حین یمسی کان بتلک المنزلۃ (ترمذی۔ معقل بن یسارؓ)[3] من قرأ خواتیم الحشر

---

[1] (الاتقان ج ۲ ص ...) [2] الاتقان ج ۲ ص ۱۰۱

[3] وفی المشکوٰۃ من قال حین یصبح ثلاث مرات اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم فقرأ ثلاث

في ليل أو نهار فمات في يومه أو ليلته فقد أوجب الله له الجنة» (بیہقی، ابن ابی)[1]
أول سورة المؤمن: «من قرأ حم المؤمن إلى إليه المصير وآية الكرسي حين يصبح حفظ
بهما حتى يمسي ومن قرأهما حين يمسي حفظ بهما حتى يصبح» (ترمذی، دارمی، ابو ہریرہ)[2]
سورۂ مومن کی ابتدائی آیات: حٰمٓ تنزیل الکتٰب من اللّٰه العزیز العلیم، غافر الذنب
وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول، لا إله إلا هو إليه المصير (پ ۲۴)

والغريب في فن التذكير بالموت وما بعده: هي آية تكون جامعة لأحوال القيامة - مثلاً - ولهذا جاء في الحديث: «من سره أن ينظر إلى يوم القيامة - كأنه رأي عين - فليقرأ (إذا الشمس كورت) و (إذا السماء انفطرت) و (إذا السماء انشقت)».

ترجمہ: اور فن تذکیر بالموت وما بعدہ میں غریب (و افضل) وہ آیت ہے جو (مثلاً) احوال قیامت کو جامع ہو۔ اسی وجہ سے حدیث میں وارد ہوا ہے: جو شخص کھلی آنکھوں قیامت کا دن دیکھنا پسند کرتا ہو اُسے اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت کی تلاوت کرنی چاہئے۔[3]

والغريب في فن الأحكام هي آية تكون مشتملة على بيان حدود وتعيين وضع خاص، مثل تعيين مائة جلدة في حد الزنا وتعيين ثلاث حيض أو ثلاثة أطهار في عدة المطلقة وتعيين أنصباء المواريث۔

ترجمہ: اور فن احکام میں غریب وہ آیت ہے جو حدود کے بیان اور کسی خاص وضع کی تعیین پر مشتمل ہو، مثلاً حد زنا میں سو کوڑوں کی تعیین۔ اور مطلقہ کی عدت میں تین حیض یا تین طہر کی تعیین اور میراث کے حصوں کی تعیین۔

---

[1] الاتقان ج ۲ ص ۱۸۱ [2] مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۰ [3] یہ حدیث حسن ترمذی نے روایت کی ہے (جامع الاصول)

ف: بیان حدود: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (المائدۃ) وغیرہ ذالک من الآیات۔

حد زنا: الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (الآیۃ النور)

عدۃ مطلقہ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرۃ)

انصباء المواریث: يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ، فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ۔ الآیۃ (النساء) يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ۔ الآیۃ (النساء)

والغریب فی فن المخاصمة: هی آیة یقع فیها سوق الجواب بنحو غریب یقطع الشبهة بابلغ وجه، او یقرن بیان حال هذا الفریق بمثل واضح، کمثل الذی استوقد نارا۔ وهکذا بیان شناعة عبادة الاصنام، والفرق بین مرتبة الخالق والمخلوق، والمالک والمملوک بامثلة عجیبة، او بیان احباط اعمال اهل الریاء والسمعة بابلغ وجه۔

ترجمہ: اور علم المخاصمہ میں غریب وہ آیت ہے جس میں جواب کا تذکرہ ایسے عمدہ اسلوب میں ہو جو شبہ کو کامل طور پر ختم کر دے، یا اس فریق کے بیان احوال کو واضح مثال کے ساتھ جوڑ دے جیسے (ان کی مثال) اس شخص کی مثال جیسی ہے جس نے آگ روشن کی ہو، اور اسی طرح بت پرستی کی قباحت کا بیان اور خالق و مخلوق اور مالک مملوک کے مراتب میں عجیب مثالوں کے ذریعہ فرق کرنا، یا ریا و شہرت والوں کے اعمال کی بربادی کو موثر اسلوب میں بیان کرنا۔

ف: یعنی جن آیات میں فرق ضالہ کے شکوک و شبہات یا ان کے غلط عقائد کا واضح و موثر رد پیش کیا گیا ہے۔ جیسے: وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ، قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ الَّذِي جَعَلَ

لكم من الشجر الأخضر نارا فإذا أنتم منه توقدون ○ أوليس الذي خلق السموات والأرض بقادر على أن يخلق مثلهم بلى وهو الخلاق العليم ○ (يس) وغيرها من الآيات الكثيرة) ۔ یا کسی گروہ فرقے کے احوال کی شناعت وقباحت کو مثال کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے ۔ جیسے منافقین کے احوال میں ارشاد فرمایا: مثلهم كمثل الذي استوقد نارا فلما أضاءت ما حوله ذهب الله بنورهم وتركهم في ظلمات لا يبصرون ○ (الآيات) اسی طرح جن آیات میں بت پرستی کی قباحت کا تذکرہ ہے ۔ یا خالق ومخلوق اور مملوک ومالک کے فرق مراتب کی وضاحت کے لئے تشبیہیں تمثیلیں پیش کی گئی ہیں ۔ مثلاً فرمایا: ضرب الله مثلا عبدا مملوكا لا يقدر على شيء ومن رزقناه منا رزقا حسنا فهو ينفق منه سرا وجهرا هل يستوون ۔ الآیۃ (نحل) اسی طرح جن آیات میں یا کافروں کے اعمال صالحہ کے حبط وبرباد ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ سب آیتیں علم المخاصمہ کی غریب آیتیں ہیں ۔ مثلاً ارشاد باری ہے: يا أيها الذين آمنوا لا تبطلوا صدقاتكم بالمن والأذى كالذي ينفق ماله رئاء الناس ولا يؤمن بالله واليوم الآخر فمثله كمثل صفوان عليه تراب فأصابه وابل فتركه صلدا ۔ الخ

وغرائب القرآن ليست بمحصورة في أبواب مذكورة - فأحيانا يكون غريبا من جهة بلاغة الكلام وإيناق أسلوبه مثل سورة الرحمن ولهذا سميت في الحديث بعروس القرآن، وأحيانا يكون غريبا من جهة تصوير صورة سعيد وشقي -

اللغۃ: إيناق: تعجب میں ڈالنا، پسندیدہ ہونا۔ عروس: دولہا، دولہن۔ مراد زیب زینت ہے ۔ **ترجمہ:** اور غرائب قرآن مذکورہ ابواب میں منحصر نہیں ہے (بلکہ دوسری حیثیتوں سے بھی آیات میں غرابت پائی جاتی ہے) چنانچہ کبھی کبھی بلاغت کلام اور اسلوب کی حیرت انگیزی

له اس قسم کی آیات الفوز العظیم، ص [illegible] میں دیکھنا چاہئے۔

(استعمالِ بدیعی) کی وجہ سے بھی قرآن کا کوئی حصہ غریب ہوتا ہے جیسے سورۂ رحمٰن ہے۔ اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں اس کو "عروس القرآن" کا نام دیا گیا ہے۔ اور کبھی سعادت و بدبختی کی تصویر پیش کرنے کی جہت سے غریب ہوتا ہے۔

ف:۔ گذشتہ متن میں غرائب قرآنی کی جو انواع ذکر کی گئی ہیں ان کی بنیاد الفاظ کے مدلولات اور مضامین پر تھی۔ غرائب قرآنی کی مذکورہ تقسیم مدلولات اور مضامین و معانی کے اعتبار سے تھی۔ ماتن علامؒ نے اس عبارت میں تنبیہ فرمائی ہے کہ "غرائب قرآن" کی تقسیم جہاں مضامین کی حیثیت سے ہوئی ہے (کما مر) وہاں دوسری حیثیات سے بھی ان کی تقسیم کی جا سکتی ہے چنانچہ بلاغت کی حیثیت سے بھی تقسیم ہو سکتی ہے۔ اور سعادت مندی و نیک بختی کی منظر کشی کے اعتبار سے بھی تقسیم ہو سکتی ہے۔

سعادت و شقاوت کی منظر کشی سے متعلق آیات کے لئے دیکھئے "الفوز العظیم" صـ۲۱

وجاء في الحديث: لِكُلِّ آيةٍ ظَهرٌ وبَطنٌ ولِكُلِّ حدٍّ مُطَّلَعٌ. فَلْيُعلَمْ أنّ ظهرَ هذه العلومِ الخمسةِ شيءٌ يكونُ مدلولَ الكلامِ ومنطوقَه، والبطنُ في التذكيرِ بآلاءِ الله: تفكّرٌ في الآلاءِ ومراقبةُ الحقّ۔ وفي التذكيرِ بأيّامِ الله: معرفةُ مناطِ المدحِ والذمِّ والثوابِ والعذابِ مِن تلك القصصِ وقبولُ النصيحةِ۔ وفي التذكيرِ بالجنّةِ والنارِ: ظهورُ الخوفِ والرّجاءِ وجعلُ تلك الأمورِ رأيَ العين۔ وفي آياتِ الأحكامِ: استنباطُ الأحكامِ الخفيّةِ بالفحاوي والإيماءاتِ۔ وفي مخاصمةِ الفرقِ الضالّةِ: معرفةُ أصلِ تلك القبائحِ، وإلحاقُ أشباهِها بها۔ ومُطّلعُ الظهرِ: معرفةُ لسانِ العربِ، ومعرفةُ الآثارِ المتعلّقةِ بفنِّ التفسيرِ۔ ومُطّلعُ البطنِ: لطفُ الذهنِ واستقامةُ الفهمِ بنورِ الباطنِ وحالةِ السكينةِ۔ واللهُ أعلم

ترجمہ:۔ اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔

اور ہر حد کے لئے باخبر ہونے کو ایک زینہ ہے جس پر چڑھ کر پہچان لیا جاتا ہے۔ ان علوم پنجگانہ کا ظاہر وہ مضمون ہے جو کلام کا مدلول و منطوق (واضح و صریح مفہوم) ہو۔ اور بطن یا باطن ہر ہر علم کا الگ الگ ہے چنانچہ تذکیر بآلاء اللہ کا باطن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کر کے ممنون ہونا اور حق تعالیٰ شانہ کا استحضار ہے۔ اور تذکیر بایام اللہ میں: ان قصوں سے مدح و ذم اور ثواب و عتاب کی بنیاد کو سمجھنا اور نصیحت قبول کرنا ہے۔ اور تذکیر بالجنۃ والنار میں امید و بیم کا ظہور اور ان امور کو چشم دید بنانا ہے۔ اور آیات الاحکام میں مخفی حکموں کا استنباط کرنا: اشارات اور مصداقوں کے ذریعہ، اور فرقوں سے مباحثہ میں ان گروہوں کی نبض کو پہچاننا اور ان کی خرابیوں سے ان کو توڑنا ہے، اور مطلع قرآن کو جاننے کا ذریعہ عربی زبان کی معرفت اور اس علم سے متعلق آثار و واقفیت ہے۔ اور مطلع بطن قرآن سے باخبر ہونے کا راستہ: نور باطنی اور حالت سکینہ کے ساتھ ذہن کو لطیف و صیقل کیا جانا ہے۔

ف: متن میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں[1]۔ چونکہ یہ حدیث تفسیر سے متعلق ہے، اور اس کی تشریح میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اس کی تشریح فرمانے کا اہتمام کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ظہر سے وہ معنی مراد ہیں جن پر الفاظ کی صریح دلالت ہو۔ اور حضرت تھانویؒ کے قول پر جو معنی لفظ سنتے ہی معلوم ہو جائیں۔ اور بطن سے مراد کلام کی تہہ تک پہنچ کر اس کے مقصود کی تعیین کرنا یا ان احکام کو اخذ کرنا ہے جو اشارۃً و اقتضاءً یا دلالۃً کلام میں مضمر ہوں۔ اور حضرت تھانویؒ کے بقول: بطن سے مراد وہ معنی ہیں جن کو علماء نے اصول و دلالۃ یا اشارۃ یا اقتضاءً نکالے ہیں وغیرہ[2]۔

نوٹ: متن پر ایک نظر ڈال کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت ماتنؒ نے علوم اور ان سب کا ظہر و بطن جیسی چیزوں کو جس طرح بیان کیا ہے وہ کیا نزولِ قرآن کے مقاصد ہیں؟ معلوم ہوا کہ ان علوم پر جن کا

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ ص۳۵، صاحب مصابیح نے اس حدیث کو ابن مسعود سے [illegible] روایت کیا ہے۔ [illegible] شرح مشکوٰۃ [illegible] [illegible] حضرت شاہ صاحب کی عبارت کے پیش نظر آیات کے بطن کی تعریف کی ہے [illegible] اور دلالۃ [illegible] ہو جاتا ہے۔ [illegible]

[2] [illegible]

و بطن، مذکورہ مقاصد کی تکمیل ہے۔ اور آیات الاحکام کا بطن استنباط ہے۔ اس وجہ سے ہم نے بطن کی تعریف میں تکمیل مقاصد اور استنباط احکام دونوں چیزیں ذکر کی ہیں۔ استنباط کی مثال: ارشاد ربانی، وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا۔ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ مدت حمل کم از کم چھ ماہ ہے کیونکہ آیت میں حمل اور مدت رضاعت کے لئے تیس ماہ مقرر کئے گئے ہیں، جبکہ مدت رضاعت ارشاد ربانی "حولین کاملین" کی روشنی میں دو سال (۲۴) ماہ ہے۔ لہٰذا حمل کے لئے چھ ماہ بچے۔ (الفوز مع ابجد ص [illegible])

مطلع ظہر: یعنی ظہر قرآن کی معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ عربی دانی، شان نزول کی واقفیت ناسخ و منسوخ کی معرفت اور ان تمام فنون کا علم ہے جن سے قرآن کے ظاہری معانی کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

مطلع البطن: یعنی بطن قرآن تک رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ شرعی ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ باطن کا تزکیہ اور قلب کا معنوی انوار و برکات سے منور ہونا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے

شعر ؎ ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب ۔ گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

حدیث شریف میں ہے: من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم، کہ جو شخص معلومات پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ (عمل کی برکت سے) اسے مجہولات کا علم عطا فرما دیتے ہیں۔

فصل: من العلوم الوهبية في علم التفسير التي أشرنا إليها تأويل قصص الأنبياء — عليهم السلام — وللفقير في هذا الفن رسالة مسمّاة بتأويل الأحاديث۔

والمراد من التأويل: هو أن يكون لكل قصة وقعت مبدأ من استعداد الرسول وقومه من التدبير الذي أراد الله سبحانه وتعالى في ذلك الوقت، وكأنه يشار إلى هذا المعنى في آية: وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ

ترجمہ: علم تفسیر میں ان علوم وہبیہ میں سے جن کی طرف ہم (باب چہارم کے شروع میں) اشارہ

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص کی تاویل ہے۔ اور اس فن میں فقیر کا ایک رسالہ ہے جس کا نام "تاویل الاحادیث" ہے۔ اور تاویل سے غرض یہ ہے کہ انبیاء کرام اور ان کی اقوام کے ساتھ جو پیش آنے ہوتے ہیں ہر واقعہ کا رسول اور قوم رسول کی استعداد کے مناسب ایک سبب ہوتا ہے جو اس تدبیر کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس وقت ارادہ فرمایا تھا (جیسے وقت رونما ہوا تھا) اور گویا آیت کریمہ وَیُعَلِّمُکَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ میں اسی فن کی طرف اشارہ ہے۔

ف (۱) قولہ الذی اشرنا الخ: باب دوم کے شروع میں جہاں مفسرین کے طبقات اور حضرت والا کی چند خصوصیات کا تذکرہ ہے وہیں علوم وہبیہ کا بھی اجمالی تذکرہ ہو چکا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

۔ والعلوم التی ملکتہا من بحر الفیض الالہی ثلاثۃ او خمسۃ من فنون التفسیر الخ وهو المراد بقولہ: التی اشرنا الیہ۔

(۲) قولہ والمراد منہ الخ: یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اقوام کے ساتھ جیسا معاملہ کیا جاتا ہے اس کے مطابق استعداد ان میں پیدا کی جاتی ہے۔ اور پھر ویسے ہی اسباب عمل بھی پیدا فرما دئیے۔ لہٰذا ہر واقعہ کسی نہ کسی سبب سے جڑا ہوا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے مطابق واقعات کے ان اسباب کو بیان کرنے کا نام تاویل ہے۔

(۳) تاویل الاحادیث: حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی عظیم تصنیف میں سے ہے۔ جس میں حضرت والا نے یہ ثابت کیا ہے کہ انبیاء کرام اور ان کی اقوام کے تمام واقعات (خواہ خارق عادت ہوں یا موافق معمول) اسباب عقلی کے تحت وجود میں آتے ہیں یہ ادراک ہے کہ جب یہ واقعات کے اسباب اتنے مخفی اور ضعیف ہیں کہ عام نظریں وہاں تک نہیں پہنچ پاتیں اور جن اسباب کی طرف ان واقعات کا انتساب ہے بظاہر ان میں سبب بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ لہٰذا واقعات، خارق عادت معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے مواقع پر خصوصیت اہتمام

---

۱ حاشیہ [illegible] ثم علم العربیۃ ترتیب ما یتوقف علیہ معنی الکلام من اسباب النزول و مناھج المفسرین [illegible] والریاضۃ [illegible] الظاہر [illegible] (۳) [illegible] اور عقلی کے اسباب [illegible]
[illegible]

کے ساتھ حضرتِ حق نے ان ظاہری اسباب کے پیچھے پردہ در اسبابِ عادیہ یا اسبابِ غیبیہ کا مشاہدہ کرایا ہے۔ چنانچہ حضرت مریمؑ کے حاملہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

«جب حضرت مریم علیہا السلام حیض سے فارغ ہو گئیں، اور پردہ ڈال کر غسل کے لئے کپڑے اتار چکیں، عین اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبریلؑ نہایت خوبصورت نوجوان کی شکل میں آ پہنچے۔ اجنبی نوجوان کی اچانک آمد سے حضرت مریمؑ کو جن متضاد کیفیات میں مبتلا ہونا چاہئے وہ ظاہر ہے۔ خود حضرت مریمؑ کا بھی عنفوانِ شباب تھا، تنومند اور قوی المزاج تھیں، نیز خوبرو تھیں اور عفت و عصمت کی پاسبانی میں اپنی نظیر آپ تھیں اس لئے ان کو نفس امارہ کی فتنہ انگیزی کا اندیشہ ہوا۔ عقل و حیاء اور جذبۂ عفت و پاکدامنی نے خداوند قدوس کی بارگاہ قدس میں پوری نیازمندی کے ساتھ دست بدعا ہونے پر مجبور کر دیا۔ بار الٰہا میری عصمت کا محافظ تو ہی ہے۔ محفوظ رکھ۔ میری پاکدامنی پر حرف نہ آئے۔ دوسری طرف ہم عمر خوب صورت اور پرکشش نوجوان کو دیکھ کر طبیعت میں وہ شہوانی ہیجان ہوا جو بوقت جماع ہوا کرتا ہے، جیسا کہ کبھی کبھی شہوت کی نگاہ باعث انزال ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت جبریلؑ کی زبان سے «إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا» سن کر حضرت مریمؑ نے اطمینان کا سانس لیا، تعلق مع اللہ کی وجہ سے رسولِ خدا کی آمد سے جو مسرت و انبساط ہونا چاہئے تھا وہ ہوا۔ بحیثیت مجموعی حضرت جبریلؑ نے نفس و انبساط کے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک پھونک ماری جس سے حضرت مریمؑ کے جسم میں گرمی آگئی اور وہ منزل ہو گئیں، چونکہ حضرت مریمؑ کے مادۂ منویہ میں مردانہ قوت و صلاحیت کی بھی آمیزش تھی لہٰذا حاملہ ہو گئیں۔»[2]

ومن العلوم الوهبية: تنقيح العلوم الخمسة التي هي منطوق القرآن العظيم، ومر من ذلك الباب جملة في أول الرسالة فراجعه۔

---

[1] حين طهرت مريم [illegible] (تاویل الاحادیث مترجم [illegible])

[2] ولما قال لها جبريل عليه السلام «إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا» ابتهجت وانشرحت وانبسطت [illegible] النفخة [illegible] (تاویل الاحادیث مترجم [illegible])

ترجمہ: اور علوم وہبیہ ہی سے ان علوم تفسیر کی تنقیح ہے جو قرآن کریم کا متعلق ہیں۔ اور اس باب کا ایک حصہ رسالہ کے شروع میں گزر چکا لہٰذا اس کی طرف رجوع کرو۔

ومن العلوم الوهبية: ترجمته باللسان الفارسي على وجه مشابه للعربي في قدر الكلام والتخصيص والتعميم وغيرها أثبتناها في «فتح الرحمن في ترجمة القرآن». وإن كنا تركنا هذا الشرط في بعض المواضع بسبب خوف عدم فهم الناظرين بدون التفصيل۔

ترجمہ: اور علوم وہبیہ ہی میں سے ہے فارسی زبان میں قرآن کا ترجمہ ایسے اسلوب میں جو مقدار کلام اور تخصیص و تعمیم وغیرہ میں عربی کے مشابہ ہے، ہم نے یہ ترجمہ «فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن» میں ثبت کیا ہے۔ اگرچہ ہم نے کہیں کہیں بغیر تفصیل کے ناظرین کی سمجھ میں نہ آنے کے اندیشے سے اس شرط کو نظر انداز کر دیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ تک صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ تمام عجمی ممالک میں جن میں ترکستان و ایران اور افغانستان، ہندوستان کے قریبی ہمسایہ تھے، اور جن کے رجحانات و مشاغل اور تسلیم شدہ حقائق کا سایہ ہندوستان کے دینی و علمی حلقوں پر پڑتا تھا۔

عام خیال یہ تھا کہ قرآن مجید خواص اور خاص طبقہ کے مطالعہ کی کتاب ہے۔ قرآن کریم میں غور و فکر اور اس کے فہم و تفہیم کا حق صرف ایک طبقہ کو حاصل ہے جس کتاب کا بہت ایک درجن سے زیادہ علوم پر موقوف ہو، اس کو عوام میں لانا، عوام کو براہ راست اس سے فیضیاب ہونے اور ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کی دعوت دینا انتہائی خطرناک ہے۔ اس سے ایک بڑی گمراہی پیدا ہوگی، ایک فتنہ کا دروازہ کھلے گا۔ عوام میں ذہنی انتشار، خود رائی اور علماء سے بے نیازی، بلکہ بغاوت و سرکشی کی راہ ہموار ہوگی ــــــ اس مصنوعی احتیاط اور غلو اندیشی کے پرخطر حالات میں (جن کی حدود «ويصدون عن سبيل الله» سے ملتی تھیں) حضرت شاہ صاحبؒ کا فارسی ترجمہ قرآن، کو ہدایت عام اور اصلاح عقائد و افکار کا ذریعہ

---

۱ اسی وجہ سے [illegible] جب [illegible] ہے ایک [illegible] کشمیری [illegible] ہے [illegible] عربی [illegible] ہے۔

قائم کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھتا یقیناً اس الہام اور اشارۂ غیبی پر مبنی تھا جو نفوس زکیہ پر کسی ضروری دینی کام کی تکمیل کے لیے وارد ہوا کرتا ہے۔ ([illegible])

ومن العلوم الوهبية: علم خواص القرآن. وقد تكلّم جماعةٌ في خواص القرآن على وجهين: وجهٌ كالدعاء، ووجهٌ كالسحر — أستغفر الله منه — ولهذا الفقير فتح الله بابًا خارجًا من المنقول، ووضع في حجري — مرّةً واحدةً — جميع الأسماء الحسنى، والآيات العظمى والأدعية المباركة. وقال: هذه عطيّتنا للتصريف —

ولكن كلّ آيةٍ واسمٍ ودعاءٍ مشروطٌ بشروطٍ لا تدخل في القاعدة بل قاعدتها انتظار عالم الغيب — كما يكون في حالة الاستخارة — فينظر إلى أيّ آيةٍ أو اسمٍ يشار إليه من عالم الغيب، ويقرأ تلك الآية والاسم على طريقةٍ من طرقٍ مقرّرةٍ عند أهل هذا الفنّ۔

ترجمہ:- اور علومِ وہبیہ میں سے ہے "خواص القرآن" کا علم — خواص قرآن کے سلسلہ میں ایک جماعت نے دو طریقوں پر کلام کیا ہے، ایک طریقہ دعاء کے مشابہ ہے اور دوسرا طریقہ سحر جیسا ہے، (میں اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں) اور اس فقیر کے لئے اللہ تعالیٰ نے منقول کے علاوہ ایک راہ کھولدی ہے۔ اور تمام اسماء حسنیٰ اور آیات عظمیٰ اور متبرک دعائیں یکبارگی میری گود میں ڈالدیں اور فرمایا کہ لو تصرف عام کے لئے یہ ہمارا عطیہ ہے۔ لیکن ہر آیت [illegible] ہر نام اور ہر دعا مشروط ہے ایسی شرائط کے ساتھ جو کسی قاعدہ کے تحت نہیں آتی ہیں۔ بلکہ ان کا قاعدہ عالم غیب (سے الہام و اشارہ) کا انتظار کرنا ہے (جیسا کہ استخارہ کی حالت میں ہوتا ہے) لہٰذا دیکھا جائیگا کہ عالم غیب سے کس آیت یا نام کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اور اس آیت یا نام کو اس فن کے لوگوں کی طرف سے وضع شدہ اصولوں میں سے کسی اصول کے مطابق پڑھا جائیگا۔

ف:- (۱) وقد تکلم جماعۃ سے متقدمین مراد ہیں۔ مروجہ متن میں "فتح اللہ" کے بجائے "فتحوا" اور "وضع" کے بجائے "وضعوا" ہے۔ مترجم دمشقی نے فارسی متن کے جمع کے صیغوں کی

روایت میں وہی کیا ہوگا لیکن بلحاظ اسلوب اور اصول ترجمہ کے لحاظ سے واحد کا صیغہ بہتر ہے۔

(۲) خواص القرآن یعنی سورتوں اور آیتوں کے وہ خصوصی فوائد جو احادیث یا آثار صحابہؓ یا اسلاف کے اقوال و تجربات سے ثابت ہیں۔ مثلاً مسلم شریف کی روایت میں ہے۔ ان البیت الذی تقرأ فیہ البقرۃ لا یدخلہ الشیطان۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔ سُورۃ الانعام ما قرئت علی علیل الا شفاہ اللہ تعالیٰ۔ میمونہ بنت شاقون بغدادیؒ فرماتی ہیں ہمارے ایک پڑوسی نے ہمیں تکلیف پہنچائی میں نے دو رکعت نماز ادا کی پھر ہر ہر سورۃ کی ابتدائی آیت پڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ پورا قرآن ختم کر ڈالا۔ پھر میں نے دعا کی۔ اللّٰھم اکفنا امرہ۔ اور سو گئی صبح کو آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ پڑوسی کا قدم پھسلا گر کر مر گیا۔ اس موضوع پر تقریباً ہر دور میں کام ہوتا رہا ہے ــــ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اعمال قرآنی نامی کتاب تصنیف فرمائی ہے۔

[۳] ومنہ کالسحر ما ہو اور ،، ومنہ کالسحر میں تشبیہ بلحاظ حکم شرعی یعنی حلت و حرمت کے اعتبار سے ہے ــ قرآن کریم کے خواص و فوائد حاصل کرنے کے جو طریقے کسی امر غیر مشروع کو مستلزم نہیں وہ دعا کے درجہ میں ہیں۔ اور ان طریقوں کا اختیار کرنا درحقیقت استعانت باللہ ہی میں داخل ہے۔ لہٰذا جائز ہے۔ بلکہ اگر ماثور ہو تو مستحب و باعث ثواب ہے۔

۲۔ اور جو طریقے کسی امر غیر مشروع کو مستلزم ہوں وہ سحر کی طرح حرام ہیں۔ مثلاً قرآن کی کسی سورۃ یعنی الٹا کر کے پڑھنا۔ یہ حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۴) آیت کریمہ، اسماء حسنیٰ اور دعوات مسنونہ و ماثورہ کے خواص و فوائد جو عملیات کی کتابوں میں درج ہیں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ منقولات و مجربات کے علاوہ بھی بہت سے فوائد و تاثیر ہیں جو حسب مقاصد و حسب ضرورت ہی حضرت والا کو جناب اللہ بتائے جاتے تھے۔ پھر وقت جس آیت یا دعا کا الہام ہوتا تھا اسے ان ہی اصول کے مطابق حضرت والا بھی پڑھتے یا لکھتے تھے۔ جو فن عملیات، دوسروں کے یہاں مقرر ہیں۔

لہ الاتقان نوع ۔۔ کہ تفسیر القرطبی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

وهٰذا هو ما اردنا ايراده في هٰذه الرسالة ، والحمد لله اولاً و اٰخراً و ظاهراً و باطناً ۔

ترجمہ :۔ اور یہ وہ (ذخیرۂ علوم) ہے جس کو اس رسالہ میں ذکر کرنے کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔ اور تمام تعریفوں کا استحقاق ہے اللہ ہی کو شروع میں (بھی) اور آخر میں (بھی) اور ظاہر میں (بھی) اور باطن میں (بھی)۔

(واین است آنچہ در این رسالہ قصد ایراد آن کردہ بودیم الحمد للہ الخ)

ف :۔ عبارت سے بالکل عیاں ہے کہ مصنف نے جن علوم کو الفوز الکبیر میں جمع کرنے کا ارادہ فرمایا تھا وہ ان چار ابواب میں جمع ہو گئے۔ لیکن چونکہ آخر میں علوم خمسہ کا سلسلہ ختم ہو گیا اسلئے حروف مقطعات کی وہبی تفسیر کے لئے بھی ایک فصل تمام فرمائی۔ (کما سیأتی)

بحث مقطعات

باب چہارم فصل ۵ کی آخری عبارت ۔ هٰذا الذي اردنا ايراده في هٰذه الرسالة سے صاف واضح ہے کہ امامؒ نے جس مقصد کے پیش نظر اس کتاب کی تالیف فرمائی تھی وہ مقصد بیان ہو کر پورا ہو چکا ہے اور مقطعات کی بحث اس سے خارج ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اردو اور عربی مترجمین نے اس کے ترجمہ سے صرف نظر کر لیا تھا لیکن شیخ الادب والفقہ استاذ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی متوفی ۱۳۷۴ھ کو اندیشہ ہوا کہ یہ حصہ تو بالکل ہی ضائع ہو سکتا ہے لہٰذا موصوف نے اس کا عربی ترجمہ کر کے کتاب کے آخر میں ملحق فرما دیا جیسا کہ خود فرماتے ہیں۔ وما اردت الّا احیاء ما کاد یموت و ابقاء ما خیف علیہ ان یفوت۔ اسلئے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے راقم الحروف بھی اس کی شرح میں مشغول ہو رہا ہے۔

متن کی تشریح سے پہلے چند ضروری باتیں ناظرین کی نذر کی جا رہی ہیں امید کہ فائدہ سے خالی نہ ہوں گی۔

(۱) **تعریفِ مقطعات** :- بعض سورتوں کے شروع میں آنے والے وہ کلمات جن کے حروف کو الگ الگ اپنی آواز کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ مفسرین کی اصطلاح میں ان کو مقطعات کہا جاتا ہے، جیسے الٓمٓ۔ الٓمٓصٓ، جن کو الف، لام، میم اور الف، لام، میم، صاد پڑھا جاتا ہے۔

(۲) **مقطعات کی تعداد** :- یہ کل چودہ کلمات ہیں جن سے انتیس سورتوں کا آغاز کیا گیا ہے۔ الٓمٓ، جو چھ سورتوں کے شروع میں ہے[1]۔ الٓرٰ، جو پانچ سورتوں کے شروع میں ہے[2]۔ الٓمٓرٰ، جو صرف سورۂ رعد کے شروع میں ہے۔ الٓمٓصٓ، صرف سورۂ اعراف کے شروع میں ہے۔ حٰمٓ، جو سات سورتوں کے شروع میں ہے[3]۔ عٓسٓقٓ، جو حٰمٓ والی سات سورتوں میں سے ایک یعنی شوریٰ کے شروع میں ہے۔ طٰسٓمٓ، جو سورۂ الشعراء اور القصص کے شروع میں ہے۔ طٰسٓ، جو سورۂ نمل کے شروع میں ہے۔ طٰہٰ، جو سورۂ طٰہٰ کے شروع میں ہے۔ کٓھٰیٰعٓصٓ، جو سورۂ مریم کے آغاز میں ہے۔ یٰسٓ، جس سے اسی نام کی سورت شروع ہوتی ہے۔ صٓ، قٓ، نٓ، یہ تینوں کلمات بھی یٰسٓ کی طرح ایک ایک ہی سورت کے شروع میں آئے ہیں۔ اور وہ سورتیں ان ہی کلمات کے نام سے موسوم ہیں۔

(۳) **حروفِ مقطعات کا مجموعہ** :- مذکورہ چودہ کلمات میں جو حروف آئے ہیں، مکررات کو حذف کرنے کے بعد ان کی تعداد بھی چودہ ہی رہ جاتی ہے جن کا مجموعہ کسی شیعی نے یوں صراطُ علیٍّ حقٌّ نمسکہ، بنایا ہے جس سے وہ حضرت علیؓ کے حق میں اپنی خلافت کا استحقاق ثابت کرنا چاہتا ہے۔

علمائے اہل سنت نے اس کے جواب میں ان حروف کا مجموعہ صحّ طریقُک مع السُّنّۃ، یا طرقَ سمعکَ النصیحۃ، بنایا ہے۔ (روح ج ۱ ص ۱۰۴)

درحقیقت یہ طالب علمانہ ظرافت ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جب صراط علی حق کے ظاہری مفہوم سے کسی کو اختلاف نہیں اور نہ ہی اس سے شیعوں کا مزعوم استحقاق ہی ثابت ہے۔ وہ بفرض محال اگر ثابت ہو جائے تو کیا اس طرح محض پہیلیوں سے شرعی حقوق و مسائل کے اثبات کا ذریعہ بن سکتی ہیں؟

(۴) **مقطعات کے معانی و مقاصد** :- اس مسئلہ میں علمائے کرام کے دو مسلک ہیں۔

پہلا مسلک یہ ہے کہ مقطعات ان متشابہات میں سے ہیں جن کا علم (کسی مصلحت کی بنا پر) اللہ تعالیٰ

---

[1] البقرہ، آل عمران، العنکبوت، الروم، لقمان، السجدہ۔ [2] یونس، ہود، یوسف، ابراہیم، الحجر۔ [3] غافر، حٰمٓ السجدہ، الشوریٰ، الزخرف، الدخان، الجاثیہ، الاحقاف۔

تسلیم ہوا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ اکثر صحابہ اور امام شعبیؒ، سفیان ثوریؒ، ربیع بن خیثمؒ اور ابو حاتمؒ وغیرہ جمہور مفسرین و محدثین اور اکثر تابعین کا یہی مسلک ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: فی کل کتاب سرٌّ و سرّہٗ فی القرآن اوائل السور۔

امام شعبیؒ نے فرمایا: ھی سر اللہ فلا تطلبوہ۔ (یہ اللہ کا ایک راز ہیں ان کی تفتیش میں مت پڑو۔) ارشاد ربانی: وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ، سے اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ ان کے معانی و مقاصد معلوم ہیں۔ اس نظریہ کو ابن عباسؓ، متکلمین، خلیل، سیبویہ، فراء، ابن قتیبہ اور ابن ابی الاصبع المصری وغیرہ نے اختیار کیا ہے لیکن ان معانی و مقاصد کی تعیین میں ان حضرات کا شدید اختلاف ہے۔ بیس سے زائد اقوال و آثار مفسرین نے ذکر کیے ہیں۔

ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔ بقیہ کے لئے مطولات کا مطالعہ فرمائیے۔

پہلی رائے: ان کلمات کے ایک ایک حرف سے کسی نہ کسی مستقل لفظ کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً الٓمّٓ کی ایک تفسیر ہے: انا اللہ اعلم گویا ہمزہ سے انا، لام سے اللہ اور میم سے اعلم کی طرف اشارہ ہے۔

دوسری رائے: ان حروف سے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً (أ) سے احد، اول، آخر وغیرہ (ل) سے لطیف۔ اور (م) سے مجیب، معز و مجید وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔

تیسری رائے: ان کلمات سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے۔ ان میں آپ کے خطاب اور آپ کی صفات پر دلالت کرنے والے الفاظ کی طرف اشارہ ہے۔

لہ علم مقطعات اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔

صاحبزادہ شاہ ولی اللہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی میں ان حروف کے سلسلے میں ایک قول یہ بھی نقل فرماتے ہیں کہ یہ اسرار محبت کے رموز ہیں۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو [illegible] کے طور پر عطا کئے گئے ہیں کہتے ہیں

التخاطب بالحروف المفردۃ سنۃ الاحباب، فانہ سر الحبیب مع الحبیب بحیث لا یطلع علیہ الرقیب،

شعر: بین المحبین سر لیس یفشیہ + قول ولا قلم للخلق یحکیہ

(شعر کا ترجمہ: دو محبت کرنے والوں کے درمیان ایک ایسا راز ہوتا ہے جس کو نہ تو زبان [illegible] کر سکتی ہے۔ [illegible] + [illegible]

[illegible]

[illegible]

مثلاً قٓ کے معنی ہیں، یا ایہا المرسل، گویا ہاء سے ایہا، الف لام میم سے المرسل کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ قصیدہ کا مقطع ہے۔ کٓہٰیٰعٓصٓ یا طاہر، خمسہ یا محمد، ع سے [illegible] یا قاسم [illegible] قریب قریب لکھا ہے۔

چوتھی وجہ یہ کہ ان حروف سے اشارہ بتایا گیا ہے کہ یہ قرآن انہی حروف پر مشتمل ہے جن کو تم لوگ بولتے ہو، اس کی مثل پیش کرنے سے تم عاجز رہے ہو تو یہ قرآن کا اعجاز اور اس کے کلام ربانی ہونے کی دلیل ہے۔ وجہ قال الزمخشری، البیضاوی وغیرہ من العلماء۔

پانچویں وجہ یہ کہ کفار کے تعجب اور ان کی توجہ کے لئے قرآن کی ابتداء میں یہ حروف ذکر کئے گئے تھے، اور [illegible] لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون کا طریقہ اختیار کیا [illegible] متوجہ کرنے کا [illegible]

وجہ قال قطرب لغوی۔

چھٹی وجہ یہ کہ ان حروف میں اللہ تعالیٰ نے احکام، قصص وغیرہ کے جو مضامین مفصل بیان فرمائے ہیں ان کا سورتوں میں خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ یا یوں کہئے کہ ان مضامین کی طرف لطیف اشارے ہیں لیکن ان اشاروں کو سمجھنا [illegible] کے علاوہ [illegible] چنانچہ آپ نے مقطعات کی جو تفسیر فرمائی ہے جس کا آپ کے قلب مبارک پر الہام ہوا۔

یہ چھ وجوہ [illegible] علوم کا [illegible] نظر [illegible] آپ کو عطا فرمائے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

فصلٌ من العلوم الوهبية التي انعم الله بها على هذا العبد الضعيف علمٌ انكشف به القناع عن المقطعات القرآنية، والاولى في بيانه من تمهيد مقدمة۔

ترجمہ: یہ فصل ان علوم وہبیہ میں سے ہے جن کا انعام فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اس عبد ضعیف پر۔ وہ علم ہے جس کے ذریعہ مقطعات قرآنی سے پردہ اٹھ گیا اور اس کی وضاحت کے لئے ایک تمہیدی مقدمہ ضروری ہے

فاعلم ان لكل واحد من حروف التهجي التي هي اصول كلمات العرب معنى بسيطا لا يمكن التعبير عنه الا باشارة لطيفة غامضة ومن ههنا ما ثبت عند اهل ان كثيرا من المواد المتقاربة تكون متفقة معنى او متقاربة۔

ترجمہ: تو جان لو کہ حروف تہجی جو کہ عربی کلمات کے اصول ہیں ان میں سے ہر ایک کا ایک بسیط معنی ہے جس کی تعبیر لطیف و دقیق اشارے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بہت سے متقارب مادوں کا اشتراک حروف والے الفاظ ہم معنی یا قریب المعنی ہوتے ہیں۔

ف :- [illegible] کے ساتھ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] (حروف ضمیمہ بالاشتقاق)

كما ذكر الأكابر من الأدباء أن كل كلمة اجتمعت فيها النون والفاء تدل على معنى الخروج بوجه من الوجوه مثل نفر ونفث ونفخ ونفح ونفق ونفذ ونفد. وكذا كل كلمة اجتمعت فيها الفاء واللام تدل على معنى الشق والقسم مثل فلق وفلم وفلج وفلذ وفلد.

ومن ضمنها ما يسمى النظائر من علماء الأدب العرب [illegible] بكلمة معنى وجوه شتى [illegible] تبديل حرف بحرف مقاربة مثل دق ودك [illegible] والحاصل أن ما قلناه [illegible] التشبيه.

ترجمہ :- جیسا کہ [illegible] نے فرمایا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] جیسے فلق وغیرہ۔

[illegible] جیسے دق وغیرہ۔
[illegible]
[illegible]

ف :- [illegible]
[illegible]
[illegible]

پہلے اصول کی مثالیں نَفَرَ القومُ [illegible]
[illegible]
[illegible] الطیب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] المتکلم علی التناخیہ ہے۔

(دو حرفی تصور کے لئے حرفوں کی ترتیب ہو سکے) نقد، نقص، نقر، وغیرہ الثعالبی الترتیب
(جیسے کہ شکایت پیدا ہوگیا) اس سے جلال الدین السیوطی نے المزہر میں الثعالبی کے شعر جیسے
تک کا ... اور ... فقہ اللغۃ یا ... مگر اس سے بڑا اور
کی ضرورت پوری ہوئی ہے

دوسرے اصول کی مثالیں نقض، نقص، نقض پھاڑنا ہیں۔ ... ہیں ... فلق الشی ... ہے کہ یہ پھوٹ کا پھٹنا اور قطع ... الفلق کا اشتقاق کیا جاتا ہے
یعنی ... کا ... ہے ... کا بیان ... کا اسباب ...
حصول مقصد کی راہ میں ... قلقلہ ... سے
مطلع المزہر ... کا ... قلقلہ ... الثعالبی ...
حصہ ... اور ... وغیرہ کا ...

ماہرین لسانیات کا نظریہ عربی حروف تہجی کے ... ترتیب کے ... ابجد ہوز
عربی ادیبوں کے حوالے سے وہ اصول پیش کرنے کے بعد اب ماہرین زبان کا ایک نظریہ بھی پیش
کرتے ہیں کہ ... بہت سے کلمات میں قریب المخارج حروف کا تبادلہ کر دیتے ہیں جیسے
... ایک ہی لفظ کی مختلف شکلیں ہو گئیں
جیسے ... دونوں کو ... معنی ...
... دونوں کا ایک ہی ... ہے ... (... وغیرہ) ...
... قریب المعنی ...

دراصل ... پہنچا ... ہمارے ... بہت بڑی تعداد میں فراہم ہو سکتے ہیں چنانچہ اس موضوع پر علماء
کی باقاعدہ تصانیف موجود ہیں۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے العلم الخفاق ... کی کتاب
لکھی ہے جس میں اس قسم کی مثالیں جمع کی ہیں۔ (اعراب)

۔ تیسرا ... کے حوالے سے ... اشتقاق کا ... اصول ...
کیا ہے۔ التقارب ... بین المعنیین ...
قریب المخرج حروف پر مشتمل ہوں ... اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے معانی میں قرب اور ایک گونہ
اشتراک ہے۔

ثعالبی ... فقہ اللغۃ ... (اشتقاق) ...
... مختلف جیسے ...
... جیسے ...
...
... کا اشارہ)

وتشبیہ نادرہ قسم کے اسالیب اور نظم کلام کی اصطلاحات ہیں۔ سب سے مقتضیات بلاغت کا اثبات ہے
ان کے علاوہ بھی چند مسائل لکھے ہوئے ہیں۔ تشبیہ سب عربی القرآن سے متعلق بتایا ہے۔

بہرحال شاہ صاحب نے فقرات اور مضامین میں ان باتوں کی وضاحت فرمائی ہے جو عربی کے کچھ مسائل ہیں جو
اسی وجہ سے معانی بیان وغیرہ کے ساتھ ساتھ ترکیب کا ذکر کرتے ہیں۔

فهذه كلها لغة عربية ذات لهجة بلغ العرب الغرباء إلى تهذيبها وتنقيحها. ولو سألت بلغاءهم وفصحاءهم عن أمثال هذه المسائل العربية المعربة مثل المشهور والتعريف والجنس وخواص التركيب لم يتمكنوا من بيان حقيقتها مع كونهم مستعملين لها ناطقين بها. فتلك الدقائق في كلام العرب ليست مما يستوي فيه الناس بل بعضهم أدق وألطف فهما من بعض، فترى جماعة النحو يعتنون ولم يبلغ الآخرون إلى دركها وهذه العلوم ليست من لغتهم العربية ولكن تعاصرت أنها وكثير من المتقدمين عن تنقيح تلك المذاهب

ترجمہ:- یہ سب عربی لغت کے مطابق ہے۔ گو عام اہل عرب ان کی تنقیح و تہذیب تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ اور ہر آدمی کو ان کی حقیقتوں کا ادراک ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ عرب خاص عربیت کے مسائل کی اصطلاحات مشہور، تعریف، جنس اور ترکیب کے خواص کے بارے میں سوال کرو تو وہ لوگ ان کی حقیقتوں کی وضاحت پر قادر نہ ہوں گے۔ حالانکہ وہ لوگ ان کا استعمال کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ پھر کلام عرب میں باریک اور گہری نظر رکھنے والے لوگوں کے ذوق کا حصہ زیادہ رکھتے ہیں۔ بلکہ بعض حضرات دوسروں سے زیادہ دقیق اور لطیف انداز کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ تم ایک ایسی جماعت سے واقف ہو جنہوں نے بہت سے مسائل کا پتہ لگایا ہے۔ جبکہ دوسرے لوگوں کو ان کی معرفت تک رسائی نہیں ہو سکی ہے۔ اور یہ علوم ان کی عربی زبان سے متعلق ہیں لیکن بہت سے متقدمین اور بڑے بڑے علماء ان مسائل کی تنقیح و تحقیق سے قاصر رہے۔

ف:- حافظ صاحب نے گذشتہ بیان میں عربی کے مسائل سے متعلق جو تحقیقات پیش فرمائی ہیں ان پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ محض ان کی اپنی تحقیق ہے اہل عرب سے منقول نہیں۔

جبکہ لغات کے مسائل نقل و سماع پر موقوف ہیں تو پھر ان تحقیقات کا اعتبار کرنے اور ان پر اعتماد کرنے کا کیا جواز ہے؟

حافظ صاحب نے جو تقریر بیان فرمائی اسی میں اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ یہ تحقیقات ایسے ہی ہوتے ہیں۔
جو ہر صاحب ذوق کو ذوق سلیم سے حاصل ہو جاتے ہیں اور انسان قائل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب کسی شخص میں ذوق کامل
کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ زبان کی باریکیوں کو سمجھنے لگتا ہے اور ان کو پسند کرتا ہے۔ اس قسم کی
تحقیقات نقل و سماع پر موقوف نہیں ہوتی ہیں بلکہ اہل ذوق کے نزدیک ان کا منقول ہونا ضروری نہیں
کافی ہوتا ہے۔

دیکھو علاوہ بریں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حدیث سے لطائف و معارف اور حدیث کی باریکیاں ان میں بھی ہوتی ہیں جن کو بالغ نظر ہی سمجھتا ہے اور یہ باریکیاں خواص ہی پا سکتے ہیں۔ مثلاً محدثین کی اصطلاحات (منہج، مخرج، رجال وغیرہ) کو لے لیجئے یہ تمام ان کی تحقیقیں ہیں اور تب اردو والے [illegible] ان کا اعتبار ہو گیا تھا۔ پھر بھی عام آدمی ان اصطلاحات سے ناواقف ہوتا ہے یہی حال [illegible] کی ان باریکیوں کا ہے جن میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ لہٰذا ان کا تسلیم کرنا حقیقت پسندی کی دلیل ہے۔

فاعلم أن المقطعات من أوائل السور أعلامها. تدل بمعانيها الإجمالية على ما اشتملت السورة عليه مفصلة كتسمية أرباب التصانيف والتأليف مصنفاتهم ومؤلفاتهم بحيث يدل علم الكتاب على حقيقة ما فيه من المعاني عند ذهن السامع كما أن البخاري سمى جامعه ب- الجامع الصحيح المسند في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم

ترجمہ: یہ جان لو کہ سورتوں کے شروع میں جو مقطعات (حروف) ہیں وہ سورتوں کے نام ہیں جو اپنے مبہم معانی کے ذریعہ ان مضامین پر دلالت کرتے ہیں جو اس سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوتے ہیں جیسے ارباب تصنیف و تالیف اپنی تصنیفات و تالیفات کے ایسے نام رکھتے ہیں کہ کتاب کا نام مخاطب کے ذہن کی رہنمائی کرتا ہے ان مضامین کی حقیقت کی جانب جو اس کتاب میں ہیں جیسے امام بخاری نے اپنی جامع کا نام رکھا ہے الجامع الصحیح الخ۔

ف: اس عبارت میں مقطعات کے متعلق ہم علماء کی رائے کی ترجمانی کی گئی ہے کہ یہ حقیقۃً سورتوں کے نام اور ان کے عنوان ہیں۔ اور یہی رائے ہے اکثر متکلمین کی، کما ذکرہ الامام فخر الدین الرازی. هو قول اکثر المتکلمین واختیار الخلیل وسیبویه. والذی اطبق علیه الاکثر وهو مذهب سیبویه ونص علیه انها اسماء السور (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۰۰)

مگر وہ متقدمین اور ماہرین علوم جن کی یہاں تک رسائی ہے لیکن آج کل ان حضرات کی یہ بات تسلیم ہے متقدمین کا خیال ہے کہ ان ناموں کا مقصد ان کی توقیف کی طرف منتقل کرنا ہے [illegible] سورتوں کے آخر میں بھی [illegible] کا استعمال کرتے ہیں۔ پھر بھی ان کی تفسیر و تشریح پیش کر سکنے کا مطلب یہی ہے کہ [illegible] ورنہ ترجمے والا اور مایۂ ناز عالم [illegible] اس کی تفسیر ضرور پیش کر دیتے۔

نامی علوم القرآن [illegible] ان حروف سے سورتوں کے ان مضامین کی طرف اجمالی اشارہ کیا گیا ہے جو ان میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

[illegible]

لہذا جس طرح ہمارے ذوات و اشخاص بغرض تمیز موضوع ہوتے ہیں اسی طرح شعور تو ہمارے باہمی امتیازات کے لئے مقامات ہیں۔ لیکن جو کہ ان [illegible] کرے کہ بعض عقلیات مثلاً الہ کے [illegible] کا آغاز ہے تو [illegible] ہے۔ [illegible] ایک [illegible] اشخاص کا ہوتا ہے اور [illegible] کے لئے کوئی صفت پڑھی جاتی ہے جیسے [illegible] [illegible] [illegible] الف [illegible] [illegible] [illegible]

ثم معنى السرّ الغيب الغير المتعين تعين بالنسبة الى عالم الشهادة المشاهدة فان الهمزة والهاء كلتيهما تدلان على الغيب الا ان الهاء غيب هذا العالم والهمزة غيب العالم المجرد

ترجمہ:- چنانچہ الہ کا معنی ہے غیر متعین غیب جو اس عالم شہادت کے تعلق سے متعین ہو گیا ہے کیونکہ ہمزہ اور ہا دونوں غیب پر دلالت کرتے ہیں مگر ہا اس عالم کا غیب ہے اور ہمزہ عالم مجرد کا غیب ہے۔

ف:- الہ کا معنی جاننے کے لئے اگلی عبارت کا پڑھنا بھی ضروری ہے [illegible] ہم نے درج کر دیئے ہیں۔ [illegible] کے لئے [illegible] لفظ غیب [illegible] ہے [illegible] [illegible] کی جگہ پر استعمال ہوا ہے۔ لغت میں [illegible] کے معنی [illegible] غیب سے مراد [illegible] چیز ہے جو نظر سے اوجھل یا [illegible] سے باہر ہو۔ مثلاً [illegible] کا [illegible] کے [illegible] وغیرہ [illegible] عالم شہادۃ سے مراد [illegible] ظاہری دنیا [illegible] ہم کو [illegible] ہوتی ہیں۔ عالم مجرد سے [illegible] مراد [illegible] جہاں سے [illegible] کے احکام و [illegible] صادر ہوتے ہیں۔

ولهذا يطلقون ﴿او﴾ و﴿أم﴾ وقت الاستفهام و﴿او﴾ وقت العطف فان الامر المتكلم فيه حينئذ امر مستتر وهو غيب بالنسبة الى المتعين وكذا المتردد فيه ايضا غيب والهمزة تدل في اول الاشارات على معنى متخيل في ذهن المتكلم وتنصيله موكول الى مادته واختاروا في الضمائر الهاء فانه غيب هذا العالم وحصل للمتعين بالحال في الجملة۔

ترجمہ:- اور اسی وجہ سے ہمزہ اور او، اور ام کو استفہام کے وقت اور واؤ کو عطف کے وقت استعمال کرتے ہیں کیونکہ [illegible] ایک [illegible] مبہم امر ہوتا ہے۔ اور وہ متعین چیز کے مقابلہ میں غیب (مخفی) ہے اسی طرح وہ چیز جس میں تردد ہو وہ بھی غیب

دوسری الف ہے ۔ دو جز امر کے شروع میں صیغہ مخاطب کے حرف دیا جاتا ہے تاکہ اپنے معنی پر دلالت کرے جو متکلم کے ذہن میں آچکا ہے ۔ لیکن وہ دل کے دل و دماغ سے الگ نہیں ہے ۔ اور یہی تفصیل امر کے بارے کے سمجھ دے ہے اور ضمیروں میں سے وہ کا انتخاب کیا ہے کیونکہ وہ امر کی غائب غیب ہے اور تشہین میں بھی یہی صورت حال ہوتا ہے ۔

فیصلہ ناسخ میں یہ دعوی کیا گیا ہے کہ حرف اور لفظ دونوں کے اندر غیبت کا معنی پایا جاتا ہے ۔ یہاں اسی طرح کی تائید و توثیق کے لئے پانچ امثلہ پیش کئے جاتے ہیں جو ایسے جزوں اور بولے جاتے ہیں اور وہ غیب کے معنی پر دلالت کرتے ہیں ۔ (۱) ہمزہ استفہام (۲) اکثر وہ کسی چیز کی بالکل انکاری اور اس سے معرفت حاصل کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ان کلمات دوں کے ذریعہ ان ہی چیزوں کے بارے میں سوالات کئے جاتے ہیں جو سائل کے دل و دماغ سے اوجھل اور غائب ہوتی ہیں ۔ اور یہ بات ظاہر ہی ہے کہ جو نامعلوم چیز مستفہم عنہ ہے اس چیز کی نسبت غیب ہی کہلانے کی مستحق ہے ۔

(۳) او حرف عطف ہے شک و تردد کے مواقع پر استعمال کیا جاتا ہے ، اور یہ معلوم ہے کہ جس چیز میں تردد ہوتا ہے اس پر ایک طرح کا پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے ۔ وہ مغیب ہی ہے بلا شک و تردد ۔

(۴) ہمزہ امر جو فعل امر کے شروع میں آتا ہے اور متکلم کے ذہن یا خیال میں غائب معنی پر دلالت کرتا ہے جو مخاطب پر ابھی تک اوجھل چیز ہے

(۵) غائب کی ضمیریں ھو ، ھی ، ھما وغیرہ ۔

قولہ والھمزة تشیر الخ یعنی ہمزہ امر متکلم کے دل و دماغ میں آنے والے اس مضمون یا فعل کی طرف پر دلالت کرتا ہے جس کی حکایت و ترجمانی کے لئے فعل امر لایا جاتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہی صورت جو امر کے متکلم سے پہلے مرتب ذہن کے پردہ پر پائی جاتی ہے ایک غائب اور مخفی چیز ہوتی ہے ۔ معلوم ہوا کہ ہمزہ امر غیب پر دلالت کرتا ہے ۔

(نوٹ) قارئین حضرات ان دلالت کنندہ حروف کو صرف تقریب فہم کے واسطے سمجھیں تفصیل مطلوب ہو تو بالتفصیل کے ساتھ عبارت کو دیکھا جانا چاہئے ۔ فتدبر فی ... تفصیلھا و توضیحھا الملاد الفلاسفیۃ تخیلات فی ذھنہ ۔ فتدبر ۔

قولہ حتی لا الخ اعتراض مقدر کا جواب ہے کہ ان ضمیروں کے بارے میں تو معلوم و متعین ہوتا ہے پھر ان میں غیب کا معنی کہاں رہا ؟ جواب : متکلم کے اندر جتنا مخفی ہوتا ہے ضمیروں میں ان کی وضاحت نہیں ہوتی ہے ۔ چنانچہ بہت سی جگہوں پر ضمیروں کے مرجع میں اختلاف ہو جاتا ہے ۔ معلوم ہوا کہ کسی نہ کسی وجہ سے ضمیر کے اندر ابہام ہوتا ہے ۔ نیز ضمیر غائب کی مراد سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مرجع کا علم ہو اور ضمیر کی مراد مبہم و مخفی رہتی ہے ۔ لہذا یہ کہنا صحیح ہے کہ ضمیر غائب میں غیبت و خفا کا معنی پایا جاتا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

والآخر تدل على معنى التعيين، ولهذا يتزايدون الأمر وقت التعريف. والميم من حيث اجتماع الشفتين عند التكلم بها تدل على الهيولى المشتركة التي اجتمعت فيها حقائق شتى وتقيدت. والألف من الفيض المجرد إلى محبس التقييد والتمييز.

ترجمہ:- اور لام تعیین کا معنی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی چیز کو معرفہ بنانے کے وقت اس پر لام کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ اور میم ہونٹوں کے ملنے کے وقت، ہر شے کے مل جانے کی حیثیت سے اس ہیولیٰ مشترکہ پر دلالت کرتا ہے [illegible] اور [illegible] جس میں مختلف حقائق جمع و مقید ہیں اور [illegible] فیض مجرد سے قید و تمیز کے محبس کی طرف [illegible]

ف:- اس میں ایک اصول [illegible] ہے کہ [illegible] ترتیب حروف کی حیثیت سے [illegible] اس کا کام کسی کو معرفہ بنانا اور تعیین کرنا ہے۔ اسی اصول سے حضرت مؤلف نے یہ مستنبط کیا ہے کہ لام کے اندر تعیین کا معنی پایا جاتا ہے۔ اور میم کی ادائیگی کے وقت دونوں ہونٹ باہم مل جاتے ہیں۔ [illegible] حضرت [illegible] میں [illegible] اور [illegible] کا معنی پایا جاتا ہے۔ [illegible] کی طرف اشارہ ہے [illegible] اور [illegible] کی [illegible] حقیقتوں کا اجتماع ہے۔ [illegible] کے معنی میں [illegible] داخل [illegible] ہے۔

فالحاصل أن الم كناية عن الفيض المجرد الذي تقيد في عالم التقييد والتمييز، وتعين بحسب تمام الأمر وعمومه. فصادم قسوة قلوبهم بالتذكير، وصادم أفواه الهمم الفاسدة والعالم الطبيعة بالمحاجة وتحديد الوعد والإنذار والبشارة بينهما فيها تفصيل هذا الإجمال وإيضاح هذا الإبهام.

ترجمہ:- حاصل یہ ہے کہ الم اس فیض مجرد سے کنایہ ہے جو تقیید و تمییز کی دنیا میں محبوس ہو چکا ہے۔ اور [illegible] عبارات اور ان کے علوم کے موافق متعین ہو چکا ہے۔ تو جس نے [illegible] کے دلوں کی سختی کو نصیحت کے ذریعہ دور کیا۔ اور [illegible] کے [illegible] اقوال اور کھوٹے اعمال کو [illegible] کے ذریعہ پاش پاش کیا (بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فإذا هو زاهق) [illegible] سورۃ البقرہ [illegible] اجمال کی تفصیل اور اس ابہام کی توضیح ہے۔

ف:- حاصل یہ ہے۔ الم کے حروف کی الگ الگ جو مرادیں بیان کی گئی ہیں [illegible] کا خلاصہ [illegible] فرماتے ہیں۔ [illegible] غیب [illegible] مراد [illegible] اللہ کا [illegible] سے [illegible] تعلق [illegible] ہو چکا ہے۔ [illegible] کا [illegible] ہے جس سے [illegible] ہوتا ہے۔

3

[illegible] کے ترجمہ میں الٓمٓ کا مختصر ترجمہ ہے ۔ عالم بالا کے غیب کا تعین و تشبیہ دونوں میں ۔ ۔ یہ ہے کہ دونوں کا عنوان اس عہد کا ترجمہ ہے ۔ جیسا کہ شاہ صاحب نے ماسبق میں فرمایا [illegible] الغیب التعین التعین بالنسبۃ الی عالم الشہادۃ المتدلیۃ [illegible] سے تعبیر کیا تھا ۔ یہاں حروف نے بھی اسی تعبیر کو مختصر کر دیا تھا۔

اس تعبیر کے بعد پھر حضرت شاہ صاحب الٓمٓ کا اجمالی وغیرہ جامع عنوان کی توضیح فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید پہلے مطلق [illegible] احکام و عقائد اور وعدہ و وعید وغیرہ کی صورت میں دنیا کے اندر نازل ہو رہے ہیں جن کا مقصد بندوں کے قلوب کا تزکیہ اور حق و باطل کا فیصلہ ہے۔ پھر قلوب کے تزکیہ اور ان میں نکھار پیدا کرنے کے لئے تذکیرات و نصائح بھی پیش کی جائیں گی ۔ امتیاز حق و باطل کے لئے [illegible] دونوں کی بھی تشریح کی جائے گی ۔ اور ان میں اختصار پیدا کرنے کے لئے [illegible] کی بھی [illegible] کی جائے گی ۔ چنانچہ پوری سورۂ بقرہ کی مجموعی ترتیب ابواب کے مطابق مضامین پر مشتمل ہے۔ [illegible]

قولہ الٓمٓ معنی تقریب الخ [illegible] کا مطلب واللہ اعلم یہ ہے کہ [illegible] کے مطابق اور احکام [illegible] کے متعلق [illegible] ہو گئے ۔ یعنی [illegible] متعلق ہو [illegible] متعلق [illegible] ہے [illegible] ایک قسم کا تقریب ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب

والمر مثل الم الا ان الراء تدل على التردد الى الغيب الذي تعالى وتدلى مرة بعد أخرى ولكن تلك الميم مع الراء وكان الراء تشير الى الغيوب المتدلية مرة بعد مرة وهذا كناية عن العلوم التي صادمت قلبه ثم بقي ادم مصادمة بعد مصادمة لذلك صادق بقصص الانبياء ومقالاتهم مرة بعد أخرى وبالاسئلة والاجوبة المتكررة

ترجمہ :— اور المر الٓمٓ کی طرح ہے ۔ مگر (یہ فرق ہے کہ) اس میں راء [illegible] کسی چیز کے بار بار ہونے پر دلالت کرتا ہے یعنی اس غیب پر جو بار بار متعدد اور ظاہر ہو چکا ہے اور یہ مثال [illegible] کے ساتھ [illegible] المر میں [illegible] غیوب کی طرف اشارہ کرتا ہے جو بار بار نازل ہو چکے ہیں [illegible] علوم سے جو آنحضرت کے قلب پر [illegible] ۔ اور یہ انبیاء کے قصص و واقعات پر صادق ہے ۔ [illegible] سوالات و جوابات پر بھی صادق ہے۔

ف :— [illegible] عالم بالا کا غیب [illegible] بیان [illegible] تعین [illegible] کا بار بار [illegible] کے قصص و مقالات کی بار بار [illegible] ہوتی رہی ہے۔

[illegible]

۔ اس عنوان کا مضمون ان علوم میں سے ہے جو اس فقیر کو اس کتاب کے تحت سے انبیاء کرام علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ آئے ہیں۔

چنانچہ جب صورت کے مشرعی ہیں وہ عنوان ہوتا ہے جس میں انبیاء کرام کی تجلیاتی صورت میں ان پر کلیم کی طرف سے انہیں خصوصی انعامات کی بارش، وہ قریب با طلوع کے تمام ان کے کنارے دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھیے سورہ یوسف، سورہ ابراہیم اور سورہ طٰہٰ کا بیشتر حصہ کلام کے مضامین پر مشتمل ہے۔

والطاء والصاد تدلان على حركة الارتفاع من العالم السفلي إلى العالم العلوي إلا أن الطاء تدل على عظم ذلك المتحرك و ضخامته مع تلوثه وتدنسه. والصاد تدل على صفائه ولطافته والسين تدل على السريان والتلاشي وانتشاره في الآفاق كلها.

ترجمہ: اور طا، صاد دونوں دلالت کرتے ہیں عالم سافل سے عالم بالا کی طرف صعود کرنے کی حرکت پر۔ مگر یہ کہ طا اس کی دلالت، اس متحرک کی بڑائی، حرکت کے ساتھ اس کی بڑائی و ضخامت پر ہوتی ہے اور صاد اس کی صفائی و لطافت پر دلالت کرتی ہے اور سین سریان پر اور سارے آفاق میں منتشر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

فطه مقامات الانبياء التي هي آثار توجههم إلى العالم العلوي بحيث تكون في هذا العالم صورة عجيبة بالبيان الإجمالي وذكرهم في الكتب وصحفه. وطسم مقامات الانبياء التي هي آثار حركاتهم الفوقانية التي سرت في العالم السفلي وانتشرت في الآفاق.

ترجمہ: پس طٰہٰ انبیاء کے وہ مقامات ہیں جو عالم بالا کی طرف ان کی توجہ کے آثار ہیں اس حیثیت سے کہ اس عالم میں ایک عجیب صورت ظاہر ہوتی ہے۔ اجمالی بیان اور کتابوں میں ان کے تذکرے اور ان کے صحیفوں میں۔ اور طسم انبیاء کرام کے وہ مقامات ہیں جو ان کی علوی حرکات و توجہات کے آثار ہیں۔ جو عالم کثیف میں منتشر ہیں۔ اور ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ف: طٰہٰ حسن ترکیب پر دلالت کرتا ہے جس کے تین جز ہیں۔ (۱) عالم پاک عالم بالا کی طرف توجہ ان میں جیسی اشد (۲) متوجہ ہونے والے کا با عظمت و ضخیم ہونا (۳) متوجہ ہونے والے کا آلودگی و کثافت والا ہونا ہے۔ مگر وہ صفت بیچ میں عرضی ہے اور طٰہٰ کا معنی جیسے ہیں ان کا قریب۔ یعنی طٰہٰ کے معنی ہوئے کہ عظیم چیز کا اللہ کی طرف متوجہ ہونا عجیب ہے۔

یہ تعبیر ہمارے ہے کہ قوم اللہ کی تدبیر میں انبیاء کرام علیہم السلام کو قرب خداوندی کے بعد ان مقامات عجیب ہونے وہ اس عالم کے لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں۔ کتب سماوی کے آیات و انبیاء کرام کے بیان پایا جاتا ہے اور ان کی دعوت کے اثرات و شہادات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کیسی۔

گویا یہ سورۃ [illegible] ہے۔ جس کا مقصود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی [illegible] آپ کے مخالفین [illegible] کا اظہار ہے۔ کہ آپ کو [illegible] ترجیح [illegible] دیکھا ہے۔ [illegible] مقام [illegible] ہے۔ [illegible] مخالفت کرتے ہے آپ [illegible]

[illegible] کشف [illegible] ظہور [illegible] عالم [illegible] کشف [illegible] جاری کر دیا [illegible] اور عالم [illegible] جاری کر دیا گیا۔

مطلب یہ ہے [illegible] ہوتے ہیں۔

والحق عندنا ما ذكره من معنى الهداية إلا أنه إذا استصحب التشعشع والظهور والتمييز كان فيه للائق بالحلم فمعنى حم [illegible] نور لامع متشعشع اتصل بما تختص به الغاية المتنزلة من العقائد الباطلة والاعمال الفاسدة، وهو كناية عن نزول القرآن وظهور الحق في الشبهات والمناظرات وما اتبعوه من العادات

ترجمہ: [illegible] ہمارے نزدیک [illegible] ہے [illegible] جب [illegible] ظہور و تمیز اور نور [illegible] کی صفت [illegible] پائی جاتی ہے۔ لہٰذا [illegible] کے معنی [illegible] عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ [illegible] کے ساتھ مخصوص ہیں۔ [illegible] عالم [illegible] عقیدہ [illegible] اعمال [illegible] ہو گئے تھے۔

[illegible] پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] عالم غیب [illegible] ظہور [illegible] عالم کشف مراد ہے [illegible]

لہٰذا [illegible] عالم [illegible] ظاہر ہوا [illegible] کا سب کے [illegible] ہو گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ [illegible] باطل [illegible] باطل کے مقابلہ [illegible] باطل کی [illegible]

فالعين تدل على التعين والظهور للمتشعشع، والقاف مثل الميم تدل على هذا المعنى لكن من جهة القوة والشدة، والسين من جهة اجتماع الظهور فيه وتراكمها. فـ عسق معناه حق متشعشع متمكن في العالم.

ترجمہ :- اور تیس دلالت کرتا ہے تسبیح اور غروب شمس ظاہر ہونے پر ۔ اور قاف ، میم کی طرح
اس عالم پر دلالت کرتا ہے لیکن قوت و شدت کی حیثیت سے ۔ اور اس عالم میں صورتوں کے اجتماع
اور ان کا ذخیرہ کرنے کی حیثیت سے ۔ لہذا [illegible] سے مراد ہے ، اور وہ روشنی ہے جو عالم میں پھیل گیا ہے ۔

ف :- اگرچہ [illegible] والتسبیح ، میم ، والظہور والتشبیہ پر مقدم کیا گیا ہے ۔ لیکن
یہ کہا ہے جب کہ والتسبیح ، والظہور کی تفسیر ہے ۔ لہذا مؤخر ہونا چاہئے [illegible] اور
[illegible] ہے ۔ [illegible] عالم [illegible]
[illegible] ہے ۔ [illegible] ہے یعنی عالم میں
نور و ہدایت کی اشاعت :

والنون عبارة عن نور يسري وينتشر في الظلمة كمثل ضياء قبيل
الصبح الصادق او عند غروب الشمس . والياء كذلك ، الا ان
ما تدل عليه الياء من النور اقل مما تدل عليه الهاء .
ف . يس ، كناية عن معان منتشرة في العالم

ترجمہ :- اور نون ، اس نور کی تعبیر ہے جو تاریکی میں سرایت اور منتشر ہوتا ہے (جیسا کہ
اس روشنی کی مانند جو صبح صادق سے کچھ پہلے یا غروب آفتاب کے وقت [illegible] ہوتا ہے ۔
اور یاء بھی ایسی ہی ہے مگر یہ کہ یاء جس نور پر دلالت کرتی ہے وہ اس سے کم ہوتا ہے جس پر ہاء
دلالت کرتا ہے ۔ دونوں حروف روشنی پر دلالت کرتے ہیں ۔ مگر نون کی دلالت تیز روشنی
پر ہوتی ہے جبکہ یاء کی دلالت ہلکی روشنی پر ہوتی ہے [illegible]
[illegible] کی دلالت ہوتی ہے ۔ لہذا یٰس ، ان معانی
سے کنایہ ہے جو عالم میں پھیلے ہوئے ہیں ۔

ف :- [illegible] تاریکی میں [illegible] وعظ و
نصیحت [illegible] ہے ۔ اور سورہ یٰسین کا موضوع بھی [illegible] روشنی کی اشاعت [illegible] ہے کہ نور
[illegible] اور روشن علوم و ہدایات کی اشاعت [illegible] عالم میں ہو رہی ہے ۔

غالباً اسی مناسبت سے شروع میں قرآن حکیم کی قسم [illegible] آپ کی رسالت کے اعلان سے کیا گیا ،
کیونکہ قرآن ، نور ہے ۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراجاً منیراً ہیں ۔ ارشاد ربانی ہے ۔ قد جاءکم
من اللہ نور و کتاب مبین ۔ اور فرمایا : وانزلنا الیکم نوراً مبیناً ۔ آپ کے [illegible]
[illegible] ۔

ومعنى ص ، هيئة حدثت [illegible] عند توجه الانبياء
الى الله ومعنى ق ، قوة و سعة و كثرة تمتلئ في هذا العالم كما
يقال [illegible] هيئة حدثت في هذا العالم من حيث الكثرة
والمصادمة .

ترجمہ :- اور ص کا معنی ہے ایک ایسی ہیئت و حالت جو اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہونے کے وقت انبیاء کرام علیہم السلام کو فطری یا کسبی طور پر حاصل ہوتی ہے۔ اور ق کا معنی ہے ایسی قوت و شوکت اور ایسی تاثیر جو اس عالم میں تعین و تقید اختیار کر لیتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے [illegible] مقصود کا منتہی وہ حالت ہے جو اس عالم میں [illegible] تدبیر کی حیثیت سے رونما ہوئی ہو۔

ف :- الخیر الکثیر میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں: ص مقام قدسی

القرب بالله قربا لا شيء من حيث انها عادة له. لكن بها تحقق مقامات الانبياء و علومهم التي هي بحسب وجاهتهم (الخير الكثير)

یعنی ص ایک مقدس مقام ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے مقدس قرب حاصل ہے، بایں حیثیت کہ وہ اسی کی طرف [illegible] اور اسی سے متعلق ہے جس سے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات اور ان علوم کی طرف جو ان کی وجاہت کے اعتبار سے ان کو حاصل ہوتے ہیں۔

گویا ص ایک عنوان ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سورت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قدرت مقرب ہونے کا تذکرہ کیا گیا۔ چنانچہ آغاز سورت میں قرآن عظیم کی قسم اور قرآن اور رسول قرآن کی صداقت کا انکار کرنے والوں کی مذمت کر کے سرتاج انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قرب الی اللہ کو واضح کیا گیا۔ پھر کسی کے بارے میں وان له عندنا لزلفى وحسن مآب فرمایا گیا کہ تم اسے [illegible] اعزاز دیا۔ اور بہت سے انبیاء کرام کو لمن المصطفين الاخيار اور [illegible] سے نوازا گیا۔ آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کے مقام قرب کا تذکرہ کیا گیا۔

خیر کثیر میں ق کا معنی [illegible] قدسیہ بتایا ہے یعنی ایسی صفت جزئیاں جن کا تقابل تدبیری قوت سے کیا گیا ہے۔ [illegible] مراد ہیں۔

والكاف مثل القاف الا ان معنى القوة اقل فيها منه في القاف فمعنى كهيعص علائم مثل شجرة مطلقة تعين فيه بعض العلوم المتشعشعة للرجوع الى الله الاعلى۔

ترجمہ :- اور ک بھی ق ہی جیسا ہے مگر یہ کہ قوت کا معنی اس میں کم ہوتا ہے اس قوت سے جو ق میں ہوتی ہے۔ چنانچہ کہیعص کا معنی ہے [illegible] عالم [illegible] ایک ہے جیسے بعض انوار علوم متعین ہو گئے انبیاء کرام کے اپنے رب اعلیٰ کی طرف رجوع کے وقت۔

ف :- ق [illegible] ایک طرح کی [illegible] ہے [illegible]

---

[1] علامہ [illegible]

۱۔ غیب صفات الٰہی جو اس دنیا کے اندر ہیں۔ یعنی روشن تر مرتبہ بعض نورانی علوم کے ظہور کی جگہ [illegible]
سے لطیف جوہر جو حرکت کا باعث ہو اس عالم سے اُس عالم کی طرف متوجہ ہونا۔

ان حروف کی ترتیب کے مطابق، کٓھٰیٰعٓصٓ کے معنی اس طرح ہوتے ہیں۔

ک ہ ی ع ص

ناکارہ کی وصیت وہ جو کہ عالم غیب ہے وہاں بعض نورانی علوم کا ظہور جن کی لطیف ارواح انبیاء کی [illegible]
کی طرف توجہ (کے وقت)۔

سورۂ مریم کا پہلا حصہ جو اس کے معنی میں خوب ہم آہنگ ہے حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ و مریم (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کے واقعات پر غور کرکے [illegible] اس کے [illegible] الطاف الٰہی کی طرف سے اس دنیا کے اندر ان پیغمبروں کی روح کی ہدایات کے نزول و ظہور کا بڑی حد تک اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ فافہم۔

وبالجملة القي في روعي معاني هذه المقطعات على طريق ذوقي. ولا يمكن ان توضح هذه المعاني الاجمالية بتقرير اوضح مما اتيت به من الكلمات. وهذه الكلمات غير وافية بكنه ما اردت بيانه. بل شبيهة به من وجه دون وجه۔

ترجمہ: الغرض میرے قلب پر ان مقطعات کے معانی کا القا ذوقی طور پر کیا گیا۔ اور یہ ناممکن ہے کہ ان مجمل و مبہم معانی کی وضاحت ان کلمات سے زیادہ واضح تقریر کے ذریعہ کیا جائے جو ہم نے پیش کیا ہے۔ اور یہ کلمات ان معانی کی حقیقت (یا کنہ معانی) کے لئے ناکافی ہیں جن کے بیان کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔ بلکہ یہ کلمات بعض جہات سے مشابہ ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

الحمد للہ کہ آج [illegible] ربیع الثانی [illegible] شب سہ شنبہ کو شرح کا کام محض اللہ کے فضل و کرم سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ فللہ الحمد رب السمٰوٰت ورب الارض رب العالمین وله الكبرياء في السمٰوٰت والارض وهو العزيز الحكيم۔ وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد النبي الامي الكريم وعلى آله واصحابه البررة الكرام اجمعين

لہ [illegible]

مختصر سوانح حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح

نام ونسب | [illegible] آپ کا [illegible] عمر، آپ کا [illegible]
اصل نام ولی اللہ، [illegible]، لقب قطب الدین احمد، تاریخی نام عظیم الدین
کنیت ابو الفیاض۔ آپ کے [illegible] خاندان کے [illegible] آفتاب و ماہتاب تھے
ہوتا رہا کے مختلف ادوار میں ہجرت کر کے عراق، ایران اور ترکستان ہوتا ہوا ساتویں صدی کے
اواخر یا آٹھویں صدی کے اوائل میں ہندوستان پہونچا۔

آپ کا سلسلۂ نسب والد مرحوم کی طرف سے حضرت عمر فاروق تک اور والدہ محترمہ کی طرف سے
[illegible] حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے ۔

والد | آپ کے والد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب دہلوی بڑے پایہ کے محدث و صاحب کشف
و باکرامت بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ حنفیہ کے صاحب فتویٰ و صاحب مذہب فقیہ تھے۔
فتاویٰ عالمگیری کو ترتیب دینے والے علماء میں آپ کا بھی نام ملتا ہے۔ بچپن ہی سے دین کا
اہتمام اور دنیا کی دولت و عزت سے نفرت کرتے تھے۔ آپ کے ماموں شیخ عبد الحی جو خود
صالح اور بزرگ تھے ان کی نیک چال چلن کے اچھے اخلاق و عادات و سنتوں کے اہتمام کو
دیکھ کر خوش ہوتے اور فرمایا کرتے تھے۔ ان کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ سلف کی یہ
دولت ہماری نسل میں باقی رہے گی اگر بیٹوں کو نہ ملا تو کیا؟ نواسے اسکے عامل و محافظ
ہوں گے۔ [ولادت ۱۰۵۴ھ وفات ۱۱۳۱ھ] کل عمر ۷۷ سال۔

دادا | آپ کے دادا شیخ وجیہ الدین شہید تھے جو فنون حرب و شجاعت اور اپنے زمانہ کے شیخ سلوک کی
درجہ اعمال تھے اور [illegible] تھے، ۲۴ گھنٹے میں دو پارے کی تلاوت کا اہتمام فرماتے تھے،
سفر حضر جیسی مسلسل [illegible] کسی بھی حال میں ترک نہیں فرماتے تھے۔ شاہی فوج کے سپاہی تھے
لیکن بے گھوڑے کو بھی کسی کی کھیتی میں گھسنے نہیں دیا، حالانکہ اپنا بھی ہوگا [illegible] لشکر
کا رخ کہ [illegible] میں گھوڑے دوڑا ہوا گذر گیا اور شیخ وجیہ الدین نے تو سب کا ساتھ چھوڑ کر
غیر [illegible] راہ لے بہ پیچھے کی مشقت برداشت کی لیکن کسی کی کھیتی میں گھوڑے کے قدم نہیں پڑنے
دیئے۔ ایک شب تہجد کی نماز میں [illegible] سجدہ میں [illegible] آواز [illegible]
ہونے لگا۔ استفسار سے معلوم ہوا کہ جمعیت کی حالت پیدا ہوگئی تھی جس میں شیخ کے [illegible]
قلب کا انکشاف ہوا۔

والدہ | آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فخر النساء تھا، آپ بڑی عالمہ تھیں، علوم دینیہ تفسیر و حدیث ادب طریقت اور اسرار حقیقت میں پوری دستگاہ رکھتی تھیں۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے ایک مرید اور مجاز بیعت، شیخ محمد پھلتی کی صاحبزادی تھیں جن کا خاندانی سلسلہ بیس پشت پر شیخ بدھ سے ملتا تھا، سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں یہ لوگ پھلت ضلع مظفر نگر یوپی منتقل ہو گئے تھے۔ یہ شیخ محمد بڑے ولی و متقی، تجرد پسند، تسلیم و رضا میں انتہائی مقام کے حامل تھے۔ شیخ محمد کی تاریخ وفات ۵ جمادی الاولیٰ ۱۱۲۴ھ ہے۔

حیات و وفات | ۴ شوال ۱۱۱۴ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء بروز چہارشنبہ بوقت طلوع آفتاب قصبہ پھلت میں یہ آفتاب رشد و ہدایت طلوع ہوا۔

پانچ سال کی عمر میں: مکتب میں داخل ہوئے۔

سات سال کی عمر میں: ختنہ ہوا، نماز کی عادت ڈالی گئی، والد کے ساتھ نماز تہجد میں شریک ہوئے، حفظ کلام اللہ سے فراغت ہوئی اور فارسی و عربی کی تعلیم کا آغاز ہو گیا۔

دس سال کی عمر میں: شرح جامی کا آغاز ہوا، اس وقت تک مطالعہ کی استعداد پیدا ہو چکی تھی۔

چودہ سال کی عمر میں: بیضاوی تک پہنچ گئے۔ والد صاحب سے بیعت ہوئے، صوفیائے کرام بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مشغول ہوئے۔ والد صاحب نے خرقہ سے نوازا اور سنت کے مطابق شادی بھی کر دی۔

پندرہ سال کی عمر میں: ہندوستان میں مروج علوم سے فارغ ہوئے۔ اس خوشی میں والد صاحب نے بہت بڑی دعوت کی جس میں عوام و خواص کی شرکت ہوئی۔ اسی سال مدرسہ کی پڑھائی بیضاوی کے حصہ پر ابتدا کی تکمیل ہوئی۔

سترہ سال کی عمر میں: والد صاحب نے بحالت مرض الوفات بیعت و ارشاد کی اجازت دی اور بار بار فرماتے رہے۔ یدہ کیدی اس کا ہاتھ گویا میرا ہی ہاتھ ہے، والد صاحب ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ بروز چہارشنبہ لب پر اسم ذات کا ورد کرتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ شاہ صاحب نے والد مرحوم کی مسند درس و ارشاد سنبھالی۔

انتیس سال کی عمر میں: یعنی والد مرحوم کی وفات کے بعد تقریباً بارہ سال تک دینی کتب اور عقلی علوم کی کتابیں پڑھانے کی پابندی فرمائی، اسی دوران۔ زہراوین۔ یعنی سورۂ بقرہ و نساء کا فارسی میں ترجمہ بھی فرمایا۔

۱۱۴۳ھ میں زیارت حرمین شریفین کے شوق کا غلبہ ہوا اور راستوں کی بدامنی کی پروا کیے بغیر

قلت زاد و راحلہ، ملک پر غیر ملکی قوتوں کے تسلط وغیرہ تمام نامساعد حالات کے باوجود ارض مقدس کا سفر کیا جو آپ کی ایمانی بلندی، شوقِ علم اور حرمین شریفین سے قلبی وابستگی کی روشن دلیل ہے۔ ماہ ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً پہنچے جہاں علماء و طلباء کی درخواست پر مسجد حرام میں صحیح مسلم کا درس شروع فرمایا۔ جس میں بہت ہجوم ہوا۔ حج بیت اللہ بھی ادا فرمایا۔

تیس سال کی عمر میں: مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ شیخ ابو طاہر مدنی، شیخ وفد اللہ بن شیخ سلیمان مغربی، مفتی شیخ تاج الدین قلعی اور دیگر محدثین حرمین سے صحاح ستہ وغیرہ کی سند حدیث حاصل کی۔ دوسرا حج ادا فرمایا۔ چودہ ماہ حرمین شریفین میں مقیم رہے اس دوران گنبد خضراء کے مکین نبی امین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی طور پر مستفیض ہوئے۔

اکتیس سال کی عمر میں: حق کی معرفت اور باطنی مشاہدات کے نایاب جواہرات سے دامن بھر کر ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ کو وطن عزیز دہلی واپس آ گئے۔ درس و تدریس کا کام دوبارہ شروع فرمایا۔ تصنیف و تالیف اور اصلاح امت و تجدید ملت کا بیڑا اٹھایا۔ اسی سال حضرت کے شیخ ابو طاہر مدنیؒ نے ماہ رمضان میں رحلت فرمائی۔

چھتیس سال کی عمر میں: قرآن کریم کے فارسی ترجمہ کی تسوید و تبییض سے فراغت ہوئی [illegible]

چالیس سال کی عمر میں: پورا قرآن، روایت حفص بن عاصمؒ کے مطابق [illegible] قاری کامل تاج محمد سندھیؒ سے پڑھا (ظفر المحصلین)

اکسٹھ سال کی عمر میں: ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۷۶۲ء بروز شنبہ بوقت ظہر علم و معرفت کا یہ آفتاب جہاں تاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا لیکن آج دو صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اس کی شعاعوں سے ایک عالم فیضیاب ہے۔ کل عمر اکسٹھ سال چار ماہ اور چار یوم۔ امام اعظم دین بود اور [illegible] سے تاریخ وفات ۱۱۷۶ھ نکلتی ہے۔

تصانیف: مکہ معظمہ جانے سے پہلے حضرت شاہ صاحب (نور اللہ مرقدہ و نفعنا بعلومہ) کا اصل مشغلہ درس و تدریس تھا۔ واپسی پر آپ نے اس شغل میں کمی کر دی۔ ہر فن میں ایک ایک آدمی تیار کر دیا تھا اس فن کے طالب کو اسی کے سپرد فرما دیتے۔ البتہ حدیث کا درس خود دیتے تھے۔ زیادہ تر حقائق و معارف اور اسرار کی تدوین و تحریر میں مصروف رہتے تھے جس چیز کا کشف ہوتا اسے بھی نوٹ فرما لیتے۔

حضرت شاہ صاحب ایسی عبقریت و جامعیت کے حامل ہیں کہ اگر اسلام کے باکمال مصنفین کی فہرست تیار کی جائے اور حضرت شاہ صاحب کا اسم گرامی اس میں سرفہرست نہ رکھا جائے تو وہ ناقص اور نا تمام رہے گی۔

آپ نے تفسیر و حدیث، فقہ و تصوف اور تاریخ کے علاوہ شریعت کے اسرار و حکم پر وہ تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے جس کی نظیر اسلامی ادب میں تقریباً مفقود ہے۔ ہم یہاں آپ کی صرف قرآنی خدمات کا سرسری جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

① آپ کا زمانہ ہندوستان میں اسلام کے لئے انتہائی پر آشوب دور تھا عوام کا تو ذکر ہی کیا علماء و خواص بھی قرآن و علوم قرآنی سے نا آشنا، علوم عقلیہ منطق و فلسفہ کی موشگافیوں میں منہمک نظر آ رہے تھے زیادہ تر بزرگوں کا خیال یہ تھا کہ قرآن کریم اخص الخواص کے مطالعہ غور و فکر اور فہم و تفہیم کی کتاب ہے۔ اس کو عوام پڑھنا۔ عوام کو براہ راست قرآن پڑھنے یا سمجھنے کی دعوت دینا سخت خطرناک ہے۔ عوام کو تو بس آثار و اوراد اور علماء سے پیری مریدی تعویذ گنڈے و سرپرستی کی دعوت دی جاتی ہے۔ جس کا اثر یہ تھا کہ امت میں پھیلے ہوئے شرک و الحاد اور احکام شریعت سے بے اعتنائی کا خاتمہ اور دین کی تجدید، جذبۂ عمل اور دلوں میں خوف خدا و فکر آخرت پیدا کرنے کا صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ مسلمانوں کو براہ راست قرآن کی تعلیم دی جائے۔ حضرت شاہ صاحب نے امت مسلمہ کو قرآن سے جوڑنے کے لئے اس وقت کی مروجہ زبان فارسی میں "فتح الرحمن" کے نام سے قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور ترجمہ کے ساتھ نہایت مختصر حواشی بھی اور اصول تفسیر پر الفوز الکبیر لکھا اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں قرآن فہمی کا جو رواج آج نظر آتا ہے۔ یہ اردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں جو سینکڑوں ترجمے شائع ہو چکے ہیں یہ سب اسی پہلے ترجمے کی بدولت وجود میں آئے ہیں (مولانا عبدالماجد دریابادی) اور مولانا عبید اللہ سندھی کے بقول: "قرآن عظیم کا ترجمہ ایک ہندوستانی کے لئے تمام تفاسیر سے بہتر کتاب ہے اس کے پڑھنے کے بعد دوسری تفاسیر سمجھی جا سکتی ہیں۔"

② زہراوین۔ سورۂ بقرہ و آل عمران کی تفسیر۔

③ فتح الخبیر عربی زبان میں قرآن پاک کی تفسیر کا نہایت مختصر نوٹس ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے صحیح طریقہ پر جو تفاسیر منقول ہیں تقریباً سب اس میں آ گئی ہیں۔ یہ رسالہ در حقیقت الفوز الکبیر کا پانچواں باب ہے جسے تفسیر کے طور پر بھی شائع کیا گیا ہے اور مستقل بھی۔

④ تاویل الاحادیث: جس میں انبیاء کرام (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والسلام) اور ان کی ذوات کے قرآنی قصص کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے، یعنی ان قصوں کے جو [illegible] بظاہر خرق عادت اور [illegible] خلاف معمول معلوم ہوتے ہیں ان کی [illegible] تاویلات و توجیہات پیش کی گئی ہیں جس سے ان کا [illegible] عقل سے قریب [illegible] اسباب کے تحت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں ہم شرح میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

⑤ الفوز الکبیر فارسی زبان میں اصول تفسیر کے علاوہ مباحث قرآن کے اسرار و رموز، [illegible] قرآنی کے اسباب وغیرہ اور عام مفسرین کی کتابوں کی [illegible] پیچیدہ مباحث پر ایک جامع مختصر کتاب ہے جس کا عربی ترجمہ [illegible] کی طرف منسوب ہے، جو عرصے سے مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔

○ حضرت مولانا ابو الحسن علی میاں صاحب ندوی [illegible] کے قول [illegible] یہ کتاب [illegible] درحقیقت ایک جلیل القدر عالم [illegible] قرآن [illegible] کی ایک تحقیق [illegible] ہے [illegible] ان کا [illegible] الفوز الکبیر کے سرسری طور پر چند دنوں میں ختم کر دینا [illegible] کی ناقدری [illegible] حقیقت [illegible] کے خلاف ہے۔

○ حضرت شیخ البنوری علیہ الرحمہ [illegible] الاتقان فی علوم القرآن [illegible] تفسیر کبیر [illegible] کا مطالعہ [illegible] تفسیر ابن کثیر [illegible] اپنی استعداد کے مطابق [illegible] الفوز الکبیر [illegible] کا مطالعہ [illegible] علم تفسیر [illegible] سکتا ہے۔

○ شاہ صاحب [illegible] تصنیف [illegible] آپ کی بہت سی تصنیفات [illegible] ہیں۔

شاہ صاحب [illegible] آپ کے [illegible] کہا جاتا ہے [illegible]

[illegible] شکوہ آفتاب ؛ [illegible]

[illegible] ؛ [illegible]

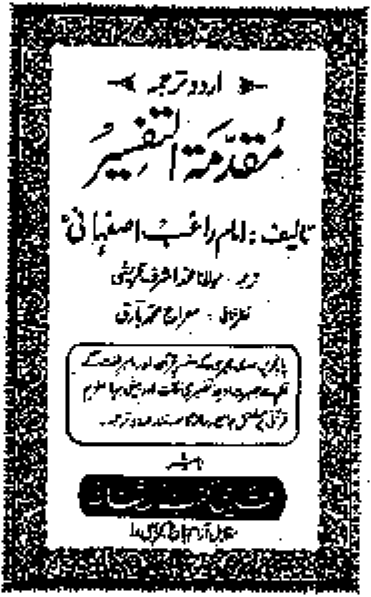

اردو ترجمہ

مقدمۃ التفسیر

تالیف: امام راغب اصفہانیؒ

ترجمہ: مولانا محمد اشرف قریشی

نظر ثانی: سراج محمد بارق

پانچویں صدی ہجری کے مفسر قرآن اور ماہر لغت کے قلم سے جس میں اصول تفسیر، نکات اور جملہ علوم قرآنی کی بحث کی گئی ہے اس کا مستند اردو ترجمہ

ناشر

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ کراچی

اجتہاد

① اجتہاد کا تاریخی پس منظر
② مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر

مولانا محمد تقی امینی
ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ناشر
قدیمی کتب خانہ
مقابل آرام باغ کراچی ۱

شائقینِ علومِ قرآن کے لئے انمول تحفہ

زادِ تیسیر اردو

فی

عُلوم التفسیر (اُردو)

تاریخ و علوم القرآن

علوم التفسیر

اقسام تفسیر

تعارف کتب تفاسیر

تالیف

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد

خادم الاحادیث النبویہ جامعہ اسلامیہ مخزن العلوم

قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی

ہماری دیگر مطبوعات

آداب المعاشرت: مولانا تھانویؒ

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

اسباب زوال اُمت

اسلام اور جدید دور کے مسائل

اجتہاد: مولانا تقی امینی

بدعت کی حقیقت اور اس کے احکام

تازیانۂ شیطان

حدیث کا درایتی معیار

خواص اسمائے حسنیٰ

رحمتِ عالمؐ: سید سلیمان ندویؒ

سیرت الرسولؐ: شاہ ولی اللہؒ

شریعت یا جہالت [illegible]

عربی بولئے [illegible]

عربی میں خط لکھئے

عالمِ برزخ: علامہ سیوطیؒ

فتوح الغیب: شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر

فقہی مذاہب اربعہ کا فروغ

قرآن حکیم کے اُردو تراجم

مصباح اللغات (عربی اردو ڈکشنری)

موت کے عبرت انگیز واقعات

تعبیر الرؤیا کلاں: علامہ ابن سیرینؒ

قدیمی کتب خانہ - مقابل آرام باغ - کراچی